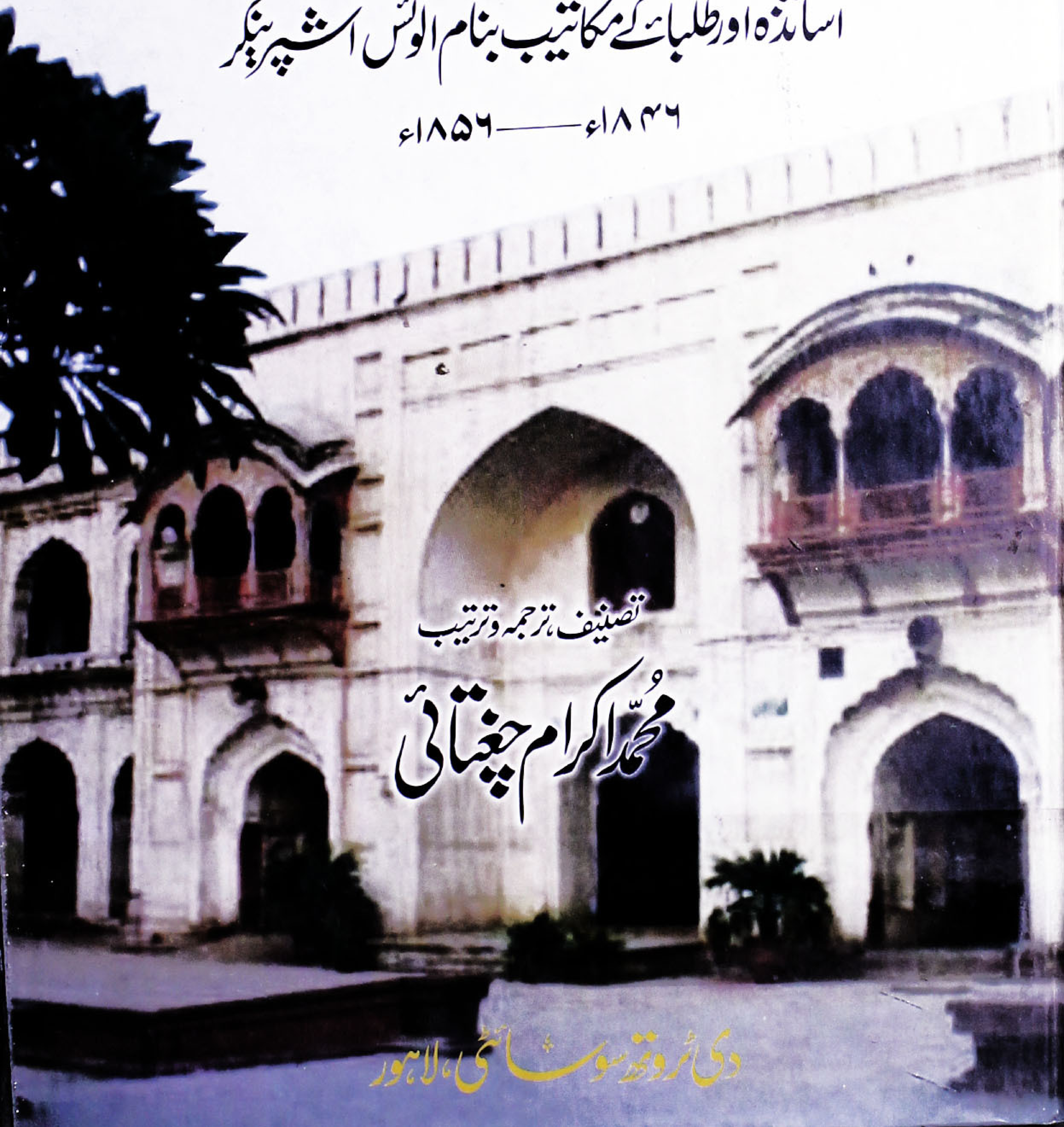
انیسویں صدی عیسوی کی ایک غیر مذہبی درس گاہ

قدیم دہلی کالج

اساتذہ اور طلبائے کے مکاتیب بنام الوئس اشپرینگر

۱۸۴۶ء — ۱۸۵۶ء



تصنیف، ترجمہ و ترتیب

محمد اکرام چغتائی

دی رُوتھ سوسائٹی، لاہور

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ



for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انیسویں صدی عیسوی کی ایک غیر مذہبی درس گاہ

قدیم دہلی کالج

اساتذہ اور طلباء کے مکاتیب بنام الوئس اشپرینگر

۱۸۴۶ء —— ۱۸۵۶ء

ذخیرہ محمد اقبال مجددی

تصنیف، ترجمہ، ترتیب

محمد اکرام چغتائی

دی ٹروتھ سوسائٹی، لاہور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جملہ حقوق بحق مرتب/مصنف/مترجم محفوظ

134710

سنۂ اشاعت......ستمبر ۲۰۱۲ء

قیمت......۱۴۰۰ روپے

=/44 امریکن ڈالر

دی ٹروتھ سوسائٹی

81-AII، گلبرگ III، لاہور

فون: 042-35761644,35764124

زیر نگرانی

Bibliophile

149-A, Muqaddas Park,

Gulshani-Ravi, Lahore

ikramchaghatai721@hotmail.com

Mob:0333/4004014

واحد تقسیم کندہ

اورینٹل پبلی کیشنز

35-رائل پارک، لاہور 54000

awais.oriental@gmail.com

فون: 042-36363009

for More Books Click This Link

https://archive.org/details/@madni_library

فہرست مندرجات

	صفحہ
پیش گفتار	30-4
مخففات	32-31
حصۂ اول	
مکتوب نویس	
--مولانا مملوک العلی نانوتوی	78-33
--مولانا محمد احسن نانوتوی	90-79
--مولانا محمد مظہر نانوتوی	102-91
--مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	113-103
--مولوی کریم الدین پانی پتی	146-114
--مولوی محمد سدید الدین خاں	161-147
--مولوی سید علی اکبر سونی پتی	239-162
--مولوی سید برکت علی	304-240
--منشی اشرف علی واسطی	351-305
--منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی	382-352

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

--مولوی خدا بخش 389-383

دیگر مکتوب نویس (محمد حسین آزاد وغیرہ) 406-391

حصۂ دوم

تصاویر و عکسی نقول

الف) دہلی کالج --تصاویر، اخبارات، حاضری رجسٹر (۱۸۴۷ء) کے چند صفحات 435-409

ب) مشمولہ مکاتیب بنام اشپرینگر کا اصل متن 568-437

ج) منتخب فارسی خطوط بنام اشپرینگر 595-569

د) اشپرینگر کے خرید کردہ مخطوطات کی رسیدیں 608-496

ھ) عربی، فارسی اور اردو منظومات (در تعریف و توصیف اشپرینگر) 625-609

و) مکتوب الیہ (ڈاکٹر اشپرینگر) --تصاویر، والدہ اور بھائی کے نام جرمن خطوط کے اردو 675-626
تراجم، مرتبہ کتب و تاصیف کے سرورق، فہرست کتب و مقالات

ز) ذخیرۂ اشپرینگر کے چند فارسی اور اردو قلمی اور مطبوعہ نسخے 693-676

ح) مدرسۂ دہلی (در: قران السعدین، جلد ۵ نمبر ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء) 698-694

ط) ظلم بزرگ ...... بر طلبہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ (در: گلشن نو بہار (فارسی) جلد ۱ نمبر ۱۱، بابت ۱۲
اپریل ۱۸۵۱ء) 707-699

* * * * *

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پیش گفتار

برلین کا شہر مدتوں جرمن قوم کی تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا اور عرصۂ دراز تک اس شہر کو ایسا عروج نصیب ہوا کہ سیاسی، فکری، علمی غرضیکہ ہر سطح پر چار دانگِ عالم میں اسی کا طوطی بولتا رہا، لیکن اس شہر کو زمانے کی ایسی نظر لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے دوران میں اس ہنستے بستے شہر پر ایسی آفتیں ٹوٹیں کہ اس کے بیشتر حصے کھنڈرات کا منظر پیش کرنے لگے۔ اس تباہی کی رہی سہی کسر اس وقت پوری ہو گئی، جب جنگ کے اختتام پر اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، یعنی مغربی برلین اور مشرقی برلین۔ ابتداء میں یہ تقسیم عارضی تصور کی جاتی تھی، لیکن جب اس شہر کے بیچ میں اونچی اور پختہ دیوار تعمیر کر دی گئی اور قابض فوجیں جدید اسلحہ سمیت دونو جانب براجمان ہو گئیں تو اس تقسیم کو وقتی سمجھنے والے ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر برلین شہر بلکہ جرمنی کے جو حصے بخرے ہوئے، ان سے کئی جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس تعجب خیز اور انوکھی تقسیم نے متعدد جذباتی مسائل اور ذہنی رویوں کو جنم دیا، جن کی ایک جھلک عصری جرمن ادب پاروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بٹوارہ علمی اور تمدنی روایات پر بھی اثر انداز ہوا اور اس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ جو ادارے ان روایات کے امین تھے، بیچ میں دیوار کی تعمیر کی وجہ سے وہ بھی الگ ہو گئے اور مخصوص حالات کے دباؤ کے تحت انھیں اپنے شناختی پہلوؤں کو تبدیل کرنا پڑا۔

اگر موجودہ جغرافیائی صورت حال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ [illegible] اس تقسیم کا زیادہ فائدہ اس حصے کو پہنچا جو مشرقی برلین کہلایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ متحدہ برلین کے جتنے بڑے بڑے اور عالمی شہرت یافتہ مراکز علم تھے، وہ تمام اسی حصے میں چلے گئے، جبکہ اس شہر کا دوسرا حصہ یعنی مغربی برلین اس لحاظ سے نسبتاً تہی دست رہا، مگر رفتہ رفتہ اس تہی دامنی کو کافی حد تک دور کر دیا گیا اور بہت سے ایسے ادارے تعمیر کیے گئے، جن کی ظاہری شکل وصورت جدید فن تعمیر کا نمونہ تھا، لیکن یہ انھی اعلیٰ روایات پر گامزن ہیں، جو صدیوں تک جرمن قوم کی شناخت رہی ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ کتاب خانہ ہے، جس کا شمار متحدہ جرمنی ہی میں نہیں، بلکہ دنیا کے عظیم کتاب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خانوں میں ہوتا تھا۔ اس صدی کے اوائل تک یہ ''شاہی کتاب خانہ'' (Die Königliche Bibliothek Berlin) کے نام سے موسوم تھا، لیکن بعد میں اس کا نام تبدیل کر دیا گیا اور اسے ''جرمن اسٹیٹ لائبریری'' کہا جانے لگا۔ اتحاد جرمنی یعنی Reunification (۱۹۸۹ء) سے قبل یہ کتاب خانہ مشرقی برلین میں تھا اور اپنی قدامت اور تعمیراتی حسن کے باعث لائقِ دید تھا۔ اس کا پرانا نام تبدیل نہیں کیا گیا یعنی ''جرمن اسٹیٹ لائبریری'' (Deutsche Staatsbibliothek)۔ اس کے برعکس مغربی برلین کئی سال تک کسی بڑے کتاب خانے سے محروم رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جب برلین پر ہوائی حملے شروع ہوئے تو جرمن اربابِ دانش کو اپنے تہذیبی اثاثوں کی حفاظت کا خیال دامنگیر ہوا، چنانچہ اس مرکزی کتاب خانے کے نوادرات بالخصوص قلمی خزینوں کو ایسے دورافتادہ علاقوں میں منتقل کر دیا گیا، جو عسکری اعتبار سے غیراہم تھے اور ان پر ہوائی حملوں کا خطرہ زیادہ نہیں تھا۔ جب جنگ بندی ہوئی تو وہ علاقے جو مشرقی جرمنی میں شامل ہوئے، ان میں محفوظ یہ علمی ذخیرے پھر سے وہیں منتقل ہو گئے جہاں سے انھیں منتقل کیا گیا تھا، لیکن جو علاقے مغربی جرمنی کے حصے میں آئے، وہاں پڑے ہوئے یہ علمی نوادرات دستبردِ زمانہ سے محفوظ تو رہے، لیکن ان کے متعلق فوری طور پر یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ اب انھیں کہاں رکھا جائے، کیونکہ ان کی اصل جگہ یعنی مرکزی کتاب خانہ تو مشرقی برلین کی حدود میں چلا گیا تھا۔ کئی سال تک یہ بحث چلتی رہی کہ ان نوادرات کو کہاں یکجا کیا جائے۔ بیشتر جرمن اصحابِ علم کی یہ رائے تھی کہ اب برلین چاروں طرف سے مشرقی جرمنی میں محصور ہے اور معلوم نہیں کل کو اس پر کیا بیتا پڑے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان خزائن کو مغربی جرمنی کے کسی اور بڑے شہر یا دارالحکومت یعنی بون میں منتقل کر دیا جائے۔ بالآخر جرمن حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ بھی ہو، یہ تمام چیزیں برلین کی امانت ہیں اور یہ ہر قیمت پر اسی کو لوٹائی جائیں گی۔ چنانچہ ان قلمی ذخیروں کو بحفاظت مغربی برلین پہنچا دیا گیا۔ وہاں کوئی بڑا کتاب خانہ تو تھا نہیں اور جو تھا وہ دیوار کے اُس پار تھا، اس لیے انھیں وقتی طور پر ایک میوزیم کے مختلف کمروں میں محفوظ کر دیا گیا اور اس کی ساتھ ہی ایک نئے کتاب خانے کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ گیارہ سال بعد یعنی ۱۹۷۵ء میں یہ عمارت، جو جدید فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، مکمل ہوئی اور تمام چیزوں کو میوزیم سے اس عمارت میں مستقل طور پر منتقل کر دیا گیا۔ نئی عمارت کی طرح اس کتاب خانے کا نام بھی نیا رکھا گیا۔ یعنی Staatsbibliothek der Stiftung Preussischer Kulturbesitz۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ متحدہ برلین کے کتاب خانے میں بڑی اسلامی زبانوں مثلاً عربی، فارسی، ترکی اور اردو کے جتنے خطی نسخے موجود تھے، وہ تمام اس نئی عمارت کے شعبۂ شرقیہ میں دستیاب ہیں۔ معروف جرمن عربی دان ولہلم اہلوارٹ، Wilhelm Ahlwardt (۱۸۲۸ء-۱۹۰۹ء) نے اس کتاب خانے کے عربی مخطوطات کی فہرست دس جلدوں میں مرتب کی تھی۔ اس فہرست کی آخری جلد ۱۸۹۹ء میں مکمل ہوئی۔ ان جلدوں میں دس ہزار سے زائد قلمی نسخوں کے کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ صرف چند

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مخطوطات مشرقی برلین چلے گئے، باقی تمام اسی کتاب خانے کی زینت بنے اور شاید ہی کوئی ایسا مخطوطہ ہو، جو دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں کی نذر ہوا یا نقل و حرکت میں ضائع ہوا ہو۔ یہ مسلمانوں کے علمی اور تہذیبی ورثہ کی خوش بختی ہے کہ اس کی اتنی بڑی تعداد یہاں محفوظ ہے اور وہ بھی اغیار کے ہاتھوں میں، لیکن ان غیروں نے اپنوں سے بڑھ کر اس کی حفاظت کی ہے۔ اپنے لاکھوں افراد دو ہولناک جنگوں کی بھینٹ چڑھا دیے لیکن ان نوادرِ علمیہ کو آنچ تک نہ آنے دی۔ علمی لحاظ سے پنپنے والی اقوام انھی خوبیوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

❖ ❖ ❖

برلین (مغربی) کا یہ کتاب خانہ اب جرمنی (مغربی) کا عظیم ترین کتاب خانہ ہے۔ یہ اپنی قدیم روایات کی تجدید میں سرگرم عمل ہے اور اس میں خاصا کامیاب ہے۔ یوں تو یہ کتاب خانہ کئی شعبوں میں منقسم ہے اور ہر شعبہ اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اس کی عالمگیر شہرت کا زیادہ تر انحصار دو شعبوں پر ہے۔ ایک شعبہ تو علوم شرقیہ کا ہے اور دوسرا مغربی مخطوطات کا۔ اول الذکر شعبہ میں قلمی نسخوں کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز ہے اور ان میں سے نصف سے زیادہ مخطوطات عربی، فارسی، ترکی اور اردو میں ہیں۔ ان چاروں زبانوں کے قلمی نسخوں کی خاصی بڑی تعداد کی فہرستیں مرتب ہو چکی ہیں اور بقیہ نسخوں کی فہرستیں بھی ''جرمنی میں مخطوطات شرقیہ کی فہارس'' کے سلسلہ وار کتابی منصوبے کے تحت گاہے بگاہے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اسی قلمی ذخیرے میں وہ تمام عربی (تعداد ۱۱۰۵)، فارسی (تعداد ۳۰۱) اور اردو (تعداد ۳۵) مخطوطات بھی شامل ہیں، جو ڈاکٹر اشپرینگر نے ہندوستان سے واپس آتے ہی اس کتاب خانہ کو فروخت کر دیے تھے۔ ذخیرۂ اشپرینگر کے ان عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کے کوائف بالترتیب اہلوارت (۱۰ جلد، ۱۸۸۷ء-۱۸۹۹ء)، ولہلم پرٹش Wilhelm Pertsch، (مطبوعہ ۱۸۸۸ء) اور مجاہد حسین زیدی (مطبوعہ ۱۹۷۵ء)، نے اپنی مطبوعہ فہرستوں میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔[1]

ڈاکٹر اشپرینگر اپنی مسلسل خرابی صحت کے باعث ۱۸۵۶ء میں ہندوستان سے واپس جرمنی چلا گیا اور ... پہنچتے ہی اس نے اپنے مخطوطات فروخت کرنے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ اسی مقصد کے ... نے ... ۱۸۵۷ء میں، اپنے نجی کتاب خانے کی ایک فہرست گیسن (Giessen) سے شائع کرائی جس میں اندراجات کی تعداد ۲۱۹۷ ہے۔ اس تعداد میں قلمی کتابوں کے ساتھ ساتھ مطبوعہ کتب بھی شامل ہیں۔[2] جب برلین لائبریری کے کتابدار پرٹس (Pertz) سے اس ذخیرے کی فروخت کی بات چیت ہوئی تو اس نے مطبوعات کو خریدنے سے معذوری کا اظہار کر دیا اور جتنے مخطوطات تھے، ان کو خرید لیا۔ اس ذخیرۂ اشپرینگر کی سودے بازی میں تقریباً پانچ سال صرف ہوئے۔ اس عرصے میں اشپرینگر اور کتابدار پرٹس کے مابین جو خط کتابت ہوئی، وہ اب بھی اس کتاب خانہ میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

محفوظ ہے اور اس کے مطالعہ سے اشپرینگر کی مخطوطہ شناسی اور قلمی نسخوں کو جمع کرنے کے شوق کے متعلق عجیب عجیب باتوں کا علم ہوتا ہے۔

یہاں ایک قدرے غیر متعلق سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے کن ذرائع سے اتنی بڑی تعداد میں مخطوطات کو جمع کیا؟ ہمارے بعض محققین اور مخطوطہ شناسوں کا خیال ہے کہ اشپرینگر اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں چند سال شاہان اودھ کے کتب خانوں (موتی محل، توپ خانہ اور فرح بخش) میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرتا رہا۔ یہاں اس نے چیدہ چیدہ مخطوطات کو الگ کر لیا اور جب وہ واپس جانے لگا تو ان کو بھی اپنے ساتھ یورپ لیتا گیا، لیکن بعض حقائق کے پیش نظر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اشپرینگر نے یہ تمام مخطوطات صرف ہندوستان ہی سے جمع نہیں کیے تھے، بلکہ ان کی زیادہ تر تعداد اس نے مشرق وسطیٰ کے ممالک سے خریدی تھی۔ ان ممالک کے بڑے بڑے کتاب فروشوں سے اس کے ذاتی مراسم تھے۔ اس نے قیامِ ہندوستان ہی کے دوران میں ان ممالک کا دورہ بھی کیا تھا۔ جب وہ اس سفر سے لوٹا، تو سیکڑوں مخطوطات اس کے ہمراہ تھے۔ علاوہ ازیں راقم نے برلین کے مذکورۂ بالا کتاب خانے میں ذخیرۂ اشپرینگر کے سبھی مخطوطات کو بنظر غور دیکھا ہے اور ان کے متعلق اپنی یادداشتیں قلم بند کی ہیں۔ تعجب ہے کہ اس جائزے میں ایک مخطوطہ بھی ایسا نظر سے نہیں گذرا جو شاہانِ اودھ کی ملکیت رہا ہو۔ یہ درست ہے کہ اشپرینگر نے ہندوستان سے بھی سیکڑوں مخطوطات اکٹھے کیے، لیکن ان کو جمع کرنے کے لیے اس نے جو ذرائع استعمال کیے، وہ قابل اعتراض نہیں۔ ان خطی نسخوں کی جمع آوری میں اس کے اصل ذرائع کیا تھے؟ اس کے آئندہ سطور میں پیش کیے جانے والے خطوط سے بعض واضح اشارے مل جاتے ہیں اور اس بات کا علم ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے مدارس کے اساتذہ بالخصوص دہلی کالج کے استاد اور فارغ التحصیل طلبہ، مختلف شہروں میں نایاب کتب کا کاروبار کرنے والے کتب فروشوں اور بعض بااثر ورسوخ امراء ڈاکٹر اشپرینگر کے اس ذوق کی آبیاری کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے تھے۔ (۳)

❖ ❖ ❖

برلین (مغربی) کے متذکرۂ بالا کتاب خانے کی بین الاقوامی شہرت کا ایک سبب تو اس کا شعبۂ شرقیہ ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کی مقبولیت کا دوسرا سبب اس کا ایک اور شعبہ ہے، جو شعبۂ مخطوطات کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں صرف وہ قلمی نسخے رکھے گئے ہیں جو مغربی زبانوں میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اسی شعبہ کا ایک حصہ ایسا بھی ہے، جس میں نامور اصحاب قلم کے نجی کاغذات، دستاویزات، مکتوبات وغیرہ کو بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ ان میں کسی مصنف کے غیر مطبوعہ مسودات، یادداشتیں، مختلف النوع تحریریں غرضیکہ اس کی زندگی اور تصنیفی کارناموں کے متعلق

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ایک ایک پرزے کو محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ جرمن زبان میں ایسے نجی ذخائر کے لیے ناخلاس (Nachlass) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے کسی صاحب علم کا وہ مجموعۂ دستاویزات مراد لیا جاتا ہے، جو وہ اپنی وفات کے بعد اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں اس کے لواحقین یا احباب اس کو قومی امانت کے طور پر کسی بڑے کتاب خانے کی تحویل میں دے دیتے ہیں۔ معروف جرمن شعراء، ادباء، علماء وغیرہ کے ذاتی کاغذات کے ایسے بہت سے مجموعے مغربی جرمنی کے مختلف کتاب خانوں میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن ان کی زیادہ تر تعداد برلین کے اس کتاب خانے کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔ انھی مجموعوں میں ایک مجموعہ اشپرینگر کا بھی ہے۔ یہ پرانی وضع کے آٹھ بڑے ڈبوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے سات ڈبے برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے میں محفوظ ہیں، جبکہ آٹھواں ڈبہ برلین (مشرقی) کی اسٹیٹ لائبریری میں پڑا ہوا ہے۔ اس آٹھویں ڈبہ میں موجود دستاویزات اشپرینگر کے سوانح حیات کے متعلق نئی معلومات فراہم نہیں کرتیں۔ اس میں صرف عربی اور فارسی مخطوطات کے منتشر اوراق بے ترتیبی سے رکھے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے جہاں سے بھی ایسے اوراق ملتے تھے، وہ انھیں ڈبے میں رکھتا جاتا تھا۔ بقیہ سات ڈبے، جو برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں موجود ہیں، نادر تحریروں کے پیش نظر بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں اشپرینگر کے سیکڑوں عربی، فارسی، ترکی، ہندی، پشتو اور اردو مخطوطات و مطبوعات کے متعلق تحریر کردہ کوائف ہیں۔ یہ تمام تحریریں چھوٹی تقطیع کے کاغذوں پر لکھی گئی ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل شمالی ہند کے مطابع سے کیا کیا کچھ طبع ہوتا تھا اور مختلف کتاب خانوں میں کیسے کیسے قلمی نوادر پڑے ہوئے تھے۔ ان دنوں جن صاحب ذوق نوابوں، رئیسوں اور نامور عالموں کے پاس ذاتی کتب خانے تھے، ان کی خطی کتابوں کی فہرستیں بھی انھی ڈبوں میں موجود ہیں۔ یہ فہرستیں اشپرینگر کی فرمائش پر بعض طلبہ اور اساتذہ نے تیار کی تھیں۔ چند سال بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں جب دہلی اور دیگر شہروں پر قیامت ٹوٹی تو یہ کتب خانے بھی اسی کی لپیٹ میں آ گئے اور آج ہم ان کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ اب اشپرینگر کی تیار کرائی ہوئی یہی فہرستیں باقی رہ گئی ہیں، جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس ''ہنگامۂ محشر'' کی تباہ کاریوں سے قبل اہل علم نے اپنے تہذیبی ورثے کو کتنی احتیاط سے سنبھال رکھا تھا اور وہ خود کتنے اعلیٰ علمی ذوق کے مالک تھے۔

اردو اور فارسی اخبارات کی خاصی بڑی تعداد بھی اشپرینگر کے اسی ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اخبارات اردو صحافت کے دورِ اولیں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے بیشتر اخبارات ایسے ہیں جن کا اردو صحافت کی کسی بھی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔

اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک مثلاً عراق، شام، لبنان، سعودی عرب، مصر، ترکی وغیرہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سفر کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ان اسلامی ممالک کے سیاسی اور ثقافتی حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کی جائے اور دوسرا بڑا مقصد عربی مخطوطات کی تلاش تھا۔ اشپرینگر نے اپنے اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سفر کے مشاہدات و تجربات کو خود تحریر کیا اور اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ صفحات انھی کاغذات میں محفوظ ہیں۔ اشپرینگر کا یہ طویل سفر اس کے سوانح حیات کا ایک نامعلوم حصہ ہے، اس لیے ان کاغذات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ان سات ڈبوں میں اتنی اہم دستاویزات محفوظ ہیں کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو ایک الگ کتاب بن جائے۔ مختصراً یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل کی علمی، تہذیبی، ادبی اور صحافتی صورت حال کے بارے میں ابھی تک اتنا بڑا اور مستند ماخذ سامنے نہیں آیا۔ اشپرینگر ۱۸۵۶ء میں واپس جرمنی چلا گیا اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۷ء کی بغاوت پھوٹ پڑی، جس کے نتیجے میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کے تہذیبی آثار وسیع پیمانے پر تباہ و برباد ہو گئے۔ اس دورِ ابتلاء میں بہت کچھ ضائع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل کی علمی، ادبی، تعلیمی اور صحافتی زندگی کے متعدد پہلو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ان حالات میں اشپرینگر کا یہ ذخیرہ اور بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ بیشتر موضوعات کے متعلق ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی ذریعۂ معلومات نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات کا یہ ذخیرہ کیسے پہنچا؟ اس کتاب خانے کے ریکارڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے ہندوستان سے واپس ہائیڈل برگ پہنچتے ہی اپنے قلمی نسخوں کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے فوراً ایک فہرست شائع کرائی (۱۸۵۷ء)، تاکہ متعلقہ اصحاب اور اداروں کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے۔ اس فہرست کو دیکھ کر برلین کے اس کتاب خانے کے کتاب دار نے اس سے رابطہ قائم کیا اور بالآخر چار پانچ سال کی کوشش کے بعد معاملہ طے پا گیا اور اس کے تمام مخطوطات اس کتاب خانے میں محفوظ کر لیے گئے۔ [۳الف] اس کے بعد اشپرینگر نے اپنی وفات (۱۸۹۳ء) تک اپنے ذاتی کتاب خانے کی کوئی چیز فروخت نہیں کی۔ اس کے انتقال کے بعد جب اس کے بیوی بچوں کے لیے ان ہزاروں کتابوں کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تو انھوں نے اسے فروخت کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے ۱۸۹۶ء میں اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے کی ایک فہرست شائع کرائی جس میں زیادہ تر مطبوعات ہی شامل ہیں [۴]۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر ہندوستان سے جتنے مخطوطات اپنے ساتھ لایا تھا، وہ تمام اس نے برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے کو فروخت کر دیے۔ اگر اس کے پاس کچھ مخطوطات بچ جاتے تو ان کا حوالہ لازماً ۱۸۹۶ء کی اس فہرست میں دیا جاتا۔ اشپرینگر کی یہ کتابیں فروخت ہوئیں یا نہیں۔ اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) سے قبل اشپرینگر کے کاغذات کے یہ آٹھوں ڈبے برلین کے کتاب خانے میں پہنچ چکے تھے۔ اشپرینگر کی وفات کے بعد اس کا خاندان ہائیڈل برگ ہی میں مقیم رہا۔ اس جنگ سے چند سال قبل اشپرینگر کے بیٹے ہائنرخ نے جو باپ کی ان جمع کردہ چیزوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا، اسی کتاب خانے سے رجوع کیا اور یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ہدیۃً یہ ڈبے لینا چاہیں،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تو وہ انھیں بھجوا دے۔ کتاب دار نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور یوں یہ ڈبے برلین کے اس کتب خانے میں محفوظ ہو گئے۔ ان ڈبوں کی ترسیل کے متعلق اشپرینگر کے بیٹے اور کتاب دار کے درمیان جو مراسلت ہوئی، وہ اب بھی اس کتاب خانے کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ مذکورہ بالا تفصیلات اسی ریکارڈ سے ماخوذ ہیں۔

❖ ❖ ❖

سطور بالا میں کئی بار اشپرینگر کا ذکر آیا اور اس کے علمی ذوق وشوق کی جانب مختصراً اشارے کیے گئے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر سطور ذیل میں اس کے حالات زندگی کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

الوئس اشپرینگر کا پورا نام Aloys Ignatz Christoph Sprenger تھا۔ وہ ۳ ستمبر ۱۸۱۳ء کو آسٹریا کے صوبہ ٹائرول (Tirol) کے شہر انسبرک (Innsbruck) کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں ناسیرائیٹ (Nassereith) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کرسٹوف اشپرینگر (م۔ ۱۸ جنوری ۱۸۳۵ء، بعمر ۷۵ سال) محکمۂ محصولات میں ملازم تھے۔ والدہ تریسیا (م۔ ۹ جنوری ۱۸۵۰ء، بعمر ۷۸ سال) کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ اس کے دو بھائیوں کے نام یوہان اشپرینگر (۱۸۰۱ء-۱۸۹۱ء) اور پیٹر اشپرینگر (۱۸۰۸ء-۱۸۸۹ء) تھے۔

اشپرینگر کا گھرانہ رومن کیتھولک مسلک کا پیروکار تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ انسبرک چلا آیا اور یہاں سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ویانا یونیورسٹی میں داخل ہو گیا (۱۸۳۶ء)۔ انھی دنوں اس کے ذہن پر لاطینی، عبرانی اور مختلف السنۂ شرقیہ سیکھنے کی دھن سوار ہوئی۔ اُس کے اس ذوق وشوق کو ہامر پورگشتال (۱۷۷۴ء-۱۸۵۶ء) کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے مزید تقویت دی اور جرمن بولنے والے علاقوں کی تاریخ استشراق کے اس جد اعلیٰ کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر اس نے I. Dietrich کے قلمی نام سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھنا شروع کر دیے۔

ویانا یونیورسٹی سے اپنی تعلیم مکمل کر کے تلاشِ روزگار کے لیے اپنے ملک کے علاوہ وہ سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں بھی گھومتا پھرتا رہا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ نجی طور پر وہ پڑھانے اور ترجمہ جیسے مشاغل میں مصروف رہا۔ بالآخر انگلستان پہنچا اور وہاں برطانوی شہریت اختیار کر لی (۱۸۳۸ء)۔ تقریباً پانچ سال وہ لندن میں مقیم رہا۔ اسی دوران میں اس کا مقالۂ خصوصی بعنوان ''عربوں کا فن طب، دورِ خلافت میں'' (بزبان لاطینی) اشاعت پذیر ہوا (۱۸۴۰ء)۔ یہاں سے شائع ہونے والے پینی میگزین اور پینی انسائیکلوپیڈیا کے لیے مختلف موضوعات پر مضامین لکھتا رہا۔ اس میگزین سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ جب دہلی کالج سے ''قران السعدین'' کا اجرا کیا، تو اس کو اپنا نمونہ بنایا (رک: سیرت محمدؐ بزبان جرمن، جلد اول، ۱۸۶۱ء، دیباچہ)۔ انھی دنوں ایک انتہائی بارسوخ شخصیت اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر ارل آف منسٹر (۱۷۹۴ء-۱۸۴۲ء) نے مسلمانوں کے فن حرب پر خاصے بڑے پیمانے پر ایک منصوبہ کا آغاز

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کیا۔[۵] اس کے سیکرٹری کی حیثیت سے اشپرینگر ہی اس منصوبے کا کرتا دھرتا تھا۔ اس نے یورپ کے تقریباً تمام کتاب خانوں میں محفوظ متعلقہ مخطوطات سے استفادہ کیا اور ایک مفصل رپورٹ تیار کی (بزبان عربی)، جس میں اس موضوع سے متعلق بنیادی عربی، فارسی اور ترکی مصادر کے تعارف کے علاوہ جنگوں میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کی ہاتھ سے بنائی ہوئی اشکال بھی دی گئیں۔ یہ رپورٹ شائع تو نہ ہو سکی، البتہ اس کا ایک نسخہ اب بھی برٹش لائبریری (لندن) کے انڈیا آفس اور اورینٹل سیکشن میں محفوظ ہے۔ ارل آف مُنسٹر کی وفات (۱۸۴۲ء) کے ساتھ ہی یہ منصوبہ بھی ختم ہو گیا۔ اسی سال اشپرینگر فوجی معالج منتخب ہوا اور وہ اسی حیثیت سے کلکتہ پہنچا (۱۸۴۳ء)۔ اس کی بیوی کتارینا (Katharine) ہمراہ تھی اور وہ دونو فرانکفورٹ سے ہندوستان روانہ ہوئے تھے۔

کلکتہ پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد متعلقہ حکام کو اشپرینگر کی عربی دانی اور علوم اسلامیہ سے گہری وابستگی کا علم ہو گیا اور جلد ہی اسے محسن نامی ایک مخیّر مسلمان کے فنڈ سے قائم کردہ ہوگلی کالج کا سربراہ مقرر کر دیا۔ دہلی کالج کے تنظیمی ڈھانچے میں مجوزہ اصلاحات کی روشنی میں فیلکس بوترو کو اس درس گاہ کا پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء)۔ جب خرابی صحت کے باعث وہ واپس فرانس چلا گیا تو اس کی جگہ اشپرینگر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی (۱۹ مارچ ۱۸۴۵ء)۔ تقریباً ڈھائی سال وہ اس مدرسہ کی سربراہی کے فرائض ادا کرتا رہا اور اس دوران میں اُس نے علوم اسلامیہ کی ترویج و ترقی، معتبر تاریخی اور علمی مصادر کی فراہمی اور ان کی طباعت کا اہتمام و انصرام، مغرب و مشرق کے تہذیبی اتصال کے فروغ اور اہم کتب کو اردو میں منتقل کرنے میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ السنۂ شرقیہ کے قلمی ذخائر کے بارے میں وسیع معلومات، مخطوطہ شناسی کا وسیع تجربہ اور نادر و نایاب خطی نسخوں کو جمع کرنے کا ذوق و شوق ایسے عالمانہ خصائص تھے، جن کا مقتدر تاریخ دان سرہنری ایلیٹ (۱۸۰۸ء-۱۸۵۳ء) کا معترف تھا،[۶] چنانچہ اس نے اشپرینگر کو اکسٹرا اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز کر کے لکھنؤ بھجوا دیا تاکہ وہاں کے شاہی کتاب خانوں میں محفوظ مخطوطات و مطبوعات کی مفصل فہرست تیار کر سکے۔[۷] تقریباً چھبیس ماہ کی قلیل مدت میں اس نے عربی، فارسی، اردو اور ترکی کے ہزاروں قلمی نسخوں کے کوائف قلم بند کیے۔ اس کی غیر موجودگی میں ایف ٹیلر (ہیڈ ماسٹر) قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ تفویض کردہ منصوبہ کو بطریق احسن مکمل کر کے لکھنؤ سے واپس دہلی پہنچا اور دہلی کالج کا وہی عہدۂ پرنسپلی سنبھالا، جو وہ چھوڑ کر گیا تھا (۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء)[۸] لیکن ناسازیٔ طبع کے باعث رخصت لے کر دہلی سے شملہ روانہ ہو گیا (۱۱۹ پریل ۱۸۷۰ء)۔ اس سے اگلے ماہ حکومت بنگال نے اُسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا[۹] اور ساتھ ہی سرکاری مترجم کی ذمہ داری بھی اسی کو سونپی گئی۔ اسی سال یعنی ۱۸۵۰ء کے اواخر میں اس نے کلکتہ پہنچ کر اپنا عہدہ سنبھالا اور جلد ہی یہاں کے نصاب میں دوررس تبدیلیاں روشناس کرائیں۔ یہاں کی معروف زمانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا بھی وہ سیکرٹری رہا اور اس دوران میں اُس کے بیشتر تحقیقی مقالات اس سوسائٹی کے مجلّہ میں شائع

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوتے رہے۔ چند سال بعد وہ بیوی بچوں سمیت مشرق وسطیٰ کے ممالک کی سیر و سیاحت اور قلمی نوادرات کی جمع آوری کے لیے چلا گیا (۳۰ اپریل ۱۸۵۴ء)۔ اس نے اپنا سفر سری لنکا سے شروع کیا۔ نہر سویز، بحر احمر سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا۔ یہاں سے اس نے اپنے بیوی بچوں کو جرمنی بھجوا دیا اور خود دو برس مصر، شام، عراق، نینوا کے کھنڈرات، بیروت، جزیرہ قشم اور خلیج فارس میں گھومتا پھرتا رہا۔ ان ممالک کے کتب فروشوں اور دیگر جگہوں سے اس نے سیکڑوں مخطوطات خریدے۔ کہا جاتا ہے کہ واپس جرمنی جاتے ہوئے وہ ایک روز بصرہ ٹھہرا اور ۱۳۵ قلمی نسخے خرید کر آگے چل پڑا۔ اس طویل سفر سے واپس آتے ہی (۱۸۵۶ء) اس نے اپنا رخت سفر باندھا اور مستقل طور پر جرمنی روانہ ہو گیا، جہاں ہائیڈل برگ کے قریب وائن ہائم (Weinheim) میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی۔ برلین کے شاہی کتاب خانہ کو اپنا قلمی ذخیرہ فروخت کرنے کے بعد وہ برن (سوئٹزرلینڈ) کی یونیورسٹی میں ہندوستانی (یعنی اردو) کے علاوہ السنہ شرقیہ پڑھانے پر مامور ہوا (۵ نومبر ۱۸۵۸ء)۔ یہاں سے فارغ ہوا تو واپس وائن ہائم آ گیا اور پھر اپنی وفات (۱۹ دسمبر ۱۸۹۳ء) تک یہیں قیام پذیر رہا۔ ایک روایت کے مطابق اشپرینگر کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کو سپرد آتش کر دیا گیا۔[10]

اشپرینگر کی بیوی جرمن تھی اور اس کا آبائی شہر فرانکفورٹ تھا۔ کتارینا میولر (Katharine Müller) نام کی اس خاتون کے ساتھ اس کی رسم نکاح ۱۶ اپریل ۱۸۴۳ء کو ادا ہوئی۔ شادی سے ایک سال بعد وہ دونو اکٹھے ہندوستان پہنچے۔ وہ ہر جگہ اپنے شوہر کے ساتھ رہی۔ برطانوی خاتون ایمیلی بیلے (Emily Bayley) نے اپنی کتاب میں کتارینا کے لیے "worthy but common" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی پتلونیں چھپا دیا کرتی تھی تا کہ وہ اسے گھر پر اکیلا چھوڑ کر شام کی سیر کو باہر نہ چلے جایا کریں۔[11] کتارینا نے اپنے شوہر کی رحلت سے چند ماہ قبل ۶ مئی ۱۸۹۳ء کو وفات پائی۔ ہندوستان ہی میں ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں ہائنرخ اشپرینگر پیشہ قانون سے منسلک تھا۔ وہ والد کی وفات کے بعد بھی زندہ رہا اور اس نے تمام اہم خطوط، دستاویزات اور اہم کاغذات برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ کرائے۔[12] بڑا بیٹا الوئس (Aloys) ہندوستان کی وزارت تعمیرات میں بھی بطور انجینئر ملازمت کرتا رہا۔ اور تیسرے بیٹے ریشمونڈ (Richmond) کے متعلق صرف یہی اطلاع ملتی ہے کہ وہ شعبہ طب میں دلچسپی رکھتا تھا اور سوئٹزرلینڈ میں اسی مضمون میں تعلیم مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا (۱۸۸۷ء)۔[13]

اشپرینگر کے حالات زندگی کی طرح اس کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا ذکر بھی تفصیل طلب ہے لیکن موجودہ موضوع کی حدود کے پیش نظر ان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے مختلف اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں اور مقالے تحریر کیے۔ یہ تمام انگریزی اور جرمن زبانوں میں ہیں۔ جب تک وہ ہندوستان میں رہا وہ زیادہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تر انگریزی میں لکھتا رہا، لیکن یہاں آنے سے قبل اور واپس جانے کے بعد اس کے کام کا بیشتر حصہ جرمن زبان میں ہے۔ اگر اس کی تمام عمر کے تصنیفی سرمایہ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمی لحاظ سے اس نے جتنے بھی معرکے سر کیے، ان کی بنیاد اس کے قیام ہندوستان (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) کے دور میں پڑ چکی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اس کی ایک مختصر سی کتاب شائع ہوئی تھی جو اس نے ڈاکٹریٹ کے مقالہ خصوصی کے طور پر عربوں کی طبی خدمات پر بزبان لاطینی لکھی تھی (مطبوعہ ۱۸۴۰ء) یا المسعودی کی ''مروج الذہب'' کے انگریزی ترجمہ کا ایک حصہ شائع ہوا تھا (لندن، ۱۸۴۱ء)۔ جونہی اس نے سرزمین ہندوستان پر قدم رکھا اور یہاں کے نامور علماء و فضلاء سے اس کے روابط قائم ہوئے، کتابوں کی تصنیف، تالیف اور تدوین کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا۔

اشپرینگر کی مکمل فہرست کتب و مقالات آئندہ سطور میں زمانی ترتیب سے درج کر دی گئی ہے۔ (۱۴)

یہاں اس کی چند اہم کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے: الطّوسی کی ''فہرست کتب الشیعہ''، سیوطی کی ''الاتقان فی علوم القرآن''، التھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (دو جلد)، الکاتبی کا ''رسالہ شمسیہ'' مع انگریزی ترجمہ، سمرقندی کی ''اصطلاحات الصوفیہ''، ابن حجر عسقلانی کی ''اصابہ''۔ اسی عرصے میں اس نے اصل مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے انگریزی زبان میں حضور اکرمؐ کی سیرت پر کتاب لکھی (الہ آباد، ۱۸۵۱ء)، جرمنی واپس جانے کے بعد بھی وہ اس موضوع پر کام کرتا رہا اور بالآخر اس نے سیرت پر ایک مبسوط کتاب جرمن زبان میں تحریر کی، جو تین جلدوں میں برلین سے شائع ہوئی (۱۸۶۱ء-۱۸۶۵ء)۔ شاہان اودھ کے مخطوطات کی فہرست کئی جلدوں میں مرتب کی۔ جلد اول کلکتہ سے ۱۸۵۴ء میں طبع ہوئی۔ بقیہ جلدیں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ ''سکندر نامۂ بحری'' اور ''گلستاں'' (سعدی) کے متون بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔ ہندوستان سے واپس جانے کے بعد اس نے جتنی کتابیں لکھیں، وہ جرمن زبان میں ہیں۔ ان میں قابل ذکر ''اہل مشرق کا نظام برید'' (۱۸۶۴ء) اور ''عربوں کا علم جغرافیہ'' (۱۸۷۵ء) ہیں۔ اس کے تحریر کردہ مقالات کی تعداد بھی خاصی ہے۔ انگریزی مقالات رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کے رسائل اور جرمن مقالات جرمن اورینٹل سوسائٹی (لائپتسک) کے رسالہ (مخفف: ZDMG) میں شائع ہوتے رہے۔

❖ ❖ ❖

سطور بالا میں مغربی جرمنی کے مرکزی کتاب خانہ (مغربی برلین) کے شعبہ مخطوطات شرقیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہی شعبہ ہے، جس میں اشپرینگر کے ذاتی کاغذات، مسودات اور دیگر دستاویزات سات بڑے ڈبوں میں محفوظ ہیں۔ انھی ڈبوں میں ایک اور اہم ترین چیز بھی محفوظ ہے اور وہ ہے مکاتیب۔ درحقیقت یہ مکتوبات نئی معلومات کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

گنجینہ ہیں۔ اب شاید ہی خطوط کا اتنا بڑا مجموعہ کہیں دستیاب ہو، جو ۱۸۵۷ء کی ''رستخیز بے جا'' (بقول غالبؔ) سے پہلے کے دور سے تعلق رکھتا ہو۔ مکتوب نگاروں میں اس زمانے کے جید علماء، ذہین نوجوان طلبہ (جنھوں نے بعد میں علمی دنیا میں بڑی شہرت پائی) اور باثروت افراد کے نام شامل ہیں۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں، جو معروف تو ضرور ہیں، لیکن آج تک ان کی کوئی اردو تحریر سامنے نہیں آئی۔ مثلاً مولانا مملوک العلی نانوتوی۔ بعض ایسے لوگ ہیں، جن کی کسی فارسی یا اردو تحریر کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔ مثلاً علی اکبر۔ اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ واحد مجموعۂ مکاتیب ہے، جو اس دور کی علمی، تعلیمی اور ادبی صورت حال اور بعض شخصیات کے سوانحی حالات کے بارے میں اتنی اہم اور مستند معلومات فراہم کرتا ہے۔

ان خطوط کی تعداد نوے کے لگ بھگ ہے۔ فارسی کی نسبت اردو مراسلات کی تعداد زیادہ ہے۔ ان سب خطوں کا مکتوب الیہ اشپرینگر ہی ہے۔ یہ تمام مکتوبات ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۶ء کے مابین لکھے گئے۔ اس عرصہ میں وہ دہلی کالج اور مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل رہا۔ بیچ میں اسے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کا کام سونپا گیا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے اعلیٰ علمی ذوق، علوم اسلامیہ سے گہرے شغف، اصحاب علم سے دوستانہ مراسم اور انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومتی سطح پر اس قدر اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ اس دور کی شاید ہی کوئی ایسی تعلیمی پالیسی ہو، جس میں اس کا مشورہ یا رائے شامل نہ ہو، حتیٰ کہ مدارس اسلامیہ کے انتظام و انصرام میں اسے کلّی اختیارات حاصل تھے۔

ان خطوں کے لکھنے والوں کے نام اور ہر مکتوب نگار کے تحریر کردہ خطوط کی تعداد درج ذیل ہے:

مولانا مملوک العلی نانوتوی	۹	(مع ایک درخواست، جس کا مکتوب الیہ اشپرینگر نہیں)
محمد احسن نانوتوی	۳	
محمد مظہر نانوتوی	۳	(ایک خط فارسی میں)
محمد ذوالفقار علی دیوبندی	۲	(ایک خط فارسی میں)
مولوی کریم الدین پانی پتی	۳	
محمد سدید الدین خاں دہلوی	۵	
علی اکبر سونی پتی	۱۱	
سید برکت علی	۱۲	
اشرف علی واسطی	۶	
ابوالحسن فرید آبادی	۲	
بہادر جنگ خاں	۲	

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خدا بخش ۲
دیگر (محمد حسین آزاد وغیرہ) ۸

ان مکتوب نگاروں نے اشپرینگر کے نام اپنے خطوط میں کیا لکھا اور اپنے کن مسائل کے حل کے لیے اس سے رجوع کیا، اس کا اندازہ تو مکاتیب کے مطالعہ ہی سے ہوگا۔ سرسری نظر ڈالنے سے ان خطوں کی جو نمایاں خصوصیات سامنے آتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ اس مجموعۂ مکاتیب کے ہر خط کا نفس مضمون الگ الگ ہے۔ ظاہر ہے ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، کیونکہ ہر مکتوب نگار نے اپنے ذاتی حوالے سے باتیں لکھی ہیں۔ البتہ ایک پہلو ضرور قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس مجموعہ کے بیشتر خطوط کا تعلق اس دور کی اہم درس گاہ دہلی کالج سے ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان خطوط کے لکھنے والے اس کالج کے اساتذہ تھے یا یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر دوسرے شہروں میں ملازم ہو گئے تھے یا اس کالج کے متعلمین تھے۔ ان خطوط سے ایک تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مکتوب نگاروں اور اشپرینگر کے مابین کیسے روابط تھے اور وہ کن مسائل کے حل کے لیے اس کا تعاون چاہتے تھے، لیکن ان خطوں کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ ان سے دہلی کالج کی تاریخ کے بعض نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ اس کالج پر سب سے پہلے ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے بعنوان ''مرحوم دہلی کالج'' کتاب لکھی (طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء) جو اب بھی اس موضوع پر بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں ''دلی کالج میگزین'' کا ''قدیم دلی کالج نمبر'' شائع ہوا، جس کے چند مقالات میں کچھ نئی معلومات فراہم کی گئیں۔ اس سلسلے کی آخری کوشش مالک رام کی کتاب ''قدیم دلی کالج'' (دہلی، ۱۹۷۶ء) ہے، لیکن بقول مؤلف اس کتاب میں مولوی عبدالحق کی کتاب ہی سے ''وسیع استفادہ'' کیا گیا ہے، اور یہ اس کتاب کا ''تتمہ اور تکملہ'' ہے۔ (مقدمہ، ص ۱۲)۔ چند سال پیشتر ایک جرمن خاتون نے دہلی کالج پر ایک کتاب مرتب کی (بزبان انگریزی)، جس میں اس کے مفصل پیش لفظ کے علاوہ کالج کی تاریخ اور اس کے فاضل اساتذہ اور معروف طلبہ پر اہم مقالات شامل ہیں۔[۱۵] یہ مآخذ دہلی کالج کی تاریخ، نصاب، اساتذہ وغیرہ کے متعلق کارآمد معلومات مہیا کرتے ہیں، لیکن ان خطوں سے اس کالج کے جو نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں، وہ ان منابع میں دکھائی نہیں دیتے۔ ان مکتوبات سے یقیناً اس کالج کے ''درون خانہ'' حالات کی جھلک نظر آتی ہے اور اس کی تاریخ کے بعض نامعلوم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ اشپرینگر کو قلمی نسخے جمع کرنے کا شوق ابتداء ہی سے تھا، لیکن اس کے اس ذوق کی آبیاری ہندوستان آنے کے بعد ہوئی۔ یہیں اس نے مختلف ذرائع سے سیکڑوں عربی، فارسی اور اردو مخطوطات جمع کیے اور واپس جاتے ہوئے اس بیش بہا قلمی ذخیرے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ وہ مخطوطات کیسے حاصل کرتا تھا؟ ان کی اطلاع اسے کیسے ملتی تھی؟ اور کون سے لوگ اپنی مطلب برآری اور غرض مندی کے لیے قیمتی نسخوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کرتے تھے؟

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ان سب باتوں کی تفصیل انھی خطوط میں مل جاتی ہے۔

۳۔اشپرینگر بنیادی طور پر عربی دان تھا۔عربی زبان وادب پر اس کی کس قدر دسترس تھی، اس کا ثبوت اس کی کتابوں اور مقالوں سے بآسانی مل جاتا ہے۔عربی کے علاوہ فارسی اور اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں اسے کتنی مہارت حاصل تھی، اس کا ابھی تک کوئی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں۔ان خطوط سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں زبانوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے مکتوب نگار کبھی بھی اسے ان زبانوں میں خط نہ لکھتے۔کہا جا سکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسا معاون یا منشی ملازم رکھا ہوگا جو اس کو ان خطوط کے مندرجات سے آگاہ کرتا ہوگا۔فارسی کی حد تک شاید یہ بات درست ہو، لیکن اردو کے متعلق یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ اس زبان سے بخوبی واقف تھا۔راقم نے اس کے ذخیرۂ دستاویزات میں چند ایسے کاغذات بھی دیکھے ہیں، جن پر اس نے اپنے ہاتھ سے اردو عبارتیں تحریر کی ہیں۔یہ تحریریں مختصر ضرور ہیں، لیکن ان سے اشپرینگر کی اردو زبان سے کما حقہٗ واقفیت کا ناقابلِ تردید ثبوت ملتا ہے۔

۴۔اشپرینگر کے حالاتِ زندگی انگریزی کی بعض سوانحی لغات یا عربی اور فارسی میں طبع شدہ مستشرقین کے تذکروں میں اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔اردو میں جن اصحاب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے انھی مآخذ کو سامنے رکھا ہے یا اگر کہیں اضافہ کیا ہے تو وہ اس کی مرتبہ ''فہرست مخطوطات شاہان اودھ'' سے لیا ہے۔اشپرینگر کی ولادت آسٹریا میں ہوئی اور اس نے جرمنی میں وفات پائی۔ان دونوں ممالک کے مشاہیر کی جو سوانحی لغات کئی کئی جلدوں میں طبع ہوئی ہیں، ان میں بھی اس کے سوانح حیات اجمالاً قلم بند کیے گئے ہیں۔اس کے حالات اور علمی کارناموں پر جس جرمن مستشرق نے سب سے پہلے قدرے تفصیل سے لکھا، وہ یوہان فیوک تھا(۹)۔فیوک نے مغربی ممالک میں عربی مطالعات کے آغاز اور مغرب کے نامور عربی دانوں پر جرمن زبان میں ایک مفید کتاب لکھی تھی (لائپسک، ۱۹۵۵ء) جس میں اشپرینگر کا ذکر بھی کیا گیا ہے (ص ۱۷۶-۱۸۱)۔معروف جرمن مستشرق خاتون آنے ماری شمل (م۔۲۰۰۳ء) نے انگریزی زبان میں ''پاکستانی زبانوں کے مطالعے میں جرمنوں کا حصہ'' کے تحت کتاب لکھی (ہامبورگ، ۱۹۸۷ء) جس میں اشپرینگر کے حالات بعض نئی معلومات کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں (ص ۴۸-۷۴)۔(۱۰)

متذکرۂ بالا کتب میں اشپرینگر کے سوانح تو مل جاتے ہیں، لیکن ان میں ایک تو اختصار کا پہلو نمایاں ہے، دوسرے معلومات کی تکرار بھی کھٹکتی ہے۔ان سے اشپرینگر کی زندگی کا ہلکا سا خاکہ ابھرتا ہے، لیکن مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ذخیرۂ اشپرینگر کے یہ خطوط ایسے ہیں، جن سے اس کی نامکمل تصویر میں مزید رنگ بھرے جا سکتے ہیں، کیونکہ ان میں بعض ایسی معلومات بھی درج ہیں، جو کہیں اور دستیاب نہیں مثلاً اندرونِ ہند اس نے بعض قدیم مخطوطات کی تلاش

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پالیسی میں اس کا عمل دخل، اس دور کے علماء اور روٗسا سے اس کے علمی روابط، اس کی مخطوطہ شناسی اور ذوق کتب بینی وغیرہ۔ یہ تمام خطوط وہ ہیں جن کا مکتوب الیہ اشپرینگر ہے۔ اگر وہ مکتوبات بھی، جو اس نے ان مکتوب نگاروں کو لکھے، مل جاتے، تو اس کے حالات پر مزید روشنی پڑتی، لیکن افسوس یہ تمام خطوط دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے (۱۸)۔

۵۔ ان خطوط کے لکھنے والوں میں کچھ نام ایسے ہیں، جن سے ہم مکمل طور پر لاعلم ہیں، اس لیے ان کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوگا، وہ نیا ہی ہوگا۔ اس مجموعہ میں بعض ایسے اصحاب کے خطوط بھی شامل ہیں، جن کے نام اور کام دونو سے ہم آشنا ہیں، لیکن ان خطوں میں بعض شخصیات کے بارے میں کچھ ایسی باتوں کا بھی پتا چلتا ہے، جن سے ہم کاملاً ناواقف ہیں۔ ایسی شخصیات میں سرفہرست مولانا مملوک العلی نانوتوی اور صدر الصدور مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی ہیں۔ اب تک ان کی حیات و تصانیف پر متعدد ارباب تحقیق و تدقیق خامہ فرسائی کر چکے ہیں، لیکن ان کے متعلق جو معلومات ان مکاتیب میں درج ہیں، وہ آج تک کسی بھی کتاب یا مقالے میں نہیں لکھی گئیں۔

۶۔ اس مجموعہ کے اردو مکتوبات کا اسلوب تحریر سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ طرز بیان قریب قریب وہی ہے جو دہلی کالج کے مصنفین کی کتابوں میں دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ثقہ استادان عربی و فارسی نے بھی اپنے خطوں میں آسان زبان لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اشپرینگر بذات خود مقفی اور مسجع طرز تحریر کو ناپسند کرتا تھا اور اسے نظام تعلیم کا ایک بڑا نقص گردانتا تھا۔ (مرحوم دہلی کالج، ص ۱۴۱)، دوسرے یہ کہ اظہار بیان کی یہ سادگی اور سلاست اپنے دور کے نثر نگاروں کے اجتماعی رجحان کی ترجمانی کرتی ہے کیونکہ اس وقت بعض خارجی عوامل کے زیر اثر اردو نثر میں آسان پیرایۂ اظہار اختیار کرنے کا رجحان زور پکڑتا جا رہا تھا اور اہل قلم نثر کے قدیم ادق اسالیب اور ان کے بھاری پن کو ناپسند کرنے لگے تھے۔ کم از کم دہلی کالج کے اساتذہ اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کی تحریروں میں یہی رجحان نظر آتا ہے (۱۹)۔ اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاریخ نثر اردو میں دہلی کالج کی خدمات فورٹ ولیم کالج سے کسی طرح بھی کم نہیں، لیکن اول الذکر ادارے کے نثری کارناموں پر گمنامی کا پردہ پڑا رہا، کیونکہ اس کی سیکڑوں مطبوعات حادثات زمانہ کا شکار ہو گئیں۔ جبکہ ثانی الذکر کالج کی مطبوعات وقتاً فوقتاً ہونے والی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں۔

❖ ❖ ❖

اشپرینگر کے نام ان مکتوبات کی ترتیب و تدوین میں جو باتیں ملحوظ خاطر رکھی گئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

الف۔ اگر کسی مکتوب نگار کے ایک سے زیادہ خط ہیں تو انھیں ایک ہی جگہ اس کے نام کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔

ب۔ مکتوب نگار کے خطوط کو تاریخی ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے۔ اگر کسی خط میں تاریخ تحریر مرقوم نہیں، تو اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صورت میں خط کی اندرونی شہادتوں سے یہ تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی گی ہے۔ بصورت دیگر اس خط کو آخر میں درج کیا گیا ہے۔

ج۔ ہر مکتوب نگار کے حالات زندگی اور علمی کارناموں کی تفصیل خط کے متن سے قبل دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اس مراسلہ نگار پر کتابوں یا مقالوں کی صورت میں اب تک جو کچھ طبع ہو چکا ہے، اس سے بھی حتی الامکان استفادہ کیا گیا ہے، لیکن زیادہ تر ان معلومات کو بطریق احسن پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، جو اس مطبوعہ سرمایہ میں موجود نہیں اور ان خطوط میں پائی جاتی ہیں۔ ان مکتوب نگاروں کی شخصیت کو سمجھنے میں یہ نئی معلومات یقیناً مددگار ثابت ہوں گی۔

د۔ ہر خط کے ساتھ ہی متن میں درج کردہ بعض قابل تشریح امور کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے تا کہ ان خطوط کو ان کے اصل سیاق وسباق میں سمجھا جا سکے۔

ھ۔ خطوں کی املا وہی رکھی گئی ہے جس میں وہ لکھے گئے اور اسے جدید املا میں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

و۔ ان مکتوبات میں پیراگراف کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ہر خط ابتداء سے آخر تک روانی سے چلتا ہے اور بیچ میں کہیں اس کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ البتہ جہاں کہیں موضوع بدلتا ہے، وہاں ''فقط'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اب ان خطوں میں پیراگراف بنا دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی اوقاف کی جدید علامات کو بھی برتا گیا ہے۔

❖ ❖ ❖

بیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہوا، جب یہ مکتوبات بعنوان ''ایک نادر مجموعۂ مکاتیب'' بالاقساط (تعداد نو، مابین ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۸ء) انجمن ترقی اردو، کراچی کے علمی وادبی مجلّہ ''اردو'' میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ارباب علم و دانش، شائقین تنقید وتحقیق، انیسویں صدی عیسوی کے متنوع رجحانات ومیلانات پر گہری نظر رکھنے والے مؤرخین اور ثقہ قارئین نے اس سلسلہ وار مقالہ کو سراہا، بالخصوص ان نئے دریافت کردہ مکتوبات کو قبل از ۱۸۵۷ء کے دور کی علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی اور صحافتی تاریخ میں ایک معتبر ماخذ کا اضافہ قرار دیا۔ بعض غیر ملکی اہل علم نے اس مقالہ میں پیش کردہ معلومات سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنی تحریروں میں اس کا کشادہ دلی سے اعتراف بھی کیا۔ ان اصحاب میں سرفہرست کاندھلہ (ضلع مظفرنگر، بھارت) کے جناب نور الحسن راشد کاندھلوی ہیں۔ انھوں نے اپنی جامع کتاب بعنوان ''مملوک العلی نانوتوی'' (کاندھلہ، ۲۰۰۹ء) کے عرض مؤلف کے تحت لکھا ہے:

''چغتائی صاحب نے ان خطوط کو بہت محنت سے نہایت تحقیق، بنیادی ضروری ضمنی اور ثانوی معلومات اور اضافوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ چغتائی صاحب کی یہ دریافت ۰۵، ش انجمن ترقی

اردو کراچی کے سہ ماہی مجلّہ ''اردو'' میں قسط وار چھپی تھی ...... یہ بہت اہم اور قابل قدر دریافت و اشاعت ہے جس سے حضرت مولانا مملوک العلی، دہلی کالج اور مولانا کے احباب اور معاصرین کے متعلق بہت سی نادر معلومات سامنے آئی ہیں۔''

راشد کاندھلوی صاحب کے علاوہ آسٹن (امریکہ) کی پروفیسر گیل مینو (Gail Minault) اور لندن یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی استاد اورل پاول (Avril A. Powell) خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بیشتر احباب کا یہ مطالبہ بھی زور پکڑتا گیا کہ چار سال کے شماروں میں بکھری ہوئی ان اقساط کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے، تاکہ وہ عام قارئین کو بآسانی دستیاب ہوں اور یوں ان سے استفادہ کا دشوار مرحلہ آسان ہو جائے۔ دوستوں اور بہی خواہوں کے اس صائب مشورے کو فی الفور تسلیم تو کر لیا، لیکن اس پر عمل کرنے میں مختلف رکاوٹیں حائل رہیں۔ برسوں لکھنے پڑھنے کے مختلف النوع مشاغل نے الجھائے رکھا اور یکسوئی اور دلجمعی سے اِدھر توجہ نہ دی جا سکی۔ اس دوران میں احباب کا اصرار بڑھتا رہا۔ بالآخر اس کام کو مکمل کرنا پڑا اور اب یہی تمام اقساط بصورت کتاب قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے قبل یہ چند معروضات کو پیش نظر رکھیے:

۱۔ اس کتاب میں زیادہ تر وہی خطوط شامل کیے گئے ہیں جو پہلے شائع کیے جا چکے ہیں۔ جن چند مکاتیب کا اضافہ کیا گیا ہے، ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۲۔ بعض مکتوب نگاروں نے اشپرینگر کو صرف فارسی میں بھی خطوط تحریر کیے ہیں، لیکن انھیں زیرنظر کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔ البتہ اردو میں خط لکھنے والوں کے فارسی مکتوبات کو شائع کرایا گیا ہے۔

۳۔ جہاں ضروری سمجھا گیا، نئی معلومات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جناب نورالحسن راشد کاندھلوی کی محولہ بالا کتاب (متعلقہ مولانا مملوک العلی نانوتوی) اور محترمہ پاول کے مولوی کریم الدین پانی پتی پر تحریر کردہ مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ قبل ازیں ایک نادر مجموعۂ مکاتیب کی قسط اول کے شروع میں اشپرینگر کی ایک نادر تصویر شائع کی گئی تھی، لیکن اب اس کی چند دیگر تصاویر اور اس کی بعض انتہائی نایاب دستاویزات کو بھی زیرنظر کتاب کے آخر میں شائع کیا گیا ہے۔

۵۔ سابقہ اقساط میں تمام مکاتیب کے متن درج کیے گئے تھے، لیکن اب کم و بیش تمام مراسلات کی عکسی نقول بھی شامل کر دی گئی ہیں تاکہ مکتوب نگاروں کے طرز تحریر کا بھی اندازہ لگایا جا سکے۔

۶۔ مکتوب نویسوں کی سابقہ ترتیب بھی بدل دی گئی ہے۔ اب مولانا مملوک العلی نانوتوی اور ان کے متعلقین اور تلامذہ کو پہلے اور دیگر مراسلہ نگاروں کے خطوط کو بعد میں درج کیا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۷۔ کچھ ایسے مکتوب نگاروں کے اِکا دُکا اردو خطوں کو مع ضروری حواشی کے شامل کیا گیا ہے، جو سابقہ اقساط میں سلسلہ منقطع ہونے کے باعث شائع نہیں ہوئے تھے۔

۸۔ بیشتر فارسی خطوط کی عکسی نقول کو بھی آخر میں شائع کر دیا ہے۔ان فارسی مکاتیب کو ان کے مکتوب نگاروں کے احوال اور دیگر تفصیلات سمیت الگ مقالات کی شکل میں شائع کیا جائے گا، مثلاً نواب حامد علی خاں وغیرہ۔

۹۔ خطوط اور دستاویزات کی عکسی نقول کے آخر میں چند ایسے خوشنویسوں یا اشخاص کی تحریروں کے عکس دیے گئے ہیں جو اشپرینگر کے لیے کتابیں تیار کرتے تھے یا اسے بھجواتے رہتے تھے۔

۱۰۔ دہلی کالج (بیرونی اجمیری گیٹ و کتاب خانہ داراشکوہ، بیرون کشمیری گیٹ) کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں، جس کے لیے راقم مغل فنِ تعمیر کی آسٹرین متخصص ڈاکٹر ایبا کوخ (Ebba Koch) کا ممنون ہے۔

۱۱۔ اشپرینگر کے آبائی گاؤں، جائے ولادت، مجسمہ، تصاویر، سوئٹزرلینڈ کی قیام گاہوں، چند جرمن خطوط اور ان کے اردو تراجم، مطبوعات کے سرورقوں کے عکس، فہرست کتب و مقالات پر علیحدہ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔

❖ ❖ ❖

اس مقالے کے ساتھ اشپرینگر کی تین تصاویر بھی شائع کی جارہی ہیں۔ یہ تمام تصاویر ہمارے ہاں پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہیں، اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیش گفتار کے اختتام پر ان کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کر دی جائیں۔ ان میں ایک تصویر اشپرینگر کی جوانی، دوسری ادھیڑ عمر اور تیسری بڑھاپے کی ہے۔ پہلی دو تصاویر انسبرک کے میوزیم (Tiroler Landesmuseum Ferdinandeum) کے سابقہ کتابدار ولف رم ویزر (Wolfram Gemeindeamt Nassereith, Innsbrucker Stadtarchiv, Tiroler Landesarchiv،Wieser) اور ویانا یونیورسٹی کے شعبۂ تصاویر (Bildarchiv) کے مہتمم کے تعاون سے حاصل ہوئیں۔ تیسری تصویر اشپرینگر پر شائع ہونے والے ایک مختصر کتابچے (آٹھ صفحات) میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتابچہ اس موقع پر شائع ہوا جب اس کی پیدائش کو ایک صدی گذر چکی تھی یعنی ۱۹۱۳ء میں۔ اس مختصر کتابچے کو انسبرک یونیورسٹی سے [illegible] ہافنر Dr. August Haffner (۱۸۶۹ء-۱۹۴۱ء) نے قلم بند کیا تھا اور یہ انسبرک ہی سے چھپا تھا۔ پورا [illegible] ذیل ہے:

Alois Sprenger. Ein Tiroler Orientalist. Zur Enthüllung des Sprenger-Denkmales in Nassereith am 19. Oktober 1913.

اشپرینگر کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر بھی اس کے آبائی گاؤں ناسے ریت میں اس کے مجسمے کی [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رونمائی ہوئی۔ یہ مجسمہ اب بھی جوں کا توں قائم ہے، لیکن یہ مجسمہ ہالٹر کی شائع کردہ تصویر سے مختلف ہے۔ اب اس مجسمے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر نا سیر ائیٹ کے ٹاؤن ہال کے باہر نصب کر دیا گیا ہے۔ اس کا عکس بھی زیر نظر کتاب میں شائع کیا جارہا ہے۔ راقم کو ہالٹر کا یہ نایاب کتابچہ Innsbrucker Stadtarchiv (انسبرک) کے کتاب خانے سے دستیاب ہوا تھا اور یہاں کے مہتمم (Franz Heine Hye) نے کئی روز کی محنت کے بعد اسے تلاش کیا تھا۔

آخر میں ٹائرول میوزیم (انسبرک) کے کتاب خانہ کے موجودہ انچارج کرسٹوف امپفیرر (Christoph Ampferer) کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کی خصوصی معاونت اور ذاتی دلچسپی سے اشپرینگر کے بعض انتہائی نایاب جرمن مصادر کا علم ہوا اور اس کی خاندانی دستاویزات تک رسائی حاصل ہوئی۔

محمد اکرام چغتائی

لاہور

۱۲ مئی ۲۰۱۲ء

حواشی

۱۔ اب تک اس سلسلہ کی تقریباً ۷۰ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کے علاوہ ایک جلد جرمنی کے کتاب خانوں میں محفوظ اسلامی مصور نسخوں پر مشتمل ہے، (بشمول "سیر المنازل" از مرزا سنگین بیگ، مخزونہ برلین، ص ۲۰۰-۲۰۱)۔ اس جلد کے مرتب معروف ماہر فنونِ اسلامیہ چوکین (Ivan Stchoukine) ہیں۔ اس سلسلہ وار فہارس مخطوطات کا عنوان Verzeichniss der orientalischen Handschriften in Deutschland (=VOHD) ہے۔ عربی مخطوطات پر مشتمل جلد مرتبہ Ewald Wagner، ویس بادن، ۱۹۷۶ء۔ برلین کے اس کتاب خانہ کے ذخیرۂ اشپرینگر کے عربی مخطوطات کی اجمالی فہرست یہیں کے ایک اسکالر ہارس کوریو نے مرتب کی ہے، رک:

Hars Kurio: *Arabische Handschriften der Bibliotheca Orientalis Sprengeriana*...... Berlin 1981.

اور اردو مخطوطات کے لیے مجاہد حسین زیدی کی یہ فہرست دیکھیے:

Urdu-Handschriften. Wiesbaden 1975.

۲۔ رک:

A Catalogue of the Bibliotheca Orientalis Sprengeriana.

134710

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

Giessen. January 1857.

۳۔ اشپرینگر اپنے نجی کتاب خانہ کی فہرست (گیسن، ۱۸۵۷ء) کے دیباچہ (وائن ہائیم، نزد ہائیڈل برگ۔ بابت ۱۷ نومبر ۱۸۵٦ء) میں لکھتا ہے:

"During the thirteen years, which I spent in the East [1843-1856], I enjoyed vast opportunities to collect works of a literature, which is rapidly falling into decay and whose most precious monuments have for the most part already disappeared. Three years I resided at Dilly [1845-1848], the capital of the Mogols at the head of one of the best Madressahs of the Moslim world [Delhi College], two years [1848-1849] I was employed by the government to catalogue the libraries of Lucknow -- now the principal seat of oriental lore in India -- and I had an opportunity to examine ten thousand Arabic, Persian and Hindustany manuscripts; and two years I travelled in Egypt, Syria, Mesopotamia, the Iraq, the island of Kishm and Masqat. I had conscientiously use of the opportunities thus afforded to me: I visited every library, public or private, to which I could obtain access. I examined every book I could lay hold of, I spared no expense to secure a good manuscript, and if I met with a rare work, which I could not obtain by purchase I had it copied and carefully compared, and I had agents in various parts of the country, through whom I obtained books even from Mecca and Madynah. Only a fortnight ago I received a list of 531 Arabic manuscripts, which are for sale at Basrah on the banks of the Tigris.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

In making these exertions and spending so much money, to collect manuscripts of the libraries of the Islam, I was not guided by a childish bibliomania, but by a sense of duty......

I doubt whether ever one individual has brought to Europe so many oriental works as are contained in my collection. It is however not so much its extent, as its completeness what renders it valuable."

۳الف۔ فروخت کے اس عمل اور باہمی خط کتابت کی تفصیل کے لیے رک:

Karl von Halm (1809-1882), *Denkschrift über die Verhandlungen zwischen der Direktion der k. Hof-und Staatsbibliothek zu München und Dr. Aloys Sprenger über den Ankauf der Bibliotheca Sprengeriana Orientalis.*

Heidelberg 1857

۴۔ بہ عنوان:

Orientalia. Katalog der Bibliothek Prof. Dr. Alois Sprenger.

1896. (pp. 44)

۵۔ اس کا اصل نام Fitzclarence تھا۔ وہ چند سال ہندوستان میں بھی عسکری ذمہ داریاں نباہتا رہا۔ واپس انگلستان پہنچنے کے سفر کی مفصل روداد درج ذیل کتاب میں بیان کی گئی ہے:

Lt.-Col. Fitzclarence: *Journal of a route across India through Egypt, to England in the latter end of the year 1817 and the beginning of 1818.* London 1819

برائے تفصیل رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ

۶۔ سر ہنری ایلیٹ (۱۸۰۸ء-۱۸۵۳ء)۔ رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ

۷۔ اشپرینگر کے اجراء کردہ اخبار ''قران السعدین'' کے بعض شماروں (مخزونہ مغربی برلین) میں اس تعیناتی کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یوں اطلاع کی گئی ہے:

''ڈاکٹر سپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی حسب الحکم گورنر جنرل چند مدت کے واسطے اسسٹنٹ صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کے مقرر ہوئے۔ فی الحقیقت یہ صاحب بہ سبب اپنی استعداد علمی اور واقفیت زبان عربی اور فارسی اور اردو وغیرہ کے مستحق اس علاقہ کے ہیں اور ہمارے نزدیک اون کے سوا کسی اور کو گورنر جنرل اس قدر لائق نہ پاتے۔ یہ صاحب اپنے ایام قیام لکھنؤ میں فہرست کتب خانہ شاہی کی تیار کریں گے اور اغلب ہے کہ اون کی جگہ جناب ٹیلر صاحب، جو پہلے بھی بہ لیاقت اور درستی تمام کار مدرسہ انجام دے چکے ہیں، مقرر ہوں۔''

(قران السعدین، جلد ۲ نمبر ۵۱، بابت ۲ دسمبر ۱۸۴۷ء)

''غالب ہے کہ ڈاکٹر سپرنگر صاحب چھبیسویں تاریخ ماہ حال تک تشریف فرمائے لکھنؤ ہوں۔ اون کی جگہ فریڈرک ٹیلر کام کریں گے۔'' (ایضاً، جلد ۳ نمبر ۸، بابت ۲۱ جنوری ۱۸۴۸ء)

''جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی ۲۴ تاریخ ماہ حال کو تشریف فرمائے لکھنؤ ہوئے اور جناب ٹیلر صاحب اون کی جگہ قائم مقام کام کرتے ہیں۔''

(ایضاً، جلد ۳ نمبر ۱۰، بابت ۶ مارچ ۱۸۴۸ء)

عمومی رپورٹ (بابت ۱۸۴۷ء-۱۸۴۸ء) میں مرقوم ہے:

"The Principal Dr. Sprenger having been deputed under orders of the Government of India to Lucknow on special duty. Mr. Taylor, the Head Master, was appointed to officiate as Principal."

(see *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1847-48*. Agra 1849)

۱۔ عمومی رپورٹ (بابت یکم مارچ ۱۸۵۰ء) کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"Dr. Sprenger, Principal of the College, rejoined his appointment on the 14th January; ill health however soon compelled him to relinquish his post, and he left Delhie for Simla on Medical Certificate on the 19th April 1850. On the

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

20th the Head Master assumed charge of his duties on an additional allowance of 100 rupees per mensem."

(see *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1849-50*, Agra, 1949)

۹۔ عمومی رپورٹ (بابت ۱۸۴۹ء-۱۸۵۰ء) کا یہ اقتباس:

"The services of Sprenger were placed at the disposal of the Government of Bengal in May 1850, and the present Principal joined his appointment on the 2nd September following, the duties of Principal having previously been carried on by Mr. F. F. Taylor [appointed on 16 August 1829] and discharged the satisfaction of His Honor the Lieutenant Governor, and the Members of the Local Committee of Public Instruction."

(Ibid., for 1849-50. Agra 1851)

۱۰۔ اشپرینگر کی لاش کے کریا کرم (cremation) کی یہ اطلاع ہائیڈل برگ کے میئر نے اپنے مکتوب بنام میئر ناسیرائیٹ (بابت ۲۴ مئی ۱۹۹۳ء) میں فراہم کی تھی۔ اس خط میں یہ بھی درج ہے کہ جہاں اس جلی ہوئی لاش کی بچی کھچی راکھ محفوظ کی گئی تھی، اس جگہ کی تصویر بھی ہائیڈل برگ شہر کے آرکائیوز میں محفوظ ہے۔ رک:

Letter of Thomas Schaller (Mayor, Heidelberg) to Fallbesoner (Mayor, Nassereith), dated 24 May, 1993.

۱۱۔ رک: ایمیلی کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب مرتبہ M. M. Kaye، بعنوان:

The Golden Calm: An English Lady's Life in Mughal Delhi. London 1980, p. 213; see also William Dalrymple: *The Last Mughal. The Fall of a Dynasty, Delhi, 1857*. New Delhi 2007, p. 105.

۱۲۔ مغربی برلین کے اس ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ایک ڈبے میں پڑے ہوئے چھوٹے سے کاغذ پر بزبان جرمن مختصر سی عبارت درج ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء تک اشپرینگر کے یہ تمام نجی کاغذات اور

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دستاویزات سوئٹزرلینڈ کے شہر برن میں اس کے بیٹے ہائنرخ کی تحویل میں تھے۔ بعد میں اسی نے (غالباً ۱۹۱۲ء میں) یہ سب کچھ برلین کے کتاب خانہ کے سپرد کر دیا۔

۱۳۔ اشپرینگر اور اس کے افرادِ خانہ کے سوانح حیات نیز اس آسٹرین مستشرق کی علمی خدمات کے لیے رجوع کیجئے: ڈاکٹر اشپرینگر از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (در: دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء)۔ ۱۹۹۳ء میں اشپرینگر کی صد سالہ برسی کے موقع پر اس کے آبائی گاؤں ناسیرائٹ (آسٹریا) اور تائرول کے شہر انسبرک میں باوقار علمی تقاریب کا اہتمام کیا گیا، جن میں آسٹریا کے نامور مستشرقین کے علاوہ راقم نے بھی شرکت کی۔ اس یادگار علمی اجتماع کے حوالے سے اشپرینگر کے ''ہم شہری'' (Landsmann) جناب نوربرٹ مانٹل نے ''اشپرینگر بحیثیت مستشرق اور مؤرخ اسلام'' کے عنوان کے تحت درج ذیل جرمن کتاب بھی پیش کی، جو ناسیرائٹ کی میونسپلٹی نے شائع کی:

Norbert Mantl; *Aloys Sprenger: Der Orientalist und Islamhistoriker aus Nassereith in Tirol*. Zum 100. Todestag am 19. Dezember 1993. Im Selbstverlag der Gemeinde Nassereith

(pp. 87)

اس تقریب میں ویانا یونیورٹی کے خاور شناس شٹیفان پروشازکا نے اشپرینگر کی عربی ادبیات اور اسلامی موضوعات پر تحریر کردہ کتب کی اہمیت پر یہ مقالہ پیش کیا:

Stephan Procházka: "Die Bedeutung der Werke Aloys Sprengers für die Arabistik und Islamkunde." (in: *Tiroler Heimatblätter* (Innsbruck). 69/2 (1994), pp. 38-42)

راقم نے اپنے مقالے (بزبان جرمن) میں اشپرینگر کی اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی سے متعلق خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس مقالے کے انگریزی ترجمہ کے لیے رک: اقبال ریویو (لاہور)، ۳۶: ۱ (اپریل ۱۹۹۵ء) ص ۷۷-۹۹۔ نیز رک: راقم کا مقالہ بعنوان

"Dr. Aloys Sprenger and the Delhi College" (in: *The Delhi College*, see under f. n. no. 13; also in: *Armaghan*, presented to Dr. Sayyid M. ʿAbdullah, Lahore 2005, pp. 1-32)

اشپرینگر کے احوال اور علمی آثار کے لیے رک:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

C. v. Wurzbach: *Biographisches Lexikon des Kaiserthums Österreich*, vol. 36 (1878), pp. 258-263; *Österreichisches Biographisches Lexikon, 1815-1950*. Vienna: ÖAW, vol. ix, s. v. Sprenger, A.; *Allgemeine Deutsche Biographie*. Leipzig/München, s. v. Sprenger,. A.; *Neue Deutsche Biographie*. Berlin, s.v. Sprenger, A.; *Dictionary of National Biography*. London, s.v. Sprenger, A.; St. Procházka: "A. Sprenger--an Austrian Orientalist with a British Passport", in: *Austrian Scholarship in Pakistan*. Islamabad 1997, pp. 34 ff.

۱۴۔ رک: اشپرینگر (مکتوب الیہ)۔ عکسی نقول پر مشتمل حصہ۔

۱۵۔ اس کتاب کا سرورق درج ذیل ہے:

The Delhi College. Traditional Elites, the Colonial State and Education before 1857. Edited by Margrit Pernau. New Delhi: OUP, 2006.

مشمولہ مقالات: مدرسۂ غازی الدین (ایا کوخ)، دہلی کے سفید مغلوں کا عروج و زوال (ولیم ڈال رمپل)، اشپرینگر اور دہلی کالج (راقم)، صدرالدین آزردہ (سوپنا لڈل)، امام بخش صہبائی (سی، ایم، نعیم)، ماسٹر رامچندر (گیل مینو)، مولوی کریم الدین پانی پتی (اورل اے، پاول)، موہن لال کشمیری (مائیکل فشر)، مولوی ذکاءاللہ (مشیرالحسن) اور ڈپٹی نذیر احمد (کرسٹینا اوسٹر ہیلٹ)۔

علاوہ ازیں دہلی کی تواریخ مثلاً آثار الصنادید از سرسید احمد خاں (دہلی: اردو اکادمی ۲۰۰۰ء)۔ نیز علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، انتخاب مضامین مرتبہ اصغر عباس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴-۵۸۔ واقعات دارالحکومت دہلی از بشیر الدین احمد، تین جلد، (کمپیوٹر کمپوزنگ)، دہلی ۲۰۱۲ء، (۱۹۱۹ء)۔ دلّی جو اک شہر تھا از انتظار حسین (لاہور، ۲۰۰۷ء) وغیرہ میں دہلی کالج کا اجمالاً یا مفصلاً ذکر کیا گیا ہے۔ دہلی کالج سے تین جرائد ''قران السعدین''، ''فوائد الناظرین'' اور ''محب ہند'' شائع کیے جاتے تھے اور یہ تینوں اپنے موضوعات اور انداز تحریر کے اعتبار سے تاریخ صحافتِ اردو کے ابتدائی دور میں اہم حیثیت کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو صحافت کی تقریباً تمام تاریخوں میں اس کالج کی صحافتی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے، رک: تاریخ صحافت

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اہم اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) از محمد عتیق صدیقی، ۱۹۶۲ء۔ ایضاً: ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔ نادر علی خاں: تاریخ صحافت اردو (بزبان انگریزی)، دہلی ۱۹۹۱ء۔ ایضاً: ہندوستانی صحافت (۱۵۵۶ء-۱۹۰۰ء)، لکھنؤ ۱۹۹۰ء۔ طاہر مسعود: اردو صحافت، انیسویں صدی میں، دہلی ۲۰۰۹ء (۲۰۰۲ء)۔ دہلی کالج کے نامور اساتذہ، تلامذہ اور متعلقین پر جو الگ سے کتب لکھی گئیں، ان میں بھی اس کالج کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً مولوی ذکاء اللہ (سی، ایف، اینڈریوز کی انگریزی کتاب، طبع جدید مع تعارف از مشیر الحسن اور مارگریٹ پیرنو، نئی دہلی ۲۰۰۳ء)، ماسٹر رامچندر (مؤلف صدیق الرحمٰن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء۔ خواجہ احمد فاروقی: ذوق و جستجو، لکھنؤ ۱۹۶۷ء)۔ آزردہ (مفتی صدرالدین آزردہ از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، نئی دہلی ۱۹۷۷ء)، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (افتخار احمد صدیقی: مولوی نذیر احمد، لاہور ۱۹۷۱ء)، امام بخش صہبائی (خواجہ محمد حامد: امام بخش صہبائی، کامٹی ۱۹۹۲ء)، مولوی کریم الدین پانی پتی (شان احمد صدیقی، مولوی کریم الدین، حیات اور کارنامے، پٹنہ ۱۹۷۸ء)، محمد حسین آزاد (مطالعۂ آزاد از راقم، لاہور ۲۰۱۰ء، و دیگر کتب) وغیرہ۔

Gail Minault: "Delhi College and Urdu", in: *Annual of Urdu Studies*, 14 (1999), pp. 119-134; ibid.: "Qiran s-Sa'dain", in: Jamal Malik (ed.): *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*. Leiden 2000, pp. 260-277; Mujahid Husain Zaidi: "Aloys Sprengers Beitrag zum Urdu-Studien", (in: ZDMG, Supplement II. Vorträge. Wiesbaden 1974, pp. 259-265).

ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ "قران السعدین" کے متعدد شماروں پر تفصیلی مقالہ از راقم بعنوان "قران السعدین۔ دہلی کالج کا پہلا علمی و ادبی مجلہ" در: سویرا (لاہور) شمارہ ۶۷ (مارچ ۲۰۰۲ء)، ص ۱۱۰-۱۲۶۔

Nina Dev Gupta: "The halcyon yesterdays of Delhi College: A chequered history", in: *Knowledge, Power and Politics. Educational Institutions in India*. Edited by Mushirul Hasan. New Delhi 1998, pp. 114-140; Razia Bashir Chaudhry: *Conflicting Perspective of Anglo-Oriental Education (Case study of*

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Delhi College). Ph. D. dissertation, SOAS, London University, in preparation under the guidance of A. A. Powell.

انتظار مرزا: قدیم دہلی کالج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ۔ مقالہ برائے ڈاکٹریٹ۔ دہلی یونیورسٹی (شعبۂ اردو)، ۱۹۸۴ء۔ دلّی کالج، تاریخ اور کارنامے از عبدالوہاب، دہلی ۲۰۱۰ء؛ قدیم دہلی کالج کا کردار از ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی، نئی دہلی ۲۰۱۱ء۔

۱۶۔ رک:

Johann Fück: *Die arabischen Studien in Europa.*

Leipzig 1955.

۱۷۔ رک:

Annemarie Schimmel: *German Contributions to the Study of Pakistani Linguistics.* Hamburg 1981.

۱۸۔ برصغیر کے مکتوب نگاروں کو تو نہیں، البتہ اپنے ہم وطنوں، ہم شہروں اور یورپ کے بعض معروف سیاحوں کو اشپرینگر نے جرمن اور انگریزی زبانوں میں جو خطوط لکھے تھے، وہ یورپ بالخصوص جرمنی اور آسٹریا کے نوادر خانوں میں محفوظ ہیں۔ اس کے ان مکتوب الیہوں میں آسٹریا کے معروف مستشرق ہامر پورگشتال، آسٹرین شرق شناس یاکوب فلپ فال میرایر (۱۷۹۰ء-۱۸۶۱ء)(Jakob Philipp Fallmerayer)، David Schönherr (۱۸۲۲ء-۱۸۹۷ء)، سررچرڈ برٹن (۱۸۲۱ء-۱۸۹۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔ اول الذکر کے نام تحریر کردہ بعض خطوط میں اشپرینگر نے دہلی کالج میں اپنی بعض اہم تعلیمی اور نصابی اصلاحات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اشپرینگر کے ان مکتوب الیہوں کے جرمن (مع انگریزی ترجمہ) اور غیر مطبوعہ انگریزی مکتوبات مع حواشی الگ مقالہ کی صورت میں عنقریب پیش کیے جائیں گے۔

۱۹۔ مثال کے طور پر دیکھیے: ماسٹر رامچند رکے مضامین (در: اردو نثر کے ارتقاء میں ماسٹر رامچند رکا حصہ از ڈاکٹر سیدہ جعفر، حیدرآباد دکن ۱۹۶۰ء)۔

* * * * *

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مخففات
(Abbreviations)

۱۔ اسٹوری=

C.A. Storey: *Persian Literature. A Bio-bibliographical Survey.* vols. I/1-2, II/1-3, III/1-2; by F. de Blois, V/1-2, London 1927-1994

۲۔ اہلوارٹ=

W. Ahlwardt: *Verzeichniss der arabischen Handschriften.* Berlin 1887-99. 10 vols. (=Handschriften-Verzeichnisse der kön. Bibliothek zer Berlin, vol. 7–9, 16–22)

۳۔ براکلمان=

C. Brockelmann: *Geschichte der arabischen Literatur.* Leiden 2nd ed., 2 vols. (1943-), Supplement 3 vols. (1937-)

۴۔ پرٹش=

Verzeichniss der persischen Handschriften. Königlichen Bibliothek zer Berlin. Von W. Pertsch. Berlin 1888.

۵۔ زیدی=

Mujahid Husain Zaidi: *Urdu Handschriften.* Wiesbaden 1975

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۶۔ سیزگین=

Fuad Sezgin: *Geschichte des arabischen Schrifttums.* Leiden 1967—.

۷۔ گارسیں دتاسی=

Histoire de la littérature Hindouie et Hindoustanie par Garcin de Tassy. 2nd ed., 3 vols., Paris 1870-71. repr.: New York 1968.

* * * * *

۸۔ *JASB*=Journal of the Asiatic Soceity of Bengal (Calcutta)

۹۔ *JRAS*=Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland (London)

۱۰۔ *ZDMG* = Zeitschrift der deutschen Morgenländischen Gesellschaft (Leipzig) ۔

* * * * *

cf. = compare
ed. = edited, editor
eds. = editors
ibid. = ibidem
n.d. = not dated
p. = page
pp. = pages
tr. = translation
vol. = volume
vols. = volumes

* * * * *

رک=رجوع کیجیے
ص=صفحہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا مملوک العلی نانوتوی

ذخیرۂ اشپرینگر کے اس نادر مجموعۂ مکتوبات کے ایک مراسلہ نویس مولانا مملوک العلی نانوتوی ہیں۔ مولانا نے اشپرینگر کو کل نو خط لکھے۔ ان میں پہلا ۱۲ نومبر ۱۸۶۴ء کا لکھا ہوا ہے اور آخری کا سنۂ تحریر ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء ہے، یعنی مولانا کی وفات (۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے تقریباً سات ماہ قبل یہ خط لکھا گیا۔ مولانا نے اشپرینگر کو پہلا خط اس وقت لکھا، جب وہ اسی کالج (یعنی دہلی کالج) کا پرنسپل تھا اور مولانا وہاں عربی کے مدرس اول تھے۔ آخری خط کا زمانۂ تحریر وہ ہے، جب مکتوب الیہ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہو چکا تھا۔

مولانا نے اپنے ان خطوط میں کیا کچھ لکھا ہے، اس کا اندازہ تو آئندہ سطور سے کیا جا سکے گا جہاں ان خطوط کے متن اور تشریحات کو پیش کیا جائے گا، لیکن یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط مولانا کی اردو تحریر کے ایسے نمونے ہیں جنھیں پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل ہمیں کہیں سے بھی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مولانا اپنی نجی تحریروں میں اردو کو بھی استعمال کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے دور ملازمت میں چند عربی کتابوں کو اردو میں منتقل ضرور کیا، لیکن یہ تراجم ان کے اسلوب تحریر کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ ان خطوں کے مندرجات سے ایک تو اشپرینگر سے مولانا کے تعلقات کی نوعیت کا علم ہوتا ہے اور دوسرے ان سے مولانا کی اپنی زندگی کے بعض حصوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ مولانا کے ان خطوط کا متن اور ان کے وضاحتی امور کو پیش کیا جائے، بہتر ہوگا کہ ان کے ضروری حالات زندگی کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔[1]

۱۔ مولانا مملوک العلی کے یہ سوانح مطبوعہ مصادر سے اخذ شدہ ہیں۔ ان میں معتبر ترین تین ماخذ ہیں۔ ایک تو سر سید احمد کی ''آثار الصنادید'' (ترتیب و حواشی ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۲۹۲) ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں مولانا کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ سر سید، مولانا کے شاگرد تو نہیں، لیکن ان کے ہم عصر ہیں۔ انہوں نے مولانا کا جس انداز سے ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولانا کو قریب سے جانتے تھے۔ ''آثار (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا مملوک العلی مغربی یو پی کے ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، جو دہلی سے جانب شمال اسی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دورِ شاہجہانی میں ان کے آباؤ اجداد نے اس قصبہ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بسنے والے لوگ صدیقی النسب تھے اور انہیں علم و فضل سے گہرا لگاؤ تھا۔ یہ انھی صدیقیان ثانوتہ کی قائم کردہ علمی روایات کا نقطۂ عروج تھا کہ انیسویں صدی عیسوی کے مشاہیر میں اس قصبے کے علماء کا نام سرفہرست ہے۔

الصنادید'' جب پہلی بار طبع ہوئی (۱۸۴۷ء) اس وقت مولانا زندہ تھے، لیکن جب اس کتاب کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن منظر عام پر آیا (۱۸۵۴ء) اس وقت مولانا انتقال کر چکے تھے۔ لیکن سر سید نے ان کا ذکر زندہ شخصیت کے طور پر کیا ہے۔ سوانح مملوک العلی کا دوسرا اور اہم ماخذ مولوی کریم الدین پانی پتی کا تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۸ء، طبع عکسی مع مقدمہ از محمود الٰہی، لکھنؤ: اُتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص ۴۶۳-۴۶۴) ہے۔ تذکرہ نگار مولانا کا شاگرد تھا اور کئی سال تک دہلی کالج میں ان سے کسبِ فیض کرتا رہا۔ گارسیں دتاسی نے ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (بزبان فرانسیسی) میں مولانا کے جو حالات دیئے ہیں، وہ کریم الدین کے اسی تذکرہ سے ماخوذ ہیں۔ (جلد دوم، پیرس ۱۸۷۰ء، ص ۲۷۱-۲۷۲)۔ اس سلسلے کا تیسرا اہم ماخذ مولانا کے فرزند رشید محمد یعقوب نانوتوی کی ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی'' (مطبوعہ بہاول پور ۱۲۹۷ھ، مشمولہ در: سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی، جلد اول، مطبوعہ دیوبند، ۱۳۷۳، ص ۲۳-۴۸) ہے۔ محمد یعقوب، صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، اور محمد قاسم، بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا مملوک العلی کے ہم وطن، ہم نسب اور شاگرد تھے۔ صاحب کتاب نے اس سوانح میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر کیا ہے۔ ہمعصر شہادتوں کے ضمن میں مولوی کریم الدین پانی پتی کے شعرائے عرب کے تذکرہ ''فرائد الدہر'' (دہلی، ۱۸۴۷ء) اور مولانا کے شاگرد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی ایک عربی تصنیف (بحوالہ سیرت یعقوب و مملوک، حوالہ مرقومۃ الذیل، ص ۲۸-۲۹) بھی شامل ہے، لیکن ان میں مولانا کے حالات بہت کم اور اوصاف زیادہ ہیں۔ اس سلسلے کا اہم ترین ماخذ نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کی مبسوط کتاب بعنوان ''استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی'' (کاندھلہ، ۲۰۰۹ء) ہے جس میں ان کے سوانحی احوال، علمی خدمات، تصانیف و تراجم، مکتوبات و آثار اور تذکرہ تلامذہ کے علاوہ نانوتہ کی تاریخ، آباؤ اجداد اور خاندان کے مختصر حالات اور مولانا کے سفر و اساتذہ، دہلی کالج سے برسوں کا تعلق، اس درس گاہ کے علمی و اشاعتی کاموں کی نگرانی، حزب ولی اللہی اور سید احمد شہید کی تحریک سے تعلق وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مولانا مملوک العلی کے حالات زندگی کے یہی مستند منابع ہیں۔ ان کے علاوہ جن مؤلفین نے مولانا کے سوانح پر قلم اٹھایا ہے، انہوں نے انھی کتب سے استفادہ کیا ہے اور وہ واقعاتی اعتبار سے ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں (جاری)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا کا سنہ ولادت ۱۷۸۷ء بتایا جاتا ہے۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے ''طبقات شعرائے ہند'' میں مولانا کی عمر قریباً ساٹھ سال لکھی ہے (ص ۴۶۴)۔ یہ تحریر ۱۸۴۷ء کی ہے۔ اس اعتبار سے مولانا کا یہی سال ولادت یعنی ۱۷۸۷ء درست مانا جاتا ہے، لیکن مؤلف ''سیرت یعقوب و مملوک'' کو مفتی محمود احمد نانوتوی نے مولانا کے جو حالات لکھ بھیجے تھے، ان میں سال پیدائش ۱۷۸۹ء مرقوم ہے۔ چونکہ مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۷ء میں مولانا کی عمر قریباً ساٹھ برس لکھی ہے، اس لیے ان دونو سنین میں سے کوئی ایک یا ان سے قریب کا کوئی اور سنہ بھی درست ہوسکتا ہے۔

کر سکے۔ ایسی کچھ کتابیں یہ ہیں: تاریخ قنوج (قلمی) از نواب صدیق حسن خاں، سنہ تالیف ۱۲۷۸ھ۔ تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی، میرٹھ ۱۹۰۵ء۔ واقعات دارالحکومت دہلی۔ مصنفہ بشیرالدین احمد دہلوی، حصہ دوم، دہلی ۱۹۱۹ء۔ دہلی کا آخری سانس، ترجمہ از سید محمد ناصر دہلوی، دہلی ۱۹۲۵ء۔ نزہۃ الخواطر مؤلفہ عبدالحیٔ لکھنوی، حیدر آباد دکن، جلد ۷۔ اوجز المالک شرح مؤطا امام مالک، از مولانا محمد زکریا، بحوالہ ''سیرت یعقوب و مملوک''۔ ارواح ثلاثہ، ترتیب و اصلاح مولانا اشرف علی تھانوی، سہارنپور ۱۸۷۰ء۔ دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از مرزا فرحت اللہ بیگ، کراچی ۱۹۶۰ء۔ شرکائے مشاعرہ میں مولانا کا نام بھی شامل ہے اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مولوی صاحب مدرسۂ دہلی میں مدرس اول ہیں، عجیب باکمال آدمی ہیں۔ مدرسے میں ان کی ذات بابرکات سے وہ فیض ہوا ہے کہ شاید ہی کسی زمانے میں کسی استاد سے ہوا ہو۔ بہت پابند شرع ہیں۔ اس لیے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ہیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کرنا گویا اس کو دوام کی سند دیتا ہے۔ کوئی ساٹھ کا سن ہے۔ رہنے والے تو نانوتے کے ہیں۔ مگر مدتوں سے دہلی میں آرہے ہیں۔ دن رات پڑھنے پڑھانے سے کام ہے۔ مشاعروں میں کم جاتے ہیں۔ یہاں شاید مولانا صہبائی ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے بے چارے پابندی شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے۔ ہوا یہ کہ ریزیڈنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے۔ ان کے علم اور رتبے کے لحاظ سے ہاتھ ملایا۔ جب تک صدر بہادر وہاں رہے، انھوں نے ہاتھ و جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ہے، صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کی بار دھویا۔ کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی۔ ان کو بہت غصہ آیا کہ ہم نے تو ہاتھ ملا کر ان کی عزت افزائی کی۔ انھوں نے اس طرح ہماری توہین کی۔ غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔'' (ص ۵۵-۵۶)۔ اس روایت کے درست ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ اس سے جو یہ تاثر ملتا ہے کہ مولانا غیر ملکیوں سے ہاتھ تک ملانا سخت ناپسند کرتے تھے، کسی غیر معتبر روایت پر مبنی ہے۔ مولانا غیر متعصب اور کھلے ذہن کے شخص تھے۔ ان کے دوستوں اور شناساؤں میں متعدد انگریز بھی شامل تھے۔ ان نے (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا مملوک العلی کے معتبر سوانح نگار راشد کاندھلوی کی رائے میں ۱۷۸۹ء ہی کو تقریباً متعین سمجھنا چاہیے (حوالۂ مذکور،ص ۲۷)۔

مولانا مملوک العلی کے والد کا نام مولوی احمد علی تھا۔ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت نانوتہ ہی میں ہوئی۔ جب وہ کسب علم کی ابتدائی منازل طے کر گئے تو نانوتہ جیسے چھوٹے سے قصبے کی علمی فضا انہیں تنگ سی محسوس ہونے لگی اور وہ اپنے ذوقِ حصولِ علم کی آبیاری کے لیے دہلی کی جانب چل پڑے۔بعض شواہد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سفر میں تنہا نہیں تھے، بلکہ محمد قاسم نانوتوی کے والد شیخ اسد علی بھی ان کے ہمراہ تھے۔(سوانح عمری از محمد یعقوب نانوتوی بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۴)۔مولانا کی نانوتہ سے دہلی منتقلی کے کیا محرکات تھے؟ اس کے متعلق مناظر احسن گیلانی (سوانح قاسمی،۱:۹۱) کی یہ رائے ہے کہ سید احمد شہید (م۔۱۸۳۱ء) اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی (م۔۱۸۹۹ء) نے نانوتہ کے دورے کیے اور یہ انہی دوروں کا اثر تھا کہ اس قصبے کے لوگ علم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی کا رخ کرنے لگے۔ یہ رائے بعض ہمعصر لیکن بے جوڑ واقعات میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے اور پھر یہ مسلمہ واقعات سے بھی متصادم ہے۔اصل بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو مشعل علم جلائی، اس سے دہلی اور اس کے گرد ونواح کے علاقے منور ہو گئے۔جب ان کے صاحبزادگان نے اپنے والد کی روشن کردہ اس شمع کی لو کو اور تیز کر دیا، تو تشنگانِ رشد و ہدایت ہر جانب سے کھنچ کر جوق در جوق دہلی کا رخ کرنے لگے۔خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے یہ علمی چرچے جب اہل نانوتہ تک پہنچے، تو مملوک العلی

غیر ملکیوں سے تعلقات کی نوعیت کیسی تھی، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان کے زیر نظر خطوط بنام اشپرینگر سے بخوبی ہو جاتا ہے۔مرحوم دہلی کالج از ڈاکٹر مولوی عبدالحق، طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء (کریم الدین پانی پتی کے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' سے متعلقہ اقتباس نقل کر دیا ہے)۔شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از عبید اللہ سندھی، لاہور ۱۹۴۲ء۔حالات مشائخ کاندھلہ از مولوی احتشام الحسن کاندھلوی، دہلی ۱۳۸۳ھ۔مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری مرحوم، کراچی ۱۹۶۶ء (مع چند اضافات، جو جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن کی بعض رپورٹوں سے کئے گئے ہیں)۔علمائے ہند کا شاندار ماضی از مولانا سید محمد میاں، جلد دوم، لاہور ۱۹۷۷ء۔ سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی۔جلد اول، دیوبند ۱۳۷۳ھ (معلومہ روایات پر ہی توضیحات اور قیاسات کی عمارت کھڑی کی گئی ہے)۔انوار قاسمی از مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی، جلد اول، لاہور ۱۹۶۸ء۔سیرت یعقوب ومملوک از ایضاً، کراچی ۱۹۷۴ء:

B. D. Metcalf. *Islamic Revival in British India. Deoband, 1869-1900.* Princeton, New Jersey, 1982.

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اوران جیسے دیگر علم کے متلاشی دہلی کی جانب چل پڑے۔ یہی سبب ہے کہ مولانا نے دہلی میں جن اصحاب سے کسب فیض کیا، ان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق شاہ ولی اللہ کے خاندان ہی سے تھا۔

سوانح مملوک کے مآخذ میں کوئی ایسی روایت منقول نہیں، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مولانا کی دہلی میں آمد کون سے سنہ میں ہوئی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ۱۸۱۵ء کے لگ بھگ دہلی آئے یا اس سنہ کے شروع میں دہلی میں موجود تھے۔ یہاں آتے ہی وہ شاہ عبدالعزیز خلف شاہ ولی اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور کچھ دیر تک ان سے ''ہدایۃ النحو'' کے اسباق پڑھتے رہے (ارواح ثلاثہ، طبع اول، امداد الغربا' تھانہ بھون، ص ۹۲)۔ اس کے بعد وہ باقاعدہ طور پر مولوی رشید الدین خاں دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ مولوی صاحب کشمیری الاصل تھے۔ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے اعزہ میں تھے۔ شاہ ولی اللہ کے تینوں صاحبزادوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے بعض علوم کی تحصیل کی، لیکن تکمیل علوم شاہ رفیع الدین کے ہاتھوں ہوئی (بحوالہ تذکرۂ علمائے ہند از مولوی رحمان علی، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۱۹۱ مع دیگر مآخذ)۔ مولوی رشید الدین اپنے دور کے جید عالم تھے اور دہلی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ یہ آپ کی علمیت کا شہرہ ہی تھا کہ انھیں حکام بالا نے عہدۂ قضاۃ کی پیش کش کی، لیکن انھوں نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۲۴۴)۔ مولوی رشید الدین خاں ایک متقی، متشرع اور عابد شخص تھے۔ معقول و منقول اور فروع و اصول پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علم ہیئت و ہندسہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مباحثہ و مناظرہ میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ استاد کی انہی صفات کا اثر مولانا مملوک العلی پر بھی ہوا۔ وہ ان کے سب شاگردوں میں سے ذہین و فطین سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا تو اس میں مولوی رشید الدین خاں کشمیری دہلوی کو بمشاہرہ سو روپے ماہانہ مدرس اول (عربی) مقرر کیا گیا اور انہی کی تجویز پر مولانا کا تقرر بھی اسی کالج میں بطور نائب مدرس ہو گیا۔ چند سال تک استاد شاگرد دونوں شعبہ عربی سے منسلک رہے اور جب استاد کا ۱۸۲۷ء میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ مولانا کا بطور صدر مدرس تقرر ہوا۔ ([illegible] رک: آثار الصنادید، باب چہارم اور نزہۃ الخواطر، ص: ۱۹۰)

جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن کی ایک رپورٹ (بابت ۱۸۲۲ء-۱۸۲۳ء) کے مطابق دہلی کالج میں مملوک العلی کی تاریخ تقرری یکم جون ۱۸۲۵ء ہے (حیات محمد احسن نانوتوی، ص ۲۱)۔ اس وقت ان کی تنخواہ بطور نائب مدرس پچاس روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ تقریباً پندرہ برس تک وہ اس شعبہ سے وابستہ رہے۔ حتیٰ کہ جب ۱۸۴۲ء میں استاد کے انتقال کے بعد ان کو صدر مدرس کا عہدہ تفویض ہوا۔ اس وقت بھی ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کی تنخواہ میں کوئی اضافہ نہ کیا گیا، حالانکہ اس عہدہ پر کام کرتے ہوئے ان کے استاد کو سو روپے ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی۔ ۱۳۰ اکتوبر ۱۸۴۰ء کو جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن نے گورنر جنرل کو ایک مراسلہ بھیجا (نمبر ۱۰۳۵، بمقام فورٹ ولیم کلکتہ)۔ اس میں دہلی کالج کے اساتذہ کی ان تنخواہوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو وہ اس سال حاصل کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تنخواہوں میں کمیٹی کے تجویز کردہ اضافے بھی درج ہیں۔ اس مراسلے کے مطابق اس سال یعنی ۱۸۴۰ء میں ہیڈ عربک ٹیچر (سُنّی) یعنی مملوک العلی کی اصل تنخواہ پچاس روپے تھی اور کمیٹی نے اسے ۱۰۰ روپے ماہوار کرنے کی سفارش کی۔ یہی تنخواہ شیعہ طلبہ کے استاد قاری جعفر علی جارچوی کے لیے بھی تجویز کی گئی[1]۔ بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی کے یہ تجویز کردہ اضافے من وعن قبول نہیں کئے گئے۔ ''بنگال اینڈ آگرہ گزٹ'' (بابت ۱۸۴۲ء، جلد اول، ص ۸۸) کے ایک اقتباس میں درج ہے کہ اس وقت یعنی ۱۸۴۲ء میں مملوک العلی کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کمیٹی کی اس سفارش کو، کہ مولانا کی تنخواہ پچاس روپے سے بڑھا کر سو روپے ماہوار کر دی جائے، تسلیم نہیں کیا گیا اور اس میں صرف دس روپے اضافہ کر دیا گیا، جبکہ قاری جعفر علی کی وہی تنخواہ مقرر ہوئی، جو اس کمیٹی نے تجویز کی تھی۔ یعنی سو روپے ماہوار۔[2] چند سال بعد مولانا مملوک العلی کی تنخواہ بھی ساٹھ روپے سے بڑھا کر سو روپے کر دی گئی۔ جیسا کہ مولوی کریم الدین پانی پتی کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ''عہدہ میر مولوی بمشاہرہ سو روپیہ ماہواری مدرسہ میں مقرر ہیں۔'' (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۳)۔ شاید یہ اضافہ اس وقت ہوا جب اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور ان کے مابین قریبی دوستانہ مراسم استوار ہوئے۔ مولانا اپنی وفات (۱۸۵۱ء) تک اسی تنخواہ پر کام کرتے رہے۔

مولانا مملوک العلی ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کے شعبہ عربی میں نائب مدرس مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک وہ اسی کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس چھبیس سالہ دور ملازمت میں سے ابتدائی تین سال (۱۸۲۵ء-۱۸۲۷ء) وہ اپنے استاد رشید الدین خاں کے ساتھ معاون استاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور جب استاد کا انتقال ہوا (۱۸۲۷ء) تو انھیں اسی شعبہ میں صدر مدرس مقرر کر دیا گیا۔ بقیہ اٹھارہ سال وہ اسی عہدے پر کام کرتے رہے[3]۔ ۱۸۴۰ء کے قریب نواب سید حامد علی خاں داماد نواب اعتماد الدولہ سید فضل

۱۔ G. W. Leitner: *History of Indigenous Education in the Panjab. Since annexation and in 1882*, Calcutta 1882, Appendix III A.

۲۔ Ibid., Appendix III. B.

۳۔ ''آثار الصنادید'' میں مرقوم ہے کہ ''اگرچہ پندرہ برس سے مدرسۂ شاہجہاں آباد میں عہدۂ مدرسی رکھتے تھے، لیکن (جاری)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

علی خاں (جنھوں نے ۱۸۲۹ء میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی رقم دہلی کالج کو بطور عطیہ دی تھی)، نے اپنے اثر و رسوخ سے شعبہ عربی کے شیعہ اور سُنّی طلبہ کے لیے الگ الگ تدریس کا انتظام کر دیا اور ان کے لیے بالترتیب قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی سید محمد کا تقرر عمل میں آیا، لیکن اس تقسیم کا اثر مولانا مملوک العلی کی حیثیت پر نہ ہوا اور وہ اس شعبہ کے صدر مدرس ہی رہے۔

۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین خاں کو دہلی کالج کا نام دیا گیا اور اس کے انتظام و انصرام کو نئی جہت دی گئی۔ اسی سال مولانا مملوک العلی اس کالج کے اساتذہ میں شامل ہوئے اور پھر بقیہ زندگی یہیں گذار دی۔ یوں تو اس کالج کے تدریسی عملہ میں بہت سے لوگوں کے نام ملتے ہیں لیکن ان میں مولانا ہی وہ واحد شخص ہیں، جن کی مدت تدریس اتنی طویل ہے۔ مولانا نے اس عرصہ میں تین پرنسپلوں کا زمانہ دیکھا۔ اپنی ملازمت کے ابتدائی اور آخری دور میں ٹیلر اس کالج کا سربراہ تھا۔ فیلکس بوتروکا چند سالہ دور بھی انہوں نے دیکھا اور پھر اشپرینگر کے ساتھ کام کرنے کا بھی انہیں موقع ملا۔ اشپرینگر کے دور پرنسپلی میں ان کی جو قدر و منزلت ہوئی، وہ اس سے قبل ہوئی، نہ بعد میں۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اشپرینگر خود ایک عربی دان تھا اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ان دنوں مولانا شعبہ عربی کے صدر مدرس تھے، اس لیے ان دونو میں ہم موضوعیت کی بنا پر قریبی تعلقات استوار ہو گئے۔ اشپرینگر نے مولانا کی عالمانہ صلاحیتوں کو پہچان لیا۔ اس کی خواہش تھی کہ مولانا اپنے علم سے تحریری طور پر بھی لوگوں کو مستفید کریں۔ چنانچہ اس کے مشورے اور حوصلہ افزائی سے مولانا نے اس میدان میں بھی قدم رکھا۔ اب ان کی جتنی تصانیف کے حوالے ملتے ہیں، وہ تمام اشپرینگر ہی کی فرمائش پر لکھی گئی تھیں۔

مولانا مملوک العلی دہلی کالج کے اساتذہ میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے ممتاز علماء کے تربیت یافتہ تھے۔ غیر معمولی ذہانت اور بے مثال حافظہ کے مالک تھے۔ حصول علم کا ذوق فراواں تھا اور فکر و دانش کے تمام سوتوں سے سیراب ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ جب دہلی کالج میں ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور مختلف مغربی علوم کو اردو میں منتقل کیا جانے لگا، تو مولانا ان تراجم کا انہماک اور شوق سے مطالعہ کرتے تھے کہ مضامین کتب انھیں ازبر ہو جاتے۔ انھیں اپنے پیشہ تدریس کی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا اور وہ ہمہ وقت اسی میں مشغول رہتے تھے۔ کالج کے علاوہ ان کے گھر پر بھی طالب علموں کی بھیڑ

اب کئی سال سے سرکردہ مدرسین ہیں کہ مدرسی اول اس سے عبارت ہے۔'' (ص ۲۹۲) سرسید کے اس تخمینی اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قریباً ۱۸۴۰ء تک صرف مدرس ہی تھے اور اس کے بعد انہیں صدر مدرس بنایا گیا، جبکہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رہتی تھی اور وہ ان کی علمی، تعلیمی اور نصابی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے تھے۔ مولانا طلبہ پر پوری توجہ دیتے تھے، معمولی سوجھ بوجھ کا طالب علم ان کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا۔ ان کے بیٹے اور شاگرد محمد یعقوب نانوتوی اپنے ہم درس محمد قاسم نانوتوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ''معقول کی مشکل کتابیں میر زاہد، قاضی صدرا، شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے تھے، جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تک نہ کرتے۔ والد مرحوم کے بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے۔ جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے سامنے طالب علم بے سمجھے نہیں چل سکتا اور واقعی ان کے سامنے بے سمجھے چلنا مشکل تھا۔ وہ طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں۔'' (سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱: ۲۸)۔ یہ مولانا کی مثالی تربیت، اعلیٰ مدرسانہ صلاحیت اور علمی دیانتداری کا نتیجہ ہے کہ ان کے تلامذہ میں ایسے ایسے نام ملتے ہیں، جنھوں نے بعد میں برصغیر کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ویسے تو ان کے شاگردوں کی تعداد اَن گنت ہے، لیکن ان میں سے کچھ نامور اشخاص کے نام یہ ہیں: محمد قاسم نانوتوی، محمد یعقوب نانوتوی، محمد مظہر نانوتوی، محمد احسن نانوتوی، محمد منیر نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، احمد علی محدث سہارنپوری، ذوالفقار علی دیوبندی (والد شیخ الہند)، فضل الرحمٰن (والد شبیر احمد عثمانی)، مولوی کریم الدین پانی پتی، منشی جمال الدین، ڈاکٹر ضیاء الدین، مولوی عالم علی مرادآبادی، مولوی سمیع اللہ دہلوی اور عبدالرحمٰن پانی پتی۔ یہ درست ہے کہ مولانا کی علمی وسعتوں کے مقابلے میں ان کے تحریری آثار بہت ہی کم ہیں، لیکن ان کے مذکورہ بالا تلامذہ نے جو دینی، تعلیمی اور علمی خدمات سرانجام دی ہیں، وہ مولانا کی تعلیم وتربیت اور ان کی مجالس علمیہ کا فیضان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا یہ کارنامہ کسی بھی بڑے سے بڑے تحریری کارنامے سے کم نہیں۔

مولانا مملوک العلی چھبیس سال دہلی کالج میں پڑھاتے رہے اور بالآخر ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اُن کے فرزند محمد یعقوب نانوتوی اپنے باپ کی وفات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارہویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان قبل السابع انتقال ہوگیا۔ ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے۔ گیارہ روز کل مرض رہا۔ مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا۔ لخلخہ سونگھانا اور پنکھا ہر وقت تھا۔ ہم سو جاتے تھے اور مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) برابر بیٹھے رہتے تھے۔''

(سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱: ۲۹)

مولانا کی وفات کے ۶۸ سال بعد بشیر الدین احمد دہلوی نے ان کی قبر کا یوں ذکر کیا ہے:

''شیخ عبدالعزیز صاحب شکر بار کے پائین میں آپ کی قبر کچی ہے۔ جب تک کوئی نہ بتائے مل

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نہیں سکتی۔ ناقدردانیٔ زمانہ ملاحظہ ہو کہ آپ کے ہزاروں شاگرد صاحب ثروت واقتدار تھے، مگر استاد کو کسی نے بھی نہ پوچھا اور اتنا بھی نہ کیا کہ ایک ہاتھ بھر کا پتھر کا ٹکڑا لگا دیتے کہ اس خاک کے ڈھیر پر گذرنے والے فاتحہ تو پڑھ لیتے۔" (واقعات دارالحکومت دہلی، ۲: ۵۸۴)

مولانا مملوک العلی کا شمار اپنے عہد کے جید علماء میں ہوتا تھا اور دہلی کی علمی رونقیں تو انھی کی وجہ سے تھیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی اور جن مغربی علوم نے اردو تراجم کے بھیس میں یہاں قدم رکھنا شروع کیا تھا، انھیں بھی وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے، عربی اور فارسی پر بھی انھیں کامل دست گاہ حاصل تھی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اپنی تمام عالمانہ خوبیوں، خداداد صلاحیتوں اور مختلف زبانوں پر عبور رکھنے کے باوجود کوئی یادگار تصنیفی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ اب تک ان کے نام کے ساتھ جن کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ تدوین متون اور تراجم تک محدود ہیں۔ اور یہ کام بھی انھوں نے طلبہ کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کیا۔ مولانا کی اس کوتاہ قلمی کا احساس ان کے بعض معاصرین کو بھی تھا۔ چنانچہ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

"انشاء، نظم ونثر کی طرف کم توجہ ہے۔ اگر ایسا فاضل اس طرف بھی متوجہ ہوتا تو یقین ہے کہ اس فن میں اپنے اقران وامثال سے ممتاز ہوتا۔"

(آثار الصنادید، ص ۲۹۲)

دراصل مولانا بنیادی طور پر ایک مدرس تھے اور وہ ان تمام خوبیوں سے متصف تھے، جو اسلامی مدارس کے روایتی اساتذہ کا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھیں۔ مولانا کے تصنیف وتالیف پر زیادہ دھیان نہ دینے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا تمام وقت طلبہ کی تعلیم وتدریس کی نذر ہو جاتا تھا۔ کالج سے فارغ ہو کر گھر پہنچتے، تو وہاں بھی طلبہ کا مجمع رہتا تھا اور وہ رات گئے تک ان کو پڑھاتے رہتے تھے۔ مولانا کے علمی آثار کی تعداد کم ہی، لیکن ان کے تلامذہ پر ایک نظر ڈالئے۔ ان میں ایسے ایسے نام ملیں گے، جنہوں نے تاریخی، دینی، سماجی اور تعلیمی سطح پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور ان کے جلائے ہوئے علمی چراغوں کی روشنی اب بھی مدہم نہیں پڑی۔ کیا مولانا کا یہ کارنامہ کسی بڑے سے بڑے علمی اور تحقیقی کارنامے سے کم ہے؟

مولانا نے جو متن مدون کئے اور جن کتابوں کے ترجمے شائع کرائے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ تحریر اقلیدس

اقلیدس (تیسری صدی قبل از مسیح) کی کتابوں کے عربی اور فارسی میں متعدد تراجم ہوئے اور انھیں بعض مدارس کے نصاب میں بھی شامل کیا گیا۔ رک: فواد سیزگین: تاریخ تصنیفات عربی، بزبان جرمن، جلد ۵، لائیڈن ۱۹۷۴ء، ص ۸۳-۱۲۰)۔ دہلی کالج کے نصاب میں بھی اقلیدس کی کتاب "اصول" شامل تھی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لیکن اس وقت تک اس کا کوئی اردو ترجمہ دستیاب نہیں تھا۔ جب فیلکس بوترو (Félix Boutros) پرنسپل دہلی کالج، کی تحریک پر ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی اور ایسی عربی، فارسی اور انگریزی کتب کا انتخاب ہوا، جن کو اردو میں منتقل کرنے کی ضرورت تھی، تو اقلیدس کی اس کتاب کو بھی ان میں شامل کیا گیا۔ ترجمہ کا یہ کام مملوک العلی کے سپرد ہوا اور اس کتاب کے آٹھ مقالوں کا ترجمہ پہلی بار ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا۔ اشپرینگر نے اس سوسائٹی کی ایک فہرست مطبوعات تیار کرائی تھی، جسے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سیکرٹری نے ایک اجلاس میں پیش کیا۔ اس فہرست میں ''اقلیدس'' بھی شامل ہے اور اس کی قیمت تین روپے لکھی ہے۔ (رک: جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ دوم، ۱۸۴۵ء، کارروائی، بابت اگست ۱۸۴۵ء)۔ بعد میں یہ کتاب ۱۸۴۹ء (تعداد اشاعت ۳۰۰، قیمت فی جلد دو روپے) میں بھی طبع ہوئی، (محمد عتیق صدیقی: صوبۂ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۸ و ۱۹۰)

اقلیدس کا یہ ترجمہ دہلی کالج کے شعبہ عربی کے نصاب میں شامل تھا اور اس کو مولانا خود ہی پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی لکھتے ہیں:

''تحریرا قلیدس کا ترجمہ زبان اردو میں چار مقالہ اول کا اور دو مقالوں آخر گیارھویں بارھویں کا کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم ہندسہ کو پانی کی طرح بہا دیا ہے۔''

(طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴۔ نیز فرائد الدہر، ص ۴۰۳)

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مولانا نے اقلیدس کا ترجمہ فارسی سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ آٹھ مقالوں پر مشتمل تھا اور یہ دو حصوں میں دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے ساتھ یہ انگریزی سرورق بھی تھا:

"Euclid's Elements of geometry in two parts, containing the six first and last two books."

گارسیں دتاسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاید یہ وہی ترجمہ ہے، جس کا اشتہار بعنوان ''اقلیدس کی پہلی، دوسری اور چوتھی کتب'' آگرہ گورنمنٹ گزٹ بابت یکم جون ۱۸۵۵ء میں دیا گیا تھا (تاریخ، مذکورہ بالا، جلد دوم، ص ۲۷۱-۲۷۲)۔ چند سال بعد پنڈت موہن لعل نے اقلیدس کے چوتھے اور چھٹے مقالے کا نیا ترجمہ شائع کرایا۔ ایچ، ایس، ریڈ (H. S. Reid) اس ترجمے کو مولانا کے ترجمے سے بہتر سمجھتا تھا۔ (ایضاً ۲۰: ۳۳۶)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۲۔تاریخ یمینی

اس تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کے عہد کے تاریخی واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔مؤرخ العتبی ہمعصر تھااوران واقعات کاعینی شاہد بھی۔سی،ای،باسورتھ (C. E. Bosworth) نے دورِغزنویہ پر جودو اہم کتابیں لکھی ہیں،ان میں اس تاریخ سے خاصا استفادہ کیا ہےاوراسے اپنے عہد کے مستند مصادر میں شامل کیا ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظراس کتاب کے فارسی اورانگریزی تراجم بھی کیے گئے،جن کی تفصیل براکلمان (۱:۳۱۴،ذ۱:۵۴۷-۵۴۸)اوراسٹوری (۱/۱،طبع عکسی،لندن ۱۹۷۰ء،ص ۲۵۰،۲۵۲) کی کتابوں میں مرقوم ہے۔مولانا مملوک العلی کے مرتبہ متن سے کچھ سال بعد جے رینولڈز نامی ایک انگریز نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا(لندن ۱۸۵۸ء)۔

''تاریخ یمینی'' کا یہ متن دہلی سے ۱۸۴۷ء میں طبع ہوااوراسے مولانا مملوک العلی اوراشپرینگر نے مل کرتیارکیا تھا۔اس ایڈیشن کے نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ[۱])اور برٹش میوزیم[۲] میں موجود ہیں،لیکن راقم نے جونسخہ استعمال کیا ہےوہ برلین (مغربی) کے متذکرۂ بالا کتاب خانہ میں موجود ہے۔جب یہ ایڈیشن طبع ہوا،اس وقت مولانا صدر مدرس اوراشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا۔یہ کتاب بھی طلبہ کی نصابی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ اسے فی الفور شعبۂ عربی کے نصاب میں شامل کرلیا گیا[۳]۔۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق مولانا اپنے طلبہ کو جو کتابیں پڑھاتے تھے،ان میں ''تاریخ یمینی'' بھی شامل تھی۔اس ایڈیشن کے دوعنوانات ہیں،ایک انگریزی اوردوسرا عربی میں،انگریزی عنوان میں مرتبین کے نام اور عہدے دیے گئے ہیں[۴]، جبکہ عربی عنوان میں ان کے بجائے مہتمم اشاعت کا

۱۔ فہرست مخطوطات ومطبوعات عربی،مرتبہ مرزااشرف علی،کلکتہ ۱۹۰۴ء،ص ۵۳۔

۲۔ فہرست مطبوعات عربی (بزبان انگریزی)، مرتبہ اے جی ایلس ،طبع عکسی ۱۹۶۷ء، (۱۹۰۱ء)، کالم ۱۲۹؛ انگریزی اخبار ''دی فرینڈ آف انڈیا'' میں بھی اس ایڈیشن کا ذکر کیا گیا ہے۔(جلد ۱۵،شمارہ ۴۴،بابت ۱۵ اپریل ۱۸۴۹ء،ص ۲۱۳)

۳۔ بحوالہ مکتوب خدابخش،بابت ۱۹جنوری ۱۸۵۰ء۔خط کا متن آئندہ سطور میں شائع ہوگا۔

۴۔ سرورق پر

'Otby's Tarykh Yamyny, or The History of Sultan Mahmud of Ghaznah. By a Contemporary. Edited in the original Arabic by Mowlawy Mamluk-al Alyy, Head Mowlawy, and A. Sprenger,

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نام درج ہے۔[1] عربی عنوان یہ ہے

اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین

تاریخ یمینی

باہتمام سید اشرف علی در مطبع العلوم مدرسہ دہلی منطبع شد۔ آخری سطر یہ ہے ''فرغت من تحریر ھذا الکتاب یوم السبت فی ۲۲ شہر رمضان ۱۲۶۳ھ۔'' اس کے بعد چھ صفحات پر ''فہرس مطالب التاریخ الیمینی'' درج ہے۔ عربی متن کے ساتھ بین السطور اور حاشیے پر وضاحتی عبارتیں لکھی گئی ہیں۔ مشکل الفاظ کے معانی فارسی میں دیئے گئے ہیں۔ اشخاص، اماکن اور تاریخی واقعات کے متعلق تشریحی عبارتیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تمام حواشی اور عبارات مولانا کے ہاتھ کی تحریر کردہ معلوم ہوتی ہیں۔ کتاب میں کوئی دیباچہ نہیں۔ کتابت نسخ میں ہے لیکن حواشی شکستہ خط میں لکھے گئے ہیں۔ فہرست مندرجات نستعلیق میں ہے۔[2]

''تاریخ یمینی'' کا یہ ایڈیشن اشرف علی کی نگرانی میں طبع ہوا تھا۔ اس نے اپنے دو بلا تاریخ خطوں میں اس ''تاریخ'' کا حوالہ دیا ہے۔ ایک خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غالباً اشپرینگر کے کہنے پر اس کتاب کے ۲۵ نسخے یورپ بھیجے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''در باب ''تاریخ یمینی'' کے ایک چٹھی ولایت سے اس مضمون کی آئی تھی کہ میرے پاس تمہاری

Principal of the Delhie College. Delhie. Lithographed in the Dilhie College Press, by Mowlawy Ashraf Aly, 1849.

۱۔ ایچ ایم ایلیٹ نے ''تاریخ ہند'' (انگریزی) میں اسی عنوان سے دھوکہ کھا کر مرتبین میں اشپرینگر اور مولوی اشرف علی (بجائے مولانا مملوک العلی) کے نام لکھ دیئے ہیں۔ (طبع عکسی الہ آباد، ۱۹۶۹ء، جلد دوم، ص ۱۶) اور جناب خلیق احمد نظامی نے اس جلد پر ضمیمہ شائع کرایا ہے (جلد دوم، دہلی ۱۹۸۱ء) لیکن اس میں ایلیٹ کی اس غلطی کی تصحیح نہیں کی اور مولانا کی بجائے اشرف علی ہی کا نام بطور مرتب لکھ دیا ہے (ص ۱۵)

۲۔ صفحات کی تعداد ۴۹۳ ہے۔ فی صفحہ ۱۶ سطور۔ ایک جرمن مستشرق فلائشر نے جرمنی کے علمی مجلہ ZDMG میں ''تاریخ یمینی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی صفحہ بندی کی متعدد اغلاط کی نشاندہی کی ہے (جلد سوم، ۱۸۴۹ء، ص ۳۵۹، تبصرہ بعنوان "A. Sprenger's neueste Leistungen")۔ محمد ایوب قادری نے لکھا ہے کہ مولانا نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا (محمد احسن نانوتوی، ص ۱۸۸)، لیکن یہ ترجمہ کب اور کہاں سے چھپا، اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے (ایضاً) کہ ''تاریخ یمینی'' کے عربی متن کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں محفوظ ہے، حالانکہ وہاں اس کا مطبوعہ نسخہ محفوظ ہے، مخطوطہ نہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۲۵ جلدوں میں سے ایک بھی نہیں پہنچی۔ چنانچہ اس کی نقل بھی میں حضور کے پاس اوسی عرضی کے ساتھ بھیج چکا ہوں۔ اس باب میں جیسا حضور کو منظور ہو، ویسا فرمائیں، کیونکہ پچیس جلدیں ہیں اور یہ جلدیں ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو معرفت اسٹل صاحب کے ولایت کو گئی تھیں۔"

دوسرے خط کے اختتام پر کاغذ کے نیچے یہ عبارت مرقوم ہے۔ "اور ایک قطعہ چٹھی در باب "تاریخ یمینی" کے میرے نام پر سواوس کو حضور کے ملاحظہ کے واسطے بھیجتا ہوں۔ جو اس بات میں حکم ہو، عمل میں لاؤں۔"

اسی صفحہ کی دوسری جانب کسی اور صاحب نے یہ فارسی عبارت لکھ دی ہے:

"بخدمت مولوی علی اکبر صاحب۔ بعد از سلام و دعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم حسب الایماء الصاحب بوطن اندوا اینجا بہمہ وجوہ بخانہ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب عازم وطن شدہ اندو بامر خیریت ہست۔"[1]

۳۔ کتاب المختار فی الأخبار الآثار

اشپرینگر کے دور پرنسپلی میں عربی مؤرخین کی تاریخوں سے انتخاب کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کی پہلی جلد یہ کتاب تھی۔ اسے مولانا مملوک العلی اور اشپرینگر نے اکٹھے شائع کرایا تھا۔ اس کا ایک نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں موجود ہے۔ (رک: فہرست مطبوعات مذکورہ بالا، کالم ۶۴۱) لیکن راقم نے جس نسخے سے استفادہ کیا، وہ برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسعودی کی "مروج الذہب ومعدن الجواہر" کا انتخاب ہے اور اس میں دور بنوامیہ کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کام بھی اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ ہے، کیونکہ وہ ہندوستان آنے سے قبل اس تاریخ کی جلد اول کا انگریزی ترجمہ شائع کر چکا تھا (لندن، ۱۸۴۱ء) اور اب یہ چاہتا تھا کہ اس کا عربی متن بھی آہستہ آہستہ طبع کر دیا جائے۔ سرورق کی عبارت یہ ہے:

کتاب المختار فی الاخبار والآثار

الجلد الاول وفیہ

تاریخ الدولۃ الامویہ من مروج الذہب

لابی الحسن علی مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ

۱۔ یہ محمد یعقوب نانوتوی کی پہلی شادی تھی، جو شعبان ۱۲۶۶ھ کو ہوئی۔ (رک: سیرت یعقوب و مملوک، ص ۳۸)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خلصہ وصحہ مولوی مملوک العلی النانوتوی

والوئس اسپرنگر التیر ولی

طبع فی المدرسۃ الدھلویۃ ۱۸۴۶عیسویہ و۱۲۶۲ھجر یہ

یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر شائع کی گئی اور اسے ہلکے نیلے رنگ کے باریک کاغذ پر چھاپا گیا۔ خط نستعلیق ہے۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصے کے صفحات نمبر الگ ہیں۔

ذکر خلافۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ص ۱-۶۹)، ذکر ایام معاویہ بن ابی سفیان (ص ۱--۵۰)، ذکر ایام یزید بن معاویہ بن ابی سفیان (ص ۱--۱۶۰)

۴۔ نتیجہ تحریر

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے (۲:۲۷۲) اور یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب مختلف اجزاء میں طبع کی گئی ہے۔ یہ علم ہندسہ سے متعلق ہے اور شمال مشرقی صوبوں کے مدارس میں اسے پڑھایا جاتا ہے۔ ''آگرہ گورنمنٹ گزٹ'' (بابت یکم جون ۱۸۵۵ء) میں بھی اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے، یہ مولانا کی ''تحریر اقلیدس'' ہی کا کوئی حصہ ہو۔

۵۔ ترجمہ سنن ترمذی

''مرحوم دہلی کالج'' میں اس ترجمہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (ص ۱۵۲)، لیکن اس کے متعلق دیگر تفصیلات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

برصغیر میں پہلی بار مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے ''سنن ترمذی'' شائع کرائی۔ اس مجموعۂ احادیث کی تصحیح وغیرہ میں مملوک العلی نے ان کی معاونت کی۔ (رک: راشد کاندھلوی کی محولہ بالا کتاب، ص ۲۳۹-۲۴۰)۔

۱۸۵۰ء کی جنرل تعلیمی رپورٹ (مطبوعہ آگرہ) میں ''ترمذی'' کے اردو ترجمہ کے بجائے صرف اس کی نئی طباعت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"On the 26th February, Government subscribed for five copies of a new Edition of the traditions of Tirmizi, published by Mumluk al-Alyy, 1st Arabic Teacher of the Delhie College;

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

one copy of this valuable work was deposited in the Library of each College."

۶۔عربی خط (غیر منقوط)

مولوی کریم الدین پانی پتی نے تذکرۂ شعرائے عرب بعنوان ''فرائدالدہر'' (۱۸۴۷ء) میں مولانا کا یہ عربی خط نقل کیا ہے۔انھوں نے یہ خط شہزادہ فیروز شاہ کو تحریر کیا تھا۔ (اس خط کے متن اور اردو ترجمہ کے لیے رک: راشد کاندھلوی کی متذکرۂ صدر کتاب، ص ۲۵۳-۲۶۰)

مولانا مملوک العلی کی علیت اور شخصیت کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

''علم معقول ومنقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہو جاوے تو ان کی لوح حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔ان سب کمال اور فضیلت پر خلق و علم احاطہ تقریر سے افزوں ہے۔اگر چہ ذی دنیاداروں کی ہے لیکن سیرت اور سریرت میں درویشانہ۔''

(آثار الصنادید، ص ۲۹۲)

اوران کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی یوں رقمطراز ہیں:

''عالم بے بدل اور متقی بے مثل اور فاضل کامل ہیں......حق یہ ہے کہ اس فاضل کی جیسی قدر چاہیے ویسی نہیں، کیونکہ ایسے عمدہ فاضل بے بدل بہت کم ہوتے ہیں اور واقع میں بناء مدرسہ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے۔فارسی اور اردو اور عربی تینوں زبانوں میں کمال رکھتے ہیں۔ہر ایک علم اور فن سے، جو ان زبانوں میں ہیں، مہارت تامہ اون کو حاصل ہے اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگریزی سے ترجمہ ہوتی ہے، اوس کے اصل اصول سے بہت جلد اون کا ذہن چسپاں ہو جاتا ہے، گویا اوس فن کو ازل ہی سے جانتے تھے۔اور جس کار پر مامور ہیں، اوس میں کبھی کسی طرح کا حتی الوسع اون سے قصور نہیں ہوا۔مدرسہ میں اون کی ذات بابرکات سے اتنا فیض ہوا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں کسی اوستاد سے ایسا ہوا ہو۔بندہ کے زعم میں یہ ہے کہ کبھی ایسا فائدہ لوگوں نے کسی فاضل سے نہ اوٹھایا ہوگا۔اگر ان کو کانِ علم اور مخزنِ اسرار کہوں تو بجا ہے۔کیونکہ وہ فاضل ایسا ہی ہے۔کوئی کتاب کسی فن کی مشکل اوس کے پاس لے جاؤ حفظ پڑھا دیں گے، گویا اوس کو حفظ کر رکھی ہے۔اسی لیے رات دن سوا مدرسہ کے اون کے گھر پر طلبا پڑیں رہتے ہیں۔ہر وقت اون کو گھیرے رہتے ہیں اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے۔سب کو پڑھاتے ہیں۔تمام شب اور دن میں شاید دو پہر رات کو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آرام کرنا اون کو نصیب ہوتا ہوگا والا نہ رات دن درس دہی طلبا میں گذرتا ہے اور باوجود اس کثرت درس اور فیض رسانی کے پابند شرع شریف کے ایسے ہیں کہ اس طرح کے آدمی کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ غرضیکہ جتنا اون کی تعریف میں لکھوں بجا ہے۔ اگر کوئی امر بطور مبالغہ بھی لکھوں، وہ بھی امر واقعی اون کی ذات میں پاتا ہوں۔ بہت بے نظیر فاضل ہے۔ اون کے ثانی کوئی فاضل ایسا نہیں ہے جس سے اس طرح کا فیض عام اور تشفی خاص و عام حاصل ہو...... بہت خندہ پیشانی اور عقل منداور ذکی اور ذہین اور تیز فہم اور محقق اور مدقق ہیں۔"

(طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۳-۴۶۴)

مولانا مملوک العلی کے جو حالات زندگی اوپر بالاختصار پیش کیے گئے ہیں ان کا بیشتر حصہ مولانا کے فرزندار جمند محمد یعقوب نانوتوی کی کتاب "سوانح عمری محمد قاسم نانوتوی" کے بعض بیانات یا راشد کاندھلوی کی درج بالا تصنیف سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا کے معاصرین، تلامذہ، اکابرین دیوبند کے مؤرخین اور ارباب تحقیق و تدقیق کی متعلقہ تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اب سطور ذیل میں مولانا کے سوانح حیات کے بارے میں کچھ ایسی معلومات پیش کی جارہی ہیں، جو ان معلومہ مصادر میں دستیاب نہیں۔ یہ نئی معلومات مولانا کے طبعی خصائص کی تفہیم میں مدد و معاون ثابت ہوں گی۔ نیز ان کی زندگی کے بعض نئے گوشوں پر بھی روشنی پڑے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سے دہلی کالج کی اندرونی سیاست کی چند جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔ یہ نئی معلومات زیادہ تر انھی خطوط سے حاصل ہوئی ہیں جو آئندہ شائع ہوں گے۔ اس ضمن میں مکتوبات کے علاوہ چند ایسے کاغذات سے بھی مدد ملی ہے جو ذخیرۂ اشپرینگر ہی کے مختلف ڈبوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

ذخیرۂ اشپرینگر کے انھی کاغذات و دستاویزات میں ایک بڑے سائز کا رجسٹر موجود ہے۔ اس رجسٹر کو سید اشرف علی نے مدرسہ دہلی کے پریس مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع کرایا تھا۔ رجسٹر کے پہلے صفحہ پر یہ عنوان درج ہے:

"مجموعہ فہرست ہائے طلبہ مدرسہ عربی و فارسی اور شاستری اور انگریزی واقع دہلی کالج بابت امتحان ۱۸۴۷ء۔"

اس رجسٹر کے ہر صفحہ پر دہلی کالج کے استاد کا نام لکھا گیا ہے اور اس نام کے تحت ان طلبہ کے نام دیئے گئے ہیں، جو اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں اس استاد کے زیر تعلیم تھے۔ ہر صفحہ کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر خانے کے اوپر مختلف عنوانات دیئے گئے ہیں۔ پہلے خانہ میں طالب علم کا نام اور اس کے سامنے مختلف خانوں میں طالب علم کے دیگر کوائف مثلاً عمر، مدرسہ دہلی میں مدت تحصیل، حاضریوں اور غیر حاضریوں کی تعداد مع وجہ رخصت اور مختلف مضامین میں حاصل کردہ نمبر دیئے گئے ہیں۔ اس رجسٹر کے ایک صفحہ پر مولانا کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نام بھی درج ہے۔عنوان یہ ہے:

''نقشہ جماعت اول عربی مفوضہ مولوی مملوک العلی صاحب۔''

اس عنوان کے تحت مولانا کی جماعت اول عربی کے دو فریقوں کے تین تین طلبہ کے نام اور ان کے کوائف درج ہیں۔ فریق اول کے طلبہ میں علی اکبر، عبدالرحمٰن اور شمس الدین اور فریق دوم کے طلبہ میں ریاض الدین، کریم بخش اور علی اصغر کے نام شامل ہیں۔ مولانا فریق اول کے طلبہ کو یہ کتابیں پڑھاتے تھے۔ درمختار، تاریخ یمینی، جامع التواریخ، دیوان حماسہ، جزئیات کلیات، رسالہ ہیئت اور علم مثلث۔ فریق دوم کے طلبہ کو ''درمختار'' کے بجائے ''ہدایہ'' اور ''دیوان حماسہ'' کی جگہ ''دیوان المتنبی'' پڑھایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بقیہ مضامین وہی ہیں جو فریق اول کے طلبہ کے نصاب میں شامل تھے۔

اشپرینگر کے نام مجموعۂ مکاتیب کے جن خطوط میں مولانا مملوک العلی کا ذکر ملتا ہے ان کے متعلقہ اقتباسات سطور ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔ ان خطوط کا مکمل متن اور مراسلہ نگاروں کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ اس سلسلہ کا ایک مکتوب نگار علی اکبر ہے۔ جیسا کہ متذکرہ بالا رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے وہ ۱۸۴۷ء میں مولانا کی جماعت اول عربی کے فریق اول کا طالب علم تھا۔ اس نے اپنے چار خطوں میں مولانا کا ذکر کیا ہے اور اس سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

الف) اشپرینگر کو جب دہلی کالج کی پرنسپلی سے ہٹا کر شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے لیے لکھنؤ بھیجا گیا (۶ دسمبر ۱۸۴۷ء) تو اس کی جگہ ایف ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ ٹیلر سے مولانا کی بنتی نہیں تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مدرسہ کی ملازمت ترک کر دی جائے اور اپنی جگہ اپنے بیٹے محمد یعقوب یا قریبی عزیز محمد مظہر (محمد احسن نانوتوی کے حقیقی بڑے بھائی) کا تقرر ہو جائے، لیکن پرنسپل ٹیلر کی مخالفت کی وجہ سے مولانا اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ مولانا اور ٹیلر کے مابین یہ اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ دونو میں قطع تعلق تک نوبت جا پہنچی۔ ٹیلر کی مخالفت کی شاید بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اشپرینگر کے قریبی احباب کو پسند نہیں کرتا تھا[1] اور ہر وقت انھیں کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اسی [illegible] دوران میں مولانا کا انتقال ہوگیا اور ٹیلر نے فی الفوران کی جگہ سنی طلباء کے استاد مولوی سید محمد [illegible]

ب) مولانا ''باب الحماسہ'' شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے اور حاشیہ پر مشکل نکات کی شرح بھی لکھنا چاہتے تھے۔ یہ کتاب عربی کے دونو فریقوں کے نصاب میں شامل تھی اور مولانا ہی اسے پڑھاتے تھے۔ شاید وہ ''حماسہ'' کی طباعت اور شرح سے طلبہ کی ضرورت کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ مولانا نے ''باب [illegible]

۱۔ رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد''، مطالعہ آزاد، از محمد [illegible] ۲۰۱۰ء

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے انتخاب کے لیے مکتوب نگار سے رابطہ قائم کیا، لیکن وہ اپنے استاد کے اس مجوزہ علمی منصوبے کے حق میں نہیں تھا۔

ج) مکتوب نگار ایک عہدہ پر فائز ہوا، لیکن باقاعدہ طور پر کام شروع کرنے سے قبل ایک شرط کو پورا کرنا تھا۔ اسے یہ شرط ناگوار گذری اور مولانا کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس نے ذرا سخت الفاظ میں اشپرینگر سے اپنی شکایت کا اظہار کیا۔ بعد میں اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے استاد کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ اس نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان خطوط کو تلف کردے۔

اب علی اکبر کے ان چار خطوط سے متعلقہ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا، کیونکہ اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے، لیکن مولوی صاحب ایسے عقل مند ہیں کہ ٹیلر صاحب سے ناحق بگاڑ اور خلاف کر رکھا ہے۔ تمام مدرسہ کے باب میں جو مشورہ وغیرہ منظور ہوتا ہے، ٹیلر صاحب مولوی سید محمد کو بلاتے ہیں۔ آمد ورفت مولوی مملوک العلی کی ان کے پاس بالکل ترک ہوگئی ہے اور فی الواقع مولوی مملوک العلی ان کا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں۔

چند اجزا ابن حیان کے حضور کے پاس ہیں۔ مجھ سے مولوی مملوک العلی نے طلب کیے۔ مجھے مطلق یاد نہیں اور نہ شملہ سے چلتے وقت یاد آئی اور نہ حضور کو یاد تھے، مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو بروقت تشریف لانے کے اور واپس لینے ''مفردات'' کے یاد تھے، لیکن کہنا مناسب نہ جانا......

مولوی صاحب کا ارادہ ہے کہ ''باب الحماسہ'' چھپوا دیں۔ اس طرح کہ ضروریات شرح حاشیہ پر ہو اور اس کے انتخاب کو کہتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اس کا چھاپنا اس طرح برا ہے......

مولانا مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جائے محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا، پھر یہ چاہا کہ مدرس سوئم کی جائے اپنے بیٹے محمد یعقوب کو مقرر کریں، یہ بھی نامنظور ہوا۔''

(۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء)

مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی نے مکتوب نگار علی اکبر کو عہدۂ نظارت پر فائز کیا اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کے پیش نظر تین ہزار روپے بطور ضمانت طلب کیے:

''......شرط ضمانت نے لاچار کردیا۔ اگرچہ عہدۂ نظارت بہت بہتر واعلیٰ ہے لیکن عہدہ احمد کبیر سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ یہ سارا فساد وخلل مولانا مملوک العلی کا ہے کہ اپنا قدم بیچ میں داخل کرکر نہ اپنا رکھا اور نہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میرا۔ مجھے اس کا اب تک بڑا افسوس ہے اور مولوی صاحب سے بڑی شکایت۔''

(۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء)

''سابق میں دو عرضی مشتمل اپنے حال کے فدوی نے لکھی ہیں۔ اون میں کچھ حال مولوی مملوک العلی کا بطور شکایت لکھا تھا، اون کو حضور چاک فرمادیں۔ مبادا کہ سدید الدین خان اون کو دیکھیں۔''

(۱۹ جنوری ۱۸۵۱ء)

''اب ان دنوں میں دہلی میں ایک یہ حادثہ پیش آیا کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے انتقال کیا اور کمیٹی نے بجائے اون کے مولوی سید محمد صاحب کو مامور کیا۔''

(۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء، از مدرسہ آگرہ)

علی اکبر کے علاوہ سید برکت علی ایسے مکتوب نگار ہیں، جنہوں نے تین خطوط میں مولانا کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام خطوط بلا تاریخ ہیں۔ ان میں ایک خط مولانا کی زندگی میں لکھا گیا۔ دوسرے خط کی تحریر کا وہی دن ہے، جب مولانا کا انتقال ہوا یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء۔ تیسرا خط مولانا کی وفات کے چند ماہ بعد لکھا گیا۔ مکتوب نگار کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ جب بھی کسی مدرسہ میں کوئی اسامی نکلتی، وہ اس کا امیدوار ہوتا۔ برکت علی کے ان اقتباسات سے ایک ضروری بات کا پتا چلتا ہے اور وہ یہ کہ علی اکبر نے اپنے خط (بابت ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) میں یہ اطلاع دی کہ مولانا مملوک العلی کی وفات کے بعد ان کی جگہ مولوی سید محمد کا تقرر عمل میں آیا، لیکن اس تقرر سے بھی اصل تنازعہ ختم نہ ہو سکا اور ایک گروہ اس کی مخالفت میں سرگرم عمل رہا۔ مکتوب نگار بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس تنازعہ کا فیصلہ کیا ہوا؟ اس کے بارے میں یہ خطوط اور دیگر دستاویزات خاموش ہیں۔

دہلی کالج میں ایک اسامی خالی ہوتی ہے۔ مکتوب نگار چاہتا ہے کہ اسے لکھنؤ سے اس کالج میں منتقل کر دیا جائے اور اس کی جگہ کسی اور استاد کو لکھنؤ بھیج دیا جائے۔ مولانا مملوک العلی اس اسامی کے لیے حافظ احمد کبیر کا نام پیش کرتے ہیں اور اس کی خبر مکتوب نگار تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''میں نے سنا ہے کہ مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے۔''

دوسرے خط کا اقتباس یہ ہے:

''اور آج ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے۔ تو ضرور ہے کہ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا ۔۔۔ اب بحسب اتفاق ایک عہدہ خالی ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں اور جس طرح سے مناسب ہو، میرے واسطے سفارش فرمادیں۔''

تیسرے خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''اب حال یہ ہے کہ بعد مر جانے مولوی مملوک العلی صاحب کے جلد کمیٹی ہوئی اور مولوی سید محمد بجائے مولوی مملوک العلی کے مقرر ہوئے، لیکن مولوی سید محمد کے عہدہ پر تنازع ہوا۔ مولوی حسن علی خاں نے کہا میرا حق ہے اور سبحان بخش نے کہا میرا حق ہے اور مفتی صدرالدین اور سید محمد وغیرہ نے یہ چاہا کہ کوئی عہدہ اگر محمد یعقوب بیٹے مملوک العلی کو مل جائے تو اچھا ہے۔''

اس مجموعۂ مکاتیب کا آخری خط، جس میں مولانا کا ذکر کیا گیا ہے، سید اشرف علی کا تحریر کردہ ہے۔ یہ خط بھی بلا تاریخ ہے، لیکن مولانا کے نام کے ساتھ لفظ ''مرحوم'' سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ان کی رحلت ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد لکھا گیا۔ اس خط سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ مولانا دہلی کالج کے مطبع العلوم میں حصہ دار تھے اور جب اس مطبع کا کاروبار مندا پڑ گیا تو انہوں نے اپنے حصص فروخت کر دیئے۔ متعلقہ اقتباس یہ ہے:

''جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے، تو شرکائے مطبع نے مثل مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش اور مولوی امام بخش اور میر سید محمد خوش نویس اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس حصوں کے بعض نے پورے پر اور بعض نے کچھ کم پر بیچ دیئے۔''(۱)

مولانا مملوک العلی کا نجی کتب خانہ

اشپرینگر کے ذخیرۂ کاغذات (مغربی برلین) کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک حصہ دہلی، لکھنؤ، بنارس وغیرہ کے نجی کتاب خانوں کی فہرستوں پر مشتمل ہے۔ یہ فہارس اشپرینگر کی فرمائش پر تیار کی گئیں اور ان کی ترتیب میں اسے بعض ثقہ اصحاب کا تعاون حاصل تھا۔ انھی فہرستوں میں ایک فہرست مولانا مملوک العلی کے ذاتی کتاب خانہ کی بھی ہے۔ یہ فہرست چھ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے اوپر یہ عنوان دیا گیا ہے۔ ''فہرست کتب موجودہ بتاریخ پانزدہم شعبان ۱۲۶۶ ہجری۔'' مولانا نے یہ فہرست خود ہی تیار کی، کیونکہ اس کا اور ان کے خطوط کا طرز تحریر ایک جیسا ہے۔ فہرست کے عنوان کے ساتھ دائیں جانب اشپرینگر نے اپنے ہاتھ سے انگریزی میں ''بکس آف مولوی مملوک العلی'' لکھا ہے۔ مخطوطات اور مطبوعات کو عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے۔ مولانا کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود قلمی نسخوں اور مطبوعات کا انتخاب درج ذیل ہے۔

۱۔ اشرف علی نے اپنے ایک مکتوب (بابت دسمبر ۱۸۵۲ء) میں بھی مولانا کا ذکر مطبع کے حصہ داروں میں کیا ہے۔ متعلقہ اقتباس یہ ہے ''اس سے پہلے اکثر شرکاء نے اپنے اپنے حصے یعنی مولوی مملوک علی صاحب مرحوم نے ماسٹر رام چندر، مولوی سبحان بخش، سر سید محمد خوشنویس اور اکثر طلباء اکاون، باون حصہ کے بعض نے برابر پر اور بعض نے کچھ کم پر بھی بیچ دیئے۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۶۰-۶۱، ''دہلی کالج کے چند قدیم ترین اساتذہ'')

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تفسیر و کلام اللہ و ما یتعلق

حمائل خوشخط ۔ کلام اللہ صحیح، حوالہ محمد یعقوب ۔ کلام اللہ مترجم بفارسی ۔ کلام اللہ مطبوع ترجمہ اردوی ۔ لغات کلام اللہ بعبارت فارسی معہ مجموعہ صرف ۔ نصف اول بیضاوی ۔ تفسیر بیضاوی (جلد اول، دوم، سوم) ۔ لغت القرآن، خلاصۃ از لغات راغب اصفہانی ۔ غرائب اللغات کلام اللہ ۔

کتب الحدیث و ما یتعلق بہ

ترمذی شریف (جلد اول و دوم) ۔ مسند امام اعظم معہ موطا امام مالک ۔ ترجمہ حصن حصین مطبوع معہ رسالۃ قرأت ۔ شرح مسلم از امام نووی (جلد اول تا خامس) ۔ نہایہ جزری ۔ پارہ شرح مصابیح ۔ نصف اخیر ترغیب و ترہیب ۔ حاشیہ بخاری شریف ۔ نسائی شریف مطبوع ۔ مفاتیح شرح مصابیح نصف اول مجلد ۔ ابوداؤد مطبوع ۔ بلوغ المرام مطبوع ۔ ربع مسلم شریف ۔ تیسیر الاصول مطبوع ۔ جلد اول ترجمہ مشکوٰۃ شریف در ہندی مطبوع ۔ ربع مسلم شریف ۔ حصن حصین معہ دلائل الخیرات در یک جلد ۔ حصن حصین مجلد ۔ جلد ثالث ترجمہ مشکوٰۃ ۔ دلایل الخیرات ۔

کتب الفقہ والاصول

ہدایہ نصف اول ۔ فتاوی مغرب ۔ فتاوی قنیہ ۔ شرح وقایہ ۔ تعظیم الطہارۃ، در فارسی ۔ مفتاح الجنۃ در ہندی ۔ عضدی ناقص ۔ غایۃ التحقیق حسامی ۔ حاشیہ تلویح، مجلد تا معلوم الاسم ۔ تلویح مجلد تا مقدمات اربعہ ۔ تلویح از مقدمات اربع تا آخر ناقص ۔ سہ جز تصریح ۔ حاشیہ تلویح ۔ منار بسیار محشی ۔ ربع منتخص ۔ حسامی محشی ۔ دائرہ خورد ۔ دائرہ شرح منار ۔ فتاوی حمادیہ در دو جلد مطبوع ۔ فتاوی درمختار مطبوع ۔ فتاوی فصول عمادی ۔ شرح مسلم الثبوت مولوی مبین ۔ ما لا بد منہ مطبوع دہلی ۔ عنایہ حاشیہ ہدایہ جلد ثالث از کتاب البیوع ۔ ایضاً جلد ثانی ۔ جلد رابع عنایہ از کتاب الودیعۃ تا آخر ۔ ہدایہ مع الکفایہ مطبوع ۔ از کتاب الصلوٰۃ تا کتاب الحج ۔ ہدایہ [illegible] (جلد ثالث و رابع) ۔ حاشیہ ہدایہ کہ مصنف او معلوم نیست ۔ جلد دوم ہدایہ مطبوع ۔ فتاوی [illegible] (جلد [illegible] رابع) ۔ عنایہ جلد ثانی از کتاب النکاح ۔ ما لا بد منہ مطبوع لکھنو ۔

۱۔ مراد رشید الدین خاں دہلوی، استاد مولانا ملوک العلی ۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کتب الکلام

حاشیہ مسعود بر موقف امور عامہ۔ نواقض الروافض۔ رسالہ ردّ متعہ تصنیف خاں صاحب مرحوم (1)۔ میرزاہد امور عامہ تمام محشی۔ شرح عقاید محشی۔ خیالی خوشخط محشی۔ عبدالحکیم بر خیالی۔ شرح عقاید ملا جلال۔ حاشیہ ملا کمال بر حاشیہ ملا جلال۔ حاشیہ مولوی مبین بر میرزاہد امور عامہ۔ حاشیہ ملا عبداللہ بر میرزاہد امور عامہ، حاشیہ مولوی برکت بر میرزاہد امور عامہ۔ حاشیہ مولوی حسن بر میرزاہد امور عامہ۔ حاشیہ قاضی مبارک بر میرزاہد ایضاً۔ تبصرہ مطبوع در رد روافض۔ خیالی غیر محشی۔ چار موقف شرح مواقف۔ دو جلد از موقف ثانی تا ختم۔ دو موقف شرح موافق پنجم و ششم۔

کتب الادب والصرف والنحو واللغۃ والبلاغۃ

تاریخ تیموری مطبوع۔ دیوان قیس معہ دیوان دیگر۔ دو جزو مقامات حریری۔ شرح سبعہ معلقہ مکتوبہ۔ مجموعہ قصاید بانت سعاد مجلد خورد معہ بعض اجزا قصاید شاہ عبدالعزیز۔ اجزاء مقامات بدیعی ناقص۔ شرح قصاید تائیہ شیخ ابن فارض۔ دیوان متنبی مطبوع۔ الف لیلہ جلد اول مکتوبہ عرب۔ الف لیلہ جلد دوم مطبوع۔ الف لیلہ نصف اخیر مطبوع ناقص۔ شافیہ محشی مطبوع۔ کافیہ مطبوع۔ ہدایۃ النحو مطبوع۔ کتاب صرف کبیر۔ جلد اول حاشیہ عبدالحئی۔ مجموعہ معراج الارواح و دستور المبتدی۔ مجموعہ شرح لاطائل وغیرہ۔ فقہ اللغۃ نصف اول۔ تاج المصادر۔ مختصر معانی کہنہ محشی۔ دمیۃ القصر، تتمہ الدہر، تکملہ شعرائے عرب۔ خزنۃ الادب معہ بدیعیات۔ مصباح بخط نسخ۔ فراید در معانی۔ رسالہ محیط الاوراد۔ شرح مقامات حریری مجلد۔ شرح دیوان متنبی در دو جلد۔ صراح در یک جلد مطبوع۔ دیوان شیخ علوی مدار۔ دیوان ابن فارض۔ تاریخ یمینی از کتب مالکان خریدہ شد۔ قاموس مطبوع۔ بدیع الادب مطبوع۔ انشاء دیگر عربی۔ تاریخ فرانس عربی مطبوع۔ مجموعہ ریحانہ وقلاید العقیان و مسجع المنطوق۔ دیوان ابن علی الجزری مکتوبہ عرب۔ شرح سبعہ معلقہ مطبوع۔

کتب ادعیہ وفنون متفرقہ و دیگر رویات

صحیفہ کاملہ خوشخط۔ بیاض خورد مع بعض ادعیہ صحیفہ کاملہ۔ عین العلم۔ شرح رسالہ امام رازی در احوال میت۔ چند جزو حاشیہ شرح ملا و اجزا از دوئم کتاب بلاغت۔ اجزا از کتاب فرائض از اول و آخر ناقص۔ سہ رویات از اجزاء مختلفہ در جزدان سفید۔ سہ رویات در جزدان۔ مجموعہ قصیدہ عروض و قصیدہ من بیاض مع اجزاء کشکول مجلد۔ رسالہ اساس المصلی و رسالہ لباس وغیرہ۔ رویات در جزدان سفید۔ سہ خطوط وغیرہ حساب در بستہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سفید۔ مجموعہ رسالہ مولوی رفیع الدین در احوال میت و فصل تعزیرات و دو رسالہ شاہ ولی اللہ۔ شرح مقدمہ جزری در قرأت۔ جلد اول احیاء العلوم مع جلد دویم تمام مجلد۔ صحیفہ کاملہ مطبوع معہ ادعیہ ملحقات۔ دمغ الباطل۔ قرۃ العینین در مناظرات و مسائل علوم۔

کتب المنطق والمناظرۃ

عبدالحکیم بر قطبی میر۔ سلم العلوم۔ شرح سلم مولوی حسن۔ شرح سلم مولوی عبداللہ۔ شرح سلم فیروز۔ شرح سلم قاضی مبارک۔ شرح سلم مولوی حمداللہ۔ شرح میر زاہد جلد کلاں۔ میر زاہد رسالہ تمام در یک جلد۔ یک جزو میر زاہد۔ حاشیہ مولوی عبداللہ و حاشیہ مولوی مبین بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ غلام یحییٰ و حاشیہ مولوی عظیم بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ مولوی فضل امام بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ ملا عماد و حاشیہ مولوی اسد اللہ در یک جلد۔ میر زاہد ملا جلالیہ تا تحت موضوع بسیار محشی۔ حاشیہ مولوی فضل امام۔ میر زاہد جلالیہ تمام متن رسالہ قطبیہ۔ حاشیہ مولوی عبدالعلی و قاضی مبارک و میر زاہد جلالیہ در یک جلد۔ منہیہ قاضی مبارک۔ شرح مطالع۔ مجردات نافعہ منہ۔ چند جزو حاشیہ صدرا یک جزو۔ شرح تہذیب ملا جلال تحت موضوع۔ اساس الاقتباس۔ دو جزو حاشیہ جلالیہ تا تحت موضوع۔ حاشیہ مولوی مبین بر میر زاہد جلالیہ۔

کتب الحکمۃ والریاضی

میبذی بخط خود۔ صدرا تا فلکیات بسیار محشی۔ حاشیہ ملا نظام الدین بر صدرا۔ شمس بازغہ۔ حاشیہ ملا نظام الدین بر شمس بازغہ معہ حاشیہ شرح حکمۃ العین۔ حاشیہ مولوی حمداللہ بر شمس بازغہ۔ صراط مستقیم از باقر داماد۔ تقویمات از باقر داماد۔ شرح ہیاکل۔ حاشیہ مولوی ظہور الدین۔ روضۃ الجنان ابوالحسن کاشی۔ اجزاء شرح حکمۃ العین۔ شرح چغمنی۔ قوشجی تمام۔ شرح قوشجی فارسی مکتوبہ مولوی حیدر حسن۔ مجموعہ تشریح الافلاک۔ رسالہ نو[illegible] عجائب الحساب۔ کتاب مطبوع در ہیئت انگریزی۔ مفتاح الافلاک۔ چند اوراق قوشجی و تشریح الافلاک۔ [illegible] بیاض کتاب حساب۔ رسالہ بطور سوال جواب مطبوعہ در ہیئت انگریزی۔ میبذی محشی [illegible]۔ ترجمہ خلاصۃ الحساب۔ تذکرہ در ہیئت۔

کتب متفرقہ از فارسی و طب و قانون وغیرہ

بیاض اشعار خوشخط۔ سبحۃ الابرار و تحفۃ الاحرار۔ مثنوی نامعلوم الاسم۔ بیاض مثنویات۔ مثنوی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نامعلوم الاسم۔ زلیخا ناظم ہروی۔ رسالہ تصوف در احوال مرزا جان جاناں۔ رسالہ کلاں تصوف۔ تحفۃ العراقین محشی۔ دیوان حافظ۔ سکندر نامہ ترکی از میر علی شیر مرحوم ہفت پیکر لیلیٰ مجنوں ترکی۔ مخزن اسرار محشی۔ کلیات عرفی ناقص۔ آداب المریدین۔ بیاض کلاں بطور کتاب ہفت مثنوی۔ سلیم قلی مع مثنوی دیگر در یک جلد۔ کلیات خاقانی۔ اقبال نامہ جہانگیری۔ انشاء طاہر وحید۔ اجزا زلیخا۔ بیاض خورد۔ دیوان قاسم دیوانہ۔ نلدمن۔ مثنوی مرزا بیدل۔ چند جزو از دفتر اول مثنوی شریف، ترجمہ کلیات مطبوع۔

اشپرینگر کے نام مولانا مملوک العلی کے مکتوبات کا متن اور اس کے متعلقات سطور ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ خط نمبر ۸ کا مکتوب الیہ اشپرینگر نہیں تھا بلکہ تھارنٹن (Thornton) ہے لیکن یہ خط بھی جو دراصل ایک درخواست ہے، یہاں شائع کیا جا رہا ہے، لیکن اس کا محرک بھی اشپرینگر ہی تھا۔

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

کتاب ''اصطلاحات'' مصنف کے ہاتھ کی، جس کا ذکر میں نے حضور میں کیا تھا، نام اوس کا ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (۲) ہے۔ احقر کے گمان مٖیں مقدار اوس کی ''قاموس'' سے کم نہیں۔ اور وہ کتاب وطن میں بعض دوستوں کے پاس ہے۔ اگر خدا چاہے، اب کی بار امتحان کے بعد جو وطن کو جاؤں گا، اوس کتاب کو مالک سے مستعار لے کر اپنے ہمراہ لاؤں گا۔ بعد ملاحظہ کے صاحب کو نقل اوس کی لکھوانے کا اختیار ہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول مدرسہ دہلی

۱۲ نومبر ۱۸۴۶ء''

تشریحات:

۱۔ مولانا نے یہ خط اشپرینگر کو اس وقت لکھا، جب وہ دہلی کالج کا پرنسپل تھا، لیکن وہ ان دنوں دہلی میں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ اس وقت شملہ میں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رخصت پر گیا ہو، کیونکہ جب تک وہ ہندوستان میں رہا، سال میں ایک دو بار کچھ دنوں کے لیے آرام کرنے کی غرض سے شملہ چلا جایا کرتا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۲۔ مولانا مملوک العلی نے اس کتاب کا ایک مخطوطہ اپنے وطن نانوتہ کے قریب کاندھلہ کے مولانا ابوالحسن (فرزند مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) کے ہاں دیکھا۔ یہ نسخہ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولانا نے دہلی میں اشپرینگر سے اس کتاب کی موضوعاتی قدر و قیمت کا ذکر کیا تو وہ اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اس کے مسلسل تقاضوں کی وجہ سے مولانا کاندھلہ گئے اور ابوالحسن کاندھلوی سے یہ قلمی نسخہ مستعار لے آئے اور اسے اشپرینگر کو پیش کر دیا۔ اس نے جب اس کے مندرجات پر نظر ڈالی، تو فوراً اس کی طباعت کا ارادہ کر لیا، لیکن اسی عرصہ میں وہ لکھنؤ چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ یہ نسخہ مولوی کریم الدین پانی پتی کو دے گیا، تاکہ وہ بھی اسے ایک نظر دیکھ کر اپنی رائے سے اسے مطلع کر سکے۔ اشپرینگر جتنی دیر لکھنؤ میں رہا، مولوی کریم الدین اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ لکھنؤ سے کام نپٹاتے ہی اشپرینگر کو مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اس قلمی نسخہ کی طباعت کی کوششیں تیز کر دیں اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ارباب حل وعقد کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ اسے اپنے کتابی سلسلہ ''ببلیوتھیکا انڈیکا'' میں شائع کر دیں۔ اس وقت قلمی نسخہ اشپرینگر کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً مولوی کریم الدین کو اس نسخے کی ترسیل کے متعلق لکھا۔ ساتھ ہی کچھ اور دوستوں کو بھی لکھا کہ مولوی کریم الدین سے یہ نسخہ لے کر بلا تاخیر کلکتہ ارسال کر دیا جائے۔ زیر نظر مجموعۂ مکاتیب میں ایک خط محمد سدید الدین کا تحریر کردہ ہے۔ انہوں نے یہ خط آگرہ سے ۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر کے نام لکھا تھا۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

''کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لا کر خدمت فیضدرجت حضور میں حاضر کروں گا۔'' مولانا مملوک العلی نے اشپرینگر کو ''کشاف'' کے جس خودنوشت خطی نسخے کی اطلاع دی تھی وہ مولانا کی وفات تک اس کو نہ مل سکا، لیکن اس دوران میں اسے اس کے دو اور قلمی نسخے دستیاب ہو گئے۔ اس نے یہ دونوں نسخے سوسائٹی کے ذمہ دار افراد کے سامنے مزید کارروائی کے لیے پیش کر دیے۔ اس زمانے میں اشپرینگر اسی سوسائٹی کے جرنل میں تازہ مطبوعات پر Literary Intelligence کے زیر عنوان تبصرے لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ اس جرنل کی اکیسویں جلد (شمارہ ۵، بابت ۱۸۵۲ء، ص ۴۲۹-۴۳۰) میں وہ اس کتاب کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

"Another work of very great importance the publication of which in the Bibliotheca Indica is in contemplation is the

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کشاف اصطلاحات الفنون by Mowlawy Mohammad A'la b. Shaykh Alyy of Saharanpur who died about sixty years ago. He spent nearly the whole of his life in the compilation of this work. It contains the technical terms of all this work. It contains the technical terms of all the sciences cultivated by the Musalmans, and what gives it a particularly high value is that the definitions and explanations are taken verbatim from the most authentic text books and commentaries of the respective sciences, these are therefore collected in it the opinions of the most distinguished authors. Of those sciences which are still cultivated, and well known, the author contents himself by explaining the technical terms but in those sciences of which books are rare he enters deeper into the subject and gives in fact a compendium of the leading points. The work is very much like our Encyclopedias. In extent it is equal to, or larger than the *Qamus* and if its publication should be decided upon it will be desirable to print it in the same form as the Calcutta edition of the *Qamus*. At present two Ms. copies are at the disposal of the Society and it is very likely that we shall be able to obtain one of three copies which the author has written with his own hand."

اشپرینگر کے اس انگریزی اقتباس سے جو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

الف) ''کشاف'' کے مؤلف مولوی محمد اعلیٰ کے والد کا نام شیخ علی تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ب) اس کا آبائی شہر سہارنپور تھا۔ رحمان علی نے ساکن تھانہ لکھا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۵۸۸)

ج) اشپرینگر نے ۱۸۵۲ء کے اس تبصرے میں لکھا ہے کہ محمد اعلیٰ کو فوت ہوئے تقریباً ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ اس حساب سے اس کا سال وفات ۱۷۹۲ء یا اس کے قریب کا کوئی اور سنہ ہے۔

د) مؤلف نے اپنی پوری زندگی اسی کتاب پر صرف کر دی (مترجم "تذکرہ علمائے ہند" کے ایک نوٹ (ص ۵۸۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد اعلیٰ نے اراضی ہند پر بھی ایک کتاب لکھی تھی، جس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے)۔

ھ) "کشاف" کا متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا۔ ان میں سے ایک نسخہ وہ تھا، جس کی اطلاع مولانا نے اشپرینگر کو مذکورہ بالا خط کے ذریعہ دی۔ یہ خودنوشت مخطوطہ تھا۔ بعد میں یہ نسخہ کہاں گیا، کچھ پتا نہیں چلتا۔ راقم کا خیال تھا کہ شاید اشپرینگر اسے اپنے ساتھ یورپ لے گیا، لیکن اس کے عربی مخطوطات میں یہ نسخہ شامل نہیں۔ ممکن ہے، استعمال کے بعد یہ نسخہ اصل مالک کو لوٹا دیا گیا ہو۔

اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر "کشاف" کی طباعت شروع ہوئی۔ ابھی اس کا کچھ حصہ ہی طبع ہوا تھا کہ اشپرینگر کو ہندوستان چھوڑ کر جرمنی جانا پڑا۔ اس کی غیر موجودگی میں بقیہ کام کی نگرانی ولیم ناسولیس William Nassau Lees (۱۸۲۵ء-۱۸۸۹ء) کرتے رہے۔ متن کی تصحیح و ترتیب میں مولوی محمد وجیہہ، مولوی عبدالحق اور مولوی غلام قادر نے ہاتھ بٹایا۔ بالآخر یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں مکمل طور پر شائع ہو گئی۔ (دو جلد، طبع عکسی، تہران ۱۹۶۷ء۔ طبع بیروت: خیاط، بعنوان "موسوعة اصطلاحات العلوم الاسلامیة"، لاہور: سہیل اکیڈمی) سرورق پر "باہتمام الولیس اشپرینگر التیر ولی وولیم ناسولیس الایرلندی" مرقوم ہے۔ جلد دوم کے ساتھ بطور ضمیمہ نجم الدین کاتبی قزوینی کے "رسالہ شمسیہ" کا عربی متن مع انگریزی ترجمہ (از اشپرینگر) بھی شائع ہوا۔ اس سے پہلے یہ رسالہ ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے علیحدہ بھی شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی کتاب "ادبیات عربی میں ہندوستان کا حصہ" (انگریزی) (الہ آباد، ۱۹۴۶ء) میں مؤلف کا پورا نام محمد اعلیٰ بن شیخ علی بن قاضی محمد حامد بن محمد صابر الفاروقی التھانوی لکھا ہے (ص ۴۱۱)۔ ایک جگہ اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء درج ہے (ص ۱۷۶) اور دوسری جگہ ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء (ص ۱۱۴)۔ رامپور (۱۵۱۳) اور بانکی پور (۲۰۰۹:۲۰) میں اس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۲

''غریب پرور سلامت(۱)

پروانہ حضور کا پہنچا۔ سر بلند کیا۔ مضمون اوس کا مولوی محمد مظہر(۲) کو لکھ بھیجوں گا(۳)۔ خط مولوی صاحب موصوف کا لکھا ہوا ۲۶ شوال کا آیا تھا۔ لکھا تھا کہ بسبب کثرت بارش کے چلنا قافلہ کا نہیں ہو سکتا۔ شاید ۱۵ ذیقعدہ تلک چلنا ہوگا۔ اغلب ہے کہ اب وہ قافلہ چل لیا ہوگا(۴)، لیکن اور خط نہیں آیا۔ لکھا تھا کہ بسبب گراں فروشی اور بے پروائی تاجر کے اور نیز بسبب دور ہونے مکان کے میں خریدنے میں کتب کے انتظار جواب کا نہ کر سکا، اور میں اول دہلی میں اور بعد ازاں وطن میں اور بعد اوس کے بنارس میں پہنچوں گا(۵)۔ خلاصہ مضمون خط کا یہ تھا، لیکن وہ خط اون کے والد پاس بھیج دیا(۶)۔ اس سبب بعینہ نقل اوس کی نہیں لکھی۔

پہلے اسے جو حضور نے واسطے طلب ''بخاری شریف'' اور ''جامع ترمذی'' کے حکم بھیجا تھا، احقر نے ''جامع ترمذی'' ٹیلر صاحب بہادر(۸) کی خدمت میں بھیجی تھی اور واسطے نہ دینے ''بخاری شریف(۹)'' کے یہ عذر کیا تھا کہ اگر کوئی لکھنؤ میں اس کی نقل چھاپے تو ہمارا نقصان متصور ہے۔ جب صاحب بہادر نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب بہادر اقرار کرتے ہیں کہ ہم وہ کتاب کسی کو نہ دیں گے تو پانچ سیپارے ''بخاری شریف'' کے یعنی جس قدر چھپے تھے، صاحب بہادر کی خدمت میں آپ پہنچائے تھے اور اپنا عذر بھی عرض کیا تھا۔ سو انہوں نے آپ کو لکھا ہوگا۔

''ترمذی'' انشاء اللہ تعالیٰ تین مہینے میں یا کچھ زیادہ میں تمام ہوگی۔ دو ورق روز چھپتے ہیں اور چھپنا ''بخاری شریف'' کا ابھی ملتوی ہے۔ بعد تمامی اس کتاب کے شروع ہوگا۔ جب حضور تشریف لاویں گے، ملاحظہ سے گذرے گا۔

احقر کو ہر وقت خیال عنایت اور اخلاق حضور کا رہتا ہے اور زبان پر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد تر ملاقات نصیب فرماوے۔ واجب تھا عرض کیا۔ فقط

مملوک العلی

مدرس اول

۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء

تشریحات:

۱۔ یہ خط جب لکھا گیا، اشپرینگر لکھنؤ میں شاہان اودھ کے کتاب خانوں کے قلمی نوادرات کی فہرست سازی میں مصروف تھا۔ اس نے ''فہرست مخطوطات'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں خود

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لکھا ہے کہ وہ اس کام کے لئے ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا تھا۔

۲۔ مولانا مملوک العلی کے ہموطن، قریبی عزیز اور شاگرد تھے۔ محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات ان کے خطوط کے ساتھ آئندہ سطور میں درج ہیں۔

۳۔ مولوی محمد مظہر نانوتوی کسی طویل سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ اشپرینگر نے انہیں خط لکھا کہ دوران سفر میں اگر اس کے ذوق کی کوئی مفید کتاب نظر آئے، تو فوراً خرید لی جائے۔ اشپرینگر نے اپنے مقامی احباب بالخصوص دہلی کالج کے اساتذہ اور طلبہ کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ جب بھی وہ کسی سفر پر روانہ ہوں، تو نایاب اور اہم قلمی نسخے بھی تلاش کرتے رہیں اور جہاں کہیں ایسا کوئی نسخہ ملے، فوراً خرید لیا جائے اور اس کی اطلاع اشپرینگر کو دی جائے۔ اشپرینگر کا اتنی تعداد میں مخطوطات جمع کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی تھا۔ چنانچہ اس نے مولوی محمد مظہر کو بھی چلنے سے قبل یہی ہدایت کی اور جب ان کی جانب سے کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی، تو اس نے مولانا مملوک العلی کو ان کا اتا پتا معلوم کرنے کے لیے یہ خط لکھا۔ اشپرینگر کی تشویش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے مولوی محمد مظہر نانوتوی کو ''بخاری'' اور ''ترمذی'' کا ایک ایک نسخہ لکھنؤ بھیجنے کے لئے کہا تھا۔ ان دنوں یہ دونو کتابیں دہلی کے ایک مطبع میں چھپ رہی تھیں، اس لیے مولوی صاحب انھیں نہ بھیج سکے اور اسی عرصے میں وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ اشپرینگر نے مولانا کے نام اپنے خط میں اس بات کا ذکر کیا تو مولانا نے ان کتابوں کی اصل صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔

۴۔ مولانا کو اشپرینگر کا یہ خط ملنے سے قبل مولوی محمد مظہر کا خیریت نامہ پہنچ چکا تھا جس میں انھوں نے اپنے سفر کی صعوبتوں کا ذکر کیا تھا۔ مولوی صاحب جس قافلے میں سفر کر رہے تھے، وہ کس منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں مثلاً محمد ایوب قادری (محمد احسن نانوتوی، ص ۱۵۴-۱۵۷) اور حافظ فیوض الرحمٰن (مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳-۵۹۶) نے اشارہ تک نہیں کیا، لیکن اسی مجموعۂ مکتوبات میں محمد مظہر کا ایک فارسی خط موجود ہے، جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کا یہ سفر حجاز تھا، اور وہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں زیارت بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اس خط کے آخر میں ''محمد مظہر از اثناء سفر حجاز'' مرقوم ہے۔

۵۔ مولوی محمد مظہر حجاز سے واپسی کے بعد سیدھے دہلی اس لیے آنا چاہتے تھے کہ اپنے استاد مولانا مملوک العلی اور اپنے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ نانوتہ جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان کا آبائی شہر تھا، لیکن بنارس جانے کا اصل سبب یہ تھا کہ ان دنوں مولوی صاحب مدرسہ بنارس میں مدرس اول کے عہدہ پر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فائز تھے۔ مولوی صاحب کے کسی تذکرہ نویس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

۶۔ محمد مظہر نانوتوی کے والد کا نام حافظ لطف علی تھا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خط کی تاریخ تحریر یعنی ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء تک زندہ تھے۔

۷۔ اشپرینگر نے اپنے ذاتی کتب خانے کی جو فہرست مرتب کی تھی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء) اس میں ''ترمذی'' کے ایک ایڈیشن (مطبوعہ دہلی ۱۸۴۴ء، صفحات ۶۵۴) کا حوالہ دیا ہے۔ (ص ۳۴، شمارہ ۵۰۸)، لیکن یہاں یہ ایڈیشن مراد نہیں۔ فؤاد سیزگن نے ''تاریخ تصنیفات عربی'' (بزبان جرمن) میں اس کتاب کے دو طباعتوں (۱۲۶۹ھ، ۱۲۷۰ھ) کا حوالہ دیا ہے (جلد اول، مطبوعہ لائیڈن ۱۹۶۷ء، ص ۱۵۵)۔ یہاں جس ایڈیشن کا ذکر کیا ہے وہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ان دنوں ''ترمذی'' دہلی کے مطبع العلوم میں چھپ رہی تھی۔ اس مطبع کے مہتمم سید اشرف علی ایک مکتوب بنام اشپرینگر (بلا تاریخ) میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

''ایک دو ورقہ صحیح ترمذی کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں کہ کیسی چھپتی ہے..... حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں، تحفۃ المومنین، صحیح ترمذی......''

۸۔ اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا۔ تفصیل کے لئے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعۂ آزاد از محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء)

۹۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں ''بخاری'' کا سنہ طباعت ۱۲۷۰ھ لکھا ہے (ص ۳۳، شمارہ ۴۹۷)۔ یہ ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۱۶۹ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ کتاب بھی مطبع العلوم ہی میں زیر طبع تھی۔ اشپرینگر نے سیرت رسولؐ پر تین جلدوں میں بزبان جرمن کتاب لکھی تھی، جس کی پہلی جلد برلین سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچے میں اشپرینگر نے ایک تحتی نوٹ دیا ہے جس میں ان کتابوں کے نام ہیں، جو اس کے کہنے پر لکھی گئیں۔ (صفحہ VII)۔ انھی کتابوں میں ''بخاری'' کا یہ ایڈیشن بھی شامل ہے۔ ''بخاری'' کا یہ ایڈیشن مولوی احمد علی محدث سہارنپوری نے ترتیب دیا تھا۔ تفصیل کے لئے رک: مکتوب نمبر ۳ کا نوٹ نمبر ۲۔

۳

''غریب پرور (۱)

پروانہ حضور کا پہنچا۔ معزز اور سربلند کیا۔ مکان مولد شریف کا جو احقر نے بچشم خود دیکھا ہے،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بموجب اپنی یاد کے حقیقت اوس کی عرض کرتا ہوں کہ وہ مکان جانب شرقی میں بلدہ طیبہ مکہ کے واقع ہے۔ بالفعل وہاں کچھ آثار پہاڑ کے نہیں۔ایک کوچہ میں دہنی طرف دروازہ مکان کا ہے۔زمین کوچہ کی بلند ہے اور مکان نشیب میں ہے۔کئی سیڑھی اوتر کے مکان میں داخل ہوتے ہیں۔اوس میں ایک حجرہ ہے۔اوس کا دروازہ بہت بڑا ہے۔اوس کے اندر بوریوں اور غالیچوں کا فرش ہے۔اوس کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں اور ایسا ہی مولوی احمد علی صاحب (۲) کو یاد ہے۔لیکن شعب ابو طالب کا حال احقر کو معلوم نہیں اور نہ کوئی جا وہاں بالفعل اس نام سے مشہور ہے اور جو تاریخ کی کتابوں میں ہے، آپ کو خوب معلوم ہے۔

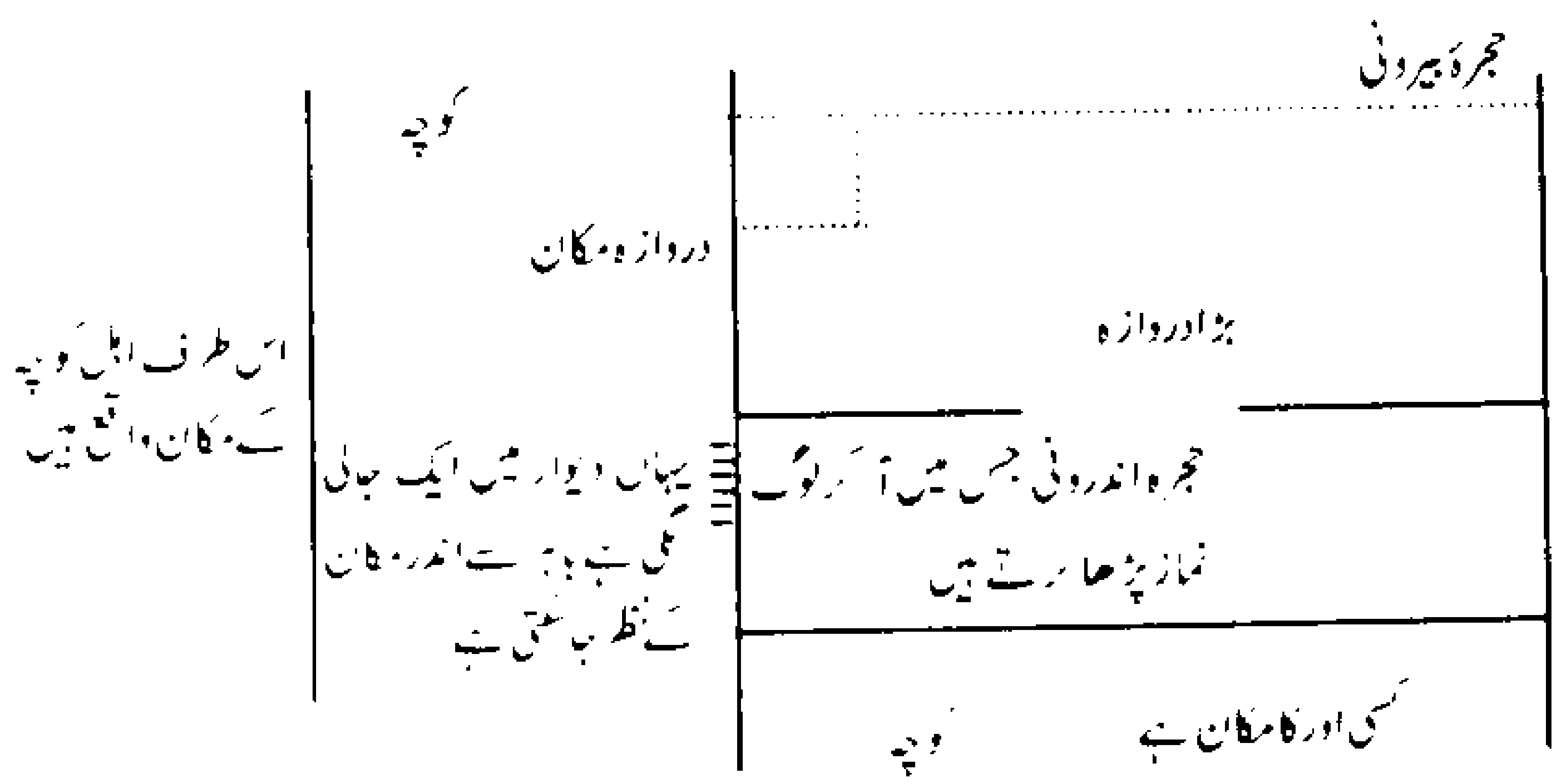
احقر خدا تعالیٰ کی عنایت سے صحیح وسالم وتندرست ہے۔اکثر اوقات تذکار عنایتوں حضور کا بزبان رہتا ہے۔واجب تھا عرض کیا۔فقط

مملوک العلی

مدرس اول

۲۶ مئی ۱۸۴۹ء

اس صفحہ کے اوپر مولانا مملوک العلی نے اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل نقشہ بنایا ہے اور اس میں جو عبارتیں ہیں، وہ بھی ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔



اس کاغذ کی دوسری جانب یہ عبارت ہے:

''عرضی مملوک العلی مدرس اول۔یہ عرضی بخدمت صاحب بہادر [illegible] صاحب بہادر دام اقبالہ گذرانیں۔''

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تشریحات:

ا۔ مولانا کا یہ خط بھی اسی زمانے میں لکھا گیا، جب اشپرینگر لکھنؤ میں تھا۔

اشپرینگر کو اس مکان کے محل وقوع کی تفصیلات درکار تھیں، جس میں حضور اکرمؐ کی ولادت با سعادت ہوئی تھی۔ اس نے ایک انگریزی کتاب سیرت رسولؐ پر لکھی، جو الہ آباد سے شائع ہوئی (۱۸۵۱ء)۔ اس میں ہجرت تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں۔ شاید اسے یہ معلومات اپنی اسی کتاب کے لیے درکار تھیں۔ اسے یہ معلوم تھا کہ مولانا چند سال قبل فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں اور وہ اس مکان کی بھی زیارت کر چکے ہوں گے، اسی لیے اس نے مولانا سے رجوع کیا اور مولانا اس مکان کے متعلق جو کچھ جانتے تھے، وہ انہوں نے اس خط میں بیان کر دیا۔

مولانا ۱۸۴۲ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے اور ایک سال کے بعد واپس آئے۔ ان کے بیٹے محمد یعقوب نانوتوی ''سوانح عمری محمد قاسم نانوتوی'' میں لکھتے ہیں:

''سنہ بارہ سوستاون ہجری میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی نے کہ دونو نواسے اور جانشین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، اچانک ارادہ ہجرت کا کیا۔ ذیقعدہ میں شاید روانہ ہوگئے۔ دہلی میں اندھیرا ہوگیا اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت والد مرحوم کو بھی حج کا دھیان ہوا۔ خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کی مل گئی اور سرکار نے براہ قدردانی آدھی تنخواہ بھی دی، رجب ۱۲۵۸ ہجری میں وطن سے روانہ ہوئے اور اول ذی الحجہ کو مکہ پہنچے۔ زیارت حرمین سے فارغ ہو کر برس دن میں پھر دہلی پہنچے۔''

(بحوالہ سوانح قاسمی، ۱:۲۷، تحتی نوٹ)

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب اس روایت کی جزئیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا مملوک العلی کے اس سفر کی تاریخوں کو خصوصی اہمیت اس لئے حاصل ہے کہ ان ہی تاریخوں میں سچ پوچھیے تو مسلمانان ہند کی دینی تقدیر کا فیصلہ قدرت کی طرف سے نافذ ہوا اور اسلامی ہند کی دینی امامت و قیامت جس کے لئے زوال حکومت کے بعد ازل ہی سے مقدر ہو چکی تھی، ایک قصباتی آبادی سے اس کو ہندوستان کے سیاسی اور علمی و دینی مرکز دلّی پہنچانے کا نظم قدرت کی طرف سے عمل میں آیا۔'' (سوانح قاسمی ۱:۲۱۳)

۲۔ ان دنوں اس نام کے دو شخص موجود تھے اور یہ دونوں قریب قریب ہم عمر تھے۔ ان میں ایک کا تعلق دہلی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے تھا اور وہ دہلی کالج کے مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ بقول مولوی کریم الدین پانی پتی ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب ۳۵ برس تھی۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴۔ گارسیں دتاسی ۱: ۱۶۰-۱۶۱) انھوں نے اشپرینگر کی فرمائش پر قواعد اردو پر ایک کتاب بعنوان "چشمۂ فیض" یا "فیض کا چشمہ" لکھی۔ (سنہ تالیف ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء، مطبوعہ دہلی ۱۸۴۵ء)۔ اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں محفوظ ہے (رک: فہرست مخطوطات اردو، بزبان انگریزی، مرتبہ سلیم الدین قریشی وارسلا سمس ویمز۔ لندن ۱۹۷۸ء، ص ۴۸-۴۹)۔

اس نام کے دوسرے شخص حافظ حاجی احمد علی محدث سہارنپوری تھے اور انھی کا ذکر مولانا نے اپنے اس خط میں کیا ہے۔ ان کے حالات زندگی عبدالحیٔ نے "نزہۃ الخواطر" (۷: ۴۳) اور محمد زکریا نے "اوجز المسالک" (ص ۴۵) میں لکھے ہیں۔ ان کی عربی عبارات کا ترجمہ مؤلف "سیرت یعقوب و مملوک" نے دیا ہے۔ (ص ۳۶-۳۸)۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے "مختصر واقعات و سوانح" حیدرآباد دکن کے وکیل مولوی مظہر الحق نے تحریر کیے تھے (غیر مطبوعہ صفحات بارہ)۔ مولانا احمد علی، معروف شاعر اور مترجم محمد سلیم الرحمٰن (لاہور) کے پردادا تھے اور یہ صفحات ان کے والد خلیل الرحمٰن ندوی کی قلمی بیاض کے آخر میں درج ہیں۔ مولانا کے پڑپوتے کے شکریے کے ساتھ اس بیاض سے سوانحی کوائف مختصراً طور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

احمد علی محدث خلف شیخ لطف اللہ انصاری سہارنپور میں ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ صرف نحو، منطق، فلسفہ اور مشکوٰۃ مولوی سعادت علی اور بقیہ کتب فقہ، معانی بیان و صحاح ستہ مولوی وجیہ الدین سے پڑھیں۔ ان علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو دہلی چلے آئے اور وہاں مولانا مملوک العلی کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے اور پھر انھی کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ کے نواسے شاہ محمد بن اسحٰق بن محمد افضل دہلوی مہاجر مکی سے سند حدیث حاصل کی۔ ہندوستان واپس آئے اور پیشۂ تجارت اختیار کر لیا۔ تمام عمر صحاح ستہ کے لیے وقف کر دی۔ دہلی میں ایک مطبع قائم کیا اور وہاں سے حدیث کی کتب شائع کیں۔ اس مطبع کے مولوی مملوک العلی نانوتوی اور مولوی [illegible] خاں مالک تھے۔ "بخاری" کا حاشیہ لکھا۔ متعدد رسالے لکھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سہارنپور آگئے اور ۱۸۶۷ء کے بعد اسی شہر کے مدرسہ مظاہر العلوم میں درس حدیث دیتے رہے۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں سہارنپور ہی میں وفات پائی۔

(نیز رک: مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، ص ۵۵-۵۵۔)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدائق الحنفیہ از فقیر محمد جہلمی، طبع چہارم، لاہور، ص ۵۱۰)

اشپرینگر اپنے ایک تبصرۂ کتب بعنوان ''لٹریری انٹیلی جنس'' میں مولوی صاحب کے کاموں کا جائزہ یوں پیش کرتا ہے:

''مولوی احمد علی نے مختصر مگر مفید حواشی کے ساتھ ''مشکوٰۃ'' شائع کی ہے۔ یہ حواشی زیادہ تر ''مرقاۃ'' سے اخذ شدہ ہیں۔ ۱۲۵۹ھ میں ''مشکوٰۃ'' عبدالحق دہلوی کے فارسی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ٹائپ میں کلکتہ سے چار جلدوں میں طبع ہوئی تھی اور بعد میں اتنی ہی جلدوں میں مع اردو ترجمہ دہلی سے شائع ہوئی۔ مولوی احمد علی نے ''تفسیر جلالین'' کو بھی مرتب کیا ہے۔ یہ معتبر نسخہ ہے لیکن یہ کلکتہ کے ایڈیشن جیسا صاف نہیں۔ مولوی موصوف اپنی علمیت کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اب تک ''بخاری'' پر کام کا دو تہائی حصہ مکمل کر لیا ہے۔ انھوں نے اس کے مطبوعہ صفحات مجھے بھیجے تھے۔ یہ شاندار نسخہ ہے۔ ۱۰۷ صفحات اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ابھی دس ابواب چھپنا باقی ہیں۔ ہر لفظ پر احتیاط سے اعراب لگائے گئے ہیں۔ حاشیہ پر اور بین السطور قابل تعریف تشریحی عبارات درج کی گئی ہیں اور یہ ''فتح الباری'' اور دیگر مستند تفاسیر سے لی گئی ہیں۔'' (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۰، ۱۸۵۱ء، ص ۲۸۲، جلد ۲۱، ۱۸۵۲ء، ص ۴۲۹)

۴

''غریب پرور سلامت (۱)

عنایت نامہ حضور کا بیچ خط مولوی علی اکبر (۲) کے پہنچا۔ باعث سرفرازی اور سربلندی کا ہوا۔ نواب بڈھے صاحب سے بیچ مقدمہ خرید کتب کے معرفت احمد علی کتاب فروش کے میں نے کہلا بھیجا ہے اور فہرست کتابوں کی طلب کی ہے۔ جب فہرست آوے گی اور قیمتیں معین ہوں گی، اون کے حال سے حضور کو مطلع کروں گا (۳)۔

ان دنوں دہلی میں گرمی بشدت ہے اور مہینہ رمضان کا شروع ہوا ہے۔ روزہ داروں کو چلنا پھرنا اور بات چیت کرنا دشوار ہے۔ اس جہت سے جواب اب تلک حاصل نہیں ہوا۔ اور ''تاریخ حلبی'' (۴) بموجب ارشاد کے ہمراہ احقر کے ہوگی۔

وہ جو بیچ خط مولوی علی اکبر کے احقر کے حق میں ارشاد ہے کہ ہم کو اختیار تھا کہ تم کو جلد تر کلکتہ کو روانہ کریں، لیکن ہماری رائے میں دیر مناسب ہے۔ سو رائے احقر کی حضور کے مطابق ہے۔ اگر چلنا احقر کا بہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

معیت حضور کے ہو یا بعد تشریف فرمائی حضور کی روانگی احقر کی صورت پکڑے، تو مناسب تر ہے۔ بالجملہ پہنچنا احقر کا وقت تشریف رکھنے حضور کے کلکتہ میں احقر کی دانست میں بہت اچھا ہے۔

پہلے حضور نے ٹیلر صاحب بہادر کی چٹھی میں لکھا تھا کہ ہم نے تیری طرف سے درخواست لکھ بھیجی ہے۔ اب مشہور ہے کہ وہ درخواست منظور ہوئی اور قراین کلام حضور کے بھی اس مطلب پر دال ہیں، لیکن اگر حضور صاف صاف حال منظوری یا عدم منظوری احقر کا لکھ بھیجیں تا بموجب اوس کے فکر سفر کا یا حضر کا کروں یا جو کچھ اس باب میں حکم ہوا ہو، اوس سے مجھے اطلاع ہوتا کہ اگر کچھ عرض معروض مناسب ہو تو عمل میں آوے۔ غرض اس عرض سے یہ ہے کہ اس عرضی کے جواب میں حال مفصل تحریر فرماویں۔

اور جب حضور دہلی میں تشریف لاویں گے، سب حال اپنا عرض کروں گا۔ اور حسب ارشاد حضور کے چلنے کی صورت بندھے گی۔ زیادہ بجز اشتیاق ملاقات کے کیا عرض کرے۔ فقط (۵)

مکرر عرض یہ ہے کہ مولوی محمد مظہر (۶) بامید پرورش حضور کی دہلی میں موجود ہیں۔ اگر حضور کو ان کا خیال رہے گا، تو بندہ نوازی اور پروردہ پروری سے بعید نہ ہوگا۔ اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں کہ خو لجہ خود روش بندہ پروری دا[illegible] فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول

۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ مولانا نے اسپرینگر کو یہ خط اس وقت لکھا جب وہ لکھنؤ میں اپنا کام ختم کر کے شملہ یا کوہ ہمالیہ کے کسی شہر میں عارضی طور پر مقیم تھا۔ البتہ اس وقت اسے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کی پرنسپلی کا عہدہ تفویض ہو چکا تھا اور وہ اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا۔ روانگی سے قبل اس نے مولانا کو بالواسطہ ایک مراسلہ بھیجا، جس کے جواب میں مولانا نے یہ خط ارسال کیا۔

۲۔ یہ نوجوان مولانا کا شاگرد تھا، جیسا کہ سابقہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے تفصیلی حالات اس کے مکتوبات کے ساتھ آئندہ سطور میں درج کئے جائیں گے۔

۳۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بھی دہلی کالج کے دیگر اساتذہ کی طرح اسپرینگر کے لیے نادر کتب کی جمع آوری میں اس کی اعانت کرتے تھے۔ بالعموم اسپرینگر کا یہ طریق کار تھا کہ وہ ان اساتذہ سے معروف نجی کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کراتا تھا۔ یہ فہرستیں اسے بھیجی جاتی تھیں اور وہ انھیں بغور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دیکھ کر اپنے ذوق کی کتابیں کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیا کرتا تھا۔ مولانا نے جس نواب بڑھے کے کتاب خانہ کی خبر دی ہے اور اس کی خریداری کے لیے جس کتب فروش کو کہلا بھیجا، اس کے متعلق زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ان دونو اشخاص کا تعلق دہلی سے تھا۔

۴۔ اصل بعنوان ''سیرت حلبی'' از شیخ نورالدین علی بن ابراہیم بن احمد حلبی (م۔ ۱۶۳۵ء)۔ رک: الزرکلی، طبع ۱۹۷۹ء، اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ (بحوالہ راشد کاندھلوی: مملوک العلی، متذکرۂ صدر، ص ۱۷۲)

۵۔ اشپرینگر لکھنؤ سے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو چلا۔ ایک ماہ مختلف کاموں میں مصروف رہا اور تقریباً تین مہینے بیمار رہا۔ اس کے فوراً بعد (غالباً مئی یا جون میں) حکومت نے اسے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل اور ہگلی کالج کا نگران مقرر کردیا۔ اس تقرری کی اطلاع ملتے ہی اشپرینگر نے مولانا کو کلکتہ بلانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مولانا کے علمی مرتبے اور مدرسانہ صلاحیتوں کا کس قدر معترف تھا۔ وہ کلکتہ پہنچتے ہی مدرسہ کے نصاب وغیرہ میں بعض بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے مولانا کے تعاون کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے مولانا سے پوچھے بغیر ارباب اختیار کو یہ درخواست بھیج دی کہ مولانا کو دہلی کالج سے مدرسہ عالیہ بھیج دیا جائے۔ اس درخواست کی اطلاع دہلی کالج کے قائم مقام پرنسپل ٹیلر کو دی گئی، تاکہ اسے بھی اشپرینگر کی دلی خواہش کا علم ہو جائے اور وہ اس راہ میں کوئی انتظامی رکاوٹ نہ کھڑی کر سکے۔ یہ درخواست منظور ہوگئی، مگر اس تمام کارروائی کی مولانا کو خبر نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے مولانا کے شاگرد علی اکبر کو ان تفصیلات سے آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ وہ تو چاہتا تھا کہ مولانا کو بعجلت ممکنہ کلکتہ بھیج دیا جائے، لیکن بعض وجوہ کے باعث وہ ایسا نہیں کر سکا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ پہلے خود کلکتہ پہنچ جائے اور پھر رسمی کارروائیوں کو پورا کرنے کے بعد مولانا کو وہاں بلا لیا جائے۔ مولانا بھی یہی چاہتے تھے کہ جب وہ کلکتہ پہنچیں، تو اشپرینگر وہاں موجود ہو۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اشپرینگر نے جو درخواست دے رکھی ہے، جب تک اس کی منظوری یا نامنظوری کا حتمی فیصلہ نہ ہو جائے، وہ جانب کلکتہ روانہ نہ ہوں۔

۶۔ ان کا ذکر مولانا کے سابقہ خط (شمارہ ۲) میں بھی ہے اور اس خط کے ''حواشی'' میں چند باتیں لکھی گئی ہیں۔ علی اکبر اور سید برکت علی (متعلقہ اقتباسات سابقہ سطور میں نقل ہو چکے ہیں) کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنی جگہ محمد مظہر کو تعینات کرنا چاہتے تھے۔ شاید ان سطور سے بھی ان کا یہی منشا ہو، کیونکہ وہ اس خط سے کلکتہ جانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ لازماً ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوگا کہ ان کے بعد جو جگہ خالی ہوگی، اس پر کسی نہ کسی استاد کا تقرر ضرور ہوگا، اسی لیے انھوں نے اشپرینگر سے محمد مظہر کی سفارش کی ہے، تاکہ بوقت ضرورت اصل مدعا بھی بیان کر دیا جائے۔

۵

غریب پرور(۱)

عنایت نامہ حضور کا دستخطی معہ چٹھی اسی مواث (۲) صاحب بہادر سکرتری کونسل مدارس کی معرفت ٹیلر صاحب بہادر کے بیسویں جولائی کو احقر کے پاس پہنچا۔ معزز اور ممتاز کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر آپ کی رائے میری رائے کے موافق ہو تو اپنی درخواست معہ میری چٹھی جلد نہ بھیجیں۔ سو یہ تاخیر احقر کے نزدیک بہت مناسب ہے۔ بعد حصول جواب اس عرضی کے عشرہ اخیر اگست تک، اگر خدا نے چاہا، درخواست اپنی معہ حضور کی چٹھی کے بھیجوں گا۔

اور وہ جو بیچ باب پہنچنے احقر کے اواخر اکتوبر کے اور پہنچنا اپنا اوسط نومبر میں ارقام ہوا ہے، احقر کے عندیہ میں بھیجنا احقر کا کلکتہ میں بعد پہنچ لینے حضور کے مناسب تر ہے۔ آئندہ جو حکم ہوگا عمل میں آوے گا۔

احقر سب طرح سے بخیال معیت حضور کی خوش وخورم ہے، لیکن ایک امر موجب خفقان طبیعت کا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنے مزاج کا حال بیچ زمان آئندہ کے معلوم نہیں ہوتا، تو خوف اس امر کا ہے کہ مبادا بعد پہنچنے کلکتہ کے بسبب عدم موافقت آب وہوا کے یا اور کسی امر کے احقر کو وہاں کا روزگار چھوڑنا پڑے اور اس صورت میں روزگار مدرسہ دہلی کا، کہ احقر کے واسطے بمنزلہ وطن ہو رہا ہے، مفت ہاتھ سے جاتا رہے تو واسطے رفع اس خوف کے اور حصول اپنے اطمینان کے حضور کی عنایت اور مہربانی سے امیدوار ہوں کہ حضور [illegible] اور کوشش فرماویں کہ گورنمنٹ سے احقر کے لیے حکم ہو جاوے کہ مجھے اختیار رہے ۲ برس تک اگر چاہوں تو اپنے عہدہ پر دہلی کے مدرسہ میں آجاؤں۔

اور چونکہ احقر نے چھبیس برس مدرسہ دہلی میں طلبہ کی خدمت کی ہے (۲) اور [illegible] مستور ہوتا تو استحقاق پنشن کا حاصل کیا ہے (۳) تو احقر کے حق میں بجائے پنشن کے [illegible] مدت میں جب چاہوں اپنے عہدہ پر آجاؤں بعید [illegible] سے نہیں اور [illegible] مدت ۲ برس کے [illegible] موافقت آب وہوا کا معلوم ہونا دشوار ہے اس لیے کہ [illegible] ایک برس کے [illegible] چار موسموں پر مشتمل ہے اور ہر موسم کی ہوا کا مزاج جدا ہے، موافقت آب وہوا کی مزاج سے معلوم نہیں ہوتی اور پانچ چھ مہینے آنے جانے میں اور ایک دو مہینہ سامان سفر وغیرہ میں صرف ہوتا ہے تو اس لیے بدون اجازت مدت ۲ برس کے اطمینان نہیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حاصل نہیں اور بدون سعی اور سفارش حضور کی اس مدت کی اجازت احقر کو میسر نہیں ہو سکتی۔ احقر امیدوار جواب اس عرضی کا ہے۔

منشی اشرف علی صاحب سے حال نقل کروانے ''کتاب الأغانی'' کا پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہتی ہے۔ چند روز میں تمام ہو جائے گی۔(۵) اور ''الفاظ الادویہ(۶)'' کے مقدمہ میں یہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب نے بشرکت کسی اور صاحب کے چھپوائی تھی اور سب کی سب حاجی رستم علی سوداگر کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ لیکن بازار میں تلاش سے مل سکتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک نسخہ حضور کے واسطے خرید کر کے اور جلد بندھوا کر ہمراہ رکھوں گا اور ہمراہ لے جانا صنادیق کتابوں کا الہ آباد تلک، جہاں تلک بنے گا، حسب الحکم عمل میں آوے گا(۷)۔ اطلاعاً عرض کیا۔ فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول

۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ اس خط سے سابقہ خط کی کچھ گمشدہ کڑیاں مل جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ اشپرینگر نے مولانا کو پوچھے بغیر انھیں کلکتہ بلانے کی جو درخواست دی تھی، وہ کونسل آف ایجوکیشن (بنگال) کے سیکرٹری مواٹ کو بھیجی گئی تھی۔ سیکرٹری کو اشپرینگر کی تجویز پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی تائیدی چٹھی معہ مراسلہ اشپرینگر دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر کو بھیج دی۔ ابھی مولانا کو پچھلا خط بھیجے ہوئے چار روز ہی ہوئے تھے کہ یہ تمام کاغذات دہلی پہنچ گئے۔ اشپرینگر نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ پہلے مولانا سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کلکتہ جانے کے لیے رضامند ہیں یا نہیں۔ اگر رضامند ہیں تو انہیں وہاں پہنچنے کے لیے عجلت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مولانا اس وقت تک کلکتہ پہنچیں، جب وہ بھی وہاں موجود ہو۔ مولانا اشپرینگر کے اس خیال سے متفق تھے۔ اسی خط میں اشپرینگر نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر وہ رضامند ہوں، تو اس کی اطلاع بذریعہ خط حکام بالا کو کر دیں۔

مولانا کو اشپرینگر کی تمام باتوں سے مکمل اتفاق تھا، لیکن انہیں بار بار یہ خیال ستاتا رہا کہ ان کے جانے کے بعد دہلی کالج میں ان کے عہدہ کا کیا بنے گا۔ پہلے تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ کسی قریبی عزیز کو یہ عہدہ دلوا دیں، لیکن وہ پرنسپل کی مخالفت کے سبب اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ دہلی کالج کی ملازمت ترک نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی عمر کا اہم ترین حصہ یہیں بسر کیا تھا، لیکن

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوسری جانب وہ اشپرینگر کی تجویز کو ماننے سے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ بھی ان کا محسن اور مربی تھا۔ چنانچہ انھوں نے بیچ کا ایک راستہ نکالا اور وہ یہ کہ وہ کلکتہ تو چلے جائیں، لیکن اگر دو سال کے اندر اندر وہ کسی وجہ سے واپس دہلی کالج آنا چاہیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ مولانا کی سوچ ان کی دانش مندی اور دور اندیشی کی دلیل ہے۔ یہ سوچ ان کی ذاتی بھی ہوسکتی ہے اور اس میں ان کے کسی قریبی دوست کا مشورہ بھی شامل ہوسکتا ہے۔

۲۔ پورا نام فریڈرک جان مواٹ (Frederick John Mouat) ہے (۱۸۱۶ء-۱۸۹۷ء)۔ پیشہ طب سے متعلق تھا۔ ہندوستان میں مختلف طبی اور فوجی عہدوں پر کام کرتا رہا۔ کونسل برائے تعلیم (بنگال) کا سیکرٹری اور کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو رہا۔ ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کی دانش گاہوں کے آغاز و ارتقا پر ایک انگریزی کتاب لکھی۔ رک:

C.E. Buckland: *Dictionary of Indian Biography*. Repr.; Lahore 1975 (London 1906), p. 301.

۳۔ دہلی کالج میں مولانا کا تقرر ۱۸۲۵ء میں ہوا۔ مولانا کی اس عبارت سے بھی یہی سال برآمد ہوتا ہے۔

۴۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ۱۸۵۰ء تک دہلی کالج کے اساتذہ کو پنشن کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ جب کوئی یہاں سے فارغ ہوتا تھا، تو مالی طور پر اسے آسودگی حاصل نہیں ہوتی تھی۔

۵۔ منشی اشرف علی وہی ہے، جو ان دنوں مطبع العلوم کا مہتمم تھا۔ اشپرینگر کو کہیں سے ''کتاب الأغانی'' کا کوئی اہم نسخہ عاریتاً دستیاب ہوا۔ وہ اس کی نقل کرانا چاہتا تھا۔ اس نے یہ کام اشرف علی کے سپرد کیا اور اس نے ایک کاتب کو اس نسخے کی نقل نویسی پر مامور کر دیا۔ اشرف علی اپنے ایک بلا تاریخ خط (دیکھیے آئندہ سطور) میں اشپرینگر کو لکھتا ہے کہ: ''... ''اغانی'' کا نمبر ۱ عبدالرزاق کاتب لکھتا ہے۔ عنقریب تمام کر دے گا۔'' اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ''اغانی'' کا جو نسخہ نقل کے لئے کاتب کو دیا گیا، وہ مکمل نہیں تھا، بلکہ وہ کوئی جزو تھا۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست مخطوطات و کتب (۱۸۵۷ء) میں اس نقل کا حوالہ دیا ہے۔ (ص ۷۳، شمارہ ۱۱۸۰)۔ اب یہ نقل برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہاں کے عربی مخطوطات کی فہرست اہلوارٹ نے دس جلدوں میں تیار کی تھی۔ اس کی چھٹی جلد (مطبوعہ برلین، ۱۸۹۴ء، شمارہ ۷۳۹۸) میں اس نقل کی تفصیلات دی گئی ہیں، جن کے مطابق یہ ''کتاب الاغانی'' کا جزو ثالث ہے۔ اسے کاتب عبدالرزاق بن محمد سالم الدہلوی نے شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو مکمل کیا (اوراق ۳۲۰)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۶۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔اشپرینگر نے اپنی فہرست (۱۸۵۷ء) میں اس کے مؤلف کا نام محمد عبداللہ شیرازی لکھا ہے جبکہ یہ نورالدین محمد قرشی شیرازی کی تصنیف ہے (ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۱) اشپرینگر کو اس کتاب کا جونسخہ مطلوب تھا، وہ دہلی سے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا تھا (صفحات ۲۸۸) اشرف علی اپنے ایک خط (بلا تاریخ) میں اشپرینگر کو لکھتا ہے کہ

''......حضور نے مولوی مملوک العلی صاحب کے خط میں لکھا تھا کہ ''الفاظ الادویہ'' میرے واسطے بھیجی تھی یا نہیں۔ بندہ نواز جب وہ چھپ چکی تھی، میں نے ایک نقل اس کی لکھنؤ میں بھیج دی تھی۔''

یہ کتاب بھی مطبع العلوم سے طبع ہوئی تھی۔ چنانچہ اپنے ایک اور بلا تاریخ خط میں اشرف علی رقمطراز ہے کہ

''...حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں، تحفۃ المومنین، صحیح ترمذی، الفاظ الادویہ......''

''الفاظ الادویہ'' کے مؤلف کا نام نورالدین محمد (بن ؟) عبداللہ بن حکیم عین الملک قریشی شیرازی تھا۔ کتاب کے نام ہی سے مادۂ تاریخ برآمد ہوتا ہے یعنی ۱۰۳۸ھ/ ۱۶۲۸-۱۶۲۹ء۔ یہ شاہجہاں کے نام معنون کی گئی اور اس میں ایک مقدمہ، ایک نتیجہ اور ایک خاتمہ ہے۔ اس کے قلمی نسخوں، طباعتوں اور تراجم کے لیے رک:

C.A. Storey: *Persian Literature. A Bio-bibliographical Survey.* Vol. II, pt. 2 (E. Medicine), London, 1971, pp. 255-7

(آئندہ سوالوں میں صرف ''اسٹوری'') نیز رک: ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۳۰۷ و صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸-۱۸۵۳ء) از ایضاً، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۸، تحتی نوٹ۔

۶

''غریب پرور سلامت (۱)

حسب ایمائے حضور کے، کہ جو مولوی علی اکبر کے خط سے معلوم ہوئی تھی، عرضی در باب رخصت کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر کے دی تھی اور صاحب بہادر نے بسبب عرض اور معروض احقر کی سفارش بھی کی اور کچھ دلیلیں بھی لکھیں۔ لیکن بہت افسوس ہے کہ وہ درخواست منظور نہ ہوئی اور صاحب بہادر کو بھی اس امر کا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

افسوس ہوا۔ لہٰذا سب اہل رائے اور جمیع دوستوں کی عقل میں اس صورت میں کہ رخصت ایک سال کی بھی نہ ہو، چھوڑنا روزگار مدرسہ دہلی کا واسطے درخواست عہدہ کلکتہ کے مناسب نہیں۔ اور اغلب ہے کہ آپ کی رائے بھی ان سب کی رائے کے موافق ہوگی اور احقر کو بیچ نہ بھیجنے درخواست کے معاف اور معذور تصور فرماویں گے، اور آپ نے اپنے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا کہ مجھے اس امر میں سفارش کرنے کا اختیار نہیں، ورنہ پھر احقر مکلّف اس امر کو ہوتا کہ واسطے ایک ہی برس کے حضور سفارش فرمادیں، تا کہ کسی طرح احقر ہمراہی حضور سے محروم نہ رہے لیکن، اب حسرت اور افسوس کے کیا عرض کرے۔ واجب تھا عرض کیا۔

مملوک العلی

مدرس اول

۱۹ اگست ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ مولانا فی الفور دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہیں جانا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے عمداً ملازمت کی درخواست بھجوانے میں تاخیر کر دی۔ پہلے تو مولانا کا خیال تھا کہ انھیں کلکتہ جانے سے دو سال بعد تک یہ اختیار رہے کہ وہ جب مناسب سمجھیں، دہلی کالج میں اپنے پرانے عہدہ پر واپس آ جائیں۔ جب انھیں احساس ہوا کہ ان کا یہ موقف تسلیم نہیں کیا جائے گا تو انھوں نے اس میں ایک سال کی کمی کر دی اور اپنے پرنسپل سے ایک سال کی رخصت طلب کی۔ پرنسپل نے یہ درخواست منظور کر لی اور متعلقہ حکام سے بھی سفارش کی کہ وہ مولانا کی اس مشروط رخصت کو قبول کر لیں، لیکن انھوں نے اسے نامنظور کر دیا۔ اس نامنظوری نے مولانا کو خاصا مایوس کر دیا، کیونکہ وہ دہلی اور دہلی کالج سے تمام دیرینہ روابط کو کلی طور پر منقطع کر کے کلکتہ نہیں جانا چاہتے تھے اور حکام بالا شاید مولانا کی اس پیشگی شرط کو ماننے سے گریزاں تھے۔

۷

''غریب پرور سلامت

ارشادات حضور کے زبانی ٹیلر صاحب بہادر کے احقر نے سنے۔ سب بموقع اور بجا ہیں۔ حسب الارشاد عرضی درخواست رخصت کی بنام تھامسن صاحب بہادر (۱)۔ ملفوف ہے۔ اگر یہ عبارت لکھی ہی پیش منظور ہو تو اصلاح فرما کر مولوی علی اکبر سے اور عرضی لکھوا لیجئے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اوراحقر نے بلحاظ اس امر کے کہ شاید بسبب طویل مدت کے رخصت منظور نہ ہو، ایک ہی سال کی رخصت کی درخواست لکھی ہے، لیکن بدون ایک سال کی رخصت کے حال آب و ہوا کا معلوم نہیں ہو سکتا۔ امید وار ہوں کہ جب حضور نے میری پرورش کے لیے اپنے اوپر بوجھ سفارش کا اوٹھایا، تو واسطے رخصت ایک سال کی سفارش کیجیے یعنی میری درخواست اس عرضی کے بموجب منظور کروا دیجیے۔ (۲)

شاید حضور کو گمان ہوا کہ احقر نے درخواست رخصت کی واسطے عذر کے کی ہے۔ اس میں، مَیں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر احقر کو عذر منظور ہوتا تو عذر اور بہت تھے۔ اگر آپ انصاف سے نظر فرماویں گے تو احقر کو اس امر میں معذور جانیں گے۔ مجھ جیسے کو اگر روزگار مدرسہ کا چھوٹ جائے، تو پھر ویسا روزگار کہاں میسر ہو سکتا ہے۔ اس جہت سے یہی چاہتا ہوں کہ درصورت جانے کلکتہ کے اطمینان طبع حاصل رہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ احقر کو آج ہی ارشاد حضور کا پہنچا۔ آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر کی روانہ کی ہے۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

مملوک العلی

مدرس اول

پنجم ستمبر ۱۸۵۰ء"

تشریحات:

۱۔ بک لینڈ (محولہ بالا) نے تھارنٹن نام کے پانچ انگریزوں کے حالات دیئے ہیں (ص ۴۲۳-۴۲۴)۔ مولانا نے اپنے خط میں صرف تھارنٹن ہی لکھا ہے، اس لیے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہاں کون سا تھارنٹن مراد ہے۔ شاید یہاں ایڈورڈ تھارنٹن (۱۷۹۹-۱۸۷۵ء) مراد ہو، جس نے ہندوستان کی تاریخ بعہد انگلشیہ لکھی اور کئی گزیٹر بھی مرتب کیے (ص ۴۲۳)۔

۲۔ مولانا کی اشپرینگر سے براہ راست مراسلت تھی، لیکن اس دور میں وہ مولانا کو ان کے شاگرد علی اکبر یا پرنسپل دہلی کالج کی معرفت بھی خط لکھتا رہتا تھا۔ اسی طرح کا ایک خط ٹیلر کو موصول ہوا، جس میں مولانا کے لیے یہ پیغام تھا کہ وہ اپنی رخصت کی درخواست تھارنٹن کو بھیج دیں اور وہ اس کی منظوری کے لیے سفارش کرے گا۔ اس خط میں اشپرینگر نے اپنے اس گمان کا اظہار بھی کیا تھا کہ مولانا نے پہلے دو سال اور پھر ایک سال کی رخصت کی جو پیشگی شرط لگائی ہے، وہ اصل میں کلکتہ نہ جانے کے بہانے ہیں۔ مولانا نے اس خط میں اشپرینگر کے اس گمان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن انھیں اپنے بے روزگار ہو جانے کا اتنا خطرہ تھا کہ وہ مطلوبہ رخصت کی منظوری کے بغیر کسی طرح بھی دہلی چھوڑنے پر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رضامند نہیں تھے۔

۸

''غریب پرور سلامت (۱)

بسبب (۲) خالی ہونے عہدۂ امینی مدرسہ کلکتہ کے ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر سے احقر زبانی درخواست اوس عہدہ کی کی تھی اور مرکوز اس احقر کو یہ تھا کہ بروقت منظوری درخواست کی مدرسہ دہلی سے رخصت حاصل کر کے کلکتہ کو روانہ ہوں گا۔ اب جو صاحب بہادر نے بیچ مقدمہ تقرر احقر کے اس عہدہ پر ڈاکٹر موات صاحب بہادر کی خدمت میں سفارش کی اور واسطے بھیجنے درخواست کے احقر کو لکھا تو احقر نے واسطے حصول رخصت کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر قائم مقام پرنسپل مدرسہ دہلی میں گذرانی، صاحبان کمیٹی نے اوس درخواست کو نامنظور کیا۔

اور احقر کو باعث حاصل کرنے رخصت کا مدرسہ دہلی سے یہ ہے کہ آدمی کو حال آئندہ کا معلوم نہیں۔ اگر بعد میں پہونچنے کلکتہ کے آب و ہوا اوس شہر کی میرے مزاج سے مخالف ہوا اور کوئی سبب باعث پڑے کہ مجھے ترک روزگار کا منظور ہو تو اس صورت میں، مَیں بالکل روزگار سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اس لیے آپ کی عنایت اور مہربانی سے کہ اوپر سب لکھنے پڑھنے والوں کے مبذول رہتی ہے، امیدوار ہوں کہ آپ میری سفارش گورنمنٹ سے کر کر اجازت اس امر کی حاصل کروا دیں کہ مجھے بعد پہنچنے کلکتہ میں ایک برس تک اختیار رہے، اگر کسی سبب سے چاہوں، پھر اپنے عہدہ پر آؤں۔ واجب تھا عرض کیا۔ الٰہی گلشن اقبال کا سرسبز رہے۔

مملوک العلی

مدرس اول

پنجم ستمبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ یہ خط اصل میں وہ درخواست ہے، جو مولانا نے ایک سال کی رخصت حاصل کرنے کے لیے تھارنٹن کو ارسال کی تھی۔ سابقہ خط میں اشپرینگر نے انھیں بذریعہ ٹیلر یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ مدرسہ کی کمیٹی کے فیصلے سے مایوس نہ ہوں اور ایک درخواست تھارنٹن کو بھیج دیں۔ وہ بھی اس سے سفارش کریں گے اور شاید ان کا یہ کام بن جائے۔ چنانچہ مولانا نے وعدہ کیا کہ ''آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کے معرفت

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ٹیلر صاحب بہادر کے روانہ کی ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ گذشتہ خط اور اس درخواست کا سنہ تحریر ایک ہی ہے۔

۳۔ مولانا مدرسۂ عالیہ کے جس عہدہ کے خواہش مند تھے، وہ امین کا عہدہ تھا۔ اسلامی اداروں کی تاریخ میں ''امین'' کی اصطلاح قابل اعتماد عہدیداروں کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے اور ایسے عہدیداروں کو مالیاتی اور انتظامی نوعیت کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ مدرسۂ عالیہ میں بھی امین کا عہدہ نظم و نسق کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا اس ادارے کے جس عہدہ کے متمنی تھے، وہ تدریسی نہیں بلکہ انتظامی نوعیت کا تھا۔ علاوہ ازیں اشپر ینگر نے انہیں اس عہدہ کی پیش کش نہیں کی تھی، بلکہ انہوں نے خود اس عہدہ کا انتخاب کیا تھا۔ ان دنوں مولوی احمد کبیر کے انتقال کی وجہ سے یہ عہدہ خالی ہوا تھا۔ مولانا کی دہلی میں اشپر ینگر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس خالی جگہ کے لیے اپنا نام پیش کر دیا۔ اشپر ینگر نے موات کو مولانا کے تقرر کی سفارش کر دی اور ساتھ ہی مولانا کو لکھا کہ وہ جلد اپنی درخواست بھیج دیں۔ مولانا چاہتے تھے کہ وہ مستقل طور پر دہلی کالج کو نہ چھوڑیں، بلکہ انھیں ایک سال کی رخصت مل جائے اور اس عرصے میں اگر وہ کلکتہ سے واپس دہلی آنا چاہیں، تو ان پر کوئی پابندی نہ ہو۔ ایک سال کی رخصت کی یہ درخواست دہلی کالج کی کمیٹی نے نامنظور کر دی۔ اس نامنظوری کے بعد مولانا نے بعض ملنے والے بااختیار افراد سے رجوع کیا، تاکہ کمیٹی کے اراکین اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں، لیکن غالباً وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۹

''غریب پرور سلامت(۱)

الطاف نامہ حضور کا پہنچا۔ سربلند کیا۔ بموجب حکم کے تین نسخہ ''موطا شریف'' کے بنام قائم مقام ڈاکٹر موات صاحب کے بدستخط پرنسپل بہادر کے، جو بلحاظ تحریر حضور کے انہوں نے کر دیئے، کل کی تاریخ میں روانہ کئے۔ یہ عرضی اس نظر سے کہ حضور اداے سے ارشاد کر کے دو نسخہ واسطے مدرسہ کے خرید کریں اور ایک نسخہ بطور ہدیہ کے اپنی خدمت میں رکھیں، پہلے سے لکھ بھیجی۔

مولوی سدید الدین خاں (۲) قریب الہ آباد کے پہنچے۔ خط اون کا آیا تھا۔ بسبب مخالفت ہوا کے بجرہ سواری کا کم کم چلتا ہے۔ احقر امیدوار ہے کہ گاہ بہ گاہ تلطف نامہ سے مع کاروبار لائق اپنے کے سربلند اور سرفراز ہوتا رہے۔ واجب تھا عرض کیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قیمت فی نسخہ پانچ روپے مقرر ہیں۔ واسطے اطلاع کے عرض کیا۔ فقط

مملوک العلی عفی عنہ

مدرس اول مدرسہ دہلی

۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء"

تشریحات:

۱۔ مولانا کا اشپرینگر کے نام یہ آخری خط ہے اور یہ انہوں نے اپنی وفات (۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے تقریباً سات ماہ قبل لکھا۔ اس خط میں اس مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا گیا، جو سابقہ پانچ خطوط کا موضوع بنا رہا، یعنی مدرسۂ عالیہ میں تقرری اور ایک سال کی رخصت کی پیشگی منظوری۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس رخصت کی شرط کو منوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں اشپرینگر کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہ ہو سکیں۔ پھر اسی سال یعنی ۱۸۵۱ء میں مدرسۂ عالیہ کے طلبہ نے اس کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا اور وہ اس پر قابو پانے میں مصروف ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مولانا کے احباب نہیں چاہتے تھے کہ وہ کلکتہ جائیں۔ چنانچہ ان کا ایک شاگرد علی اکبر اپنے مکتوب (مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء) میں لکھتا ہے:

"... اس سبب سے اون کا [یعنی مملوک العلی کا] عزم کلکتہ کا زیادہ سست ہو گیا۔ گفتگو ان درخواستوں کی صرف [illegible] صاحب سے کی تھی۔ انھوں نے خلاف سررشتہ تصور فرما کر منظور نہ کی۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سید محمد کی بھی رائے یہ تھی کہ مولوی صاحب کلکتہ نہ جائیں اور بہت منع کرتے تھے۔ مفتی صدر الدین نے بھی بہت منع کیا، بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور جہنم میں گئے یعنی وہاں سے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے نصاریٰ ہو جاتا ہے۔"

۲۔ اشپرینگر کی اپنی فہرست (۱۸۵۴ء) میں اس کا سنہ طباعت ۱۲۶۶ھ (مطبوعہ دہلی، صفحات ۳۹۲) درج ہے (ص ۳۳، شمارہ ۲۹۶)۔ میں نے اپنے ایک خط (بابت ۳ فروری ۱۸۵۱ء) میں اشپرینگر [illegible] ہے کہ

"مولوی مملوک العلی صاحب نے ایک نسخہ "موطا" کا ہدیۃً تحفۃً [illegible] حکم ہو بھیجا ہے۔" "جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" سے [illegible] "انٹیلی جنس" میں مرقوم ہے کہ "موطا" مولوی محمد ظہیر نے شائع [illegible] مولوی صاحب ان [illegible] میں تھے (ج ۲۰، شمارہ ۳، بابت ۱۸۵۱ء، ص ۲۱۲)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۳۔ یہ مولانا کے استاد مولوی رشید الدین خاں دہلوی کے فرزند ارجمند تھے۔ آئندہ سطور میں ان کے حالات، اشپرینگر کے نام خطوط کے ساتھ درج کئے جائیں گے۔ مولانا نے اپنے ایک سابقہ خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) میں اشپرینگر کو اطلاع دی تھی کہ ان کی کتابوں کے جو صندوق دہلی میں پڑے ہوئے ہیں، الہ آباد تک یا جہاں تک ممکن ہوسکا، بھجوادیں گے۔ شاید مولانا نے یہ صندوق مولوی سدیدالدین کے سپرد کر دیئے۔ مولوی سدید الدین چند سال تک مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں بھی پڑھاتے رہے اور ان کا تقرر بھی اشپرینگر ہی کی وجہ سے ہوا۔ ممکن ہے، وہ اپنی نئی ملازمت پر کلکتہ جا رہے ہوں اور موسم کی خرابی کے باعث الہ آباد میں رک گئے ہوں۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا محمد احسن نانوتوی

اہلِ نانوتہ میں سے مولانا مملوک العلی پہلے شخص تھے جو اکتسابِ علم کے لیے اپنے آبائی شہر سے دہلی منتقل ہوئے۔ وہاں وہ ان علماء کی صحبت میں رہے جو خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلوی کی علمی روایتوں کے امین تھے۔ مملوک العلی ان مجالسِ علمیہ سے نکلے تو دہلی کالج آ گئے اور چند ہی برسوں میں ہر سُو ان کے علم و فضل کے چرچے ہونے لگے۔ نانوتہ والوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو ہر نوجوان ابتدائی تعلیم کے بعد اس اعتماد کے ساتھ دہلی کا رخ کرنے لگا کہ وہاں مولانا مملوک العلی موجود ہیں اور وہ اس کی ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھیں گے۔ مولانا مملوک العلی خود بھی ایسے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے اعزہ و اقربا علوم متداولہ کی تحصیل میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ وہ ان نوواردوں کی ہر طرح سے اعانت کرتے اور ان کی معاشی اور تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ انہی افراد میں ایک مولانا محمد احسن نانوتوی بھی تھے، جو ان کے چچازاد بھائی حافظ لطف علی کے بیٹے تھے۔ اپنے دیگر ہم وطنوں کی طرح مولانا محمد احسن نے بھی بعد میں بڑا نام کمایا اور شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور علمی روایات کی ترویج میں انہوں نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ یہاں مولانا محمد احسن کی زندگی کا جو حصہ زیرِ بحث ہے وہ جوانی کا ہے۔ تعلیم و تدریس کا پیشہ اختیار کیے انھیں ابھی چند ہی سال گذرے تھے۔ ان کی تصنیفات کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن ابھی ان کا ایک ہی رسالہ چھپ کر سامنے آیا تھا۔ اس مجموعۂ مکاتیب میں ان کے لکھے ہوئے تین خطوط ہیں (ایک فارسی اور دو اردو میں)۔ اس سے پیشتر کہ ان خطوں کے متن اور ان کے پس منظر کا ذکر کیا جائے، مولانا محمد احسن کے حالات کو اختصار کے ساتھ حسبِ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔[1]

۱۔ محمد احسن نانوتوی کے یہ مختصر سوانحی کوائف محمد ایوب قادری کی کتاب "مولانا محمد احسن نانوتوی" (مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۶ء) سے اخذ شدہ ہیں۔ قادری مرحوم نے مولوی رحمان علی کے "تذکرہ علمائے ہند" (ترجمہ و ترتیب، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۰) کے حواشی میں محمد احسن کی زندگی پر جو لکھا ہے، اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں عبدالحئی کی "نزہۃ الخواطر" (حیدرآباد دکن، جلد ۸، ۱۹۷۰ء، ص ۴۰۶ - ۴۰۷) اور "مشاہیر علماء دیوبند، (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا محمد احسن نانوتہ میں پیدا ہوئے، سال ولادت تخمیناً ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء-۱۸۲۶ء ہے[1]۔ ان کے والد شیخ لطف علی نانوتوی، مملوک العلی کے چچا شیخ محمد حسن کے فرزند اور مولانا محمد مظہر نانوتوی کے برادر خورد تھے۔ ابتدائی تعلیم نانوتہ ہی میں حاصل کی اور پھر دہلی چلے گئے۔ یہ نقل مکانی کب ہوئی اور مولانا دہلی میں کیا کرتے رہے، اس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں نے مصدقہ معلومات فراہم نہیں کیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ دہلی میں مولانا مملوک العلی ہی کے ہاں ٹھہرے ہوں گے، اور انھی کی شاگردی اختیار کی ہوئی، لیکن کیا وہ باقاعدہ طور پر دہلی کالج میں داخل ہوئے یا وہ مولانا مملوک العلی سے گھر پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے، ان باتوں کا کوئی ٹھوس دستاویزی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ جناب ایوب قادری کا یہی خیال ہے کہ مولانا محمد احسن دہلی کالج میں مملوک العلی کے شاگرد تھے، بلکہ انھوں نے مملوک العلی کے علاوہ اسی کالج کے دو اور استادوں مولوی سبحان بخش شکار پوری اور مولوی احمد علی سے بھی کسب علم کیا۔ اس ضمن میں محمد احسن نانوتوی کی ایک قلمی بیاض کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے، جس میں انھوں نے دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ اس بیاض میں ان کی بعض انگریزی تحریریں بھی موجود ہیں اور ان کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دہلی کالج میں انگریزی زبان پڑھی تھی[2]۔ بحوالہ گارسیں دتاسی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد احسن نے نیچرل فلاسفی پر ایک مضمون تحریر کیا تھا، اور دہلی کالج کے پرنسپل جناب ٹیلر نے اسے اپنی نگرانی میں دو مرتبہ چھپوایا تھا[3]۔ گارسیں دتاسی نے محمد احسن کا صرف نام ہی لکھ دیا ہے، ان کے مختصر حالات حتیٰ کہ ان کے شہر تک کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے صرف نام کے ساتھ محمد احسن کی پانچ کتابوں کے عنوانات لکھ دیئے ہیں۔ پہلی تالیف نیچرل فلاسفی پر ہے، لیکن گارسیں دتاسی نے اصل عنوان کی بجائے اس کا فرانسیسی ترجمہ دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس موضوع پر انگریزی کی کسی مبادیاتی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور یہ مضمون نہیں۔ جیسا کہ ایوب قادری مرحوم کے متذکرہ بالا اقتباس میں لکھا گیا ہے، بلکہ ۱۳۰ صفحات کا کتابچہ ہے۔ یہ کتابچہ دہلی کالج کے پرنسپل ایف۔ ٹیلر کو اس قدر پسند آیا کہ اس نے اپنی نگرانی میں اسے دوبارہ شائع کرایا۔ گارسیں دتاسی نے ان معلومات کا ماخذ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی رپورٹس بتایا ہے۔ جب سے اس سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، دہلی کالج کا پرنسپل ہی اس کا سیکرٹری ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا محمد احسن کا کتابچہ بعنوان ''نیچرل فلاسفی'' جب طبع ہوا، اس وقت

(تالیف حافظ قاری فیوض الرحمٰن، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۴۳۱-۴۳۲) کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ نیز رک: راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی نانوتوی، مذکورہ بالا ص ۴۸۱-۴۹۲۔

۱۔ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲۲

۲۔ ایضاً ص ۲۵

۳۔ ایضاً۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دہلی کالج کا پرنسپل ایف۔ ٹیلر تھا۔ اس کالج سے ٹیلر کا تعلق خاصا پرانا تھا۔ پہلے وہ اس کالج کا سربراہ رہا اور ۱۸۲۹ء سے ۱۸۴۱ء تک بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر کام کرتا رہا۔ ۱۸۴۱ء میں اس کو ہٹا کر نئے عہدۂ پرنسپلی پر ڈاکٹر بوترو کو مقرر کر دیا گیا۔ بوجۂ علالت وہ رخصت لے کر فرانس چلا گیا اور اس کی جگہ ۱۸۴۵ء میں ڈاکٹر اشپرینگر کو پرنسپل مقرر کیا گیا۔ فروری ۱۸۴۸ء کو اسے شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے لیے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور ٹیلر کو قائمقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ گارسیں دتاسی نے مولانا محمد احسن کے جس کتابچے کا ذکر کیا ہے[1]، وہ ٹیلر کے قائمقام پرنسپل بننے یعنی فروری ۱۸۴۸ء کے بعد دوبارہ چھپا ہوگا۔ ٹیلر کے اس کالج میں پہلے دور (۱۸۲۵ء-۱۸۴۱ء) میں یہ کتابچہ اس لیے نہیں چھپا ہوگا کہ اس وقت سوسائٹی ہی معرضِ وجود میں نہیں آئی تھی۔ اسے تو ڈاکٹر بوترو نے ۱۸۴۳ء میں تشکیل دیا۔ محمد احسن نانوتوی کے اس کتابچے کا سوسائٹی کی جانب سے شائع ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے کیونکہ اس سوسائٹی نے متعدد ایسے تراجم بھی شائع کیے، جو ان افراد سے کرائے گئے، جن کا دہلی کالج سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ مزید برآں دہلی کالج کے معلومہ ریکارڈ میں محمد احسن نام کے کسی طالب علم کا پتا نہیں چلتا۔ مولانا مملوک العلی کے ذکر کے تحت ایک ایسے رجسٹر کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں عربی، فارسی، شاستری اور انگریزی کے ان تمام طلبائے مدرسہ کے کوائف درج کیے گئے ہیں جو ۱۸۴۷ء میں وہاں زیرِ تعلیم تھے۔ ہر استاد کے نام کے تحت اس کے تمام تلامذہ کے نام بھی اسی رجسٹر میں دیئے گئے ہیں۔ حیرت ہے کہ اس رجسٹر میں محمد احسن نام کا کوئی طالب علم نہیں۔ ممکن ہے، وہ اس سال یعنی ۱۸۴۷ء سے پہلے ہی مدرسہ سے فارغ ہو چکے ہوں اور بوترو یا اشپرینگر کے دورِ پرنسپلی میں انھوں نے نیچرل فلاسفی کے کتابچے کا اردو ترجمہ کیا ہو، جو ٹیلر کو اتنا پسند آیا کہ اس نے قائمقام پرنسپل بننے کے بعد اسے دوبارہ شائع کرایا، لیکن یہ تمام باتیں قیاسات پر مبنی ہیں۔ جنرل رپورٹ برائے تعلیم عامہ (بابت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء) کے مطابق محمد مظہر جماعت اول سُنّی (عربی) میں ۳۰ روپے ماہوار وظیفہ پانے والے اسکالرز میں تھا (بذیلِ جنوری ۱۸۴۳ء۔ مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۴۴ء)

محمد احسن نانوتوی نے ملازمت کا آغاز مدرسہ بنارس سے کیا۔ یہاں ان کا تقرر مدرس اول ...

۱۔ تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (بزبان فرانسیسی) طبع دوم، پیرس، جلد اول ۱۸۷۰ء، ص ...

محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی مولانا محمد مظہر نانوتوی رڑکی سے ایک خط (بابت ۷ اکتوبر ۱۸۵۰ء) میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں، جس میں وہ رقمطراز ہیں:

"اگر کوئی اور عہدہ مدرسی کا وہاں خالی ہو یا اردو ترجمہ نیچرل فلاسفی وغیرہ کا وہاں پڑھایا جائے تو بھی بندہ ہم لوگوں کو یاد رکھیے گا۔"

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حیثیت سے ہوا۔ مولانا محمد مظہر ۱۸۴۷ء میں حج کے لیے جانے لگے تو محمد احسن کو اپنی جگہ مقرر کرا دیا۔ مولانا ایک سال کی رخصت پر گئے تھے، لیکن ایک سال زیادہ گذر گیا، چنانچہ محمد احسن کو اسی عارضی اسامی پر مستقل کر دیا گیا۔ وہ ۱۸۵۲ء تک بنارس کے اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے اور اس سال کے آخر میں ممکن ہے وہ بریلی چلے گئے اور وہاں پہلے فارسی کے مدرس، بعد میں شعبۂ عربی کے بھی سربراہ مقرر ہوئے۔ ۱۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو سفر حج پر روانہ ہوئے اور ۱۳ مئی ۱۸۶۷ء کو واپس بریلی پہنچے۔ بریلی ہی میں مطبع صدیقی قائم کیا (قبل ۱۸۶۲ء) جس کا مقصد تجارت کتب نہ تھا بلکہ دراصل یہ ''ولی اللہ اکیڈمی'' تھی۔ اس مطبع سے ولی اللہی حکمت وفلسفہ کی خوب نشر واشاعت ہوئی[1]۔ یہ مطبع کم وبیش سولہ سال تک چلتا رہا اور یہاں سے مختلف اسلامی علوم پر کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ اسی مطبع کی شاخ دہلی کا مطبع مجتبائی تھا، جس کے مہتمم مولوی عبدالاحد تھے۔ مولانا محمد احسن نے بریلی ہی میں ''مصباح العلوم'' کے نام سے ایک الگ مدرسہ بھی قائم کیا، جواب تک موجود ہے۔

۱۸۷۷ء میں بریلی کالج بند کر دیا گیا اور مولانا محمد احسن اس شہر کو خیرباد کہہ کر اپنے آبائی شہر نانوتہ چلے آئے۔ یہاں ان کا زیادہ تر وقت مطبع مجتبائی کی مطبوعات کی درستی اور اپنی کتابوں کی تصنیف وتالیف میں گذرتا تھا۔ نانوتہ میں انھوں نے احسن المدارس کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے بقیہ عمر یہیں گذاری اور بالآخر رمضان ۱۳۱۲ھ/ مارچ ۱۸۹۵ء میں دیوبند میں انتقال کر گئے۔

محمد احسن نانوتوی کی تصانیف اور تراجم کی تعداد انتیس کے لگ بھگ ہے[2]۔ ان میں نمایاں شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''ازالۃ الخفاء''، ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' اور ''عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید'' کی تصحیح وترتیب اور مفید حواشی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے امام غزالی کی مشہور زمانہ کتاب ''احیاء العلوم'' کا اردو ترجمہ بعنوان ''مذاق العارفین'' (چار ضخیم جلد) بھی کیا تھا۔ ابن قیم کی ''اغاثۃ اللھفان'' کا ترجمہ وخلاصہ بعنوان ''تہذیب الایمان'' اور ''درمختار'' کا بقیہ ترجمہ (باب ''کتاب الاذان'' کے بعد) بھی ان سے یادگار ہیں۔

اس مجموعۂ مکتوبات میں تین خط مولانا محمد احسن نے اشپرینگر کو قلم بند کیے۔ ان میں پہلا خط (بزبان فارسی) ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا خط دو جولائی ۱۸۵۲ء بروز جمعہ اور تیسرا خط تقریباً ایک ماہ بعد یعنی ۱ ... بروز یک شنبہ کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط کے آخر میں مکتوب نگار نے سنہ نہیں دیا، لیکن خط کی اندرونی

۱۔ محمد ایوب قادری، مذکورہ بالا، ص ۱۶۹۔ نیز رک: راشد کاندھلوی کی مولانا مملوک العلی نانوتوی پر متذکرہ بالا کتاب، ص ۴۸۱-۴۹۰۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۳۰-۱۵۲۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شہادتوں سے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط بھی ۱۸۵۲ء ہی میں لکھا گیا۔ یہ زمانہ وہ تھا، جب مولانا محمد احسن مدرسۂ بنارس میں مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے، لیکن وہ وہاں مطمئن نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں اور کوئی ڈھب کی ملازمت مل جائے، تو وہاں چلے جائیں۔ اس شہر میں وہ اکثر بیمار رہتے تھے اور طبیعت کی اس ناسازی کے باعث بھی تبدیلِ آب و ہوا کے خواہاں تھے۔ انھی دنوں مولوی علی اکبر سونی پتی عالم جوانی میں انتقال کر گیا۔ وہ آگرہ کے مدرسہ میں ملازم تھا۔ مولوی علی اکبر اشپرینگر کے قریبی رفقائے کار میں سے تھا اور اسی کی تگ و دو سے اسے اس مدرسہ میں نوکری ملی تھی[1]۔ اسے یہاں آئے ہوئے ابھی چند سال ہی گذرے تھے کہ مسلسل بیماری کی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا اور مدرسہ آگرہ میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہو گئی۔ اس خالی جگہ کے بہت سے امیدوار تھے اور انھی میں ایک مولانا محمد احسن بھی تھے۔

ڈاکٹر اشپرینگر سے مولانا محمد احسن کے تعلقات کا اصل سبب تو مولانا مملوک العلی کی ذات تھی۔ نانوتہ سے چل کر جو بھی حصول علم کے لیے دہلی آتا تھا، وہ مولانا مملوک العلی ہی کے ہاں ٹھہرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں نانوتہ کے بہت سے طالبانِ علم ان کے ہاں جمع ہو گئے اور وہ ان کی ہر طرح سے اعانت کرتے تھے۔ انھیں اپنے گھر پڑھاتے تھے۔ دہلی کالج میں بھی انھیں داخلہ دلواتے تھے۔ مولانا مملوک العلی اور ڈاکٹر اشپرینگر کے انتہائی دوستانہ مراسم تھے اور اسی وجہ سے مولانا کے ہموطن تلامذہ اشپرینگر سے متعارف ہوتے تھے، اور جب بھی انھیں کوئی کام پڑتا تھا، وہ اشپرینگر ہی سے رجوع کرتے تھے۔ ان دنوں شمالی ہند کی ان تعلیمی درسگاہوں میں اشپرینگر کا خاصا اثر و رسوخ تھا اور مدرسین کے تقرر میں اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ اکثر اصحاب نانوتہ اور بعض دوسرے نوجوان طلبہ کو جنھوں نے بعد میں بڑا نام کمایا، ملازمت دلوانے میں اشپرینگر کی ذاتی کوششوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ مولانا محمد احسن کو بھی اشپرینگر کی سفارش سے ملازمت ملی۔ ممکن ہے، مولانا مملوک العلی نے بھی اشپرینگر کو کہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولانا محمد احسن اس وقت دہلی کالج کے ذہین طلبہ میں سے ہوں، جب اشپرینگر اس کا پرنسپل تھا، لیکن اس کے علاوہ اشپرینگر اور مولانا محمد احسن کے تعلقات کی ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ مولانا نے کتابوں کی تجارت بھی شروع کر رکھی تھی۔ ... احمد علی محدث سہارنپوری کے مطبع احمدی کی مطبوعات فروخت کرتے تھے[2]۔ قدیم کتب اور قلمی نسخے بھی ان کی تجارتِ کتب میں شامل تھے۔ اشپرینگر کو نادر کتب اور قلمی نسخے جمع کرنے کا شوق تھا۔ ہو سکتا ہے کتابوں کا یہ کاروبار ان دونو کی قریبی دوستی کا سبب بنا ہو۔

۱۔ مولوی علی اکبر سونی پتی کے مفصل حالات مع مکتوبات کے لئے دیکھئے آئندہ سطور۔

۲۔ ایوب قادری، مذکورہ بالا، ص ۳۴۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا محمد احسن نے اشپرینگر کے نام جو تین خطوط لکھے ہیں، ان کا سنہ تحریر ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۲ء ہے ان تینوں مکتوبات کے آخر میں مولانا نے اپنے نام کے ساتھ ''مدرس اول مدرسہ بنارس'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کم از کم ۱۸۵۲ء تک اسی مدرسہ بنارس میں ملازم تھے، لیکن مولانا کے معتبر سوانح نگار محمد ایوب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ ''جمادی الاول ۱۲۶۷ھ بہ مطابق مارچ ۱۸۵۱ء میں مولانا محمد احسن کا تعلق بنارس سے یقیناً ختم ہو چکا تھا کیونکہ یہی زمانہ بریلی آنے کا ہے۔''(۱) ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''بنارس سے جمادی الاول ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں تبدیل ہو کر بریلی پہنچے۔''(۲) معلوم نہیں، قادری مرحوم کے ان بیانات کا ماخذ کیا ہے، لیکن ان خطوط سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا اگست ۱۸۵۲ء تک مدرسہ بنارس ہی میں پڑھاتے رہے۔ اس مدرسہ میں ان کا تقرر ۱۸۴۷ء میں ہوا(۳)۔ اپنے قیام بنارس ہی کے زمانے میں انھوں نے جو کتاب بعنوان ''تحفۃ المحصنین'' (مطبوعہ ۱۸۴۹ء) لکھی، اس کی ابتدائی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے دو سال قبل یعنی ۱۸۴۷ء میں بنارس آئے تھے۔

اب سطور ذیل میں ان تین خطوط کا متن شائع کیا جا رہا ہے، جو مولانا محمد احسن نے ڈاکٹر اشپرینگر کو تحریر کیے تھے۔

۱

''غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

درینولا خطی از نزد مولوی محمد مظہر صاحب (۱) رسیدہ و در آن عرضی متضمن درخواست عہدۂ امینی مدرسۂ کلکتہ کہ بباعث رحلت گزینی مولوی حافظ احمد کبیر صاحب امین کالج ولیم فورٹ خالی است فرستادہ اند و ارقام فرمودہ اند کہ این عرضی را نزد جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر ابلاغ دارند تا کہ جناب ممدوح عرضی ہذا را معہ چٹھی خود کہ در آن حسن لیاقت و سرانجام کار احقر ارقام فرمودہ باشند، روانہ کلکتہ فرمایند، لہٰذا عرضی مسطور را

۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۳۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۳۔ ان کے بڑے بھائی مولانا محمد مظہر اپنی ایک فارسی درخواست (رک: بذیل مکاتیب مظہر) کے شروع میں لکھتے ہیں کہ وہ مدرسہ بنارس میں چار سال پڑھانے کے بعد اواخر ۱۸۴۷ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے اور اسی مدرسہ میں اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی کو دے دی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

روانہ خدمت والا کردم، امید کہ بہ کلکتہ روانہ فرمودہ شود و در چھٹی کہ مزین بدستخط خاص خواہد بود الفاظ خوشنودی خود بدولت از مولوی محمد مظہر و حسن لیاقت و کثرت استعداد ایشان برائے عہدہ مذکورہ مندرج خواہند فرمود و نمیدانم کہ این درخواست پیش کدام صاحب خواہد رفت، الاعقلیہ عرض میکنم کہ این را پیش پرنسپل کالج ولیم فورٹ ابلاغ فرمایند و توجہ در سعی روزگار مولوی صاحب برضرور است و مولوی صاحب ممدوح بباعث موسم برشگال تا حال از بمبئی روانہ نشدہ اند۔ اگر عقب روانگی خط ہذا روانہ شدہ باشند چہ عجب مدام از پروانجات عاقبت مزاج معلیٰ سرفراز میفرمودہ باشند۔ واجب بود عرض نمود۔ آفتاب دولت تابان و گلشن اقبال شگفتہ و ریان باد (۲)

عرضی

محمد احسن

مدرس اول، مدرسہ بنارس

۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء

روز دوشنبہ"

تشریحات:

۱۔ رک: بذیل مکاتیب مولوی محمد مظہر نانوتوی (سطور سابق) بزبان فارسی مع تشریحات

۲۔ حافظ احمد کبیر کی رحلت پر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا جو عہدۂ امینی خالی ہوا، اس کے امیدوار بہت تھے (رک: بذیل مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا سدید الدین خاں، علی اکبر اور برکت علی)۔ اس عہدہ کے امیدواروں میں سدید الدین خاں کامیاب ہوئے اور انھیں اس عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔

۲

"غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا (۱)۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی ہے، لیکن بے توجہ حضور پرنور سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہم لوگوں کو اور کوئی ذریعہ ظاہری بھی نہیں۔ اسی واسطے امیدوار ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے، احقر کے واسطے یا مولوی محمد مظہر (۲) صاحب کے واسطے حکم فرمائیں تا کہ اپنی مراد کو پہونچ کر حضور کے شکر میں رطب اللسان رہیں۔ اس امر میں عنایت اور شفقت ضرور ہے۔ فقط۔ آفتاب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دولت تاباں رہے۔

عرضی

محمد احسن مدرس اول مدرسہ بنارس

۲ جولائی ۱۸۵۲ء بروز جمعہ''

تشریحات:

۱۔ مولوی علی اکبر دہلی کالج کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ ڈاکٹر اشپرینگر سے اس کے قریبی تعلقات استوار تھے۔ وہ ڈاکٹر موصوف کے لیے جگہ جگہ سے کتابیں جمع کرتا رہتا تھا۔ اس نے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی میں اشپرینگر کی بڑی مدد کی تھی۔ اس کے صلے میں اسے مدرسہ آگرہ میں نوکری مل گئی، لیکن وہ عالمِ جوانی میں ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو دہلی میں انتقال کر گیا۔ اس کے تفصیلی حالات مع خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۲۔ یہ مولانا محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی تھے۔ تفصیلی سوانح حیات (مع مکتوبات) آئندہ پیش کیے جائیں گے۔ مولوی علی اکبر کی وفات سے آگرہ کالج میں جو جگہ خالی ہوئی تھی، اس کے لیے مولانا محمد احسن خود امیدوار تھے اور اس سلسلے میں وہ ڈاکٹر اشپرینگر کی سفارش کے طالب تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اگر وہ منتخب نہ ہوسکیں، تو پھر ان کے بڑے بھائی محمد مظہر کو یہ ملازمت مل جائے۔

۳

''غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

جناب ٹڈلٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ آگرہ کی چٹھی سے، جو اجمیر میں گئی تھی، معلوم ہوا کہ بموجب حکم لفنٹ گورنر صاحب بہادر کے سب درخواستیں، جو عہدہ آگرہ کے واسطے گذری تھیں، حضور والا کی خدمت میں روانہ ہوئی ہیں (۱)۔ پس اگر اون درخواستوں میں درخواست مولوی ذوالفقار علی مدرس مدرسہ بریلی کی بھی ہو تو میں کچھ عرض نہیں کرتا کیونکہ حضور والا نے سابق اون کو چٹھی مرحمت فرمائی ہے (۲)، لیکن اگر اون کی درخواست نہ ہووے تو امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص کی درخواست منظور فرما کر عہدہ آگرہ پر مقرر فرما دیں۔

اور احقر اس شہر میں اکثر بیمار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اضلاع مغربی میں ناخن بندی ہو جاوے۔ اگر حضور کی توجہ سے یہ مراد بر آوے تو بقیہ عمر وطن کے قریب پہونچ کر دعاء دولت ابد پیوند ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مصروف رہوں۔

اور چند اشعار عربی کے جو اس وقت بلا تکلف قلم پر آئے تھے، خدمت فیض درجت میں بھیجتا ہوں (۳)۔ امید ہے کہ الطاف مربیانہ فرما کر قبول کیے جاویں اور دعا گو کو ممتاز و سرفراز فرماویں۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت تاباں رہے۔

عرضی

محمد احسن

مدرس اول مدرسہ بنارس

۱۸ اگست روز یکشنبہ''

تشریحات:

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کو پورا اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ درخواست دہندگان میں سے جس کو چاہے، آگرہ کالج میں بطور مدرس ملازم رکھ لے۔ مولانا محمد احسن بھی امیدواروں میں سے تھے، لیکن وہ اس عہدہ کے لیے منتخب نہ ہو سکے۔ بنارس میں وہ اکثر علیل رہتے تھے، دوسرے ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن (نانوتہ) سے قریب رہیں، اسی لیے وہ بنارس چھوڑ کر آگرہ آنا چاہتے تھے، لیکن کسی وجہ سے ان کی آگرہ میں تقرری نہ ہو سکی اور ان کے بجائے انہیں مدرسہ بریلی میں بھیج دیا گیا۔

۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی ان دنوں مدرسہ بریلی میں مدرس اول تھے۔ اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی آگرہ کالج میں آنے کے خواہش مند تھے اور اس سلسلے میں ان کے اور اشپرینگر کے درمیان خطوط کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ مولانا ذوالفقار علی اور مولانا محمد احسن کے مابین گہرے مراسم تھے اور ان کی اس دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مولانا ذوالفقار علی کے حق میں دستبردار ہونا چاہتے ہیں اور اگر وہ اس عہدہ کے امیدوار نہیں، تو پھر وہ اپنا نام پیش کرتے ہیں۔

۳۔ ذخیرۂ اشپرینگر کے ڈبہ نمبر ۵ میں جو کاغذات موجود ہیں، ان میں مولانا محمد احسن کے خود نوشتہ یہ عربی اشعار محفوظ ہیں۔ اشپرینگر کی تعریف و توصیف میں کہے گئے اس قصیدے کا عنوان یہ ہے:

''قال العبد الضعیف محمد احسن بمدح ڈاکتر اے سپرنجر صاحب بہادر''

ان اشعار سے پہلی بار ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ مولانا محمد احسن عربی میں شعر گوئی کرتے تھے۔ ان سے چند فارسی اور اردو قطعات تاریخی تو دستیاب ہیں، لیکن ابھی تک ان کا کوئی عربی شعر دستیاب نہیں ہوا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا محمد احسن کے اس عربی قصیدے کے ۱۲۳ اشعار ہیں۔ قصیدہ کا متن معہ اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

مـن لـلـحـزين بان يبلغ شوقه　　　عـنـه الـىٰ حبرٍ كريم صفات

(کون ہے جو غمزدہ شخص کی فریاد کریمانہ صفات کے مالک اور صاحب علم شخص تک پہنچا دے)

اليـلـمعـي اللوذعي الداكتر　　　سبـرنـجـر مـن قبـلـه......ياتي

(انتہائی ذہین اور فصیح و بلیغ ڈاکٹر اشپرینگر تک ......) (کذا)

مـن الـكيثـب بأن يفوه مرامه　　　بـجـنـابه في احسن الأوقات

(کون ہے جو صاحب درد شخص کا مقصد اس کی خدمت میں مناسب وقت میں بیان کر دے)

يـا سـائـلا لا تـضـطرب فعطاءُ ه　　　يغنيک عن كربٍ و عن علاّت

(اے سائل! مت پریشان ہو، کیونکہ اس کی عطا تجھے ہر تکلیف اور دکھ سے نجات دلا دے گی)

لـلّـه درّ كـمـالـه و فـعـالـه　　　أشـفـاک من جهل و من هفوات

(اللہ رے اس کے کمالات اور اس کی خوبیاں کہ جنھوں نے تجھے جہالت اور وسوسوں سے بچالیا ہے)

قـرم" لو انّ نعيمهُ وردت على　　　شـجـر لـداء مجاهد الأصوات

(وہ سخی ہے اگر اس کے احسانات کسی درخت پر ہوں تو او نچی آوازوں والا جھوم اٹھے)

بحر الفضائل والمعارف والندى　　　مـنـجـي الأنام من العضال النات

(وہ فضل و معرفت اور سخاوت کا سمندر ہے لوگوں کو ان کی لاچاریوں اور مجبوریوں سے نجات دلانے والا ہے)

كنز الفخار و قرن رأس فحوله　　　شـمـس السخاءِ و ذوالوهبات

(وہ فخر و عزت کا خزانہ ہے، عزت و شرف کے سر کا تاج ہے۔ سخاوت کا سورج اور بہت ہدیے دینے والا ہے)

رقـاه رب الـعـالـمين تفضلاً　　　مـن كـل عـلـمٍ أبـلـغ الغايـات

(رب العالمین نے اپنی مہربانی سے اسے علم کے بلند ترین درجات پر فائز کیا ہے)

اهـل المروّةِ والمكارم والعلى　　　إنسـان عين الجود عين حيات

(وہ صاحب مروت ہے اور خوبیوں اور بلندیوں کا مالک ہے، وہ سخاوت کی آنکھ کی پتلی ہے اور زندگی کی آنکھ ہے)

يـزهـو يـبـاهي بالمفاخر والنهىٰ　　　مثل الشموس بأكبر الصحوات

(اسے اپنی خوبیوں اور عقل مندی پر فخر ہے۔ وہ صاف آسمان میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہے)

مات الكمال بموت سحبان و قد　　　أحيـاه هـذا الـحبـر بـالنفحـات

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(علم وفضل کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس صاحبِ علم نے پھر سے اس میں زندگی کی روح پھونک دی ہے)

این البلیغ الاصمعی و من حذاہ　　من سابقی القصبات فی الطرقات

(بلیغ وفصیح اصمعی اور اس جیسے دوسرے گذشتہ زمانوں کے ادبائے کبار ہیں)

وأبو عبیدۃ والحریری الذی　　فاق الأنام بأبلغ اللفظات

(اور ابوعبیدہ کہاں ہے اور وہ حریری کہاں ہے، جو اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے دنیا پر سبقت لے گیا تھا)

والبحتری و دعبل و ابو نواسٍ　　ذی خطـی و بدائع الآیات

(اور بحتری اور دعبل کہاں ہیں اور وہ ابونواس کہاں ہے، جس کے ادب وفضیلت کی دنیا میں بڑے نشانات اور معجزات ہیں)

حتی یروا شان الفصاحة عندہ　　یحیّ القلوب بافصح الکلمات

(یہ سب کہاں ہیں، تاکہ وہ اس کی فصاحت کو دیکھ لیں جو کہ فصیح کلمات سے دلوں کو زندگی بخشتا ہے)

موج تفجر من أصابع مصطع　　فطنٍ فصیحٍ محلی الظلمات

(فصاحت و بلاغت کی لہر اس کی انگلیوں سے پھوٹی پڑتی ہے، وہ نہایت ذہین وفطین، فصیح اور تاریکیوں کو روشن کرنے والا ہے)

مشکٌ لفرح کمشک اخلاقٍ علت　　من أسوۃ الأمراء فی الحسنات

(اس کے اخلاق کی خوشبو پھیل رہی ہے جس طرح کہ اس شخص کے اخلاق کی خوشبو جلد پھیل جاتی ہے جو نیک لوگوں کے لئے نمونہ ہو)

یزری بفصحاء الزمان براعة"　　لرشاقة الألفاظ والفقرات

(اس کی مہارت کے آگے سب اہلِ فصاحت و بلاغت کمتر ہیں، کیونکہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ و فقرات انتہائی دلکش ہوتے ہیں)

یا مادحاً مهلاً فان مدیحه　　کفخارہ لا یبلغ الغایات

(اے تعریف کرنے والے رک جاؤ کیونکہ ممدوح کی خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے)

قال المنی من کل شرفٍ دائماً　　حباہ رب العرش بالبرکات

(اس نے اچھی آرزو کو پا لیا ہے۔ اسے عرش کے رب نے اپنی برکات سے نوازا ہے)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یا من تشنف عن جمان کلامه　　آذان أعلام اولی الدرجات

(اے وہ شخصیت جس کی موتیوں جیسی گفتگو، بلندو بالا لوگوں کے کانوں میں رس گھول دیتی ہے)

عش ماجداً ما غردت قمرية　　فوق الغصون بافصح السجعات

(عزت کی زندگی بسر کرو جب تک کہ کوئی قمری ٹہنیوں کے اوپر اپنی پیاری آواز میں چہچہاتی رہے)

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا محمد مظہر نانوتوی

مشاہیر نانوتہ میں یہ آخری فرد ہیں، جن کے مکتوبات اشپرینگر کے نام زیرِ نظر مجموعۂ مراسلات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ نانوتوی نامہ نویسوں میں مولانا مملوک العلی اور مولانا محمد احسن کے نام ملتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں مسلمانوں کے دینی اور ملی احیاء اور انھیں نئے تقاضوں کے مطابق تعلیم کی نعمتوں سے بہرہ مند کرنے کے لیے اہلِ نانوتہ کی خدمات لائق صد تحسین ہیں۔ ان کی کوششوں کا اصل مقصد اجتماعی طور پر مسلمانوں کی فلاح اور بہتری تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی یہ مساعی خاندانِ ولی اللہ کی بلند پایہ علمی روایات کی ترویج اور استحکام کا باعث بنی۔ نانوتہ کی انھی مایۂ ناز ہستیوں میں ایک نام مولانا محمد مظہر نانوتوی کا ہے۔

مولانا محمد مظہر کے حالات زندگی اپنے کئی معاصرین کی طرح محتاجِ تفصیل ہیں۔ بعض محققین اور کتبِ رجال کے مؤلفین نے ان کی ذات کو موضوع بحث بنایا ہے، لیکن اس کے باوجود تفصیلی سوانح کی کمی جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ ان مآخذ میں مولانا محمد مظہر کے جو حالات قلم بند کیے گئے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں[1]:

۱۔ ان مآخذ کی فہرست یہ ہے: علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، بابت ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء، ص ۱۱۴۔ اخبار "شفاء الصدور" (عربی)، بابت اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ مولانا عبدالحئی: نزہۃ الخواطر، جلد ۸، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء، ص ۴۵۵ (اضافہ شدہ عبارتیں خطوط وحدانی میں لکھی گئی ہیں)۔ امداد صابری: فرنگیوں کا جال، دہلی ۱۹۴۹ء، ص ۱۸۹-۱۹۰۔ بذیل مظاہر العلوم سہارنپور (اس کتاب کی طبع ثانی (دہلی، ۱۹۷۹ء) سے یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے)۔ مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، بجنور ۱۹۵۸ء، ص ۱۶۳-۱۶۴ (مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۱-۱۸۲)۔ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۵۴-۱۵۷۔ ایضاً: نانوتہ کے دو فرزند در: دار العلوم (ماہنامہ) دیوبند، دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۱۳-۱۴؛ ایضاً۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۵۔ ایضاً محمد مظہر نانوتوی در: العلم (کراچی) اپریل تا جون ۱۹۵۹ء۔ ایضاً (مرتب و مترجم) تذکرہ علمائے ہند (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولانا محمد مظہر نانوتہ میں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے مکتب میں حاصل کی اور ساتھ ساتھ اپنے والد حافظ لطف علی سے بھی کسب فیض کرتے رہے۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو اپنے دونو چھوٹے بھائیوں مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی کی طرح نانوتہ سے دہلی منتقل ہو گئے۔ مولانا مملوک العلی کے پاس پہنچے کیونکہ وہ انھیں کے گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دہلی کالج میں داخل کرا دیا اور یوں وہ مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ مولانا محمد مظہر دہلی کالج میں کب داخل ہوئے اور کس سال فارغ التحصیل ہوئے، اس کے متعلق ان کے سوانح نگار بالکل خاموش ہیں۔ مولانا محمد مظہر کے اصل استاد تو مملوک العلی ہی تھے، لیکن وہ علمی پیاس بجھانے کی خاطر دیگر علماء سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے شاہ محمد اسحاق بن محمد افضل دہلوی سے سند حدیث حاصل کی اور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی سے بھی تحصیل علوم میں مدد لی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا رشید الدین خاں دہلوی کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ مولانا رشید الدین کا سنہ وفات ۱۸۲۷ء ہے۔ مولانا محمد مظہر کی ولادت ۱۸۲۱ء میں ہوئی، یعنی جب رشید الدین خاں دہلوی کا انتقال ہوا، اس وقت محمد مظہر کی عمر چھے برس تھی۔ اتنی کم عمری مین ان کا نانوتہ سے دہلی آنا اور دہلی کالج کے صدر مدرس کی شاگردی اختیار کرنا قابلِ اعتبار روایت معلوم نہیں ہوتی۔

مولانا محمد مظہر دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کر کے پہلے اجمیر کالج میں ملازم ہوئے اور پھر آگرہ چلے گئے۔ ۱۸۵۷ء تک وہ اسی درسگاہ میں پڑھاتے رہے۔ جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے شروع ہوئے تو وہ بھی ان میں شریک ہو گئے اور اس کی پاداش میں ان کی ملازمت بھی جاتی رہی۔ چند سال گوشۂ گمنامی میں گذارے۔ ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے اپنے آبائی شہر میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چند ماہ بعد مولانا محمد مظہر اس مدرسہ میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ بعد میں ''مظاہر العلوم'' کے نام سے مشہور ہوا۔ مولانا محمد مظہر نے اپنی زندگی کا بقیہ حصہ اس مدرسے میں گذارا۔ بالآخر وہ سہارنپور میں ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء کو لاولد فوت ہو گئے۔ ''نزہتہ الخواطر'' کی روایت کے مطابق ان کی عمر ۷۰ برس تھی (۸: ۴۵۵) لیکن اگر ان کا سال ولادت ۱۸۲۱ء ہے (بحوالہ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲۲[۲]) تو

تالیف رحمان علی، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۱۷۸-۱۷۹، تحتی نوٹ۔ محمد زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ (طبع عکسی)۔ فیوض الرحمٰن: مشاہیر علمائے دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳-۵۹۶۔ باربرا مٹکاف کی انگریزی کتاب ''دیوبند ۱۸۶۰-۱۹۰۰ء'' مطبوعہ نیو جرسی ۱۹۸۲ء، ص ۲۴۲-۲۴۴۔ نور الحسن راشد کاندھلوی: تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتوی، زیر تالیف۔ ایضاً: مملوک العلی نانوتوی، متذکرہ بالا، ص ۴۲۲-۴۲۹۔

۲۔ اسی کتاب میں مولانا کا سنہ پیدائش ۱۸۲۳ء بھی لکھا ہوا ہے (ص ۱۵۴)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس اعتبار سے ان کی عمر چونسٹھ سال بنتی ہے۔

مولانا محمد مظہر اپنے دور کے معروف محدث اور فقیہ تھے۔ ایک علمی گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ پھر بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے ان کے ذوق علم کی آبیاری کی تھی۔ انھوں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ حاصل کیا، ایک دیانتدار مدرس کی حیثیت سے اسے اگلی نسلوں تک پہنچایا، چنانچہ ان کے تلامذہ میں مولانا خلیل احمد امبیٹھوی جیسے ممتاز علماء شامل تھے۔ مولانا محمد مظہر صرف علم ہی میں نہیں، بلکہ کردار میں بھی بلند تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گذار دی اور بہت کم مشاہرے پر کام کرتے رہے۔ بقول مؤلف ''نزہتہ الخواطر'' وہ ''ہمیشہ ذکر میں رہتے، اسم ذات کے ذکر سے زبان تر رہتی تھی، تکلف سے کوسوں دور، زاہد، پرہیز گار اور صاحب وقار تھے۔'' (۴۵۵:۸)

اس مجموعۂ مراسلات میں مولانا محمد مظہر نانوتوی کے تین خطوط موجود ہیں۔ دو خط اردو میں ہیں اور ایک فارسی میں۔ دونوں اردو خط ۱۰ نومبر اور ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء کو لکھے گئے۔ فارسی خط پر سنہ تحریر درج نہیں۔ دراصل یہ فارسی تحریر خط نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، جو مراسلہ نگار نے بذریعہ ڈاکٹر اشپرینگر کسی مقتدر انگریز کو بھیجی تھی۔ مولانا نے خط کے اوپر اپنے مکتوب الیہ کا نام نہیں لکھا۔ مولانا کی یہ درخواست کسی بناء پر آگے نہ جا سکی اور اشپرینگر کے کاغذات ہی میں پڑی رہی۔ مولانا محمد مظہر کی اس فارسی عرضداشت اور اشپرینگر کے نام ان کے دو اردو خطوں سے ان کی زندگی کے اس ابتدائی دور کے متعلق کئی نئی باتوں کا پتا چلتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور مکتوب نگار اور اشپرینگر کے نوجوان رفیق کار علی اکبر نے بھی اپنے خطوط میں جا بجا محمد مظہر کا ذکر کیا ہے۔ علی اکبر کے خطوں سے متعلقہ اقتباسات نئی معلومات فراہم کرتے ہیں اور وہ بھی بطور ذیل میں پیش کیے جائیں گے۔ مولانا محمد مظہر کے دو اردو مکتوبات، فارسی درخواست اور علی اکبر کے خطوط سے جو نئی معلومات فراہم ہوتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

الف۔ مولانا محمد مظہر کے کسی سوانح نگار نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنی مدت دہلی کالج میں طالب علم رہے۔ [illegible]
خطوط اور بعض دستاویزات سے ایسے اشارے ضرور مل جاتے ہیں جن کی مدد سے ان کی مدت طالب
علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذخیرہ اشپرینگر میں محفوظ ایک رجسٹر کا حوالہ [illegible] جس میں
۱۸۴۷ء میں زیر تعلیم دہلی کالج کے تمام طالب علموں کے نام [illegible] درج کیے گئے
ہیں۔ اس رجسٹر میں محمد مظہر کا نام بطور طالب علم موجود نہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ
اس سال یعنی ۱۸۴۷ء سے قبل اپنی تعلیم مکمل کر کے کالج سے فارغ ہو چکے تھے۔ [illegible]
درخواست کے ابتدائی جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جونہی انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بنارس میں مدرس اول عربی کی ملازمت مل گئی۔[1] یہاں ان کی تنخواہ بیاسی روپے ماہوار تھی۔ چار سال تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ ۱۸۴۷ء کے آخر میں وہ حج پر روانہ ہو گئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۳ء میں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۴۴ء میں مدرسۂ بنارس میں ان کا تقرر ہو گیا تھا۔ دہلی کالج کے مذکورۂ بالا رجسٹر میں عربی جماعت کے بعض طلبہ کی مدت تحصیل ساڑھے چھے سال بھی لکھی گئی ہے۔ ممکن ہے، مولانا محمد مظہر بھی اتنی ہی دیر کالج میں رہے ہوں۔ اس اعتبار سے قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۳۷ء کے لگ بھگ دہلی کالج میں داخل ہوئے ہوں گے۔

ب۔ مولانا محمد مظہر نے مدرسہ بنارس میں چار سال پڑھانے کے بعد حج کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے دو سال کی رخصت طلب کی، جو انہیں مل تو گئی لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی گئی کہ پہلے چھے ماہ نصف تنخواہ یعنی اکتالیس روپے ماہوار دی جائے گی۔ ازاں بعد یہ نصف تنخواہ بھی بند کر دی جائے گی اور جب وہ واپس آئیں گے تو نظامت تعلیمات اس بات کی پابند نہیں ہو گی کہ مولانا کو وہی ملازمت دی جائے۔ علی اکبر اپنے ایک خط بنام اشپرینگر (مورخہ ۳ فروری ۱۸۵۱ء) میں کچھ عرصے کی رخصت مانگتا ہے اور بطور مثال یہ بتاتا ہے کہ:

''سابق میں مولوی محمد مظہر کو رخصت دو سال کی ملی تھی۔ بایں شرط کہ چھے مہینے نصف تنخواہ دی جائے اور من بعد عوض خدمت کو عہدہ واپسی دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔''

مولانا محمد مظہر نے اپنے محکمہ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور فریضۂ حج ادا کرنے چل پڑے[2]۔ زیارت بیت اللہ کا ان کے دل میں اتنا شوق تھا کہ انھوں نے اپنی ملازمت کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن نو اسی مدرسہ میں عہدۂ مدرسی دلوا کر خود حج کے لیے چلے گئے۔ ۱۸۵۰ء

۱۔ سبھی سوانح نگاروں نے اجمیر کالج اور آگرہ کالج میں ملازمت کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ ۱۸۵۱ء کے بعد کا زمانہ ہے۔

۲۔ مولانا کے تمام سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انھوں نے پہلا حج مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں اور دوسرا حج ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں کیا، لیکن ان کی اپنی تحریر سے اب یہ پتا چلا کہ وہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں پہلے حج پر روانہ ہوئے تھے۔ مولانا محمد مظہر نے سفر حج کے دوران میں مولانا مملوک العلی کو ایک خط لکھا اور اس خط کے مندرجات کی اطلاع مملوک العلی نے ڈاکٹر اشپرینگر کو بذریعہ خط (بابت ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء) دی۔ ریک: مکاتیب مولانا مملوک العلی، مکتوب نمبر ۲، تشریحات نمبر ۲ تا ۵۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے شروع میں وہ واپس بمبئی پہنچے تو انھیں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے امین مولوی حافظ احمد کبیر کے انتقال (۱۸۵۰ء) کی خبر ملی۔ وہیں سے انھوں نے اس خالی جگہ کے امیدوار کی حیثیت سے یہ فارسی درخواست ارسال کر دی۔

ج۔ مولانا محمد مظہر نے حج کے لیے جو دو سال کی رخصت لی تھی، اس کی مدت دسمبر ۱۸۴۹ء کو ختم ہوگئی، لیکن اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۰ء میں وہ واپس ہندوستان پہنچے۔ جاتے ہوئے وہ مدرسہ بنارس میں اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن کو دے گئے تھے۔ جب واپس آئے تو ان کے بھائی وہیں کام کر رہے تھے، اس لیے انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی اور مدرسہ میں ملازمت تلاش کی جائے۔ کئی ماہ کوشش کرتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس دوران میں وہ اپنے استاد اور ہموطن بزرگ مولانا مملوک العلی سے ملے اور ان سے مدد چاہی[1]۔ ان دنوں ڈاکٹر اشپرینگر انہیں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) آنے کی پیش کش کر چکے تھے اور مملوک العلی وہاں جانے کے خواہش مند بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے پرنسپل دہلی کالج کو ایک درخواست دی کہ ان کے جانے کے بعد ان کی جگہ پر مولانا محمد مظہر کو قائم مقام مدرس مقرر کر دیا جائے، لیکن پرنسپل ٹیلر نے مملوک العلی سے ذاتی مخاصمت کی وجہ سے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی[2] اور یوں مولانا محمد مظہر کی بیکاری کا زمانہ مزید طویل ہو گیا۔

ایک صاحب مولوی احمد علی تھے۔ ان کا آبائی تعلق دہلی سے تھا۔ وہ دہلی کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ انہوں نے ''چشمۂ فیض'' کے نام سے قواعد اردو بھی لکھی تھی، جس کا ایک قلمی نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں موجود ہے (رک: مکاتیب مولانا مملوک العلی، مکتوب نمبر ۳، تشریحات نمبر ۲)۔ مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۵ برس لکھی ہے۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴)۔ ۱۸۴۷ء کے بعد ان کی جگہ مولوی علی اکبر کو فارسی پڑھانے پر مقرر کر دیا گیا۔ جب ڈاکٹر اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اسے معلوم ہوا کہ حافظ احمد کبیر مرحوم کا عہدۂ امینی، جو ۱۸۵۰ء میں ان کے انتقال کے بعد خالی ہوا تھا، اب تک جوں کا توں خالی پڑا ہے اور اس عہدے کے لیے ...

۱۔ مولانا مملوک العلی اپنے ایک مکتوب (بابت ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء) میں لکھتے ہیں: ''ملتمس یہ ہے کہ مولوی محمد مظہر بامید پرورش حضور کی دہلی میں موجود ہیں۔ اگر حضور کو ان کا خیال رہے گا، تو بندہ نوازی اور پرورش پروری سے بعید نہ ہوگا۔'' رک: مکتوب مولانا مملوک العلی، نمبر ۴، تشریحات نمبر ۲۔

۲۔ مکتوب علی اکبر، بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء: ''مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جا محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا۔''

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

موزوں شخص نہیں ملا۔ معاً اشپرینگر کے ذہن میں مولانا مملوک العلی کا نام آیا اور اس نے انھیں یہ عہدہ پیش کیا، لیکن مولانا کی دوراندیشی اس راہ میں حائل ہوگئی اور وہ اس پیش کش کو قبول نہ کر سکے۔ اس کے بعد اشپرینگر نے مولوی علی اکبر کو اس عہدۂ امینی پر مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ مولوی علی اکبر نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور فوراً کلکتہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مولانا محمد مظہر کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے غالباً مولانا مملوک العلی کی وساطت سے یہ کوشش کی کہ علی اکبر کے کلکتہ جانے کے بعد دہلی کالج میں جو جگہ خالی ہوگی، اس پر انہیں تعینات کر دیا جائے، لیکن مولانا مملوک العلی اور پرنسپل ٹیلر کے اختلافات کی وجہ سے یہ ملازمت بھی مولانا محمد مظہر کو نہ مل سکی اور ان کے بجائے روشن علی کا تقرر ہوگیا۔ چنانچہ علی اکبر اپنے ایک مکتوب بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں رقمطراز ہے:

''عرضی مولوی محمد مظہر کی ملفوف ہے۔ باعث اون کی عرضی لکھنے کا یہ ہے کہ علی اکبر چونکہ کلکتہ کو بالضرور جائے گا، علاقہ مولوی احمد علی کا بعد اوس کے ہم کو ملے گا، لیکن اب صورت اوس کی دگرگوں ہوگئی ہے، یعنی سرکار میں استحقاق روشن علی کا ثابت ہوگیا۔ میرے بعد وہ علاقہ اوس کو ملے گا...... اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا۔''

د۔ جب مولانا محمد مظہر کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی، تو انھوں نے پھر ڈاکٹر اشپرینگر سے رجوع کیا۔ وہ بیکاری کے ہاتھوں تنگ تھے اور کسی مدرسہ میں معقول ملازمت کے لیے کوشاں تھے۔ انھیں مولوی علی اکبر کے کلکتہ جانے کا علم تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسے جو عہدہ ملنے والا ہے، وہ اشپرینگر کی ذاتی کوششوں کا مرہون منت ہے چنانچہ انھوں نے ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر کو خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں ان کی ملازمت کا بھی کوئی بندوبست کر دیں، تاکہ وہ بھی علی اکبر کے ہمراہ کلکتہ آ جائیں، لیکن ڈاکٹر موصوف کی جانب سے انھیں کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ شاید وہ انہیں عہدۂ امینی یا کسی اور عہدے کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔

انہی دنوں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری میں عہدۂ نظارت اور عہدۂ سررشتہ داری کے لیے موزوں اشخاص کی ضرورت پڑی۔ مولوی علی اکبر اور مولانا محمد مظہر کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے مفتی صاحب کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مفتی صاحب ان دونو کو جانتے تھے، چنانچہ ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو ان دونو عہدوں پر بالترتیب مولوی علی اکبر (تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار) اور مولانا محمد مظہر (تنخواہ پینتیس روپے ماہوار) کا تقرر ہوگیا۔ علی اکبر اپنے ایک خط بابت ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو اطلاع دیتا ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''۲۲ نومبر مفتی صدر الدین صاحب نے فدوی کو عہدۂ نظارت کچہری اپنی کا بمشاہرہ ساٹھ روپیہ بسبب خالی ہونے کے اور محمد مظہر کو عہدہ سررشتہ داری کا بمشاہرہ ۳۵ روپیہ مرحمت کیا۔''

ح۔ مولانا محمد مظہر کو ابھی مفتی صدرالدین کی کچہری میں ملازم ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ انھیں پتا چلا کہ مدرسۂ کلکتہ کے جس عہدہ کے وہ خواہاں تھے، اس کا امتحان ۹ دسمبر کو ہوگا۔ عہدہ سررشتہ داری ملنے کے بعد چند روز ہی میں مولانا محمد مظہر کو مفتی صاحب کی متلون مزاجی اور ناقدردانی کا اندازہ ہوگیا، جس سے وہ بڑے دل برداشتہ ہوئے اور انھیں اس عہدہ کو جلد از جلد چھوڑنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ وہ ۹ نومبر کو مدرسۂ کلکتہ کے امتحان میں شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولوی حسن علی، فیض الحسن اور علی اکبر نے بھی امتحان دیا۔ وہ حالات سے اتنے بددل ہو چکے تھے کہ وہ اس امتحان کے نتیجے کا انتظار بھی نہ کر سکے اور جناب میکلاگن کے بلانے پر عہدۂ سررشتہ داری چھوڑ کر ۱۶ دسمبر کو روڑکی چلے گئے۔ دہلی میں ان کی تنخواہ ۳۵ روپے تھی اور روڑکی میں ان کی تنخواہ تیس روپے مقرر ہوئی، لیکن انھوں نے اپنی تنخواہ میں کمی کو قبول کرلیا، تاکہ انہیں مفتی صاحب کی تکلیف دہ ماتحتی سے جلد نجات مل جائے۔ مولوی علی اکبر اپنے ایک بلا تاریخ مکتوب (غالباً ۱۸۵۰ء کا تیسرا ہفتہ) میں لکھتا ہے:

''یہاں ۹ دسمبر چار آدمیوں نے یعنی حسن علی خان و محمد مظہر و فیض الحسن نے اور اس احقر نے امتحان دیا...... فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے [illegible] مفتی صاحب نہایت متلون مزاج و ناقدردان ہیں۔ چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔ اسی واسطے مولوی محمد مظہر سررشتہ داری چھوڑ کر روڑکی کو تیس روپیہ کی تنخواہ پر میکلاگن صاحب کے پاس ۱۶ دسمبر کو یہاں سے چلے گئے ہیں۔''

مولانا محمد مظہر ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو دہلی سے روانہ ہوئے اور اس کے اگلے روز روڑکی پہنچ [illegible] اشپرنگر کو اطلاع دی کہ شاید انھیں یہاں عہدہ وزیٹی پرگنہ تفویض ہو جائے لیکن اس سے [illegible] مدرسۂ کلکتہ میں کسی عہدۂ مدرسی کے طالب گار رہے۔

اب مولانا محمد مظہر کی فارسی عرضداشت اور اشپرنگر کے نام ان کے دو اردو مکتوبات [illegible] ہے:

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

این احقر را مدت چہار سال است کہ مدرس اول عربی مدرسۂ بنارس بمشاہرہ ہشتاد و دو روپیہ بحسب منظوری صدر و خوبی لیاقت خویش مقرر شدہ بود۔ اواخر ۱۸۴۷ء برائے استسعاد شرف استسلام عتبات منیفہ بیت الحرام رخصت گرفتہ و برادر خود را ایجای خود گذاشتہ۔ بعد جدوجہد بسیار گوہر مقصود بکف آوردہ مراجعت خواست در وقت فرود آمدن از جہاز و وارد شدن بمبئی رحلت گزینی مولوی حافظ احمد کبیر (۲) صاحب امین مدرسہ کلکتہ ازین جہان فانی قارع صماخ شد۔ ہمان وقت عرضی متضمن احوال خود و درخواست عہدہ امینی مدرسہ مسطورہ بذریعہ ڈاکٹر بلنٹین صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ (۳) روانہ خدمت حضور فیض گنجور کردہ بودم۔ از انجا کہ در اثناء راہ ہستم یقین کلی فائز شدن عرضی بخدمت والائی دارم و چون جناب معلیٰ القاب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی ہم از حال لیاقت و کارکردگی احقر بخوبی آ گاہی دارند درخواست ہذا را بذریعہ جناب مفخر الیہم ارسال خدمت فیض درجت کردم۔ امیدانست کہ بحسب تقاضا و ہمت علیا و ثبوت استحقاق در نظر والا پرورش احقر بر عہدہ مذکور فرمودہ شود تا بقیہ حیات بلب نان رسیدہ بدعاء دولت ابد پیوند سرگرم باشم و احوال کارکردگی و حسن لیاقت فدوی از تسطیر جناب ڈاکٹر صاحب محتشم الیہم دریافت خواہد شود۔ آنچہ واجب دانست معروض نمود۔ گلشن دولت سرسبز جاوید باد۔

عرضی

محمد مظہر از اثناء سفر حجاز کہ سابق مدرس اول
مدرسہ بنارس بودہ است''

تشریحات:

۱۔ یہ درخواست بلا تاریخ ہے، لیکن بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اواخر ۱۸۴۹ء میں لکھی گئی۔ مولانا محمد مظہر دو سال کی رخصت لے کر حج پر روانہ ہوئے تھے۔ آنے جانے اور مناسک حج ادا کرنے میں دو سال سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور وہ دسمبر ۱۸۴۹ء کے بجائے ۱۸۵۰ء (قبل نومبر) میں واپس پہنچے۔

اس عرضداشت میں آگے چل کر ڈاکٹر اشپرینگر کے نام کے ساتھ پرنسپل مدرسہ دہلی مرقوم ہے، حالانکہ فروری ۱۸۴۸ء میں اس کا تبادلہ دہلی کالج سے لکھنؤ ہو چکا تھا اور اس کی جگہ ان دنوں ٹیلر قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دراصل جب مولانا مظہر اواخر ۱۸۴۷ء میں حج پر روانہ ہوئے تھے، اس وقت اشپرینگر ہی مدرسہ کا پرنسپل تھا، لیکن ان کی غیر موجودگی میں جو تبدیلی رونما ہوئی، اس کا انھیں علم نہیں تھا اور وہ اب بھی اشپرینگر ہی کو اس کالج کا پرنسپل سمجھ رہے تھے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۲۔ مولوی حافظ احمد کبیر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں پہلے خطیب تھے، پھر ۱۸۲۳ء میں وہ یہاں مدرس اور نائب سیکرٹری مقرر ہوئے۔ انھوں نے ۱۸۴۲ء میں شمالی سرحدی علاقوں میں علوم شرقیہ کی درس گاہوں کا معائنہ کیا اور ان کے متعلق حکومت کو رپورٹ پیش کی۔ وہ مدرسہ میں طالب علموں کو پڑھاتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ انتظامی معاملات کی نگہداشت بھی کرتے تھے۔ (رک: تاریخ مدرسۂ عالیہ مرتبہ عبدالستار، ڈھاکہ ۱۹۵۹ء، حصہ دوم، ص ۱۸۳-۱۸۴)۔ اس ''تاریخ'' کے مرتب نے حافظ احمد کبیر کا سال وفات ۱۸۴۸ء یا ۱۸۵۰ء لکھا ہے، لیکن اب مولانا محمد احسن نانوتوی کے فارسی خط (رک: سطورِ آئندہ) بابت ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء سے قبل انتقال کر چکے تھے۔

۳۔ ''تاریخ مدرسۂ عالیہ'' کے مرتب عبدالستار نے اس مدرسہ کے تمام انگریز پرنسپلوں کے نام دیے ہیں، لیکن ان میں بلنٹین نام کا کوئی پرنسپل شامل نہیں۔ درحقیقت تعلیمی کونسل نے مارچ ۱۸۵۰ء میں حکومت کو یہ سفارش پیش کی تھی کہ مدرسہ کلکتہ کا انگریز پرنسپل مقرر کیا جائے۔ یہ سفارش منظور ہو گئی اور اس مدرسہ کا پہلا پرنسپل ڈاکٹر اشپرینگر مقرر ہوا۔ ۱۸۵۰ء سے اپنی یورپ روانگی (۱۸۵۶ء) تک وہ اسی عہدہ پر فائز رہا۔ مولانا محمد مظہر نے اپنی درخواست میں پرنسپل مدرسہ ڈاکٹر بلنٹین کا جو نام لکھا ہے، وہ معلوم نہیں کون ہے۔

۲

''غریب پرور سلامت

جناب عالی فدوی اب تک بیکار ہے۔ اگر حضور کی سعی اور پرورش بہت ہے، لیکن اپنے طالع سے لاچار ہے۔ ارادہ مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے فدوی یہ تمنا رکھتا ہے کہ اگر کوئی علاقہ وہاں فدوی کے واسطے بھی ممکن ہو تو ہمراہ مولوی مذکور کے خدمت عالیہ فیض درجت میں حاضر ہوں (۱)۔ باقی جو حضور کے نزدیک مناسب ہو عمل میں لاؤں۔

کتاب ''انسان العیون'' (۲) جس طرح ارشاد ہو خدمت میں روانہ کروں۔ بالفعل اس کے بیچ کا ارادہ نہیں ہے لیکن اگر ضرورت ہوگی لاچار بیع کروں گا اور حضور کو اطلاع دوں گا۔

اگر ہمراہی میری اور مولوی علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہو تو نہایت خوشی اور آرزو ہے۔ فقط۔ واجب جان کر عرض کیا۔ آفتاب دولت کا چمکتا رہے۔

عرضی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فدوی محمد مظہر

۱۰نومبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ مولانا محمد مظہر اور مولوی علی اکبر نے اپنے اپنے خطوط میں جس طرح ایک دوسرے کا ذکر کیا ہے، اس سے ان کی قریبی دوستی کا علم ہوتا ہے۔

۲۔ ''انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون''۔ اس کتاب کے دو نام ''السیرۃ النبویہ'' اور ''السیرۃ الحلبیۃ'' بھی ہیں۔ اس کے مؤلف کا نام علی بن ابراہیم بن احمد بن علی الحلبی القاہری (م۔ ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء) ہے۔ رک: براکلمان ۲: ۳۰۷ (۳۹۵)، تکملہ ۲: ۴۱۸۔ اشپرینگر نے اپنے ذاتی کتاب خانے کی جو فہرست شائع کرائی تھی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء) اس میں اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے (ص ۱۰، نمبر ۱۴۸، ۱۴۹)۔ ایک نسخے کے اوراق ۴۳۰ ہیں اور وہ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء کا مکتوبہ ہے۔ دوسرے نسخے میں اس کتاب کا صرف ایک باب ہے۔ اوراق ۲۶۰۔ سنہ کتابت ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء۔ یہ دونوں خطی نسخے اب برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہیں۔ رک: اہلوارت، جلد ۹ (برلین ۱۸۹۷ء)، ص ۱۷۰-۱۷۴ (نمبر ۹۶۰۴، ۹۶۰۸)۔

اس خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''انسان العیونٌ'' کا جو نسخہ مولانا محمد مظہر کے پاس تھا، وہ اسے فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ممکن ہے، اس نسخہ کی اطلاع مولوی علی اکبر نے اشپرینگر کو دی ہو۔ اشپرینگر اس نسخہ کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان دنوں اسے ایسی کتابوں کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ وہ سیرت پر انگریزی کتاب لکھ رہا تھا اور اسے اس موضوع پر ایسی کتابوں کی تلاش تھی، جو عام مستشرقین کی دسترس میں نہیں تھیں۔ اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۱ء میں سیرت پر اس کی انگریزی کتاب کی پہلی جلد الہ آباد سے شائع ہوئی۔ بقیہ جلدیں کسی وجہ سے طبع نہ ہو سکیں۔ شاید اشپرینگر کے اصرار یا حصول روزگار کے لیے مولانا مظہر نے یہ نسخہ اشپرینگر کو دے دیا ہو، لیکن برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ دو قلمی نسخوں میں سے کون سا نسخہ مولانا کا دیا ہوا ہے، اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مولانا مملوک العلی نے بھی اشپرینگر کے نام اپنے ایک خط میں ''تاریخ حلبی'' کا ذکر کیا ہے اس سے مراد بھی ''انسان العیون'' ہی ہے، کیونکہ اس کے مؤلف کو عرف عام میں حلبی ہی کہتے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۳

''غریب پرور سلامت

حسب الحکم حضور کے پیر کے دن ۹ تاریخ ۱۸۵۰ء کو امتحان واسطے عہدۂ کلکتہ کے دہلی میں ہوا (۱)۔ احقر نے بھی جو کچھ اوس وقت سمجھ میں آیا، سولکھا لیکن جب مکان پر آیا تو بعد غور و تامل کے معلوم ہوا کہ اکثر صحیح لکھا ہے۔ اگر خاکسار کو اوس عہدہ پر سرفراز فرمائیں گے تو اس سے کیا بہتر نہیں کہ ایک سارٹی فکیٹ، جس میں حال اوس امتحان کا اور احقر کی استعداد کا مندرج ہو، عنایت فرمائیے گا۔

اور مولوی علی اکبر ان دنوں میں بعہدۂ نظارت صدر الصدور کے مقرر ہو گئے ہیں (۲)۔ احقر بطلب میکلا گن (۳) صاحب کے روڑکی آیا ہے۔ غالب کے عہدۂ وزیٹری پرگنہ کا احقر کے نام تفویض ہوا اور دوسرا عہدۂ وزیٹری پرگنہ کا مولوی قادر علی (۴) کے نام ہو گیا ہے۔ مولوی علی اکبر نے بسبب اس کے کہ اوس کی تنخواہ یعنی ۴۰ روپیہ ہے اور محنت بہت ہے، درخواست نہیں دی (۵)۔

''انسان العیون'' کے باب میں مجھے کچھ ارشاد نہیں ہوا۔ اگر احقر کو وہاں طلب فرمائیں گے تو ہمراہ لے کر حاضر ہوں گا۔ نہیں تو اگر آپ حکم کریں گے، ڈاک میں بھیج دوں گا (۶)۔ میری عین آرزو تھی کہ میں خدمت میں رہتا مگر افسوس کہ میسر نہ ہوئی۔ اور اگر کوئی اور عہدہ مدرسی کا وہاں خالی ہو یا اردو ترجمہ [illegible] وغیرہ کا وہاں پڑھایا جاوے تو بھی حضور ہم لوگوں کو یاد رکھیے گا۔ جواب اس عریضے کا [illegible] صاحب کی عنایت ہوگا اور جو کام احقر کے لائق ہو، اوس سے ہمیشہ سرفراز فرمائیے گا۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال کا چمکتا رہے۔

محمد مظہر

از [illegible] ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ مدرسۂ کلکتہ کے عہدۂ [illegible] کے جو امیدوار تھے، ان کا امتحان دہلی میں ۹ [illegible] ۱۸۵۰ء [illegible] میں چار امیدوار شریک ہوئے۔ ان میں ایک تو مولوی محمد مظہر تھے [illegible] ہیں: حسن علی خاں، فیض الحسن اور علی اکبر۔ ان چاروں میں سے [illegible] ماہ بعد یہ عہدہ آگرہ کالج کے استاد مولانا محمد سدید الدین خاں کو تفویض ہوا [illegible] ۱۸۵۱ء [illegible] کلکتہ روانہ ہو گئے، جیسا کہ مولانا مملوک العلی کے ایک خط (بابت ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء) سے معلوم [illegible] مکتوب مولانا مملوک العلی نمبر ۹۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۲۔ صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری میں مولوی علی اکبر اور مولانا محمد مظہر ایک ساتھ ملازم ہوئے تھے۔ مفتی صاحب کی تلون مزاجی کے باعث مولانا محمد مظہر تو بہت جلد یہ نوکری چھوڑ گئے، لیکن علی اکبر چند ماہ تک خلاف طبع مفتی صاحب کی ماتحتی میں کام کرتا رہا۔

۳۔ شعبہ تعلیم یا کسی اور محکمہ کا کوئی بااثر شخص تھا اور وہ پہلے سے مولانا محمد مظہر سے متعارف تھا، اسی لیے مولانا اس کے بلانے پر فوراً صدر الصدور آزردہ کی کچہری کے عہدۂ سررشتہ داری کو چھوڑ کر اور امتحان برائے عہدۂ امینی (مدرسہ کلکتہ) کے نتیجہ کا انتظار کیے بغیر روڑکی چلے گئے۔ ممکن ہے، وہ یہاں کسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے ہوں۔ مولانا محمد مظہر کے کسی سوانح نگار نے ان کے قیام روڑکی کا ذکر نہیں کیا۔ وہ یہاں زیادہ دیر نہیں رہے اور چند ماہ بعد غالباً ۱۸۵۱ء میں آگرہ کالج میں ملازم ہو گئے اور پھر ۱۸۵۷ء تک اسی کالج میں پڑھاتے رہے۔

۴۔ دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ ۱۸۴۳ء کے سالانہ امتحان میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مولوی کریم الدین پانی پتی ان کے ہم جماعت تھے۔ رک:

General Report on Public Instruction in the North-Western Provinces of the Bengal Presidency for 1843-44. Agra, n.d. Appendix 'O', pp. xciii-iv.

۵۔ صدر الصدور آزردہ کی کچہری میں علی اکبر عہدۂ نظارت پر فائز تھے اور ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ لیتے تھے، اس لیے وہ کسی کم تنخواہ کے عہدہ پر ملازمت کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن وہ اس عہدہ پر زیادہ دیر تک نہ چل سکے اور مفتی صاحب کے مزاج سے دل برداشتہ ہو کر مولانا محمد مظہر کی طرح وہ بھی اس عہدہ کو چھوڑ گئے۔

۶۔ مولانا محمد مظہر کے پاس اس کتاب کا جو قلمی نسخہ تھا، اس کے بارے میں اب یہ کہنا مشکل ہے کہ انھوں نے اسے اشپرینگر کو دیا یا نہیں۔

۷۔ ایک روایت کے مطابق یہ ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے کیا تھا (رک: بذیل مکاتیب مولانا محمد احسن)۔ اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے نصاب میں جو تبدیلیاں کی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ اس نے اس ترجمہ کو مجوزہ نصاب میں شامل کیا تھا، لیکن طلبہ اس مضمون کو اردو میں پڑھنے کے حق میں نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کی تبدیلیوں کے خلاف ہنگامہ کر دیا۔ جس کی تفصیل مولانا محمد سدید الدین خاں کے مکاتیب کے ذیل میں درج ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی

مولانا ذوالفقار علی انیسویں صدی عیسوی کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مدرسۂ دیوبند کے بانیوں میں سے تھے اور تقریباً چالیس سال تک وہ اس مدرسہ کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ ابتدائی عمر میں درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا، بعد میں ترقی کرتے کرتے انسپکٹر مدارس اور آنریری مجسٹریٹ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی تالیفات میں زیادہ تر شروح اور تراجم ہیں۔ بیشتر شرحیں عربی کی شاعرانہ کتب ہیں۔ مولانا ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی شرحیں، ترجمے اور قصیدے ان کی عربی زبان پر کامل دستگاہ کا ثبوت ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی کی زندگی اور علمی کارناموں پر بہت کم لکھا گیا ہے اور اگر کسی نے کچھ لکھا ہے تو وہ ان کے فرزند شیخ الہند مولانا محمود حسن کے حوالے سے یا مدرسہ دیوبند کی تاریخ کے ذیل میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ مختلف کتابوں[1] میں ان کے جو سوانح حیات قلم بند کیے گئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

مولانا ذوالفقار علی دیوبند میں پیدا ہوئے (تقریباً ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء-۱۸۲۲ء)۔ اس شہر کے مشہور

۱۔ رک: تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی) از گارسیں دتاسی، جلد سوم، ص ۳۵۳۔ اس عبارت کا اردو ترجمہ در: مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۲۷۔ نزہۃ الخواطر ۸: ۱۴۰-۱۴۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۴۵ تحتی نوٹ و بمدد اشاریہ۔ مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، بجنور ۱۹۵۸ء۔ ایضاً: تذکرہ شیخ الہند، بجنور ۱۹۶۵ء، ص ۵۱-۵۴۔ تاریخ دیوبند از محبوب علی رضوی، دیوبند ۱۹۵۲ء۔ محمد طیب قاسمی: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دیوبند ۱۹۶۸ء۔ حیات شیخ الہند از سید اصغر حسین، طبع دوم، دیوبند ۱۳۳۹ھ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، حیات اور کارنامے از اقبال حسن خاں، علی گڑھ ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۵-۱۱۷۔ مشاہیر علمائے دیوبند از فیوض الرحمٰن جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۰-۱۸۲۔ باربرا مٹکاف کی دیوبند پر انگریزی کتاب، حوالہ مذکور، ص ۹۹۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی، حوالہ مذکور، ص ۴۹۵-۴۹۷۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عثمانی خاندان سے ان کا آبائی تعلق تھا۔ ان کے باپ کا نام شیخ فتح علی تھا۔ ان کے تین بیٹے مہتاب علی، ذوالفقار علی اور مسعود علی تھے۔ مولانا ذوالفقار علی نے ابتدائی تعلیم دیوبند ہی میں حاصل کی۔ سن شعور کو پہنچے تو دہلی آ گئے اور دہلی کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں انھیں مولانا مملوک العلی اور مفتی صدرالدین آزردہ کا تلمذ حاصل ہوا۔ دہلی کالج میں تعلیم مکمل کر کے مدرسۂ بریلی میں مدرس ہو گئے۔ یہیں ان کے ہاں ۱۸۵۱ء میں بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام محمود حسن رکھا گیا جو بعد میں شیخ الہند کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں انھیں ترقی دے کر مدارس میرٹھ کا ڈپٹی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو دیوبند آ گئے۔ یہاں انھیں آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ انہوں نے عمر کے باقیماندہ ایام دیوبند ہی میں گذارے اور یہیں ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

گارسیں دتاسی نے دہلی کالج کے پرنسپل فرانسس ٹیلر کے حوالے سے مولانا ذوالفقار علی کی ذہانت و فطانت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مولانا فارسی اور مغربی علوم کے سیکھنے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور یہ ان کے شوق ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایچ ایس ریڈ (H. S. Reid) کے ایماء پر ٹیٹ (Tate) کی الجبرا پر انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ بریلی سے ۱۸۵۲ء میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کا عنوان، ''تحصیل الحساب''[1] تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''قصیدہ بردہ''، ''قصیدہ بانت سعاد''، ''قصیدہ سبعہ معلقہ''، ''دیوان حماسہ'' اور ''دیوان المتنبی'' کی اردو شرحیں لکھی ہیں۔ اردو میں علم معانی و بیان پر ''معیار البلاغت'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور قصبہ دیوبند اور مدرسہ دیوبند کی مختصر مگر جامع تاریخ بعنوان ''الھدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الدیوبندیۃ''، لکھی۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے ڈاکٹر اشپرینگر کو دو خط تحریر کیے اور یہ خط اس وقت لکھے گئے، جب مولانا مدرسۂ بریلی میں مدرس اول کی حیثیت سے ملازمت کر رہے تھے۔ یہ دونو خط اردو میں ہیں۔ ایک کا سنۂ تحریر ۱۸۵۰ء ہے۔ دوسرا خط بلا تاریخ ہے لیکن اندرونی شہادت سے وہ ۱۸۵۱ء کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پہلا خط اس وقت لکھا گیا جب ڈاکٹر اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا اور اس کے ساتھ ہی تمام مدارس کلکتہ کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا۔ مولانا ذوالفقار علی کو جب یہ خبر ملی، تو انھوں نے ڈاکٹر موصوف کو مبارک باد کا یہ خط لکھا اور ساتھ ہی عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ مولانا نے دوسرے خط کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ''پروردۂ قدیم'' لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا بھی

۱۔ گارسیں دتاسی نے یہی عنوان لکھا ہے، لیکن مولانا ذوالفقار کے بیشتر سوانح نگاروں نے ''تسہیل الحساب'' لکھا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بعض دیگر اصحاب کی طرح اشپرینگر کے مقربین میں شامل رہے۔ مولانا جب دہلی کالج میں طالب علم تھے، اس وقت اشپرینگر ہی وہاں کا پرنسپل تھا۔ ممکن ہے، ان دنوں مولانا اپنی اہلیت کی بناء پر اشپرینگر کے قریب رہے ہوں اور شاید مدرسہ بریلی میں ان کی اولیں تقرری میں بھی اشپرینگر ہی کا ہاتھ ہو۔ اشپرینگر اپنے ''پروردگان'' سے کسی منفعت کا طالب نہیں تھا۔ سوائے اس بات کے کہ وہ گاہے ماہے اس کے شوقِ جمع آوری کتب کی آبیاری کرتے رہیں۔ وہ ان تمام مدرسین سے یہ توقع ضرور رکھتا تھا کہ وہ اسے نادر کتب کی اطلاع دیتے رہیں گے اور اگر وہ چاہے تو اسے خرید بھی لیا کریں گے۔ علاوہ ازیں ان کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ اپنے علاقہ میں موجود اہم نجی کتاب خانوں پر بھی نظر رکھیں گے، ان کی فہرستیں تیار کر کے اسے بھیجیں گے اور جب وہ کتب خانے فروخت ہونے لگیں تو اسے مطلع کریں گے۔ اس مجموعۂ مکاتیب کے بیشتر مکتوب نگار اپنے مکتوب الیہ یعنی اشپرینگر کے لیے یہ کام کرتے رہے۔ اس میں ان کی ذاتی دل چسپی بھی تھی اور مطلب برآری کا عمل دخل بھی تھا۔ مولانا ذوالفقار علی بھی اشپرینگر کے لیے تلاش کتب اور کتب خانوں کی فہرست سازی میں شامل تھے، چنانچہ ان کا دوسرا خط اس بات کا شاہد ہے، جس میں انھوں نے اشپرینگر کو مہاراجہ رتن سنگھ کے ذاتی کتاب خانہ کا حال لکھا ہے۔

سطور بالا میں بالخصوص مولانا مملوک العلی نانوتوی کے ذکر کے تحت ایک رجسٹر کا تفصیلی حوالہ دیا گیا ہے۔ اس رجسٹر میں دہلی کالج کے ان طالب علموں کے نام اور ان کے کوائف درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء کے امتحان میں شامل تھے۔ اس رجسٹر کے مطابق مولانا ذوالفقار علی ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج کے استادسنوارڈ کی جماعت چہارم میں پڑھتے تھے اور اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ مولانا کے تمام سوانح نگاروں نے ان کا سنہ ولادت ۱۸۲۱ء لکھا ہے، لیکن اس رجسٹر کے اندراج کے پیشِ نظر ان کا سال ولادت ۱۸۲۶ء برآمد ہوتا ہے۔ ان کے نام کے ساتھ یہ بھی مرقوم ہے کہ دہلی کالج میں ان کی مدت تحصیل دو سال ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ۱۸۴۵ء میں اس کالج میں داخلہ لیا۔ مولانا ذوالفقار علی کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۰ء کے اوائل میں وہ مدرسہ بریلی میں ملازم ہوگئے تھے۔ ممکن ہے وہ ۱۸۴۹ء میں دہلی کالج سے فارغ ہوئے ہوں۔ اس طرح دہلی کالج میں وہ چار سال تک طالب علم رہے۔ مذکورہ بالا رجسٹر کے مطابق جنوری تا اکتوبر ۱۸۴۷ء کے دوران میں ان کی حاضریوں کی تعداد ۱۷۸ ہے اور وہ ۲۳ دن علالت کے باعث غیر حاضر رہے۔ جماعت چہارم میں ان کے مضامین اور ہر ایک میں ان کے حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

''تاریخ ہند ۴۰

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ادب ۱۲۳ صفحے	۴۲
صرف ونحو انگریزی	صفر
حساب	۲۴
تحریر اقلیدس	۵۰
جغرافیہ	صفر

اب مولانا ذوالفقار علی دیو بندی کے دونو خطوط کا متن پیش کیا جاتا ہے:

ا

''غریب پرور سلامت (۱)

جب سے کمترین خدمت فیض درجت سے جدا ہے، ہر چند بظاہر اتفاق لکھنے عرایض کا باعث سیر و سفر حضور کے کم ہوا ہے، مگر بباطن اکثر اوقات بیچ ادائے شکریہ الطاف وعنایات کریمانہ کے جو قدیم سے بہ نسبت احقر مبذول ہوئے ہیں، مصروف رہتا ہے اور حقیقت میں احسانات جناب عالی ... پر اس قدر ہیں کہ اگر عمر بھر شکر اون کا کیا جاوے، ادا نہ ہوسکیں۔

اولیتنا من فضلک المنن التی　　فعلت بنا فعل السحائب بالثر　　(۲)

اللہ تعالیٰ عوض میں ان توجہات کے آپ کو کامیاب دارین رکھے۔ ان دنوں میں بدریافت خبر فرحت اثر یعنی تقرر حضور کے اوپر عہدۂ معظمہ انتظام کل مدارس کلکتہ کے سجدات شکر درگاہ باری تعالیٰ میں کئے گئے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس سے بڑے عہدہ پر سرفراز فرمائے اور ہمیشہ کام روائی اہل مطالب رکھے۔ ایک قصیدہ عربی بطور مبارکباد مدح حضور میں ملفوف عرضی ہے۔ (۳)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

یکم دسمبر سے امتحان طلبہ مدرسہ ہذا ہو رہا ہے اور خبر ہے کہ ۱۷ جنوری تک جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر رونق افروز اس شہر کے ہوں گے۔ باقی حالات مدرسہ بدستور اور احقر کو اشتیاق قدم بوسی حضور از بس۔ خدا تعالیٰ کوئی تقریب پیدا کرے کہ ملازمت حاصل ہو۔ امید ہے کہ خیریت مزاج بندگان عالی سے مطلع ہوں۔

محمد ذوالفقار علی

مدرس اول مدرسہ ضلع بریلی ۱۸۵۰ء''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں سنہ تحریر کے ساتھ مہینہ کا نام بھی لکھا گیا تھا، لیکن کاغذ کا کونا پھٹ جانے سے یہ نام پڑھا نہیں جاتا۔ اس خط میں یہ مرقوم ہے کہ ۱۷ جنوری کو لفٹنٹ گورنر بریلی میں آئے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط جنوری ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا، لیکن جنوری کی کون سی تاریخ کو لکھا گیا، اس کا تعین مشکل ہے۔ مگر یہ تاریخ یقیناً ۱۷ جنوری سے پہلے کی ہے۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے اس خط لکھنے کا اصل محرک یہ تھا کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ اشپرینگر کو تمام مدارس کلکتہ کا انتظام سونپا گیا ہے۔ ''تاریخ مدرسہ عالیہ'' کے مرتب عبدالستار (حوالۂ مذکور) نے یہی لکھا ہے کہ اشپرینگر کو ۱۸۵۰ء میں مدرسہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر کیا گیا، لیکن اب مولانا کے اس خط سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ جنوری ۱۸۵۰ء میں ہوا کہ اشپرینگر کو لکھنؤ سے واپس دہلی کالج بھیجنے کے بجائے کلکتہ بھیج دیا جائے۔ اشپرینگر نے اس فیصلے کے فوراً بعد مدرسہ کلکتہ کا انتظام و انصرام نہیں سنبھالا، بلکہ وہ چند ماہ کے لیے شملہ چلا گیا، تاکہ لکھنؤ کے کتاب خانوں میں انتھک محنت کے بعد وہ کچھ وقت سکون سے گذار سکے۔ شملہ سے واپسی کے بعد اس نے مدرسہ عالیہ کے پہلے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔

۲۔ ترجمہ: آپ نے ہم پر اپنے فضل و کرم سے بہت سے احسانات کیے ہیں۔ آپ کا یہ عمل ان بادلوں سے مشابہ ہے جو بنجر ٹیلوں پر برستے ہیں۔

۳۔ مولانا ذوالفقار علی کو شعر و شاعری سے لگاؤ تھا اور کبھی کبھار اس فن میں بھی کمالات دکھاتے تھے۔ وہ بالعموم عربی میں شعر کہتے تھے، چنانچہ ان کا عربی قصیدہ دستیاب ہے، جس میں انھوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کے فضائل و کمالات بیان کیے ہیں (مولانا محمد احسن نانوتوی از ایوب قادری، حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۷-۱۱۳)

مولانا ذوالفقار علی نے اس خط میں جس عربی قصیدے کا ذکر کیا ہے، وہ بھی اتفاق سے ذخیرہ اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ یہ مولانا کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے کل اکیس اشعار ہیں۔ نویں شعر میں اشپرینگر کا نام سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ سطور ذیل میں یہ قصیدہ اور اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

بشری لقد جاد البلاد سماءٔ　　　　علّ الصبا واخضرت الغبراءٔ

(خوشی کا سماں ہے آج ملک پر آسمان مہربان ہو گیا ہے، باد صبا چل پڑی ہے اور زمین سرسبز و شاداب ہو گئی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے)

ضـرب الـربيـع خيـامـه فوق الـربـىٰ   ولــــه الــزهــور كتبة خـضـراءُ

(موسم بہار نے ٹیلوں پر اپنے خیمے گاڑ دیئے ہیں، اور پھول سبز رنگ کا لشکر معلوم ہو رہے ہیں)

وتـفـتـق الأنـوار اطـراف الـحـمـىٰ   فـالـدهـر مـنهـا روضة غـنـاءُ

(اور روشنیوں نے چراگاہ کے کناروں کو منور کر دیا ہے، اور پورا زمانہ گویا چہچہاتا ہوا غنچہ محسوس ہو رہا ہے)

يـا صـاح مـاهـذا الـمـطـال فـانـه   راق الـزمـان و رقـت الـصـبـاءُ

(اے ساتھی! یہ کیا ٹال مٹول لگا رکھی ہے، بلاشبہ، وقت بڑا خوشگوار ہے اور جوانی اپنے جوبن پر ہے)

قـم روق الـراح الـعـتـيـق و لا تـخـف   مـن كـل نسيـک عـلاه ريـاءُ

(اٹھ اور شراب انڈیل اور صاحب ریا زاہد اور صوفی سے مت گھبرا)

هـات اسـقـنيهـا واذكـرن صـفـاتهـا   لتـنـال مـن لـذاتهـا الاعـضـاءُ

(لاؤ مجھے یہ شراب پلاؤ اور اس کی خوبیاں بیان کرو، تاکہ اس شراب کی لذت سے میرے اعضاء محظوظ ہوں)

واستـجـلهـا صـرفـاً وأتـرع كـاسهـا   مـن ريـحهـا تـتـعـطـر الا رجـاءُ

(شراب کے برتن سے ڈھکنا اٹھا دو اور جام بھر کر دو، اس کی خوشبو سے در و دیوار معطر ہو جائیں)

طـابـت شـذى و تـعـطـرف مكـانهـا   اخـلاق غـطـريف حـواه حيـاءُ

(اس کی خوشبو بڑی عمدہ اور بہت جلد پھیل جانے والی ہے، گویا کہ یہ شراب کسی صاحب حیا سخی کے اخلاق ہیں)

بـحـر الـنـدى سپرنـجـر الـبـحـر الذى   حـاز الثـنـاء لـه يـد''بيـضـاءُ

(اشپرینگر سخاوت کا سمندر ہے، وہ صاحب تعریف ہے اور اس کے بڑے احسانات ہیں)

عـلامة جـمـع الـمـكـارم جـمـةً   فهـامة يـنـمـى اليـه ذكـاءُ

(بہت بڑا عالم ہے، اس نے اپنے اندر تمام خوبیوں کو سمو لیا ہے۔ بڑا دانا ہے، نسبتِ ذہانت اس کی طرف جاتی ہے)

شهـم'' هـمـام بـارع'' متـفـرد''   يثـنـى عـليـه الـعـلـم ولعـلـمـاءُ

(اپنے ارادوں کو پورا کرنے والا، ماہر اور یکتا سردار ہے، علم اور علماء اس کی ثنا خوانی کرتے ہیں)

الـجـهبـذ الـجـحـجـاح قـرم'' مـقـرم   الا ريـحـى الا رهـع الـوضـاءُ

(بہت سی خوبیوں کا مالک اور روشن، پیشانی والا سید اور آقا ہے)

لـلـمـجـد غـوث'' لـلـمـكـارم موئل''   لـلـفـضـل غيـث'' لـلسخـاء سـمـاءُ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(شرف وعظمت کی پناہ گاہ ہے،خوبیوں کا گہوارہ ہے۔فضل وعنایت کی بارش ہے،سخاوت کا آسمان ہے)

شمس المعالی لا کسوف للفضلها　　　　بدر العلی لا یعتریه خفاء

(بلندیوں کا سورج ہے،اس کے فضل وشرف کو کبھی گرہن نہیں لگتا،رفعتوں کا چاند ہے،جس کی روشنی کو کوئی چیز چھپا نہیں سکتی۔)

انسان عین المجد واحد عصره　　　　بحر الندی ری الصدی داماءُ

(عظمت کی آنکھ کی پتلی ہے، یکتائے زمانہ ہے،سخاوت کا سمندر ہے، پیاسے کو سیراب کرنے والا ہے، صاحب خیر و برکت ہے۔)

یا مقصد الطلاب یا مولی الوریٰ　　　　عش دائما نفسی علیک فداءُ

(اے طالبان علم کی آماجگاہ،اے عوام کے آقا، ہمیشہ زندہ وسلامت رہو،آپ پر میری جان قربان ہو)

و لئن خللت بظاهر مولای في　　　　کلکتة فالمدن منک ملاءُ

(اے میرے آقا!اگر چہ آپ بظاہر تو کلکتہ میں جلوہ گر ہیں،لیکن دوسرے شہر بھی آپ کے وجود سے خالی نہیں)

فلانت أعلمهم و أفضلهم لذا　　　　بک یفخرء العلماء و الفضلاءُ

(تمام اصحاب علم وفضل آپ کے سامنے جھک گئے ہیں۔آپ پر علماء اور فضلا کو فخر ہے)

سبحان من سحبان ینطق فاخراً　　　　و لشیخنا قد اذعن الفصحاءُ

(علم وعرفان کا بادل پاک ہستی ہے،قابل فخر گفتگو کا مالک ہے۔ہمارے شیخ (آقا) کے لیے یہ تمام فصحاء و بلغاء ہمہ تن گوش ہیں)

عذراً فهذا المدح شی هین"　　　　ولقد تقاصر عن علاک ثناءُ

(مجھے معاف کر دیں،آپ کی شان کے مقابلے میں یہ چند تعریفی کلمات بہت کم ہیں،حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بلندی وعظمت کی تعریف نہیں کی جاسکتی)

و اسلم و دم فی عیشة مرضیة　　　　ما غردت فی ایکها الورقاءُ

(سلامت رہو اور ہمیشہ مسرت وسعادت کی زندگی بسر کرو، جب تک کہ زندگی کے درخت میں کوئی پتہ بھی موجود ہے)

۲

"غریب پرور سلامت (۱)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بعد گذارش تسلیمات فدویانہ عرض رسا ہے۔ افتخار نامہ حضور بجواب عرضی پہونچا اور موجب مزید عزت و امتیاز بندہ کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو اس پرورش کے عوض میں کامیاب و کام روا رکھے۔

فہرست کتب خانہ راجہ کنور رتن سنگھ (۲) حسب ارشاد خدمت میں پہونچتی ہے۔ بندہ نے ہر چند چاہا کہ فہرست میں نام و عہد مصنف و کل ابواب و فصول ہر کتاب و مجملاً مطلب ہر فصل و مقدار کل صفحات درج کرے، لیکن بباعث تنازع ورثہ راجہ موصوف کے میسر نہ ہوا اور صرف نقل فہرست بدشواری ہاتھ آئی۔ اور اصل فہرست بہت خراب اور بے ترتیب اور غلط تھی، اس لیے اوس کی نقل بھی اچھی نہیں ہے اور اس کے ملاحظہ سے حال کتب خانہ بخوبی روشن نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے بندہ اس کے بھیجنے میں متامل تھا، لیکن بایں خیال کہ تعمیل حکم حضور میں کوتاہی نہ ہو، ارسال کرتا ہوں (۳) اور فہرست حسب دل خواہ بے ملاحظہ ایک ایک کتاب کے طیار نہیں ہو سکتی، انشاء اللہ تعالیٰ بعد انفصال مقدمہ حتی المقدور ترتیب فہرست مطلوب میں سعی کی جاوے گی۔

اور کتب خانہ مذکور سابق میں قبضہ گماشتہ زوجہ راجہ رتن سنگھ تھا۔ اب ایک ہفتہ ہوا کہ عدالت سرکاری سے ڈگری بنام زوجہ پسر راجہ ہوئی اور طرف ثانی نے مرافعہ عدالت بالا میں دائر کیا ہے۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد انفصال مقدمہ کتب خانہ بکے گا۔ اوس وقت حضور کو ضرور مطلع کروں گا۔

امید ہے کہ ہمیشہ توجہات حضور اور کار لائق اپنے لیے مشرف رہوں۔ زیادہ آفتاب دولت تاباں رہے۔

ذوالفقار علی

مدرس مدرسہ بریلی، پروردۂ قدیم''

تشریحات:

۱۔ یہ مکتوب بلا تاریخ ہے۔ یہ خط کون سے مہینے میں لکھا گیا، اس کا پتا نہیں چلتا، البتہ بعض داخلی شہادتوں سے اس کے سنۂ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس خط میں راجہ رتن سنگھ کے کتب خانہ کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے حق ملکیت پر راجہ کے انتقال کے بعد تنازعہ شروع ہو گیا تھا۔ اگر اس راجہ کا سال وفات معلوم ہو جائے تو زیر نظر خط کے سنۂ تحریر کا بھی علم ہو جائے گا۔

اس راجہ کے سنۂ وفات میں معمولی سا اختلاف ہے۔ علی حسن خاں نے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء لکھا ہے (صبح گلشن، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص ۸۹)۔ اشپرینگر نے ''فہرست مخطوطات شاہان اودھ'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں ۱۸۵۰ء یا ۱۸۵۱ء تحریر کیا ہے (ص ۵۹۱، شمارہ ۵۷۰)۔ رتن سنگھ نے اپنی کتاب ''سلطان التواریخ'' کا قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) خود ہنری ایلیٹ کو پیش کیا تھا۔ اب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ مخطوطہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ (رک: فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ چارلس ریو، جلد سوم، ۱۸۸۳ء، ص۹۶۲)۔ اس نسخے کے شروع میں ایلیٹ کا خودنوشت انگریزی نوٹ موجود ہے، جس میں اس نے رتن سنگھ کا سنہ وفات ۱۸۵۱ء لکھا ہے۔ اس معتبر روایت کے پیش نظر راجہ رتن سنگھ کا انتقال ۱۸۵۱ء میں ہوا اور یہ خط بھی اسی سال لکھا گیا۔

۲۔ فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ المتخلص بہ زخمی۔ باپ کا نام رائے بالک رام تھا۔ سکسینہ کائستھ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دادا آصف الدولہ کا دیوان اور اتالیق تھا اور بعد میں اسے بریلی کا ناظم بنا دیا گیا۔ رتن سنگھ لکھنؤ میں پیدا ہوا (۲۳ محرم ۱۱۹۷ھ/ ۲۹ دسمبر ۱۷۸۲ء)۔ ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء-۱۸۰۴ء میں وہ کلکتہ چلا گیا اور چار سال ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں گذارے۔ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں وہ واپس لکھنؤ آیا اور بالآخر وزیر مالیات کے عہدہ پر فائز ہوا۔ ''صبح گلشن'' (حوالہ مذکور) کی روایت کے مطابق رتن سنگھ نے وفات (۱۸۵۱ء) سے تین سال قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کی فارسی تصنیفات یہ ہیں:

الف۔ ''سلطان التواریخ''۔ اودھ کی مفصل تاریخ، محمد علی شاہ کی وفات (۱۸۴۲ء) تک۔ اس کے قلمی نسخے برٹش میوزیم اور برٹش لائبریری میں محفوظ ہیں (بحوالہ اسٹوری، ص۷۰۹)

ب۔ ''انیس العاشقین''۔ فارسی کے قدیم و جدید شعراء کا تذکرہ۔ سنہ تالیف ۱۲۴۵ھ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ (''ضیائی'' تک)۔ رک: اسٹوری، ص۸۹۰۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، نگارش دکتر سید علی رضا نقوی، تہران ۱۹۶۴ء، ص۵۲۱-۵۲۶۔ مخطوطہ لکھنؤ، روٹوگراف در: پنجاب یونیورسٹی لائبریری، اوراق ۳۱۷۔

ج۔ ''دیوان زخمی''۔ مطبوعہ لکھنؤ: محمدی پریس، ۱۲۵۳ھ صفحات ۵۱۳۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ شیرانی میں اس مطبوعہ نسخہ کے شروع میں زخمی کی رنگین تصویر چسپاں ہے۔ اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ بھی اسی ذخیرہ میں موجود ہے۔ (نمبر ۳۱۵۲/ ۱۴۷)

د۔ ''حدائق النجوم''۔ علم ہیئت پر مفصل کتاب۔ صفحات ۱۱۵۸، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۴۱ء

ہ۔ ''جام گیتی نما''۔ فلسفیانہ رسالہ، ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا (بحوالہ ریو ۳: ۱۰۹۶)۔ ڈی، این، مارشل نے ''معیار الزمان'' اور ''شرح گل کشتی'' کو بھی زخمی کی تصانیف میں شامل کیا ہے (رک: مغلز ان انڈیا، نئی دہلی وغیرہ، ۱۹۶۷ء، ص۴۹۸-۴۹۹، اسٹوری ۲: ۹۹)۔ راجہ رتن سنگھ زخمی کے چند سوانحی مآخذ کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے رک: گارسیں ۳: ۳۲۶۔ خطبات گارسیں دتاسی، ۱۹۳۵ء، ص۴۳۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اشپرینگر کی اپنی تیار کردہ فہرست مخطوطات و مطبوعات (گیسن، ۱۸۵۷ء)، نمبر ۱۷۲۲۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۵۴ء، ص ۲۳۳-۲۳۴ (مقالہ از ڈاکٹر اشپرینگر)۔ فارسی تذکرے از مولوی محمد شفیع در: اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۷ء، ص ۴۸-۵۱ (زخمی نے ''انیس العاشقین'' میں اپنے جو حالات قلمبند کیے ہیں، ان کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے)، نزہتہ الخواطر ۷: ۱۷۲ (''صبح گلشن'' سے منقول)۔ اسٹوری نے بیل کی ''اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری'' (طبع عکسی، نیویارک ۱۹۶۵ء) کا بھی زخمی کے تحت حوالہ دیا ہے۔ (ص ۹۰۷)، حالانکہ وہاں سورج مل جاٹ کے دوسرے بیٹے رتن سنگھ کا ذکر کیا گیا ہے، نہ کہ رتن سنگھ زخمی کا۔

رتن سنگھ کا بریلی سے پرانا تعلق تھا۔ آصف الدولہ کے دور حکومت میں اس کے دادا کو یہاں کا ناظم مقرر کیا گیا۔ زخمی کے خاندان کی خاصی بڑی جائداد اسی شہر میں تھی۔ اس کی اپنی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی تھی، لیکن وہ اکثر بریلی آتا رہتا تھا۔ ''انیس العاشقین'' میں اس نے اپنے حالات کے تحت لکھا ہے کہ اس نے بلاد ہند کی سیر کی۔ پہلے بریلی اور پھر کلکتہ گیا......اور اس تذکرہ کی تالیف سے چند سال پہلے تک وہ معمولاً کبھی لکھنؤ اور کبھی بریلی میں مقیم رہتا (بحوالہ اورینٹل کالج میگزین، ۱۹۲۷ء، محولہ بالا، ص ۴۸)۔ ''دیوان زخمی'' (مطبوعہ ۱۲۵۳ھ) کے آخر میں جو عبارت منقول ہے، اس میں ''زخمی تخلصاً لکھنوی تولداً و بریلوی مسکناً'' درج ہے۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) میں لکھا ہے کہ زخمی کا خاندان اور اس کی جائداد بریلی میں تھی۔ اسی جائداد میں اس کا کتاب خانہ بھی شامل تھا، جس میں زخمی نے نادر کتابوں کو جمع کر رکھا تھا۔ اشپرینگر اس کتاب خانہ کی اہمیت سے واقف تھا، چنانچہ جب اسے راجہ کے مرنے کی خبر ملی، اس نے مولانا ذوالفقار علی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس کتاب خانہ کی فہرست تیار کر کے اسے بھجوائے، تاکہ وہ اپنے ذوق کی کتابیں منتخب کر سکے۔ مولانا مفصل فہرست مرتب کرنا چاہتے تھے، لیکن رتن سنگھ کے انتقال کے بعد اس کے لواحقین میں جائداد کا تنازعہ شروع ہو گیا، جس وجہ سے مولانا حسب منشا فہرست تیار نہ کر سکے۔

۳۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے راجہ رتن سنگھ زخمی کے کتاب خانہ کی جو فہرست تیار کی تھی، وہ اب بھی اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ اس فہرست کے چھے اوراق ہیں۔ باریک ہلکے نیلے رنگ کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے اور اس میں عربی، فارسی اور اردو مخطوطات و مطبوعات کے متعلق مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

انھی کاغذات میں ایک اور فہرست کتب بھی ہے۔ اس کے سات اوراق ہیں اور اس کے لیے بھی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہلکے نیلے رنگ کا کاغذ استعمال ہوا ہے۔اس میں بھی عربی، فارسی اور اردو مخطوطات و مطبوعات کے مختصر کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ فہرست کے آخر میں اشپرینگر نے خود انگریزی میں ''کٹالاگ آف بریلی لائبریری'' لکھا ہے۔ ممکن ہے، یہ فہرست رتن سنگھ کے کتب خانہ کی ہو اور اسے بھی مولانا ذوالفقار علی ہی نے تیار کیا ہو۔

ذخیرۂ اشپرینگر ہی کے ایک اور ڈبہ میں آٹھ صفحات کی ایک فہرست کتب بھی ہے۔ مختلف لوگوں نے اسے ترتیب دیا ہے۔اس فہرست میں چند نجی کتاب خانوں کے قلمی نسخوں (تعداد ۲۵۳) کے نام دیئے گئے ہیں۔ان کتب خانوں میں ''کتب خانہ منشی الملوک راجہ رتن سنگھ'' بھی شامل ہے۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولوی کریم الدین پانی پتی

ڈاکٹر اشپرینگر نے جوانی میں یہ سوچا تھا کہ مشرق کی علم و دانش کے خزینوں کو مغرب میں اور مغرب کی علمی وفکری، نیز سائنسی اور فنی ترقیوں کو مشرق میں متعارف کرایا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ مشرق و مغرب کی انہی اعلیٰ روایات کے سنگم یا تبادلہ سے ان دونو خطوں کے لوگوں کے ذہنی فاصلے کم ہوں گے اور انھیں علمی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اشپرینگر کے زمانۂ طالب علمی کی یہ سوچ انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور مخصوص ذہنی رویوں کے باعث وہ اجتماعی سطح پر اپنے اس عزم میں متوقع کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ یہ رد عمل بظاہر ہمت شکن ضرور تھا، لیکن یہ اشپرینگر کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکا اور اس نے شروع میں اپنی علمی زندگی کے لیے جو راہ متعین کی تھی، وہ تمام عمر اس پر گامزن رہا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں جو علمی کارنامے سرانجام دیئے، اگر انھیں بنظر غائر دیکھا جائے، تو ان میں اس کے عہدِ جوانی کے اسی پختہ عزم کا عکس نظر آئے گا، بالخصوص اس نے اپنے قیام ہندوستان کے چودہ سالہ (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) دور میں جتنے علمی کارنامے سرانجام دیئے اور مسلمانوں کی مختلف تعلیمی درسگاہوں کے سربراہ کی حیثیت سے اس نے جو حکمت عملی اختیار کی، وہ دراصل اس کی اسی سوچ کا عملی اظہار تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اشپرینگر کو اپنی علمی زندگی کے متذکرہ اولیں مقصد کو پورا کرنے کا سنہری موقع ہندوستان آنے کے بعد ہی میسر آیا۔ جب اسے یہاں چند سال بعد دہلی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا تو اس نے اس مدرسہ کے نصاب اور نظام تعلیم و تدریس کی اصلاح کے لیے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا اور اس ادارے کو مغرب و مشرق کا ایک مرکزِ اتصال بنانے کی کوشش کی۔ قبل ازیں یہاں انگریزی زبان اور مغربی علوم کی تدریس کا انتظام تھا، لیکن یہ زیادہ تر یک طرفہ تھا، یعنی ان سے اہل ہند کو مغرب کی روز بروز کی چکاچوند ترقیوں کو روشناس کرانا اور اہل مغرب کی علمی اور فکری برتری کا لوہا منوانا تھا۔ اشپرینگر کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس یک طرفہ نظام کو دوطرفہ بنا دیا، یعنی اس نے مشرق والوں کی حکمت و دانش کے خزائن سے اہل مغرب کو متعارف کرانے کی پالیسی بھی اختیار کی۔ انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تراجم کرائے اور یوں اس نے علم وفکر کے تبادلے کی راہ ہموار کی۔ اسی دور میں اس نے دہلی کالج ہی سے ایک علمی وادبی رسالے کا اجراء کیا، جس کا نام ''قران السعدین'' رکھا گیا۔ رسالے کا یہ نام ہی اشپرینگر کی دیرینہ سوچ کا مظہر ہے۔ پھر اس نے اس رسالے کے صفحۂ اول کی پیشانی پر دو ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہوئے دکھایا ہے، جو مشرق ومغرب کے علمی سنگم کا علامتی اظہار ہے(۱)۔ مزید برآں اس نے کچھ ایسے افراد کو منتخب کیا، جو اس کے مقصدِ حیات کو آگے بڑھانے میں معاونت کر سکتے تھے۔ ان منتخبہ اصحاب میں دہلی کالج کے اساتذہ بھی تھے اور طلبہ بھی۔ یہ لوگ ذہین، محنتی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ علوم متداولہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اہل علم کی مجالس کے تربیت یافتہ تھے۔ پھر اشپرینگر کی قربت، ہمت افزائی، سرپرستی اور رہنمائی نے ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کر دیا اور وہ اس کے مشورے سے ایسے علمی کاموں میں مصروف ہو گئے، جو اس کے متعینہ مقصد ہی کو پورا کرتے تھے۔ اشپرینگر جتنی دیر ہندوستان میں مقیم رہا، وہ ان اصحاب علم کے تصنیفی کاموں کا محرک رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی دنیاوی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا رہا۔ ان فاضل ہستیوں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا محمد سدید الدین خاں، علی اکبر، برکت علی اور اشرف علی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، لیکن اشپرینگر کے ان قریبی رفقائے کار میں سب سے اہم شخص مولوی کریم الدین پانی پتی ہے جس نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز اشپرینگر کے کہنے پر کیا اور پھر اپنی متعدد اہم تصنیفات کو اسی کی تجویز یا مشورے سے مکمل کیا۔

اردو ادب کی تاریخ میں کریم الدین پانی پتی کا نام کئی حیثیتوں سے جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز بطور مترجم کیا اور اشپرینگر کی فرمائش پر ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے لیے کئی عربی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔ وہ عام طلبہ کے لیے درسی کتابیں بھی لکھتے رہے اور یہ سلسلہ ان کی زندگی کے آخر تک جاری رہا، لیکن ان کے اصل جوہر اردو تذکرہ نگاری میں کھل کر سامنے آئے۔ ان کے مرتبہ تذکروں میں ''گلدستۂ نازنیناں'' (۱۸۴۵ء)، ''فرائد الدہر'' یعنی تذکرہ شعرائے عرب (۱۸۴۷ء) اور ''طبقات شعرائے ہند'' (۱۸۴۸ء) شامل ہیں، بالخصوص مؤخر الذکر تذکرہ ہی ان کے علمی کارناموں کی شناخت سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ رک: ''قران السعدین'' پر راقم کا مقالۂ مذکور کے علاوہ گیل مینو (Gail Minault) کا یہ اہم مضمون "Qiran al-Sa'dain: The dialogue between Eastern and Western Learning at Delhi College", in: Jamal Malik (ed.): *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*. Leiden: Brill, 2000, pp. 260-277.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس میں اردو کی قدیم تذکراتی روایت کا تتبع بھی کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے بعض حصوں سے تذکرہ نویسی میں نئے رجحانات کی آہٹ بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ تذکرہ نگاری کے علاوہ ان کا نام مطبع ''رفاہ عام'' کے بانی کی حیثیت سے یادگار ہے۔ اس مطبع کا شمار شمالی ہند کے ابتدائی مطابع میں ہوتا ہے اور یہاں سے اپنے وقت کے جید علماء کی کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں مولوی کریم الدین مہینے میں دو بار اپنے گھر مشاعرے منعقد کراتے، جن میں دہلی کے سبھی شعراء اپنا کلام سناتے۔ ان مشاعروں کے انعقاد سے دہلی کی ادبی زندگی میں گہما گہمی تھی اور یہ سب چہل پہل کریم الدین کی ذاتی دلچسپیوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ وہ ان مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلام کو ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، بلکہ اسے ترتیب دے کر گلدستہ مشاعرہ (بعنوان ''گل رعنا'') کی شکل میں اپنے ہی مطبع سے شائع کر دیتے تھے۔ اردو ادب میں گلدستوں کی اس روایت کے بانی مولوی کریم الدین ہی ہیں [1]۔ یہ ان کے منعقدہ مشاعروں اور مطبوعہ گلدستوں ہی کا نتیجہ ہے کہ جب مرزا فرحت اللہ بیگ نے دہلی کے ایک یادگار مشاعرے کی محفل سجائی، تو انہیں مولوی کریم الدین ہی کی فراہم کردہ معلومات سے استفادہ کرنا پڑا، بلکہ وہ خود بھی مولوی صاحب کے لبادے میں اس مشاعرے میں شریک ہوئے [2]۔

مولوی کریم الدین کے سوانح حیات کا واحد مستند ماخذ ان کا اپنا تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' ہے، جس میں انھوں نے اپنے حالات خود تحریر کیے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی کچھ کتابوں کے کوائف بھی درج کر دیئے ہیں۔ ان کے یہ خود نوشت حالات زندگی ولادت سے اس تذکرہ کے زمانۂ تالیف یعنی ۱۸۴۷ء تک ہیں۔ اپنی چند اور کتابوں میں بھی انھوں نے اپنے متعلق مختصراً سوانحی اشارے کئے ہیں۔ اس کے بعد وہ قریباً بتیس سال زندہ رہے، لیکن ان سالوں کے مفصل سوانح دستیاب نہیں۔ ان کی زندگی کے اس طویل حصے کے متعلق فرانسیسی اردو داں گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (بزبان فرانسیسی) کی طبع دوم میں مختصر سے اشارے کیے ہیں اور ۱۸۴۷ء سے بعد کی تالیفات کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اب کریم الدین کے انتقال کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا، لیکن ہمارے پاس ابھی تک ان کے حالات زندگی کے یہی دو مستند مآخذ ہیں، یعنی ان کے اپنے تحریر کردہ سوانح حیات، (۱۸۴۷ء تک) اور گارسیں دتاسی کی محولہ بالا ''تاریخ''۔ گارسیں دتاسی نے بھی کریم الدین کے ابتدائی حالات (۱۸۴۷ء تک) اس کے تذکرے ''طبقات

۱۔ یہ مشاعرہ ۱۴ رجب ۱۲۶۱ھ/ ۲۰ جولائی ۱۸۴۵ء کو شروع ہوا اور اسی سال ذیقعدہ کے وسط میں موقوف ہوا۔

۲۔ دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از فرحت اللہ بیگ، کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۰ء، ص ۸، مرتبہ رشید حسن خاں، دہلی ۱۹۹۲ء، بعنوان ''دہلی کی آخری شمع''۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شعرائے ہند'' ہی سے نقل کیے ہیں، اس کے بعد کی سوانحی معلومات گارسیں دتاسی نے اپنے شخصی ذرائع اور اس دور کے بعض اخبارات سے اخذ کی ہیں۔ کریم الدین خاں کے ان مآخذ سے ان کی جو ادھوری سی سوانحی تصویر سامنے آتی ہے، وہ کچھ یوں ہے:

مولوی کریم الدین کے جدِّ بزرگوار پیلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ سیاحت کا شوق رکھتے تھے اور شہر شہر گھومتے رہتے تھے۔ اسی سیاحی میں پانی پت آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ذریعۂ آمدنی شاہی جاگیر تھا، اس لیے نان ونفقہ سے بے فکر تھے اور اپنا وقت سیر و سیاحت میں گذارتے تھے۔ جب کریم الدین کے والد سراج الدین پانی پت میں پیدا ہوئے تو ان کے دادا نے بھی اسی شہر کو اپنا مسکن بنالیا۔ انھی دنوں نادر شاہ دہلی پر حملہ آور ہوا اور دیگر علاقوں کی طرح اس شہر میں بھی تباہی مچاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اسی تاخت وتاراج میں کریم الدین کے دادا کا گھر بار لٹ گیا اور جاگیر بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ جاگیر کے ساتھ ہی شوق سیاحت بھی جاتا رہا۔ انھوں نے روزگار کے لیے مسجد نشینی اختیار کرلی۔ وہ یہاں ایسے جم کر بیٹھے کہ جب انگریزوں نے اس علاقہ کی جاگیریں واگذاشت کیں تو بھی وہ اپنے تقوی، ورع، بے پرواہی اور جنونی کیفیت کی وجہ سے کہیں نہ جاسکے اور یوں اپنی جاگیر ضبط کرا بیٹھے۔ کریم الدین کے دادا نے بقیہ زندگی مسجد ہی میں گذاری۔ انھوں نے اپنے بیٹے یعنی کریم الدین کے والد سراج الدین کی تعلیم وتربیت اس انداز سے کی کہ وہ بڑے ہوکر مسجد نشینی ہی اختیار کریں۔ چنانچہ اپنے والد کی وفات کے بعد سراج الدین اسی مسجد میں امامت کراتے رہے اور بچوں کو پڑھا کر اپنا وقت گذارتے رہے۔

کریم الدین پانی پت میں ماہ عید الفطر [1] ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء بتاریخ روز عید بوقت نماز صبح مسجد اشرف خاں کے متصل افغانوں کے محلّہ میں پیدا ہوئے [2]۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور جب سن تمیز کو

۱۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اپنے مقالہ ''طبقات شعرائے ہند اور مولوی کریم الدین'' (مکمل حوالہ [illegible] میں درج ہے) کے ایک تحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ ''مولوی محمد اسمٰعیل پانی پتی کی زبانی روایت سے [illegible] کریم الدین کا انتقال عید الفطر کے موقع پر ہوا'' (ص ۱۴) کریم الدین کی وفات [illegible] انتقال کون سے مہینے میں ہوا، اس کے متعلق حتمی طور پر معلوم نہیں۔ [illegible] عید الفطر میں ہوئی ممکن ہے [illegible] اسمٰعیل پانی پتی مرحوم نے ان کی وفات کا مہینہ سمجھ [illegible]۔

۲۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے مولوی کریم الدین سے متعلق ''خط تقدیر'' (دیکھیے حواشی آئندہ) کے دیباچے میں [illegible] صراحت کی ہے کہ ۱۲۳۷ھ کا ماہ عید الفطر ۱۸۲۱ء کے مطابق نہیں ہے۔ یا تو یہ ۱۲۳۶ھ ہے یا ۱۸۲۲ء [illegible] موصوف نے ۱۸۲۲ء ہی کو درست تسلیم کیا ہے (ص ۱۱)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہنچے تو ان سے صرف ونحو اور عربی و فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں۔ شاید یہ روزگار کی تنگی تھی یا حصول علم کا شوق کہ مولوی کریم الدین اپنی نوجوانی میں پانی پت سے دہلی چلے گئے (اندازاً ۱۸۳۸ء) اور غالباً وہاں جاتے ہی مدرسہ دارالبقاء میں پناہ حاصل کی۔ یہ مدرسہ جامع مسجد کے جنوبی دروازے کی جانب تھا۔ دور دراز علاقوں سے طلبہ یہاں آتے تھے اور کتب معقول ومنقول پڑھتے تھے۔ جب اس پرانے مدرسہ کی حالت خستہ ہوگئی، تو دہلی کے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ نے زر کثیر صرف کر کے اس پرانے مدرسہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ یہاں طلبہ کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ ان کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا[1]۔ اطراف واقطار کے دیگر طلبہ کی طرح کریم الدین بھی آزردہ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور ان سے فلسفہ و منطق کی کتابیں پڑھتے رہے[2]۔ ان مضامین کے علاوہ صرف ونحو، معانی، طب، فقہ واصول فقہ اور حدیث جیسے علوم تحصیل کیے۔ کریم الدین کے اساتذہ میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کا نام بھی لیا جاتا ہے[3]۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ علوم مولانا سے پڑھے ہوں۔ ان کے اساتذہ میں مومن دہلوی کا نام بھی شامل ہے[4]، لیکن یہ روایت معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ دہلی آنے کے بعد بھی مالی پریشانیوں نے کریم الدین کا پیچھا نہ چھوڑا، چنانچہ وہ کتابت سے اپنی گذران کرتے رہے۔

انھی دنوں دہلی کالج کے تدریسی اور انتظامی ڈھانچے میں کچھ بنیادی اصلاحات کی گئیں۔ یہ اصلاحات اس کمیٹی نے تجویز کی تھیں جو جیمز تھامسن (J. Thomason) کی سربراہی میں تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ایک یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ جگہ جگہ سے ذہین نوجوان کو تلاش کر کے انھیں کالج میں داخل کرایا جائے اور ماہوار وظیفہ بھی دیا جائے تاکہ وہ یکسوئی سے علم حاصل کر سکیں۔ اس تجویز کے تحت جو نئے طلبہ کالج میں داخل ہوئے، ان میں کریم الدین بھی شامل تھے۔ داخلے کے وقت (اندازاً ۱۸۴۰ء) کریم الدین کی عمر اٹھارہ برس تھی، یہاں ان کو ماہوار سولہ روپے وظیفہ ملنے لگا اور وہ اس کالج میں منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب،

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۵۴-۵۵۔ ''لال قلعہ کے اطراف کے منہدم شدہ محلے اور بازار۔''

۲۔ فرایدالدہر یعنی تذکرہ شعرائے عرب از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۷ء، ص ۳۹۸۔ شروع میں ''شیخنا و استاذنا وبادینا ومرشدنا دحا کمنا محمد صدرالدین'' لکھا ہے۔

۳۔ محمد احسن نانوتوی از ایوب قادری، ص ۱۸۳-۱۸۴۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی، مذکورہ بالا، ص ۵۱۶-۵۱۹

۴۔ تحقیق کی روشنی میں از ڈاکٹر عندلیب شادانی، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۷۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہیئت، پیائش، مناظر مرایا، جبر ومقابلہ، ادب اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان دنوں یہ مضامین مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا سید محمد، قاری جعفر علی جارچوی، سدید الدین خاں، سبحان بخش شکار پوری، حسن علی خاں اور احمد علی پڑھاتے تھے۔ اس طرح تمام اصحاب علم کریم الدین کے اساتذہ میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ اسی زمانے میں کالج کے پرنسپل فیلکس بوترو نے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی تھی اور اس کے تحت مختلف علوم کی بہت سی انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جارہا تھا۔ یہ بھی تراجم کریم الدین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ کالج کا پرنسپل بوترو بھی ان کی صلاحیتوں کا معترف تھا اور انھوں نے اسی کے کہنے پر دیوانی اور فوجداری قوانین، اصول، قوانین، سیاست مدن اور ریاضی کا مطالعہ کیا تھا۔ ان علوم کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ انھیں مشکل سے مشکل انگریزی کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی۔

مولوی کریم الدین تقریباً پانچ سال دہلی کالج میں طالب علم رہنے کے بعد ۱۸۴۴ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی انھوں نے دہلی میں شادی کر لی اور اسی شہر میں ''رفاہ عام'' کے نام سے ایک مطبع قائم کر لیا۔ اس مطبع کے قیام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مختلف فنون کی انگریزی کتابوں کے اردو تراجم یہاں سے شائع کیے جائیں، تاکہ ہندوستانی عوام، جو ان علوم سے بے بہرہ ہیں، انھیں پڑھ کر اپنے لیے ترقی کی راہیں متعین کرسکیں۔ اس مطبع میں کریم الدین کے کچھ حصے دار بھی تھے، جنھوں نے انھیں فریب دے کر اس مطبع پر قبضہ کر لیا اور کریم الدین کو اس سے نکال باہر کیا۔ یہ مطبع ۱۳ شوال ۱۲۶۱ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۸۴۵ء تک ان کے پاس رہا۔ اسی سال کریم الدین نے اپنے گھر مہینے میں دو بار مشاعرے کا اہتمام کیا، جس میں دہلی کے ہر مرتبہ اور عمر کے شعراء اپنا کلام سناتے تھے۔ بعد میں یہ کلام شاعر کے مختصر حالات سمیت ''گل رعنا'' کے عنوان کے تحت گلدستہ مشاعرہ کی صورت میں شائع ہوتا تھا۔ موجودہ تحقیقات کے مطابق یہ اردو کا پہلا گلدستہ ہے[1]۔

مطبع کے چھن جانے کے بعد کریم الدین بے دست و پا ہو گئے۔ مشاعرے موقوف ہوئے، تو ان کی سماجی زندگی کی رونقیں بھی ختم ہو گئیں۔ معمولات زندگی درہم برہم ہو گئے۔ انھی ایام میں ایسے چند صدمات واقع ہوئے، جن کا برسوں ان کے قلب و ذہن پر اثر رہا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مصائب و صدمات کے ان اندھیروں میں امید کی ایک کرن نظر آئی اور وہ یوں کہ اسی سال یعنی ۱۸۴۵ء میں اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ وہ بنیادی طور پر عربی دان تھا اور عربی زبان وادب کے شائقین، چاہے وہ طلبہ تھے یا اساتذہ، کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ کریم الدین ان دنوں ابھی چوبیس سال کے نوجوان تھے، لیکن عربی زبان اور مختلف علوم وفنون

۱۔ گلدستۂ صحافت از امداد صابری۔ دہلی ۱۹۸۴ء۔ (یہ کتاب مولانا کریم الدین کے نام معنون ہے)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اشپرینگر جلد ہی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا گرویدہ ہو گیا۔ وہ مولوی صاحب کی خرابی حالات سے باخبر تھا، لیکن وہ فوری طور پر ان کے لیے کسی موزوں ملازمت کا بندوبست نہ کر سکا، البتہ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے اس نے انھیں کچھ عربی کتب کے اردو ترجمے کا کام سونپ دیا۔ اس کام سے کریم الدین کو طبعی مناسبت تھی اور پھر اس سے آمدنی کی بھی ایک صورت نکل آئی۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کی فرمائش اور مشورے سے اس سوسائٹی کی جانب سے کئی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔

مولوی کریم الدین تقریباً پانچ سال (۱۸۴۵ء–۱۸۵۰ء) انھی تراجم میں مشغول رہے اور ساتھ ساتھ اشپرینگر کے مشورے سے مختلف کتابیں بھی تالیف کرتے رہے۔ تصنیف و تالیف کے اعتبار سے یہ دور کریم الدین کی زندگی میں خاصی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ جن تذکروں (یعنی ''گلدستۂ نازنیناں''، ''فرائد الدہر'' اور ''طبقات شعرائے ہند'') کی بدولت ان کا نام آج بھی زندہ ہے، وہ سب انھی پانچ سالوں میں مرتب ہوئے۔ ۱۸۴۸ء میں اشپرینگر لکھنؤ چلا گیا اور یوں کریم الدین اپنے محسن کی قربت سے محروم ہو گئے۔ وہ اشپرینگر کو لکھنؤ خط لکھتے رہے اور وہ بھی ان کے مستقل روزگار کے لیے تگ و دو کرتا رہا۔ بالآخر اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور ۱۸۵۰ء میں کریم الدین کو آگرہ کالج میں مدرس اول کی ملازمت مل گئی[1]۔ تقریباً سات سال وہ اسی کالج میں اپنی مدرسانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے[2]۔ ۱۸۵۷ء کے فسادات شروع ہوئے تو وہ بھی ان کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئے۔ پرانے انگریز محسنوں کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ملازمت بھی جاتی رہی اور وہ ایک بار پھر گردش ایام میں گرفتار ہو گئے۔ آخر انھوں نے پنجاب کا رخ کیا اور جنگ کے

۱۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اپنے محولہ بالا مقالے میں رقمطراز ہیں کہ ''آگرہ کالج میں بطور مدرس اول ان کے تقرر کا صحیح زمانہ متعین نہیں ہو سکا۔ غالباً ۱۸۵۰ء کے قریب وہ آگرہ کالج سے منسلک ہوئے۔'' (ص ۱۴)۔ کریم الدین کے آگرہ جانے کا سنہ ۱۸۵۰ء ہی درست ہے اور اب اس میں لفظ ''غالباً'' کی گنجائش نہیں رہی۔ تفصیل کے لئے رک: مکتوب کریم الدین بنام اشپرینگر (مراسلہ نمبر ۲ مع تشریحات، دیکھئے آئندہ سطور)

۲۔ ''کریم اللغات'' کے آخر میں ''خاتمۃ الطبع از کارپردازان'' یوں ہے: ''مولوی کریم الدین صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں آگرہ میں اردو زبان کے پروفیسر تھے۔''

یہ کالج آگرہ کی قدیم درسگاہوں میں سے ایک تھا۔ اس زمانے میں یہ کالج انگریزوں کی نظامت تعلیم کے ماتحت تھا، لیکن بعد میں برطانوی حکومت نے اس کے انتظام و انصرام سے ہاتھ کھینچ لیا اور یہ کالج لوگوں کے عطیات وغیرہ سے چلتا رہا۔ تفصیل کے لیے رک: سید محمد لطیف کی انگریزی کتاب ''آگرہ''، کلکتہ ۱۸۹۶ء، ص ۲۹۶، ۲۹۸۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فوراً بعد (غالباً ۱۸۵۸ء) میں لاہور آ گئے۔ یہاں آتے ہی انھیں محکمہ تعلیم میں ملازمت مل گئی۔ وہ ابتدا میں اس محکمہ میں سررشتہ دار کی حیثیت سے کام کرتے رہے، لیکن اپنی شبانہ روز محنت اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کی بناء پر پہلے ڈپٹی اور پھر ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے عہدوں پر مامور ہوئے۔ قیام لاہور کے دوران میں بھی وہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھتے رہے، لیکن ان کی نوعیت علمی کم اور تدریسی زیادہ ہے۔ بالآخر وہ ۱۸۷۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے (۱)۔

گارسیں دتاسی کی ایک روایت کے مطابق کریم الدین کے تین بھائی بھی تھے۔ عماد الدین، خیر الدین اور معین الدین۔ اول الذکر بھائی نے اسلام چھوڑ کر مسیحیت قبول کر لی۔ گارسیں دتاسی لکھتا ہے کہ کریم الدین ۱۸۶۶ء میں اپنے مرتد بھائی کے تعاون سے ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے، جن میں اسلام کی حقانیت کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اپنے بھائی کی پیروی میں کریم الدین بھی عیسائی ہو گئے تھے۔ کریم الدین کے متعلق یہ بیانات قابل تصدیق ہیں اور پھر گارسیں دتاسی جیسے تبلیغ مسیحیت سے گہری جذباتی وابستگی رکھنے والے شخص کی ایسی روایات کو بلا ثبوت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی عبدالودود نے اپنے ایک مقالے میں گارسیں دتاسی کی اس روایت کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ امداد صابری نے ''فرنگیوں کے جال'' (طبع دوم، دہلی ۱۹۷۹ء) میں پادری عماد الدین کے ذکر (ص ۱۶۱-۱۶۴) کے تحت کریم الدین کا نام تک نہیں لکھا اور عماد الدین کے والد کا نام چراغ الدین تحریر کیا ہے جو پہلے عیسائی ہو گئے، لیکن بعد میں پھر اسلام میں داخل ہو گئے (۲)۔

مولوی کریم الدین کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفات میں تراجم اور طبعزاد کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں تاریخ، ادب، لسانیات، تذکرہ نگاری اور لغت نویسی جیسے موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' میں انھوں نے اپنے حالات کے ساتھ تیرہ کتابوں کے مختصر

۱۔ مولوی کریم الدین کا یہ سنہ وفات صرف اسماعیل پانی پتی نے لکھا ہے (''نقوش''، آپ بیتی نمبر) اور اس سلسلے میں انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

۲۔ گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں عماد الدین کے حالات قلم بند کئے ہیں (۲ ۱۲-۲۵)۔ اس نے ''واقعات عمادیہ'' (طبع ثانی، لدھیانہ: امریکن مشن پریس، ۱۸۷۴ء) سے عماد الدین کے خود نوشت حالات زندگی کا فرانسیسی ترجمہ بھی دیا ہے (ص ۱۴-۲۵) اس میں عماد الدین نے اپنے والد کا نام سراج الدین ہی لکھا ہے اور مولوی کریم الدین کو اپنا بھائی بتایا ہے۔ اس نے اپنے آباؤ اجداد کے حالات مولوی کریم الدین کی نسبت زیادہ تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کوائف بھی درج کیے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۴۷ء میں تیار کیا گیا اور اس وقت کریم الدین کی عمر چھبیس سال تھی۔ اتنی کم عمری میں چھوٹی بڑی تیرہ کتابوں (''طبقات'' سمیت چودہ) کی تالیف کریم الدین کی خداداد ذہانت اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے۔ گارسیں دتاسی نے کریم الدین کی چونتیس اردو تصنیفات کی فہرست دی ہے اور آخر میں ان کی چند فارسی کتابوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے ''خط تقدیر'' (مؤلف کریم الدین) کا جو ایڈیشن مرتب کیا ہے، اس کے آخر میں بطور ضمیمہ ب ''فہرست تالیفات کریم الدین'' کے ذیل میں ان کی پینتالیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ فہرست گارسیں دتاسی کی متذکرۂ بالا فہرست کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ یہاں کریم الدین کی تمام تصانیف کا ذکر بخوف طوالت نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان کی بعض اہم کتابوں کے حوالے سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

تعلیم النساء (فقہ، قبل ۱۸۴۷ء)۔ گلستان ہند (اخلاق و نصائح، قبل ۱۸۴۷ء)۔ گلدستۂ نازنیناں (تذکرہ ۱۸۴۵ء)۔ عجالۃ العلالہ (عروض، ۱۸۴۵ء) تذکرۃ النساء (تاریخ و تذکرہ)۔ تاریخ شعرائے عرب (تذکرہ، ۱۸۴۷ء)، طبقات شعرائے ہند (تذکرہ ۱۸۴۸ء)۔ ترجمہ ابوالفدا ء (تاریخ، ۱۸۴۸ء) شرح مقامات حریری (ادب، ۱۸۴۸ء)۔ قواعد المبتدی (قواعد، ۱۸۵۸ء)۔ جغرافیہ پنجاب (۱۸۶۱ء)۔ خط تقدیر (ناول، ۱۸۶۲ء)۔ کریم اللغات (۱۸۶۲ء)۔ واقعات ہند (تاریخ، ۱۸۶۶ء)۔ اشارات التعلیم (گائیڈ برائے اساتذہ، ۱۸۶۶ء)۔ تکریم ظہوری (ادب، ۱۸۶۵ء) ۔ قصہ پنجاب سنگھ (لاہور ۱۸۶۴ء) وغیرہ وغیرہ (۱)۔

۱۔ مولوی کریم الدین پانی پتی کے سوانح حیات اور تصنیفی کارناموں کی متذکرہ بالا تفصیلات کا بیشتر حصہ ان کے اپنے تذکرے ''طبقات شعرائے ہند'' (بہ اشتراک ایف فیلن، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۸ء، طبع عکسی لکھنؤ ۱۹۸۳ء، ص ۴۶۷-۴۷۳) اور گارسیں دتاسی کی فرانسیسی کتاب ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (مطبوعہ پیرس، جلد دوم، ۱۸۷۰ء-۱۸۷۱ء، طبع عکسی نیویارک ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۶-۱۷۷) سے اخذ کیا گیا ہے۔ گارسیں دتاسی نے اس ''تاریخ'' کے علاوہ اپنے ''خطبات'' (مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء) اور ''مقالات'' (دو حصے، دہلی ۱۹۴۳ء و کراچی ۱۹۶۴ء) میں بھی جا بجا کریم الدین کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ کریم الدین کے متعلق دیگر ثانوی مآخذ یہ ہے: دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از مرزا فرحت اللہ بیگ، کراچی ۱۹۶۰ء (انگریزی ترجمہ، دہلی ۱۹۷۹ء)۔ مرحوم دہلی کالج مؤلفہ مولوی عبدالحق، طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء، و کراچی ۱۹۶۲ء، ص ۱۷۰-۱۷۱۔ خط تقدیر مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ ۱۹۶۵ء (طبع اول، لاہور ۱۸۶۵ء)، مقدمہ، ص ۹-۳۶ و ضمیمہ (ب)، ص ۱۵۳-۱۵۷۔ بازیافت (تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ) از ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ ۱۸۶۵ء، ص ۳۶-۶۲۔ (مقالہ ''طبقات شعرائے ہند (ایک مطالعہ)''۔ ڈاکٹر موصوف کا یہی مقالہ ''طبقات شعرائے ہند'' کی طبع عکسی کے مقدمہ کے طور پر بھی شائع ہوا ہے)، ص ۱۶۷-۱۸۶ (مقالہ ''اردو میں عربی شعراء کا پہلا تذکرہ'')۔ ڈاکٹر (جاری)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولانا کریم الدین پانی پتی کی ذہنی نشو ونما اور علمی تربیت میں ڈاکٹر اشپرینگر کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں چند ایسے علماء اور باصلاحیت نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا، جو اس کے علمی معاملات میں اعانت کرتے تھے اور اس کے لئے کونے کونے سے عربی اور فارسی قلمی نسخے جمع کرتے

غلام حسین ذوالفقار: طبقات شعرائے ہند اور مولوی کریم الدین (صحیفہ، شمارہ نمبر ۴۰، بابت جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۹-۳۰)۔ اس مقالے کے ایک تحقیقی نوٹ میں ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں کہ "غالباً پروفیسر مولوی محمد شفیع (مرحوم ومغفور) نے ریکارڈ آفس میں مولوی کریم الدین کی پرسنل فائل دیکھی تھی۔ انھوں نے ایک موقع پر اس کا ذکر کیا تھا، لیکن راقم نے جب ریکارڈ آفس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فائل اب وہاں نہیں ہے۔" (ص ۱۴)۔ تاریخ صحافت اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۷۰-۲۸۰۔ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔ تاریخ نثر اردو مرتبہ احسن مارہروی، حصہ اول، علی گڑھ ۱۹۳۰ء، ص ۱۱۵-۱۱۶۔ سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا، حصہ اول، ص ۲۴۱۔ داستان تاریخ اردو مؤلفہ مولانا حامد حسن قادری، طبع سوم، آگرہ ۱۹۶۶ء، ص ۷۷۔ شعرائے اردو کے تذکرے از ڈاکٹر سید عبداللہ، لاہور ۱۹۶۸ء (۱۹۵۲ء)، ص ۶۱-۶۶۔ رسالہ "نگار" کراچی) تذکروں کا تذکرہ نمبر، ۱۹۶۴ء۔ اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری از ڈاکٹر فرمان فتحپوری، لاہور ۱۹۷۲ء۔ قاضی عبدالودود: طبقات شعرائے ہند (معاصر (پٹنہ) حصہ نہم)۔ جائزہ مخطوطات اردو مرتبہ مشفق خواجہ، جلد اول، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۱۸۰-۱۸۵۔ رسالہ "نقوش" آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء، ص ۴۵۲-۴۵۵۔ مولوی کریم الدین، حیات و کارنامے مصنفہ ڈاکٹر شان احمد صدیقی، پٹنہ ۱۹۷۸ء، (مقالہ خصوصی برائے ڈاکٹریٹ)۔ فہرست کتاب خانہ انڈیا آفس، جلد دوم حصہ دوم ("ہندوستانی کتب")، مرتبہ جے۔ ایف۔ بلوم ہارٹ، لندن ۱۹۰۰ء، بمد اشاریہ، ص ۳۴۱۔ گلدستہ نازنیناں از خلیل الرحمٰن داؤدی (اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۱۹۵۵ء، ص ۵۷-۶۹)۔ گلدستہ صحافت، جلد اول (۱۸۴۵ء-۱۸۸۸) از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۸-۱۶۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی نانوتوی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۱۶-۵۱۹۔ مولوی کریم الدین پانی پتی کی حیات و تصانیف سے متعلق بعض نئی معلومات پیش انگریزی مقالات از پاول (Avril A. Powell) مثلاً

"Reciprocities and Divergences concerning Religious Traditions in two Families of Scholars in North India", in: Jamal Malik (ed.), op. cit., pp. 188-222; ibid.: "History Textbooks and the Transmission of the Pre-colonial Past in North-Western

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رہتے تھے۔ جواباً وہ بھی اپنے ان رفقائے کار کی تعلیمی، معاشی اور علمی مشکلات کو دور کرنے کے لیے حتی الوسع کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس کے انھی قریبی رفیقوں میں کریم الدین بھی شامل تھے، بلکہ انھوں نے تو اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز ہی اس کے مشورے سے کیا۔ انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں اشپرینگر کی علم دوستی اور اس کے شخصی خصائص کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور دیباچوں میں اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ان کتابوں کے لکھنے یا ترجمہ کرنے میں اول تا آخر اشپرینگر کا عملی تعاون شامل رہا۔ سطور ذیل میں کریم الدین کی چند تصانیف سے ایسے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جن میں وہ اشپرینگر کے علمی مرتبے اور طبعی محاسن کا ذکر کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ کتابیں اشپرینگر کے کہنے پر قلم بند کیں۔

کریم الدین نے اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' میں اپنے سوانح حیات کے ساتھ اپنی تصانیف اور تراجم کی فہرست دی ہے، اس میں ''تذکرہ شعرائے ہند'' (جو ''طبقات'' ہی کا دوسرا نام ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ کتاب جو تالیف کی گئی بموجب حکم ڈاکٹر اسپنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی کے''

(ص ۴۷۱، نیز ص ۵۰۲)

اس فہرست میں ''ترجمہ ابوالفدا ء'' کے متعلق وہ رقمطراز ہیں:

''یہ ایک تاریخ ابوالفدا اسماعیل بادشاہ ملک حمایت کی تصنیف ہے، عربی زبان میں تھی۔ بموجب حکم ڈاکٹر اسپنجر صاحب کے اردو میں مَیں نے اوس کا ترجمہ ۱۲۶۳ھ کے اس طرح پر طیار کیا......''

(ص ۴۷۲)

India in the 1860s and 1870s" in: Daud Ali (ed.): *Invoking the Past: The Uses of History in South Asia*, New Delhi: OUP, 1999, pp. 91-133; ibid.: "Scholar Manqué or Mere Munshi? Maulawi Karimu'd-Din's Career in the Anglo-Oriental Education Service" in: Margrit Pernau (ed.): *The Delhi College*, op. cit., pp. 203-231; ibid.: *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny Delhi*. Richmond Surrey 1993, ch. 7; ibid.: "Processes of Conversion to Christianity in Nineteenth Century North-Western India", in: *Religious Conversion Movements in South Asia; Continuities and Change, 1800-1900*. London 1997, pp. 15-55.

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسی ''ترجمہ ابوالفداء'' کے دیباچہ میں وہ قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

''...... یہ کتاب فن تواریخ کی زبان عربی میں بہت صحیح اور درجہ اعتدال پر ایسی کمیاب تھی کہ ہندوستانی بہ سبب نہ دستیاب ہونے یا عدم شیوع اس کتاب کے اس کے فوائد سے بے بہرہ تھے۔ ان ایام میں جو چند فنون اہمیہ کا ترجمہ زبان اردو میں سیکرٹری سوسائٹی نے چھپوا کر ان کی اشاعت تامہ کر کے رواج دیا ہے، اس واسطے صاحب والا مناقب اسپرینگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی سیکرٹری سوسائٹی دام اقبالہ نے، جو کہ عالم کامل اور بے عدیل فاضل ہیں اور ان صاحب کو چند السنہ متفرقہ عربی اور فارسی اور لیٹن اور یونانی اور جرمنی اور فرانسیسی اور انگریزی اور ناگری وغیرہ میں قدرت کاملہ اور ان السنہ مذکورہ کی کتابوں سے جو السنہ مذکورہ میں ان کی دستیاب ہوتی ہیں، فوائد بے بہا آپ بھی اٹھاتے ہیں اور ان کی ذات سے خلق اللہ کو بھی بہت فائدہ ہوتا ہے اور شائق ہر ایک کتاب کمیاب کے ایسے کہ جس جائے چار کتابیں کسی فن کی پائیں، وہیں دیکھنے جائیں۔ بن سکے تو ایک آدھ لے آئیں۔ خصوصاً ہمارے ایام میں ایک صاحب نے کتب قدیمہ اور متاخرہ کو بعد تلاش بسیار پیدا کیا اور رات دن تمام اشاعت علوم مشکلہ اور فنون مفصلہ میں سرگرم رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ''تواریخ المختصر فی احوال البشر'' تصنیف کی ہوئی اسمٰعیل کی ہے، جس کا مفصل حال میں آگے لکھ کر عرض کرتا ہوں۔ صاحب ممدوح کے پاس تھی۔ اس احقر کمترین کریم الدین کو ارشاد کیا کہ اگر تو اس کتاب کا ترجمہ زبان اردو میں کر لے تو عوام اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کمترین نے بسر و چشم قبول کیا اور درمیان ۱۸۴۶ء معہ ترجمہ طیار کیا۔''

اس سلسلے کا اہم ترین اقتباس وہ ہے، جو کریم الدین کی کتاب ''تاریخ شعرائے عرب'' میں نقل کیا گیا ہے۔ اس ''تاریخ'' کو پہلے کریم الدین نے اشپرینگر کی فرمائش پر عربی میں بعنوان ''فرائد الدہر'' تالیف کیا اور پھر اسی کے کہنے پر اس کا اردو ترجمہ کیا (طبقات، ص ۴۷۳)۔ یہ طویل اقتباس کریم الدین اور اشپرینگر کے علمی اور نجی تعلقات پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:

''بندہ کمترین کریم الدین سب ارباب علم و ہنر اور طالبان کتب تواریخ و سیر کی خدمت میں، تین کلمے ضروری عرض کر کے سمع خراشی کرتا ہے کہ ان ایام میں بموجب فرمائش صاحب والا مناقب ڈاکٹر اشپرنگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی اور سیکرٹری سوسائٹی اردو کے، جو کہ فاضل کامل اور عالم بے بدل اور ماہر اکثر السنہ متفرقہ اور متصف بصفات مختلفہ حمیدہ کے ایسے کہ نظیر ان کا اہل یورپ میں سے اس جانے معدوم -- اور مقابلہ کرنا اون کے فن ڈاکٹری یعنی طب کا بقراط اور سقراط اور فن حکمت کا ارسطو اور فارابی سے معلوم -- اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے باوجود کم سن ہونے کے ایسا معدن علم بنایا ہے کہ وہ استعداد بڈھوں صد سالہ سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

معدوم-- تاریخ دانی میں ابن الاثیر اور ابن الجوزی اور اکثر مورخوں مشہورہ سے افزود-- سخاوت اور حلم کی اوس کے گلشنِ مزاج میں وہ نمو-- کہ بوئے بخل کی بسبب اوس کی سخاوت کے جس ملک میں وہ رہے وہاں سے کوسوں تک نیست و نابود-- کتب کہنہ اہل اسلام کو صدہا روپیہ خرچ کر کے خرید کیے اور کار مسیحائی فرما کر کرم خوردہ مردہ کو زندہ کیا-- جس غریب شائق کتاب نے کتاب یا رسالہ دیکھنے کو مانگا فوراً لا دیا-- سوسائٹی اردو کو وہ رونق دی کہ جو کتابیں قابل شیوع کے تھیں اور آج تک بسبب غفلت کے وہ نہ چھپیں تھیں، اون کا ترجمہ کروا کر چھپوا کر ہندوستانیوں کو ممنون احسان کیا-- طلباء مدرسہ کو جن کتابوں کا کبھی خواب میں بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، داخل درس فرما کر پڑھوا دیا۔ غرضیکہ یہ صاحب بہت خوش خلق ہنستی پیشانی نیک سیرت ہیں۔ فاضلوں کو مرہون منت، عالموں کو محبوس دام الفت، لڑکوں کو مقید علمیت، بڈھوں کو ممنون نیک سیرت رکھتے ہیں، انھوں نے از راہ قدر دانی اس کم بضاعت بدقسمت بندہ کمترین کریم الدین کو ارشاد کیا کہ ایک کتاب کتب تواریخ اور چند تذکرہ شعرائے عرب سے اس طرح پر کہ کسی شاعر مشہور کا حال نہ رہ جائے معہ بیان اوس کی تصنیفات --اور تاریخ وفات-- اور حال حیات کے اگر تو قلمبند کرے تو وہ کتاب اہل ہند کو خصوصاً اون لوگوں کو جو شائق تاریخ ہیں، بہت مفید ہوگی۔ بندہ نے حسب الارشاد ایک تذکرہ زبان عربی میں مسمی ''فراید الدہر'' تیرہ صدیوں پر اس طور پر کہ ہر ایک صدی کے شاعر اوسی صدی میں مندرج کر کے طیار کیا۔ جب اوس سے فراغت ہو چکی، صاحب بہادر نے ارشاد کیا کہ اوس کا ترجمہ زبان اردو میں طیار کرتا کہ شعرائے اردو اور باشندگان ہندوستان کو حالات شعرائے عرب اور اون کی عادات اور بود و باش اور فطانت عقل اور تصانیف کتب سے آگاہی ہو جاوے۔ اس لیے بندہ نے یہ ترجمہ اوس اصل کتاب مؤلفہ اپنی سے اردو میں درمیان ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۷ء کے طیار کیا اور نام اوس کا ''تاریخ شعرائے عرب'' رکھا گیا۔''

برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات، دستاویزات اور مسودات کا جو ذخیرہ محفوظ ہے، اس میں کریم الدین پانی پتی کے تین مکتوبات ایسے ہیں، جو انھوں نے مختلف تاریخوں کو آگرہ سے اشپرینگر کو تحریر کیے۔ ان میں پہلا خط اس وقت لکھا گیا (مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۴۸ء)، جب مکتوب نگار کا تقرر آگرہ کالج میں بحیثیت مدرس اول (اردو) ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے۔ دوسرا خط بلا تاریخ ہے، لیکن اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے خط کے تقریباً دو سال بعد یعنی ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا۔ تیسرے اور آخری مراسلے کا سنہ تحریر ۴ جولائی ۱۸۵۲ء ہے۔ کریم الدین کے یہی تین مکاتیب ہیں، جو ذخیرۂ اشپرینگر کے مختلف ڈبوں میں محفوظ ہیں۔ آخری خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۲ء کے بعد اشپرینگر مزید چار سال ہندوستان میں رہا اور کریم الدین پانچ سال آگرہ کالج ہی میں مدرس رہے، لیکن اس عرصے میں ان کے مابین

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خطوط کا تبادلہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے، ان سالوں میں بھی کریم الدین نے اشپرینگر کو خطوط لکھے ہوں، جو ضائع ہو گئے ہوں۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس سنہ یعنی ۱۸۵۲ء کے بعد کریم الدین نے اسے کوئی خط ہی نہ لکھا ہو۔ مراسلت کے اس انقطاع کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اشپرینگر کے تلمیذ خاص مولوی علی اکبر، جو آگرہ کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس اول تھے، کے انتقال (۱۸۵۲ء) کے بعد ان کی خالی جگہ کے خواہشمند تھے، لیکن وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اپنے شعبۂ اردو کو چھوڑ کر شعبۂ عربی میں نہ جا سکے۔ شاید ان کی اس ناکامی کا یہ سبب ہو کہ ان کی عرضداشت کے باوجود اشپرینگر نے اس عہدے کے حصول کے لیے ان کی سفارش نہ کی ہو اور انھیں اس کی عدم دلچسپی کا گلہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کریم الدین کی اپنے رفیق کار مولانا سدید الدین خاں سے ذاتی مخاصمت تھی۔ اشپرینگر جب مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر ہوا، تو اس نے عہدۂ امینی کے لیے مولانا سدید الدین کا انتخاب کیا۔ کریم الدین چاہتے تھے کہ یہ عہدہ ان کے حریف کو نہ مل سکے اور جب تک مولانا سدید الدین کلکتہ روانہ نہیں ہوئے، وہ ان کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ بالآخر مولانا سدید الدین یہ عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آگرہ سے کلکتہ چلے گئے۔ شاید اس بناء پر بھی کریم الدین کو رنج پہنچا ہو اور اس کا اثر اشپرینگر سے ان کے پرانے مراسم پر بھی پڑا ہو اور یوں مکتوب نویسی کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔ علاوہ ازیں سدید الدین خاں کے کلکتہ جانے کے بعد شعبۂ عربی میں مدرس کی جگہ خالی ہوئی۔ کریم الدین نے ایک بار پھر اس شعبہ میں حصولِ ملازمت کی کوشش کی اور اس کے لیے اشپرینگر سے رابطہ قائم کیا، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ۱۸۵۷ء تک شعبۂ اردو ہی سے وابستہ رہے۔

اشپرینگر کے نام کریم الدین کے ان تین مکتوبات کے علاوہ اسی مجموعۂ مکتوبات میں چند ایسے خطوط بھی ہیں، جن میں کریم الدین کا ذکر ملتا ہے[1]۔ ایسی عبارتیں مختصر ضرور ہیں، لیکن ان سے کریم الدین کی زندگی کے بعض نامعلوم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ بعض تحریروں سے بھی کریم الدین کے حالات زندگی اور ان کی چند کتابوں کے متعلق مفید اشارے ملتے ہیں۔ کریم الدین کے ان

۱۔ ان کے حریف مولانا سدید الدین نے اپنے دو مکتوبات میں کریم الدین کا ذکر کیا ہے۔ ایک خط (بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) میں وہ لکھتے ہیں کہ ''ایک پروانہ حضور کا، جو مولوی کریم الدین کے نام کا ملفوف تھا، فدوی نے فوراً ان کے پاس بھیج دیا۔'' دوسرے خط (بابت ۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء) کا متعلقہ حصہ یہ ہے: ''کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لا کر خدمت فیض درجت میں حاضر کروں گا۔'' ان عبارتوں سے متعلقہ تفصیلات سابقہ سطور میں مولانا مملوک العلی نانوتوی اور مولانا سدید الدین کے مراسلات کے تحت درج ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تین مکتوبات بنام اشپرینگر اورنجی کاغذات سے ان کے سوانح حیات اور چند تصنیفات کے بارے میں بعض ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں، جو ان کے تمام تذکرہ نویسوں یا سوانح نگاروں کی نظر سے اوجھل رہیں۔ ان نئی معلومات کا تفصیلی ذکر تو آئندہ سطور میں تشریحاتِ مکاتیب کے تحت ہوگا۔ یہاں ان میں سے صرف چند باتوں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے:

الف۔ مولوی کریم الدین نے اپنی اکثر کتابیں بالخصوص عربی کتب کے اردو تراجم اشپرینگر کی فرمائش پر کیے۔ ان میں چند ایسے ہیں، جن کے ابتدائی یا اختتامی حصوں میں انھوں نے اشپرینگر کا نام یا سیکرٹری سوسائٹی (یعنی ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی) لکھا ہے۔ ایسی کتابوں اور ان کے متعلقہ اقتباسات کا حوالہ مندرجہ بالا سطور میں دیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ کریم الدین کی چند ایسی کتابیں بھی ہیں، جن میں انھوں نے واضح طور پر اشپرینگر یا اس کے کسی عہدہ کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان خطوط سے پہلی بار اس بات کا پتا چلتا ہے کہ یہ کتابیں بھی انھوں نے اشپرینگر ہی کے کہنے پر مرتب یا ترجمہ کیں۔ ایسی کتابوں میں ایک ''شرح مقامات حریری'' اور دوسری ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کی جلد اول ہے۔

ب۔ آگرہ کالج میں ملازم ہونے سے قبل کریم الدین کی تصانیف اور تراجم کا بیشتر حصہ اشپرینگر کی تحریک یا مشاورت کا مرہون منت ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو کا تعلق صرف افسرانہ حکم یا دوستانہ فرمائش تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ کتاب کی ترتیب یا ترجمہ کے دوران میں بھی اشپرینگر مسودات کو دیکھ کر ترمیم و اضافہ کے مشورے دیتا رہتا تھا، حتیٰ کہ کتاب یا ترجمے کی تکمیل کے بعد طباعت کے لیے بھی اسی کا ذاتی اثر و رسوخ کام آتا تھا۔

ج۔ کریم الدین ۱۸۵۷ء کے بعد لاہور آئے اور یہاں کی نظامت تعلیمات سے منسلک ہو گئے۔ وہ اس محکمہ میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور آنے کے بعد وہ زیادہ تر ایسی کتابیں لکھتے رہے، جو طلبہ کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں۔ ان کی اس نقل مکانی کی ایک وجہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے پیدا ہونے والی صورت حال ہو سکتی ہے، لیکن ان کے آگرہ یا دہلی سے ہجرت کر کے سیدھے لاہور آنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ اس کے متعلق اس کا تحریر کردہ پہلا خط راہنمائی کرتا ہے۔ اس خط سے اس بات کا پہلی بار علم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے تقریباً نو سال قبل ۱۸۴۸ء میں بھی انھیں پنجاب آنے اور وہاں سررشتہ داری کا عہدہ سنبھالنے کی پیش کش ہو چکی تھی۔ انھوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا، لیکن سواری کا انتظام نہ ہونے کے باعث وہ لاہور نہ پہنچ سکے۔ آگرہ ہی میں کریم الدین سیکرٹری گورنمنٹ ایلین صاحب کے ہاں پنجاب کے نئے کمشنر پیئرسن صاحب سے مل چکے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں انھیں پھر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سے مالی مصائب نے آن گھیرا اور ان کے لیے آگرہ یا دہلی میں رہنا مشکل ہو گیا تو انھوں نے پنجاب جانے کا پختہ ارادہ کر لیا، کیونکہ انھیں یقین کامل تھا کہ وہاں پیٹرسن یا اس جیسے کچھ انگریز افسران ضرور ہوں گے، جو ان کے روزگار کا مسئلہ حل کرنے میں معاونت کریں گے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شمالی ہند کے کسی مقتدر انگریز افسر نے ان کے لیے سفارش کی ہو۔ ممکن ہے، یہ افسر ایلین ہو اور جس شخص کے پاس انھیں بھیجا گیا، وہ پیٹرسن ہی ہو، کیونکہ کریم الدین کو لاہور آتے ہی جس عہدہ پر مقرر کیا گیا (یعنی سررشتہ داری) وہ وہی تھا، جس کی انھیں ۱۸۴۸ء میں پیشکش ہو چکی تھی۔

د۔ مولوی کریم الدین پانی پتی عربی اور فارسی زبانوں پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ دہلی کالج میں انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ ان کے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' کے سرورق پر مرقوم ہے کہ یہ گارسیں دتاسی کی فرانسیسی ''تاریخ'' (طبع اول، جلد اول، پیرس ۱۸۳۹ء) سے ماخوذ ہے۔ ''طبقات'' گارسیں دتاسی کی اس کتاب کا ترجمہ ہے یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے، البتہ جن فرانسیسی حصوں کو ''طبقات'' میں شامل کیا گیا ہے، ان کا ترجمہ مولوی کریم الدین کے شریک مؤلف ڈاکٹر ایف فیلن کی محنت کا نتیجہ ہے، کیونکہ مولوی صاحب فرانسیسی زبان سے ناواقف تھے۔

عربی، فارسی اور انگریزی کے علاوہ کریم الدین ہندی زبان سے کما حقہٗ واقف تھے اور ان خطوط سے پہلی بار علم ہوتا ہے کہ انھوں نے آگرہ آتے ہی سنسکرت زبان بھی سیکھ لی تھی۔ کریم الدین تاریخ دان، تذکرہ نویس اور مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ لسانیات سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ انھوں نے قواعد، زبان دانی اور صرف و نحو پر کئی کتابیں لکھیں۔ لغت نویسی پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور ان کی مرتبہ ''کریم اللغات'' اب بھی اردو زبان کی معتبر لغات میں شمار کی جاتی ہے۔ ممکن ہے، سنسکرت کی تحصیل ان کے اسی ذوقِ لسانیات کا نتیجہ ہو اور یہ ان کے لیے مختلف ہندوستانی زبانوں کے تقابلی مطالعے میں مددگار ثابت ہوئی ہو۔

ھ۔ اشپرینگر کے دیگر رفقائے کار کی طرح کریم الدین بھی اس کے لیے اہم مخطوطات اور نادر کتب تلاش کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ نجی کتاب خانوں پر نظر رکھتے تھے اور جونہی کسی کتب خانہ کا مالک داعی اجل کو لبیک کہتا، وہ اس کتاب خانہ کی فہرستیں تیار کرتے اور جن کتابوں پر اشپرینگر نشان لگا دیتا، وہ اس کے لیے خرید لیتے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کے دہلی کے بڑے بڑے تاجران کتب سے بھی روابط تھے اور جب بھی ان کے پاس کوئی نادر خطی نسخہ پہنچتا، وہ ان احباب کے ذریعے اشپرینگر کو اطلاع بھجوا دیتے۔ کریم الدین بھی دہلی کے ایسے کتب فروشوں سے واقف تھے اور وہ بھی ان سے اشپرینگر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے لیے مخطوطات خریدتے رہتے تھے۔

ذخیرۂ اشپرینگر کے دوسرے ڈبے میں جو کاغذات موجود ہیں، ان میں ایک چھوٹی سی سلپ ہے۔ اس پر چند قلمی کتابوں کے عنوانات اوران کے مختصر کوائف درج کیے گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخے دہلی کے کسی ایسے کتب فروش کے پاس تھے، جس کو کریم الدین ذاتی طور پر جانتے تھے۔ اس سلپ کے آخر میں اشپرینگر نے اپنے ہاتھ سے یہ انگریزی نوٹ مع تاریخ لکھا ہے:

"Bookseller at Delhie known to Kurumuddeen, Jan. 1848."

د۔ اشپرینگر کے انھی کاغذات میں ایک فہرست مطبوعات ہے، جو اس نے خود مرتب کی تھی۔ اس میں ۱۸۵۵ء سے قبل کی ان مطبوعہ کتابوں کے مختصر کوائف دیئے گئے ہیں، جو شمالی ہند کے مختلف شہروں کے مطابع سے شائع ہوئی تھیں۔ اسی فہرست میں ایک کتاب ''مستھل المقامات بازالۃ الصحوبات'' (عربی) ہے۔ عبدالغفور اور فضل اللہ اس کے شارحین ہیں۔ دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی (صفحات ۳۹۷)۔ مولوی کریم الدین نے اس کتاب کی عربی شرح لکھی، جو اس ایڈیشن کے ساتھ ہی طبع ہوئی تھی۔ اس شرح کو گارسیں دتاسی اور ڈاکٹر محمود الٰہی کی مرتبہ فہارس تالیفات کریم الدین (درج بالا حوالے) میں شامل نہیں کیا گیا۔

ز۔ مولوی کریم الدین نے اشپرینگر کی تجویز پر عربی شعراء کا ایک تذکرہ مرتب کرنا شروع کیا۔ یہ تذکرہ عربی میں لکھا گیا اور اس کا نام ''فرایدالدہر'' رکھا گیا۔ جب اس تذکرے کا عربی متن برائے طباعت تیار ہوا، تو یہ اشپرینگر کی نظر سے گذرا۔ اس نے یہ مناسب سمجھا کہ عربی سے پہلے اس تذکرے کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے، تاکہ اس زبان سے ناواقف لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اسی کے کہنے پر کریم الدین نے اپنے تذکرہ کو اردو میں منتقل کیا۔ اس کے سرورق پر اردو عنوان یعنی ''فرایدالدہر'' کے ساتھ ''تاریخ شعرائے عرب'' بھی لکھا گیا۔ اب یہ تذکرہ اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ اردو ترجمہ دہلی کے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا، لیکن اس کا اصل عربی متن اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔ چنانچہ کریم الدین کے اکثر سوانح نگاروں نے اس عربی متن سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی کی تحریروں سے متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں:

''تذکرہ ''فرایدالدہر'' (عربی) اشاعت پذیر ہوا یا نہیں، اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس کے مطالب و مشتملات کا علم ''تاریخ شعرائے عرب'' سے ہو جاتا ہے، جو مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔'' (بازیافت، ص ۳۸)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''یہ تذکرہ اشاعت پذیر ہوا یا نہیں، یہ الگ سوال ہے۔ جہاں تک اس کے مطالب و مشتملات کا سوال ہے، اس کا علم ہمیں اس کے اردو ترجمے سے ہو جاتا ہے، جو مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے'' (ایضاً، ص ۱۷۲)

''یہ ''فرایدالدہر'' (عربی) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا عربی متن میری نظر سے نہیں گذرا۔''

(خط تقدیر، ضمیمہ ب، ص ۱۵۵، تحتی نوٹ)

اور شان احمد صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

''گمان ہوتا ہے کہ ''فرایدالدہر'' کا عربی نسخہ اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔''

(مولوی کریم الدین، حیات اور کارنامے، ص ۱۵۵)

مولوی کریم الدین کا مرتبہ و مترجمہ تذکرہ بعنوان ''تاریخ شعرائے عرب'' ۱۸۴۷ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا، لیکن اس کا اصل عربی نسخہ قلمی صورت ہی میں رہا اور یہ طباعت کے مرحلہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس عربی متن کے قعر گمنامی میں چلے جانے کا پس منظر یہ ہے کہ جونہی اس کا مبیضہ تیار ہوا، اس کے مرتب یعنی مولوی کریم الدین نے حسب معمول اسے اشپرینگر کی خدمت میں پیش کر دیا، تاکہ وہ اس کو بنظر غائر دیکھ سکے اور اگر کہیں قطع و برید کی ضرورت ہو تو وہ اشپرینگر کی آراء کی روشنی میں مسودے کو درست کر سکیں۔ اشپرینگر نے اس مسودے کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد یہ رائے دی کہ ابھی عربی متن کی اشاعت کو ملتوی کر دیا جائے اور اس کا اردو ترجمہ پہلے شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تجویز کے مطابق کریم الدین اس کے اردو ترجمے میں مصروف ہو گئے اور اس اصل عربی متن کا واحد قلمی نسخہ اشپرینگر ہی کی تحویل میں رہا۔ جب وہ ۱۸۵۶ء میں ہندوستان سے سیکڑوں قلمی نسخوں کو صندوقوں میں بند کر کے جرمنی روانہ ہوا، تو یہ نسخہ بھی وہ اپنے ہمراہ لے گیا۔

اشپرینگر نے جرمنی پہنچتے ہی ان مخطوطات کی ایک فہرست شائع کرائی، جو اس کی ملکیت تھے اور جنہیں وہ معقول قیمت پر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ یہ فہرست اس نے خود مرتب کی اور یہ ۱۸۵۷ء میں گیسن سے طبع ہوئی۔ اس فہرست میں کریم الدین کے تذکرہ ''فرایدالدہر'' (عربی) کو بھی شامل کیا گیا ہے (ص ۲۰، شمارہ ۳۱۵)۔ بعد میں جب اس نے برلین لائبریری کو اپنے تمام عربی، فارسی اور اردو مخطوطات فروخت دیے، تو ان کے ساتھ ہی کریم الدین کے تذکرے کا عربی متن بھی اس کتاب خانے کی زینت بن گیا اور اب یہ برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[1]۔ راقم نے اس کتاب خانے میں کام کرتے ہوئے اس نسخے

۱۔ مشہور جرمن فہرست ساز اہلوارٹ نے انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کتب خانے کے عربی مخطوطات کی فہرست (بزبان جرمن) دس ضخیم جلدوں میں مرتب کی تھی۔ اس میں کریم الدین کے عربی تذکرہ کی چند تفصیلات درج ہیں (جلد ۶، برلین ۱۸۹۲ء، طبع عکسی ۱۹۸۰ء، ص ۵۰۸-۵۰۹)۔ براکلمان نے بھی اپنی (باقی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کو بنظر غور دیکھا اور اس کے متعلق کچھ یادداشتیں قلمبند کر لی تھیں۔ ان کی بنیاد پر اس نسخے کے بنیادی کوائف سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

''فرایدالدہر'' کے اس عربی مخطوطہ کا لائبریری نمبر ۴۳۱ ۷ ہے۔ اوراق کی تعداد ۱۴۷ ہے۔ فی صفحہ ۲۱ سطریں اور سائز ۳/ ۱/۲ ۳۲ × ۲۰، ۲۳ × ۱۱ سنٹی میٹر ہے۔ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، لیکن اشعار خط نسخ میں مرقوم ہیں۔ خوبصورت جلی قلم استعمال کیا گیا ہے اور زیادہ تر عربی اشعار اعراب کے بغیر ہیں۔ کچھ اشعار ناقص ہیں۔ عنوانات اور شعراء کے نام سرخ روشنائی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ ابتدائی صفحات میں بعض جگہوں پر الفاظ اور عبارات کو کھرچ دیا گیا ہے اور اب ان کا پڑھنا مشکل ہے۔ کاغذ دبیز اور ملائم ہے۔ جلد مضبوط اور اس کی پشت چرمی ہے۔ اس کتاب کا سنہ تکمیل ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء ہے، لیکن اس کے آخر میں صاف طور پر ۱۸۵۰ء درج ہے۔

دیباچے میں کریم الدین نے ان مآخذ کا بھی حوالہ دیا ہے، جن سے اس تذکرے کی ترتیب میں مدد لی گئی۔ متعلقہ عبارت یہ ہے:

''ارج الشمیم الحاط النسیم لابن مھیار. حدیقة الارواح لاحمد بن محمد بن ابراھیم الانصاری الیمنی الشروانی. ریحانة الانباء لشھاب الدین الخفاجی. سجع المطوق لجمال الدین ابن نباته المصری. المختصر فی احوال البشر لاسمٰعیل ابی الفدا. المختار فی الآثار والاخبار و ھو تلخیص تاریخ المسعودی والاغانی ۔''(یہ تلخیص ان کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی نے اشپرینگر کے ایماء سے کی تھی۔ اس کا تفصیلی ذکر مولانا کے مکتوبات کے تحت سابقہ سطور میں ہو چکا ہے)۔

اس نسخے میں سرورق موجود نہیں۔ تذکرے کا نام ''فرایدالدہر'' دیباچے میں لکھا گیا ہے (ورق ۹ الف)۔ اسی طرح تذکرہ نگار نے اپنا نام ''کریم الدین بن سراج الدین'' اسی دیباچے میں تحریر کیا ہے (ورق ۳ ب)۔ یہ قلمی نسخہ مندرجہ ذیل عبارت سے شروع ہوتا ہے:

''تاریخ ادبیات عربی'' (بزبان جرمن) میں اس نسخے کا مختصراً حوالہ دیا ہے (جلد دوم، لائیڈن ۱۹۴۹ء، ص ۴۸۰-۴۸۱، نیا صفحہ نمبر ۶۳۲)

اشپرینگر نے اپنی فہرست (۱۸۵۷ء) میں عربی متن کے ساتھ ہی اس کے اردو ترجمے کا بھی مکمل حوالہ دیا ہے (ص ۲۷، شمارہ ۳۱۶) نیز ''فہرست کتاب خانہ ہائے شاہان اودھ'' (انگریزی، جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں بھی اصل عربی متن کے بجائے اسی ترجمے کا ذکر کیا ہے (ص ۱۹۲)۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

"نحمده علی ما علمنا ما لم تعلم و فتهمنا مالم نفهم......اما بعد فانی عبد و مفتقر محتقر محتاج مبتلٍ بما ابتلیت من دھر."

دیباچے میں علم الادب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے (ورق ۵الف)۔اس تذکرہ کوان چھے طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے:

الجاھلون (ورق ۹ب۔۴۳ب،تعداد شعراء ۶۹)

المحضرمون (ورق ۴۳ب۔۶۵ب،تعداد شعراء ۱۹)

الاسلامیون (ورق ۶۵ب۔۸۰ب،تعداد شعراء ۱۷)

المولّدون (ورق ۸۱الف۔۱۱۰ب،تعداد شعراء ۴۰)

المحدثون (ورق ۱۱۱الف۔۱۴۰ب،تعداد شعراء ۵۳)

المتاخرون العصریون (ورق ۱۴۱الف۔۱۴۷ب،تعداد شعراء ۱۵) یہ حصہ نامکمل ہے۔

تذکرہ نگار نے متعدد صفحات خالی چھوڑ دیے ہیں اور ایسے صفحات کی زیادہ تعداد آخری طبقہ میں ہے۔ممکن ہے،تذکرہ نگار کو ان شعراء کے حالات زندگی تفصیلی طور پر درکار رہوں اور ضروری معلومات کی فراہمی کے بعد وہ ان کے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ بحالت موجودہ اس تذکرہ کا آخری شاعر احمد الارجانی ہے۔ترقیمہ درج ذیل ہے:

"منذسنة تصنیف (کذا) و ثمانین و اربعمائته الی آخر عهده و هوسنة اربع و رابعین و خمساة لم یزل۔"

اب کریم الدین کے ان تین مکتوبات کا متن مع تشریحات پیش کیا جاتا ہے، جو انہوں نے ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۲ء کے مابین اشپرینگر کو تحریر کیے:

ا

"غریب پرور سلامت(۱)

جناب عالی! ان ایام میں شرح "مقامات حریری (۲)" کی حضور کی عنایت سے چھپنی شروع ہوئی ہے اور بندہ خیر وعافیت سے ہے۔حضور کی صحت مزاج کی خبر کا خواہاں رہتا ہوں۔

چند روز ہوئے کہ منشی اشرف علی (۳) نے دوسری جلد ترجمہ کتاب ذاکری (۴) کی، جو حضور کی عنایت سے فدوی نے کو منصوری (۵) پر مصر کی کتاب سے اردو ترجمہ کیا تھا، مانگی تھی۔ سو میں نے اس باب

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں پہلے حضور سے یہ عرض کرنا مناسب جانا کہ جلد اول (٦) چونکہ حضور کے روبرو ترجمہ بندہ نے کی تھی اور حضور نے اوس کو صحیح بھی فرمایا تھا، وہ تو بے شک صحیح ہے مگر دوسری جلد بموجب اپنے وعدہ کے فدوی نے آگرہ میں آکر طیار کی (٧) اور جناب پرنسپل بہادر صاحب سے ایک چٹھی لے کر ڈاکٹر جان مرے صاحب سے ملاقات پیدا کی۔ اون صاحب نے ارشاد کیا کہ میں بے شک اس کتاب میں مدد دوں گا۔ گرچہ یہ صاحب عربی نہیں جانتے، مگر اردو کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔ یقین ہے کہ جس مقام پر میں مطلب اون کے سامنے بیان کروں گا، وہ بے شک صحیح کروا دیں گے۔ اگر حضور ارشاد فرماویں تو میں اوس کتاب کو ڈاکٹر جان مرے صاحب کو سنا دوں اور صحیح کرلوں، تاکہ وہ ترجمہ تمام ہو جاوے۔ جو ہدایت ہو، اوس پر عمل کروں۔ امیدوار ہوں کہ حضور بروقت فرصت فدوی کو اس باب میں اپنے مشرف نامہ سے ہدایت فرماویں۔

ماہ گذشتہ میں جناب پیرسن صاحب، جو ڈپٹی کمشنر پنجاب کے مقرر ہوئے ہیں، جناب سی ایلن صاحب سیکرٹری گورنمنٹ کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ مجھ سے اونہوں نے وعدہ سرشتہ داری دینے کا کیا تھا، مگر وہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ سات دن کے عرصہ میں پنجاب داخل ہو۔ مجھ سے بندوبست ڈاک کا نہ ہو سکا، اس لیے رہ گیا۔ یقین ہے کہیں نہ کہیں روزگار معقول آپ کی عنایت سے پاؤں گا (٨)۔ حضور کی جو عنایت میرے حال پر ہے۔ اوس کا شکر پورا ادا نہیں کرسکتا ہوں۔ یہی دعا ہر نماز کے بعد کرتا ہوں کہ پھر میں حضور کی خدمت میں پہنچوں۔

اگر حضور نے کوئی کتاب ''تذکرہ شعراء اردو (٩)'' لکھنؤ میں بہم پہنچائی ہو تو بندہ کو اوس سے اطلاع فرما دیجئے گا۔ اور حضور کے کتب خانہ میں کوئی کتاب اصطلاحات یا ضرب الامثال یا محاورات عرب کی ہو، تو فدوی کو اوس کے نام سے بھی اطلاع فرما دیں (١٠)۔ زوزنی کی کتاب (١١) حضور کے پاس ہے یا نہیں۔ فقط۔

زیادہ آداب

بخدمت جناب میم صاحبہ۔ بہت ادب سے بندہ کی طرف سے سلام نیاز پہنچے اور باوا صاحب کو بھی سلام پہنچے (١٢)۔ فقط۔

عریضہ

کریم الدین

١٠ مئی ١٨٤٨ء''

تشریحات:

١۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے یہ خط اس وقت لکھا جب اشپرینگر فروری ١٨٤٨ء میں ایکسٹرا اسسٹنٹ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ریذیڈنٹ کی حیثیت سے لکھنؤ چلا گیا تھا۔ وہاں اسے شاہانِ اودھ کی کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کی توضیحی فہرست مرتب کرنے کا اہم کام تفویض کیا گیا تھا۔ یہ خط مجموعۂ اشپرینگر کے ڈبہ نمبر ۴ کے پیکٹ نمبر ۲ میں پڑا ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہ لفافہ بھی موجود ہے، جس میں یہ خط بھیجا گیا۔ اس لفافے کے اوپر کریم الدین نے اپنے ہاتھ سے انگریزی میں ''ایم ڈی اشپرینگر، لکھنؤ'' لکھا ہے۔ اس کے ذرا نیچے بائیں جانب کریم الدین نے انگریزی میں اپنا نام لکھا ہے اور اس کے قریب اردو میں ''اشپرینگر صاحب'' درج ہے۔ کریم الدین نے یہ خط اشپرینگر کو آگرہ سے ارسال کیا۔ وہ اس خط میں ایک جگہ ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''دوسری جلد بموجب اپنے وعدہ کے فدوی نے آگرہ میں آکر طیار کی۔'' اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ آگرہ کالج میں ان کا تقرر ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ ویسے اس خط کے لفافے کے ایک کونے میں ۱۲ مئی ۱۸۴۸ء مرقوم ہے اور اس کے ساتھ ''آگرہ'' بھی لکھا ہوا ہے۔ شاید یہ اس خط کی آگرہ سے روانگی کی تاریخ ہو۔

۲۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے ''فہرست تالیفات کریم الدین'' (خط تقدیر، ضمیمہ ''ب'') میں ''شرح مقامات حریری'' کا سنہ اشاعت ۱۸۴۸ء لکھا ہے (ص ۱۵۵)، لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ کریم الدین نے اس خط (بابت ۱۰ مئی ۱۸۴۸ء) میں وضاحت کر دی ہے کہ ''شرح'' کی طباعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس ''شرح'' کا جہاں بھی ذکر ملتا ہے، اس کا سنۂ طباعت ۱۸۴۹ء ہی درج ہے۔ ۱۸۴۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ ''شرح'' دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ ایک سو کی تعداد میں چھپی تھی۔ اس کی قیمت آٹھ آنے تھی اور ۱۸۴۹ء ہی میں اس کے ۵۷ نسخے فروخت ہو گئے تھے (رک: صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات از محمد عتیق صدیقی، ص ۱۸۸) کریم الدین نے اپنے اگلے خط میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ''مقامات حریری'' کی یہ شرح مع متن گورنمنٹ آگرہ کی مالی امداد سے شائع ہوئی تھی۔ جب یہ ''شرح'' طبع ہوئی، کریم الدین آگرہ کالج میں ملازم ہو چکے تھے۔ اس کتاب کی طباعت دہلی میں ۱۸۴۸ء میں شروع ہو چکی تھی۔ ممکن ہے، مالی دشواریوں کی وجہ سے متعلقہ پریس میں کام رک گیا ہو اور کریم الدین کی ذاتی مساعی سے گورنمنٹ آگرہ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی مدد کی ہو۔

اشپرینگر نے بھی اپنی فہرست (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) میں اس ''شرح'' کا سنِ طباعت ۱۸۴۹ء لکھا ہے (ص ۲۷، شمارہ ۱۱۵۱) اور غلطی سے شارح کا نام کریم الدین کے بجائے عبدالکریم لکھ دیا ہے۔ گارساں دتاسی نے بھی اس ''شرح'' کا سنہ اشاعت ۱۸۴۹ء ہی دیا ہے (تاریخ، ۲، ۱۷۔ا، شمارہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۳۲)۔ یہ ''شرح'' اردو میں لکھی گئی۔ اس میں متعدد فرہنگیں بھی شامل ہیں۔ گارسیں دتاسی نے ''شرح'' کے متعلق یہ باتیں ''سلیکشن آف دی ریکارڈز آف گورنمنٹ'' (۱۸۵۴ء، ص ۲۲۵) سے اخذ کی ہیں۔

۳۔ منشی اشرف علی مدرسہ دہلی کے مطبع العلوم کے منیجر تھے۔ یہ وہی مطبع ہے، جہاں سے مولوی کریم الدین کی بیشتر کتابیں طبع ہوئیں۔ اشرف علی بھی اشپرینگر کے مکتوب نگاروں میں ہیں۔ اشپرینگر کے نام ان کے لکھے ہوئے خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۴۔ مولوی کریم الدین نے ''طبقات شعرائے ہند'' میں اس کو اپنی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''یہ ایک ترجمہ زبان اردو میں عربی سے کیا ہے۔ اصل میں وہ ترجمہ عربی بموجب حکم والی مصر محمد علی شاہ کے فرنچ زبان سے طیار ہو کے سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں چھپا تھا۔ میں نے اوس کو اردو میں درمیان کوہستان یعنی کوہ منصوری پر جا کر ترجمہ ۱۸۴۷ء میں کیا۔'' (ص ۳۷۴)

اپنی ایک اور کتاب ''تاریخ شعرائے عرب'' میں وہ بتاتے ہیں:

''کتاب التشخیص ومعالج الامراض بموجب حکم محمد علی بادشاہ والی مصر کے اس شخص (محمد تونسی نے) اب عربی میں لکھ کر چھپوائی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ محمد شافعی افندی نے زبان عربی میں فرانسیسی زبان سے کیا ہے...... اس کتاب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تشخیص امراض میں اور ایک قسم معالجہ امراض میں ہے...... اس کتاب کا ترجمہ اردو میں مَیں نے کیا ہے۔'' (ص ۳۹۴)

حیرت ہے کہ گارسیں دتاسی نے کریم الدین کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست دی ہے (۲: ۱۶۸-۱۷۷) لیکن اس میں ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کو شامل نہیں کیا۔

۵۔ اشپرینگر کی ولادت انسبرک کے قریب ایک چھوٹے سے خوبصورت اور پُرسکون گاؤں ناسیرائیٹ میں ہوئی۔ یہ گاؤں کوہ الپس کے کئی سلسلوں کے بیچ ایک خوش منظر وادی میں واقع ہے۔ وہ انھی بلند و بالا پہاڑوں کی گود میں پروان چڑھا۔ ہندوستان میں وہ جتنے برس رہا، باقاعدگی سے موسم گرما کی تعطیلات گذارنے کسی پہاڑی مقام پر چلا جاتا تھا۔ وہ کوہ پیماؤں کی انجمن کا رکن تھا اور کبھی کبھار کوہ ہمالیہ کی سربفلک بلندیوں کی سیاحت کے لیے دور دراز علاقوں تک نکل جاتا۔ چھٹیاں گذارنے وہ اکثر بیوی بچوں سمیت شملہ یا مسوری کا رخ کرتا۔ وہ وہاں بھی بیکار نہیں بیٹھتا تھا، بلکہ ضروری کتابیں اور کاغذات اپنے ساتھ لے جاتا اور ان صحت افزا مقامات پر اپنا وقت لکھنے پڑھنے میں بسر کرتا۔ اگر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کبھی کام کی زیادتی ہوتی تو وہ اپنے رفیقوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین ۱۸۴۷ء میں اشپرینگر کے ساتھ مسوری گئے تھے اور انھوں نے وہیں بیٹھ کر ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کو مکمل کیا تھا۔

۶۔ اس جلد کا صحیح سنہ طباعت معلوم نہیں۔کریم الدین نے ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ ۱۸۴۸ء) میں اسے اپنی تالیفات میں شامل کیا ہے۔اس لیے یہ یقیناً ۱۸۴۸ء سے قبل شائع ہوئی ہوگی۔ممکن ہے، یہ کتاب ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے مطبع العلوم سے شائع ہوئی ہو۔

۷۔ مولوی کریم الدین نے ''طبقات'' میں اس کتاب کے تحت یہ نہیں بتایا کہ یہ ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کی پہلی جلد ہے۔اس خط سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے یہ ترجمہ دو جلدوں میں کیا تھا۔ پہلی جلد تو ان کے قیام دہلی کے دوران میں طبع ہو گئی تھی، لیکن دوسری جلد انہوں نے اس وقت تیار کی، جب وہ ۱۸۴۸ء میں آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) مقرر ہوئے۔ یہ جلد شائع ہوئی یا نہیں، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ اس ترجمہ کی جلد دوم کا کہیں ذکر نہیں ملتا، اس لیے قرین قیاس یہی بات ہے کہ یہ کسی وجہ سے اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔

۸۔ مولوی کریم الدین کو تقریباً تین سال بیکار رہنے کے بعد اشپرینگر کی لگاتار کوششوں سے آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) کی ملازمت مل گئی، لیکن معلوم ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پنجاب کے ڈپٹی کمشنر پیئرسن سے ملے اور جب اس نے لاہور آنے اور عہدہ سررشتہ داری تفویض کرنے کی پیش کش کی، تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تامل نہیں کیا اور وہاں چلنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ بدقسمتی سے سواری کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے وہ پنجاب روانہ نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود وہ معقول روزگار کے متلاشی رہے اور اشپرینگر کو لکھتے رہے کہ ان کے لیے اسی کالج یا کسی اور درسگاہ میں مناسب انتظام کر دے۔ دراصل کریم الدین ایام بیروزگاری، احباب کی فریب دہی اور پریشان کن نجی حالات سے تنگ آ چکے تھے۔ اسی لیے انھوں نے اشپرینگر کی مہیا کردہ ملازمت کو فی الفور قبول کر لیا اور آگرہ کالج میں اردو کے مدرس اول مقرر ہو گئے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ وہ اسی کالج یا کسی اور مدرسہ کے شعبۂ عربی میں تعینات ہوں۔ اس کے لیے وہ بہت کوشش کرتے رہے، لیکن وہ اس کالج میں اپنی ملازمت کے آخر (۱۸۵۷ء) تک شعبہ اردو سے منسلک رہے۔

۹۔ اس سے مراد تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' ہے، جو اسی سال یعنی ۱۸۴۸ء میں دہلی کے مطبع العلوم سے شائع ہوا تھا۔ ان دنوں اشپرینگر لکھنؤ میں شاہان اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تیار کر رہا تھا۔ چونکہ یہ تذکرہ اشپرینگر ہی کے مشورہ سے تالیف ہوا تھا، اس لیے کریم الدین نے اس خط کے ذریعہ اشپرینگر کو اس کی اشاعت پذیری کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر اسے وہاں اس تذکرہ کے کچھ نسخوں کی ضرورت ہو، تو انھیں لکھ بھیجے، تا کہ وہ ان کی ترسیل کا انتظام کر سکیں۔

۱۰۔ شاید کریم الدین اردو محاورات یا ضرب الامثال پر کوئی کتاب تیار کرنا چاہتے تھے، اسی لیے وہ اس موضوع پر عربی کتابوں کی تلاش میں تھے۔ ان کی تالیفات کی جو فہرستیں طبع ہوئی ہیں، ان میں ایسی کوئی کتاب شامل نہیں، جو اردو ضرب الامثال یا محاورات یا اصطلاحات پر لکھی گئی ہو۔ ممکن ہے انھوں نے اردو میں ایسی کتاب کی ترتیب شروع کی ہو، لیکن بوجوہ ان کا یہ کام ادھورا رہ گیا۔

۱۱۔ اس سے مراد ''کتاب المصادر'' (عربی) ہے، جس کے مؤلف کا نام ابوعبداللہ الحسین بن علی بن احمد الزوزنی (م۔ ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء) ہے۔ اس میں عربی محاورات جمع کیے گئے ہیں اور فارسی میں ان کی تشریح کی گئی ہے۔ رک: براکلمان ۱ (۱۹۴۳ء)، ص ۲۸۸ (۳۴۳)، ذیل ۱: ۵۰۵۔

۱۲۔ کریم الدین کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشپرینگر ہی سے نہیں بلکہ اس کے افراد خانہ سے بھی میل جول رکھتے تھے۔ اس سے کریم الدین اور اشپرینگر کے قریبی تعلقات کا پتا چلتا ہے۔
اشپرینگر کی بیوی کا نام Catharina تھا۔ وہ فرانکفورٹ کی رہنے والی تھی اور اپنے شوہر کی وفات (۱۸۹۳ء) سے چند ماہ قبل انتقال کر گئی۔ اشپرینگر کے نجی کاغذات اور خاندانی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بیٹے تھے۔ ان میں ایک انجینئر تھا۔

۲

''جناب عالی (۱)

بہت دنوں سے ارادہ کرتا تھا کہ حضور کی خدمت میں ایک عرضی متضمن شکر گذاری اور اپنے حال کی لکھوں مگر حضور سفر چین اور کوہستان کو چونکہ تشریف لے گئے تھے (۲)، اس لیے مجبور تھا۔ اب سننے میں آیا کہ حضور کا ارادہ مصمم واسطے جانے بنگالہ کے ٹھہرا ہے (۳)۔ گر چہ حضور سے بہت دوری حاصل ہوئی مگر پھر بھی بلحاظ شفقت اور عنایت حضور کی اپنے تئیں قریب ہی جانتا ہوں اور جیسے حضور سے جدا ہوا ہوں شکر گذاری میں مستغرق ہوں۔

اور حضور کی عنایت سے آگرہ میں آ کر میں نے زبان سنسکرت تحصیل کی اور اب کی بار پھر ''شرح مقامات حریری (۴)'' اچھی طرح پر طیار کرتا ہوں چنانچہ اخیر مقاموں کی شرح بہت مختصر تھی اور بہت بہ سبب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

طوالت کے چھوڑ دی تھی۔اب کی بار زیادہ کی گئی اور از سر نو لغت مستعمل کے شرح چھوڑ دی گئی اور لغت کم مشہور سب لکھے ہیں اور بعض مقام پر بیان اچھا کیا ہے۔مجمل چھوڑ کر مفصل لکھا ہے۔یقین ہے کہ اب کی بار حضور ملاحظہ فرماویں گے،تو بہت خوش ہوں گے۔جو جو نقص حضور نے مجھ سے درمیان ماہ جنوری ۱۸۵۰ء کے دہلی میں بیان کیے تھے،وے سب نکال ڈالے ہیں اور آپ کی مرضی کے موافق اس کو طیار کیا ہے۔چنانچہ اگر حضور مجھ سے نمونہ اوس کا دیکھنے کو طلب فرماویں گے تو میں عرض رکھوں گا مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی عنایت قدیمانہ اور مربیانہ سے اب کے سال گورنمنٹ بنگال میری مدد اس کے طبع میں مثل دینے سال گذشتہ گورنمنٹ آگرہ کے دیں تو بندہ پروری ہوگی اور میں بموجب آپ کے وعدہ کے اپنا وسیلہ حصول درجات میں،جب تک کہ آپ ہند میں تشریف رکھتے ہیں،کسی کو نہیں سمجھتا ہوں۔

اور ان ایام میں بندہ نے سنا ہے کہ مولوی سدید الدین خاں (۵) کو حضور نے مولوی احمد کبیر صاحب مرحوم(۶) کے عہدہ پر مقرر فرمادیا ہے۔چنانچہ وے سب سے یہی بیان کرتے پھرتے ہیں۔سو اگر ایسا ہو تو بندہ مستحق درجہ عربی کالج آگرہ کا ہے۔حضور مجھ کو اطلاع اس کی فرماویں تا کہ میں گورنمنٹ سے درخواست کروں کہ مولوی سدید الدین یہاں کئی ملاحوں سے بھاڑا کشتی کا مقرر کر چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ دس بارہ روز میں سفر کروں گا۔

ان ایام میں بموجب حکم ریڈ صاحب جنرل وزیر اضلاع گورنمنٹ آگرہ کے ایک ڈکشنری اردو اور ہندی کی اس طور پر کہ اول خانہ میں لفظ عربی یا فارسی،جو اردو میں مستعمل ہے،لکھا ہے اور دوسرے خانہ میں اوس کے معنی ہندی بھاشا میں میں نے طیار کی ہے(۷)،اور ایک باغ و بہار ہندی اور اردو کا اس طرح کہ ایک صفحہ پر اردو اوس کی،جو کی ہوئی میر امن دہلوی کی ہے،لکھی ہے اور دوسرے صفحہ میں ہندی میں الفاظ مشکل کو حل کیا ہے(۸)۔یہ بھی بندہ نے طیار کیا ہے اور اسکولوں میں دونوں کتابیں بموجب حکم گورنمنٹ کے جاری ہوں گی۔اگر آپ بنگال میں جا کر''شرح حماسہ''(۹) کو مختصر کروا کے ٹیپ میں چھپوادیں گے تو ان اضلاع کے رہنے والوں اور ہندوستانیوں کو،جو شائق عربی کے ہیں،یہ کتاب بہت مفید ہوگی۔آئندہ جو آپ کی رائے میں آوے وہ سب سے بہتر ہے۔میم صاحبہ کی خدمت میں بہت بہت ''

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے،لیکن بعض قرائن سے اس کے سنہ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔خط کے آخر میں تاریخ کے علاوہ مکتوب نگار نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔مگر اس کے سرسری مطالعہ سے پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مولوی کریم الدین کا تحریر کردہ ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اشپرینگر اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے بعد ۱۸۴۹ء کے اواخر میں فارغ ہوا۔ اسے جب ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ بنا کر لکھنؤ بھیجا گیا تو اس کی جگہ دہلی کالج کے پرانے سربراہ ٹیلر کو اس مدرسہ کا قائم مقام پرنسپل بنایا گیا اور وہ اشپرینگر کی غیر موجودگی میں اسی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ جونہی اشپرینگر کا کام ختم ہوا وہ واپس دہلی آیا اور آتے ہی پھر سے دہلی کالج کے پرنسپل کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس کے دہلی پہنچنے کی تاریخ ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء بتائی جاتی ہے (بحوالہ مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ۱۹۴۵ء، ص ۱۴۸) یہاں آتے ہی اس کی کریم الدین سے ملاقات ہوئی جیسا کہ اسی خط میں وہ لکھتے ہیں کہ ''جو جو نقص حضور نے مجھ سے درمیان ماہ جنوری ۵۰ء کے دہلی میں بیان کیے تھے۔'' تقریباً تین ماہ اشپرینگر دہلی ہی میں رہا۔ ۱۱۹پریل ۱۸۵۰ء کو وہ پہاڑی علاقوں کی سیر و سیاحت کو نکل گیا۔ اسی سال مارچ میں تعلیمی کونسل نے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے لیے انگریز پرنسپل کے تقرر کی تجویز پیش کی اور اس عہدہ کے لیے اشپرینگر کا انتخاب عمل میں آیا۔ اشپرینگر نے اپنی تقرری کی اطلاع ملتے ہی یہ کوشش شروع کر دی کہ دہلی کالج کے کسی تجربہ کار اور محنتی استاد کو اپنے ساتھ کلکتہ لے جائے۔ ان دنوں مدرسہ عالیہ میں حافظ احمد کبیر کے انتقال (۱۸۵۰ء) کے بعد عہدۂ امینی خالی پڑا ہوا تھا۔ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ مولانا مملوک العلی نانوتوی یہ عہدہ قبول کر لیں، لیکن وہ اپنی احتیاط پسندی کی وجہ سے اسے فوراً قبول نہ کر سکے۔ مولانا نے ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کو تھارنٹن کو درخواست بھیجی کہ وہ مشروط طور پر کلکتہ جانے کے لیے رضامند ہیں (رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، شمارہ ۸ مع تشریحات)۔ حکومت نے ان کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی اطلاع اشپرینگر کو بھی کر دی۔ اس کے بعد اشپرینگر نے اسی عہدہ کے لیے آگرہ کے مدرس اول (عربی) مولانا سدید الدین خاں کو منتخب کیا۔ انھوں نے فوراً اس پیشکش کو قبول کر لیا اور انھوں نے ۱۷ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اس عہدہ کے لیے درخواست روانہ کر دی (رک: مکتوبات سدید الدین خاں، شمارہ ۳، بابت ۱۰ جنوری ۱۸۵۱ء)۔ مولانا سدید الدین، مملوک العلی نانوتوی کے استاد مولانا رشید الدین خاں کے فرزند تھے۔ کئی سال تک دہلی کالج ہی میں ان کے رفیق کار بھی رہے۔ مملوک العلی نانوتوی ذاتی طور پر مولانا سدید الدین خاں کو یہ عہدہ ملنے پر خوش تھے۔ جب سدید الدین خاں کلکتہ روانہ ہوئے تو انھوں نے اپنے ایک خط (بابت ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء) میں اشپرینگر کو اس کی اطلاع دی۔ (رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، شمارہ ۹ مع تشریحات)۔ مولوی کریم الدین نے اپنے موجودہ خط میں آگے چل کر لکھا ہے کہ مولانا سدید الدین خاں دس بارہ روز تک کلکتہ جانے والے ہیں، مملوک العلی نانوتوی کے متذکرہ بالا خط (مورخہ ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء) لکھنے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تک مولانا سدید الدین خاں کلکتہ روانہ ہو چکے تھے اور الہ آباد تک پہنچ چکے تھے، لیکن کریم الدین کے اس خط کے مطابق وہ دس بارہ روز تک روانہ ہونے والے تھے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کریم الدین کا یہ مراسلہ فروری ۱۸۵۱ء کے آخر یا مارچ کے شروع میں لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر جتنا عرصہ ہندوستان میں رہا، موسم گرما کی تعطیلات گذارنے مختلف صحت افزا پہاڑی علاقوں کی طرف چلا جاتا تھا۔ ویسے بھی اسے کوہ پیمائی کا شوق تھا۔ وہ ہندوستان کے کوہ پیماؤں کی انجمن کا رکن بھی تھا۔ اس خط سے پہلی بار اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے چین کا سفر کیا تھا اور کوہ ہمالیہ کے دور دراز علاقوں میں بغرض سیر و سیاحت گیا تھا۔ اس سفر پر وہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو روانہ ہوا۔ اس طویل سفر سے وہ کب واپس آیا؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں کچھ کاغذات ایسے بھی ہیں جن پر مختلف عربی اور فارسی خطی نسخوں کی تفصیلات درج ہیں، دو جگہوں پر اس نے اپنے ہاتھ سے ''شملہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۰ء'' اور ''شملہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۰ء'' اختتامی تاریخیں لکھی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضروری کتب اور قلمی نسخوں کے متعلق اپنی یادداشتیں پاس رکھتا تھا اور جہاں اسے وقت ملتا، انہیں ترتیب دیتا رہتا تھا۔

۳۔ مئی ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا (مرحوم دہلی کالج، ص ۱۴۸) لیکن اس نے فوراً وہاں پہنچ کر اپنے عہدہ کا چارج نہیں سنبھالا بلکہ وہ اگلے مہینے پہاڑی مقامات پر کچھ وقت گذارنے چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر اس نے مدرسہ عالیہ کے حالات کا جائزہ لیا اور پھر (غالباً اکتوبر ۱۸۵۰ء) میں چین اور دور افتادہ کوہستانی علاقوں کے سفر پر چلا گیا۔ کریم الدین کی اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اشپرینگر شروع میں دہلی کالج چھوڑ کر کلکتہ جانے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا، لیکن جب وہ ۱۸۵۰ء کے اواخر یا ۱۸۵۱ء کی ابتداء میں طویل سفر کے بعد واپس آیا تو اس نے کلکتہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

۴۔ کریم الدین نے اپنے سابقہ خط میں ''شرح مقامات حریری'' کا ذکر کیا ہے۔ اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۴۸ء میں یہ ''شرح'' زیر طبع تھی۔ یہ اس شرح کی پہلی طباعت تھی، جو ۱۸۴۹ء میں اشاعت پذیر ہوئی (تفصیل کے لیے رک: سابقہ خط کی تشریحات، شمارہ ۱۲) اب تک کریم الدین کے سوانح نگاروں اور ان کی فہرست تالیفات کے مرتبین نے ''شرح مقامات حریری'' کے اسی ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے، لیکن زیر نظر خط سے اس بات کا پہلی بار علم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے آگرہ پہنچتے ہی اس ''شرح'' کی اشاعت ثانی کی تیاری شروع کر دی تھی اور اس کی طبع اول میں جو کمیاں اور اغلاط رہ گئی تھیں، ان کو بھی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دور کر دیا تھا۔ وہ اس مقصد کے لیے جنوری ۱۸۵۰ء کے وسط میں دہلی میں اشپرینگر سے ملے تھے اور اس کی تجاویز کو بھی انھوں نے بوقت نظر ثانی پیش نظر رکھا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کریم الدین کی ''شرح'' کا یہ اصلاح شدہ ایڈیشن کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اسی خط سے ایک اور نئی بات کا پتا چلتا ہے کہ اس ''شرح'' کا پہلا ایڈیشن گورنمنٹ آگرہ کی مالی اعانت سے شائع ہوا تھا اور دوسرے ایڈیشن کے لیے وہ چاہتے تھے کہ اشپر ینگر گورنمنٹ بنگال سے ایسی ہی گرانٹ کا بندوبست کر دے۔ شاید یہ انتظام نہ ہو سکا اور یوں ''شرح مقامات حریری'' کا یہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن مسودے ہی کی شکل میں رہا اور بعد میں ضائع ہو گیا۔

اشپر ینگر نے اپنے ذاتی کاغذات میں ایک جگہ مولوی کریم الدین کی ''شرح مقامات حریری'' (مع متن) کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ان دنوں آگرہ میں زیر طبع ہے۔ غالباً یہ شرح کی طباعت ثانی کی طرف اشارہ ہے جسے ۱۸۵۱ء میں کریم الدین تیار کر رہے تھے، لیکن یہ ''شرح'' کسی وجہ سے طباعتی مراحل طے نہ کر سکی اور نامکمل صورت ہی میں ضائع ہو گئی۔

۵۔ سدید الدین خاں آگرہ میں مدرس اول (شعبہ عربی) تھے۔ دہلی کالج کے پرانے استاد اور معروف عالم رشید الدین خاں کے بیٹے تھے اور حصول تعلیم کے بعد اسی کالج میں استاد بھی رہے، بالآخر اشپر ینگر ہی کی کوششوں سے انہیں بھی آگرہ کالج میں ملازمت مل گئی۔ ان کے تفصیلی حالات اور اشپر ینگر کے نام خطوط سطور بالا میں پیش کیے جا چکے ہیں۔

سدید الدین خاں اور مولوی کریم الدین ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے اور ان دونو کے مکاتیب میں اس بات کا کھل کر اظہار ہوا ہے۔ شاید اس کی کوئی پیشہ وارانہ وجہ یا معاصرانہ چشمک ہو۔ جب اشپر ینگر نے مولانا سدید الدین کو مدرسہ عالیہ کا امین مقرر کیا تو اس عداوت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولوی کریم الدین آگرہ کالج میں اپنی ملازمت (بطور مدرس اول، اردو) سے زیادہ خوش نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کی تقرری شعبۂ عربی میں ہو جائے۔ بار بار اشپر ینگر کو لکھتے رہے کہ وہ اس سلسلہ میں ان کی سفارش کرے، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ۱۸۵۷ء تک اس کالج میں اسی حیثیت (یعنی مدرس اول، اردو) میں تعلیم و تدریس سے متعلق رہے۔

۶۔ یہ مدرسۂ عالیہ میں عہدۂ امینی پر فائز تھے۔ اوائل ۱۸۵۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔ خاصی دیر تک ان کا عہدہ خالی رہا، اشپر ینگر نے اس مدرسہ کا پرنسپل مقرر ہونے کے بعد پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عہدہ کی پیشکش کی، نگران کی رضامندی کے بعد یہ عہدہ مولانا سدید الدین خاں کو تفویض ہوا۔ حافظ احمد کبیر کا تفصیلی ذکر مولانا محمد مظہر نانوتوی کے مکتوبات کے تحت سطور بالا میں ہو چکا ہے (رک: مراسلہ نمبر ا، مع تشریحات)

۷۔ مولوی کریم الدین کی یہ اردو ہندی ڈکشنری ان کی فہرست تالیفات میں شامل نہیں۔ انھوں نے اس لغت کا مسودہ تیار کر لیا تھا، لیکن اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی اور اب یہ بھی ان کے گمشدہ مسودات میں شامل ہے۔ یہ لغت ریڈ (H. S. Reid) صاحب کی فرمائش پر مرتب ہوئی اور اسے چھپنے کے بعد سکولوں کی نصابی کتابوں میں شامل ہونا تھا۔ یہ لغت طبع ہوئی یا نہیں۔ اس کے بارے میں اب کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۸۔ ''باغ و بہار'' (اردو ہندی) بھی کریم الدین کی نامعلوم کتب میں شامل ہے۔ اسے انھوں نے آگرہ میں تیار کیا اور یہ بھی مذکورہ بالا لغت کی طرح اسکولوں کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی تھی۔ ان کی ان دو کتابوں سے ایک تو اس بات کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے کہ وہ ہندی زبان پر کامل عبور رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حکومت برطانیہ کے مقتدر لوگوں نے بہت پہلے مدرسوں میں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کو رواج دینے کی کوششیں شروع کر دی تھیں، تعلیمی سطح پر ان کی یہ کوششیں کچھ سالوں بعد نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ جب اردو اور ہندی کا تنازعہ شروع ہوا۔

۹۔ اس کے شارح بھی شاید مولوی کریم الدین تھے، لیکن اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان سطور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح پہلے دہلی یا آگرہ سے چھپ چکی تھی اور اب ان کی خواہش تھی کہ اس کی تلخیص ٹائپ میں کلکتہ سے بھی شائع ہو اور اس کے لیے اشپرینگر ان کی مدد کرے، لیکن وہ اس کی طباعت میں بھی ان کی حسب توقع اعانت نہ کر سکا۔

۳

''غریب پرور سلامت

حضور کو اپنا محسن اور فریاد رس جان کر موافق ہمیشہ کی عادت کے عرض کرتا ہوں کہ اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں بسبب فوت ہونے مولوی علی اکبر (۱) کے خالی ہو گیا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ میں مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدہ کے واسطے میں نے مدرسہ کی نوکری اختیار کی تھی (۲) اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں کہ مولوی علی اکبر نے سب کتابیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صرف ونحو، منطق و معانی اور فلسفہ اور ادب کی مجھ سے پڑھی تھیں (۳)۔ صرف ایک ''ہدایہ'' اور ''حماسہ'' اور حدیث اوس نے کالج دہلی میں پڑھی ہے (۴)۔ اور یہ بھی میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور حضور ہندوستان میں ہیں، بلحاظ قدر علمی اور احسان کے حضور میرے مددگار ہیں، لہٰذا اب پھر امیدوار آپ کی عنایت اور کرم سے اس بات کا ہوں کہ میرے واسطے گورنمنٹ کو ایک چٹھی واسطے پانے اس عہدہ کے اگر حضور سے مرحمت ہو تو تادم زیست احسان مند اور ممنون حضور کا رہوں گا۔

اور میرے باب میں جو مولوی سدید الدین خاں صاحب کچھ ارشاد کریں تو حضور باور نہ فرماویں کیونکہ میں پہلے اون کے باب میں عرض کر چکا ہوں کہ وے مجھ سے عداوت رکھتے ہیں (۵)۔ فقط

بخدمت میم صاحب نہایت عجز و انکسار سے سلام نیاز پہنچے۔ باوا صاحب کو دعا۔

میں بہت آرزو سے اور عجز سے امیدوار ہوتا ہوں کہ اب کی بار میرے واسطے حضور اس کی سعی فرماویں۔

عرضی

کریم الدین

مدرس اول کالج آگرہ

۴ جولائی ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ ان کا انتقال ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو ہوا، چنانچہ مولانا محمد احسن نانوتوی اپنے خط بابت ۲ جولائی ۱۸۵۲ء میں اشپرینگر کو اطلاع دیتے ہیں ''تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا۔'' (رک: بذیل مکتوبات احسن نانوتوی، سطور بالا)

مولوی علی اکبر نوجوانی میں فوت ہوئے۔ وہ اشپرینگر کے انتہائی قریبی رفقائے کار میں سے تھے اور وہ اس کی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کا بیحد معترف تھا۔ اس کی سفارش پر علی اکبر کو آگرہ کالج میں مدرس اول عربی کی ملازمت حاصل ہوئی۔ علی اکبر کے حالات اشپرینگر کے نام مکتوبات کے لیے دیکھیے آئندہ سطور۔

۲۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کریم الدین نے آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) کی ملازمت بحالت مجبوری قبول کی تھی اور ان کا اصل مقصد اسی کالج کے شعبۂ عربی میں تقرری تھا۔ اس شعبے سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جب مولانا سدید الدین خاں رخصت ہوئے تو انھوں نے اس کے حصول کی سعی کی اور جب اس ...
اگلے سال اس شعبہ کے مدرس علی اکبر فوت ہوئے تو پھر وہ اس عہدہ کے امیدوار تھے، لیکن شاید ...
اشپرینگر کے عدم تعاون کے سبب شعبۂ عربی میں تعلیم و تدریس سے محروم رہے۔ جو اس مرے گی ...
کے بعد اس خالی عہدہ کے لیے مولانا محمد احسن نانوتوی بھی درخواست گذار تھے، لیکن انھیں بھی یہ
ملازمت نہ مل سکی اور ان کا تقرر ...
(عربی) کون سا مقرر ہوا اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔

۳۔ یوں علی اکبر بھی کریم الدین کے تلامذہ میں سے تھے ... وہ تاریخ میں کریم الدین ...
کی حیثیت سے اردو کی تعلیم اور تدریس اور تصنیف و تالیف ہی میں مصروف رہے ...
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی زبان و ادب اور علوم متداولہ ...
وجہ تھی کہ وہ اس کالج کے شعبۂ عربی میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ...
وہ اس شعبہ میں بہتر طور پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

۴۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی اکبر دہلی کالج کا طالب علم تھا ... کریم الدین سے ...
حاصل کرتا تھا۔ کریم الدین اس کالج کے طالب علم تو ضرور تھے، لیکن وہ بھی ...
ذاتی تعلق کی بنا پر اسے اپنے گھر پر پڑھاتے تھے۔ ممکن ہے ...
بے روزگار تھے اور اپنے ان کٹھن ایام کو تصنیف و تالیف اور تجارت ...

۵۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مولانا سدید الدین خاں اور مولوی کریم الدین ...
کی وجہ کیا تھی؟ قرین قیاس یہی امر ہے کہ اس عداوت کا سبب وہ عہدہ تھا ...
مولانا سدید الدین خاں ... (ملاحظہ) ... اپنے ...
الدین کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر ...
بھی بھیجتا کرتا تھا اور وہ فوراً ...
بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اشپرینگر ...
کتابیں منگوایا کرتا (رک ایضاً نمبر ۲ بابت ۱۹ ستمبر ۱۸۵۰ء)۔ ... سدید الدین ...
کی موت ملتی ہے۔ مولوی کریم الدین سے ان کے اختلافات ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اشپر ینگر کو لکھتے ہیں کہ ''فدوی نے بموجب ایما کے پہلے سے سامان سفر کا تیار کر رکھا ہے اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی ہے، ورنہ یہاں سب لوگ فدوی سے کہتے تھے کہ وہ عہدہ تم کو نہیں ملے گا۔ ناحق تیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا۔'' (بابت ۱۰ جنوری ۱۸۵۱ء)۔ان ''سب لوگوں'' میں کریم الدین بھی ضرور شامل ہوں گے۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولوی محمد سدید الدین خاں

مولوی محمد سدید الدین دہلوی اپنے علم و فضل کے اعتبار سے موجودہ مکتوب نگاروں سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ وہ دہلی کالج کے متعلم تھے اور پھر کئی سال تک اسی کالج میں معلم رہے۔ بعض دیگر مدارس میں بھی مدرس عربی کی ذمہ داریاں سنبھالے رکھیں۔ چند کتابیں تالیف کیں۔ بعض عربی کتابوں کے اردو ترجمے کیے اور بعض کے متن ترتیب دیئے، لیکن حیرت ہے کہ کتب رجال یا علماء کے تذکروں میں ان کے حالات تفصیل سے نہیں دیئے گئے۔ حتیٰ کہ جن درس گاہوں میں وہ پڑھاتے رہے یا ان کے انتظام و انصرام میں مصروف رہے، ان کی تواریخ میں مولوی صاحب کا نام تک نہیں ملتا۔ سطور ذیل میں مولوی محمد سدید الدین کے جو مزید حالات دیئے جا رہے ہیں، وہ ذخیرۂ اشپرینگر کی بعض دستاویزات سے اخذ شدہ ہیں یا ان کے اپنے مکتوبات بنام اشپرینگر (تعداد پانچ) سے لیے گئے ہیں۔ سابقہ مکتوب نگاروں کی طرح وہ بھی اشپرینگر سے بہت قریب تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو اشپرینگر کا ''فدوی قدیمی'' اور ''خیر خواہ صمیمی'' لکھتے ہیں۔

مولوی محمد سدید الدین کے والد کا نام محمد رشید الدین خاں دہلوی [1] اور دادا کا نام امین الدین [2] تھا۔ ان کے آباؤ اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور پھر اسی شہر میں مستقلاً بس گئے [3]۔ مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی سدید الدین کے اقربا میں سے تھے، کیونکہ ان کے بزرگ بھی غالباً اسی زمانے میں کشمیر سے نقل مکانی کر کے دہلی میں آباد ہوئے تھے [4]۔ سدید الدین کے والد رشید الدین کا ... دہلی

۱۔ تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی، ترتیب و ترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۱۷۵۔ اضافہ از مترجم۔

۲۔ بن وحید الدین بن عبدالسلام (نزہتہ الخواطر ۷: ۱۷۷)

۳۔ عبدالسلام پہلے شخص تھے، جو کشمیر سے دہلی آئے (ایضاً)

۴۔ علم و عمل (وقائع مولوی عبدالقادر) ترجمہ و ترتیب محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء، جلد اول، ص ۲-۴-۲۰۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہیں بلند مقام تھا اور انھوں نے خاندان ولی اللہی سے براہِ راست کسب فیض کیا تھا[1]۔ وہ دہلی کالج میں پہلے مدرس عربی مقرر ہوئے (۱۸۲۵ء) اور اپنی وفات (۱۸۴۷ء) تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ ان کی اولاد کی پوری تفصیل تو نہیں ملتی، لیکن ان کے بیٹوں میں ایک تو یہی مولوی سدید الدین ہیں اور دوسرے بیٹے کا نام مولوی مؤید الدین تھا۔ مؤخر الذکر غالبًا چھوٹے بیٹے تھے۔ وہ بھی عربی پر عبور رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے اسی زبان میں رد نصاریٰ کے موضوع پر ایک کتاب زیر عنوان ''تشخیص المقال'' لکھی جس کا اردو ترجمہ ان کے فرزند مولوی سید محی الدین خاں نے کیا (مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۰۰ء)[2]۔

مولوی سدید الدین دہلی کالج میں داخل ہوئے، ان کے اساتذہ میں ان کے والد رشید الدین اور مولانا مملوک العلی شامل تھے۔ تعلیم مکمل کرتے ہی مولوی صاحب کا ۳۰ اکتوبر ۱۸۳۰ء کو اسی کالج کے شعبہ عربی میں تقرر ہو گیا[3]۔ وہ کئی برس تک اسی شعبہ میں پڑھاتے رہے۔ مولوی عبدالحق نے ۱۸۴۳ء میں دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی کے اساتذہ، ان کے طالب علموں کی تعداد اور نصابی کتب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مملوک العلی، قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی سید محمد کے ناموں کے ساتھ مولوی سدید الدین کا نام بھی شامل ہے[4]۔ اس

۱۔ ان کے تفصیلی حالات مولانا مملوک العلی کے حالات کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔ نیز یہ حالات کے لیے رک: فرائد الدہر از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۷ء۔ نزہتہ الخواطر ۷: ۱۷۷-۱۷۸؛ ابجد العلوم از صدیق حسن خاں، طبع عکسی، لاہور ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۲۴۷، اسٹوری ۲: ۴۶۹-۴۷۰۔ علم ہیئت اور علم ہندسہ میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ رک:

Gulfishan Khan: "Ulama and the Delhi Madrasah. Some early colonial experiences", in: Abdul Ali & Zafarul Hasan (eds.): *Role of the Muslims in the Freedom Movement of India*. Aligarh 2007; ibid.: "An overview of the Scientific Thought and Technology in the Subcontinent during 18-19th Centuries", in: *Insights*, 1/iv (2009), "Scientific Education at the Delhi College", pp. 64-70.

۲۔ رک: فرنگیوں کا جال از امداد صابری، طبع جدید، دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۴۳۶-۴۳۷

۳۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۱۷۳، بحوالہ رپورٹ جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن، بابت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء

۴۔ مرحوم دہلی کالج طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۶۷، لیکن صاحب کتاب نے جہاں اس شعبہ کے اساتذہ کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں وہاں سدید الدین کا ذکر نہیں کیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سال یعنی ۱۸۴۳ء میں مولوی سدید الدین کی جماعت میں دس طلبہ تھے۔ اس کے بعد دہلی کالج سے ان کا تعلق منقطع ہو گیا۔ انھوں نے یہ ملازمت کب اور کیوں چھوڑی؟ ان سوالوں کا حتمی جواب دینا مشکل ہے۔ انھوں نے اپنے ایک خط بنام اشپرینگر (بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) میں عجیب حادثات میں مبتلا رہنے اور اپنی طویل علالت کا ذکر کیا ہے، ممکن ہے یہی اسباب ان کی ملازمت چھوڑنے کا باعث بنے ہوں۔ ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیر تعلیم طلبہ کے جس رجسٹر کا سطور بالا میں اکثر حوالہ دیا گیا ہے، اس میں سدید الدین کا نام بطور استاد عربی شامل نہیں۔ اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء سے قبل دہلی کالج کی ملازمت چھوڑ چکے تھے۔

مولوی سدید الدین باا ثر شخص تھے اور ہنری ایلیٹ، لفٹننٹ گورنر اور محکمہ تعلیم کے اعلیٰ [illegible] کے ساتھ ان کے مراسم تھے، لیکن اشپرینگر کے ان سے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ یہ انھی تعلقات کا نتیجہ [illegible] اشپرینگر نے انھیں مدرسۂ آگرہ میں مدرس عربی کی ملازمت دلوادی[1]۔ مولوی صاحب نے اشپرینگر کے نام [illegible] پانچ خطوط میں پہلا خط ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء کا تحریر کردہ ہے اور یہ آگرہ سے ارسال کیا گیا۔ اشپرینگر [illegible] کو دہلی سے لکھنؤ روانہ ہوا۔ ممکن ہے، اپنی روانگی سے قبل اشپرینگر نے مولوی صاحب [illegible] کروادیا ہو۔ شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے بعد مئی ۱۸۵۰ء میں اسے مدرسہ [illegible] پرنسپل مقرر کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا۔ اس مدرسہ میں حافظ احمد کبیر کے انتقال (اوائل ۱۸۵۰ء) [illegible] خالی تھا، چنانچہ اس کے لیے اس نے موزوں شخص کی تلاش شروع کی۔ پہلے [illegible] پیشکش کی، لیکن وہ اپنی مجبوریوں کے سبب دہلی کالج چھوڑ کر [illegible] سدید الدین کو ہوئی۔ انھوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور ۔۔۔ ۱۸۵۰ء [illegible] چٹھی کے ہمراہ متعلقہ افسروں تک پہنچا دی۔ اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی سے یہ [illegible] ۱۸۵۱ء کو مولوی سدید الدین کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ انھیں مدرسہ عالیہ (کلکتہ) [illegible] منتخب کر لیا گیا ہے۔ وہ سامانِ سفر باندھ کر فوراً روانہ ہوئے[2] اور اپنے عہدے [illegible] انتظامی امور کو سلجھانے میں مصروف ہو گئے[3]۔ انھی دنوں اشپرینگر نے [illegible]

۱۔ برکات علی اپنے ایک خط (بلا تاریخ) میں لکھتے ہیں: "[illegible] خاں اور ابوالحسن اور مولوی علی [illegible] مقرر فرمایا۔"

۲۔ مکتوب ابوالحسن بنام اشپرینگر، بابت ۔۔۔ ۱۸۵۱ء [illegible] سدید الدین خاں یہاں سے کلکتہ تشریف لے گئے۔"

۳۔ ذخیرۂ اشپرینگر [illegible]

۹

بنیادی تبدیلیوں کا پروگرام بنایا اور انہیں کونسل آف ایجوکیشن کی پیشگی منظوری کے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس پر مدرسہ میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور نظم و ضبط اس قدر بگڑ گیا کہ طالب علموں کو قابو میں رکھنے کے لیے پولیس بلانا پڑی[1]۔ بالآخر یہ تنازعہ ختم ہو گیا، لیکن شاید طالب علموں کے مطالبہ پر مولوی سدید الدین کو عہدۂ امینی سے الگ ہونا پڑا۔ کیونکہ مدرسہ کے تمام انتظامی معاملات کے وہی ذمہ دار تھے اور طلبہ بھی تمام زیادتیوں کے انھی کو ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ یہاں سے تو وہ فارغ ہو گئے، لیکن اشپرینگر نے اپنے اس پرانے ساتھی کو ضلع ہوگلی کے مدرسہ چنسرہ (Chinsurah) میں ملازم کرا دیا۔ اشپرینگر کی ہندوستان سے روانگی (۱۸۵۶ء) تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد وہ رامپور چلے آئے اور خلد آشیاں نواب کلب علی خاں (۱۸۶۵ء-۱۸۸۷ء) نے ان کے علم و فضل کی بڑی قدر افزائی کی[2]۔ ان کے دور میں وہ حاکم مرافعہ[3] اور افسر تعلقات عامہ کے عہدوں پر فائز رہے[4] اور وہاں کے معروف علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا[5]۔ مولانا کا انتقال کب ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

اشپرینگر کے مکتوب نگاروں میں ایک نام اشرف علی کا ہے۔ ان کے دو خطوں (بلا تاریخ) میں سدید الدین کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''سو جناب عالی ایک نسخہ ''ربیع الابرار'' کا مولوی مؤید الدین، جو کہ مولوی سدید الدین خاں کے

ہے اور ہر امیدوار نے آخر میں اپنا نام لکھا ہے۔ یہ پرچے مولوی سدید الدین کے دیکھے ہوئے ہیں، کیونکہ انھوں نے ہر پرچے کی دوسری جانب امیدوار کا نام خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی انتظامی ذمہ داریوں کے علاوہ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے تھے یا ان میں پرنسپل کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اسی ڈبہ میں دو صفحات پر ''حساب مصارف صاحب بہادر'' کے عنوان کے تحت اخراجات کی تفصیل درج ہے اور آخر میں سدید الدین نے اپنے دستخط کیے ہیں۔

۱۔ رک: ہسٹری آف دی کلکتہ مدرسہ از ایس، سی، سانیال در: بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ، جلد ۸، سلسلہ وار نمبر ۱۵ (جنوری تا مارچ ۱۹۱۴ء)، ص ۹۸

۲۔ نزہتہ الخواطر ۷: ۱۹۳

۳۔ یہ ریاست رامپور کا ایک عدالتی عہدہ تھا اور اس کا فرض فوجداری مقدمات کی سماعت تھا۔

۴۔ حقیقت رامپور از محمد اکرام عالم، بدایوں ۱۹۴۰ء، ص ۳۷

۵۔ اخبار الصنادید از نجم الغنی رامپوری، جلد دوم، لکھنؤ ۱۹۱۸ء، ص ۲۰۳۔ تذکرہ کاملانِ رامپور مرتب احمد علی شوق، ص ۷۴، مطبوعہ پٹنہ۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بھائی ہیں، اون کے ہاں میں نے سنا ہے کہ ہے۔ تو اب یہ عرض ہے کہ حضور ایک خط مولوی سدید الدین خاں کے نام اس عرضی کے جواب کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ اوس کی درستی کروں۔''

''مولوی سدید الدین خاں صاحب کی طرف دو سو چالیس روپے مع اصل اور سود کے ہیں۔ حضور کی ادنیٰ توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں۔''(۱)

مولوی سدید الدین خاں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مختلف مدارس کی ملازمت میں گذارا۔ ان کی تدریسی اور انتظامی مصروفیات نے انہیں تصنیف و تالیف کی زیادہ مہلت نہیں دی۔ اس کے باوجود چند کتابوں کی تالیف، ترجمہ اور ترتیب میں ان کا نام ملتا ہے۔ ان چند کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) انتخاب ترجمہ حکایات الف لیلہ: اس انتخاب کا حوالہ گارسیں دتاسی نے دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مولوی سدید الدین خاں ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں استاد تھے۔ وہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے مولوی جعفر علی جارچوی اور مولوی حسن علی خاں کے اشتراک سے الف لیلہ کی منتخب داستانوں کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ دہلی سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا (صفحات ۵۹۵)۔ مدرسہ دہلی کے ان معلمین کا یہ اردو ترجمہ دیا شنکر نسیم اور شمس الدین احمد کے تراجم الف لیلہ سے بالکل مختلف ہے۔ مولوی سدید الدین اور ان کے رفقاء نے عربی اشعار کا ترجمہ بھی اردو اشعار میں کیا ہے(۲)۔ اس ترجمے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں مولوی صاحب جس جماعت کو پڑھاتے تھے، اس کے نصاب میں الف لیلہ کی جلد اول شامل تھی(۳)۔ بالعموم ایسے تراجم ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوتے تھے، لیکن حیرت ہے کہ مولوی عبدالحق نے اس سوسائٹی کے تراجم اور تالیفات (تعداد ۱۲۸) میں الف لیلہ کے اس ترجمہ کو شامل نہیں کیا(۴)۔ البتہ اشپرنگر کے دور میں اس سوسائٹی کی کتابوں کی جو فہرست (تعداد ۵۹) شائع ہوئی تھی، اس میں ''الف لیلہ'' شامل ہے(۵)۔

۱۔ مکتوب نگار اشرف علی دہلی کالج کے مطبع العلوم کے مہتمم تھے۔ کالج کے بیشتر اساتذہ اس مطبع کے حصہ دار تھے۔ شاید مولوی سدید الدین بھی اس میں حصہ دار ہوں۔ بعد میں اس مطبع کا کام مندا پڑ گیا۔ اشرف علی نے اپنے مکاتیب میں اس بات کا بار بار ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے اس شراکت کے زمانے کی کوئی رقم مولوی سدید الدین کے پاس رہ گئی ہو جس کا مطالبہ مع سود اس خط میں کیا گیا ہے۔

۲۔ تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی)، جلد سوم، ص ۱۵

۳۔ مرحوم دہلی کالج میں، ص ۶۷

۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹-۱۴۵

۵۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ دوم (جولائی تا دسمبر ۱۸۴۵ء)، ص ۱۱۰ (بابت اگست ۱۸۴۵ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(ب) تاریخ آگرہ: گارساں دتاسی نے اپنے تیسرے خطبہ (بابت ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء) میں اس تاریخ کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی (۱)۔ مولوی سدید الدین نے یہ تاریخ اس وقت لکھی، جب وہ آگرہ کالج میں مدرس عربی تھے۔ آگرہ کے مطبع اکبری سے یہ تاریخ شائع ہوئی اور اس کے مالک شیخ خادم علی نے ۱۸۴۹ء میں اس کے ڈھائی سو نسخے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے فروخت کیے (۲)۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (لاہور) میں اس تاریخ کا یہ ایڈیشن موجود تھا، لیکن اب دستیاب نہیں، البتہ اس کا لائبریری کارڈ محفوظ ہے۔ اس کارڈ پر عنوان ''تواریخ آگرہ'' درج ہے۔ اسے کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ بتایا گیا ہے اور اس کا سنہ اشاعت ۱۸۴۸ء مرقوم ہے۔ برٹش میوزیم کے ایک مخطوطہ (نمبر ۱۱ او۔ آر ۱۷۶۳) میں اس تاریخ کو شامل کیا گیا ہے۔ ورق ۴۴۱-۴۷۷) ابتدائی چار صفحات کم ہیں (۳)۔

(ج) الاتقان فی علوم القرآن از السیوطی، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء۔ اس کا متن مولوی سدید الدین خاں اور بشیر الدین نے مرتب کیا تھا اور اشپرینگر نے اس کا تجزیہ کیا تھا۔

ذیل میں مولوی سدید الدین خاں کے پانچ خطوط بنام اشپرینگر شائع کیے جا رہے ہیں:

۱

''بندگان متعالی غریب پرور معدلت گستر، نوشیروان زمان، حاتم دوراں جامع کمالات الممکنہ نوع الانسان دام اقبالہم۔

بحضور   میر سانڈ

بہت عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا آیا۔ اس فدوی قدیمی اور خیر خواہ صمیمی کو سرفراز اور ممتاز کیا۔

غریب پرور! جب حضور دہلی سے لکھنؤ کو تشریف لے گئے تھے (۱)، فدوی نے ایک عرضی حضور میں روانہ کی تھی۔ بعد ازاں فدوی عجیب حادثوں میں مبتلا رہا۔ مدت تلک اس قدر بیمار رہا کہ ایسی بیماری فدوی نے

۱۔ خطبات گارساں دتاسی، مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، ص۲۳۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص۱۵۴۔

۳۔ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم، ۳: ۲۸ الف، مارشل، ص۲۲۴۔

برٹش میوزیم کے فہرست نگار چارلس ریو نے اسے عمارات آگرہ کی اردو تاریخ لکھا ہے۔ اس کا سنہ اشاعت ۱۸۴۹ء درج ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کبھی نہیں اوٹھائی تھی۔ اب عنایت الٰہی سے تندرست ہوں اور حضور کی دعائے دولت میں مشغول ہوں، اور حال حضور کی خیر و عافیت کا ہمیشہ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر سے دریافت کرتا رہتا تھا۔ اور جناب منڈلٹن (۲) صاحب سے ہمیشہ حضور کی خیر و عافیت پوچھتا رہتا تھا۔ مجکو حضور سے جو محبت صادقہ ہے، خدا خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو، کہ قدردان اہل علم کے اور شریف نواز ہیں، سلامت رکھے۔

اس عرصہ میں فدوی کو ایک کتاب ابوالفضل بیہقی (۳) کی، کہ سلاطین غزنویہ کے حال میں خوب تاریخ اور بہت معتبر کتاب ہے اور جناب الیٹ (۴) صاحب بہادر کو مدت سے اس تاریخ کی تلاش تھی، ایک جلد اوس کی، جو فدوی کو بہم پہنچی تھی، شملہ پر الیٹ صاحب کے پاس روانہ کر دی۔ اور کوئی کتاب جدید اس عرصہ میں فدوی کی نظر سے نہیں گذری۔ جس وقت بہم پہونچے گی، اوس کی اطلاع حضور میں کروں گا۔

ایک پروانہ حضور کا، جو مولوی کریم الدین (۵) کے نام کا ملفوف تھا، فدوی نے فوراً اون کے پاس بھیج دیا۔ امیدوار حضور کی تفصلات سے ہوں کہ ہمیشہ حضور فدوی کو عالم دوری میں مکارم اور تفصلات سے یاد فرماتے رہیں اور اپنا خادم خاص اور جاں نثار صمیمی تصور فرماتے رہیں۔ زیادہ حد ادب۔ فقط۔ آفتاب دولت کا تاباں رہے۔

سدید الدین
مدرس عربی مدرسہ آگرہ
۲۹ مئی ۱۸۴۹ء۔"

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کو فروری ۱۸۴۸ء میں دہلی کالج سے تبدیل کر کے لکھنؤ بھیج دیا گیا، تاکہ وہ وہاں شاہان اودھ کے کتب خانوں کے مخطوطات کی فہرست مرتب کر سکے۔ مولوی سدید الدین نے اس وقت اشپرینگر کو جو خط لکھا، وہ موجودہ خطوط میں شامل نہیں۔

۲۔ جیمز مڈلٹن (Middleton) مدرسہ آگرہ کا پرنسپل تھا۔

۳۔ "تاریخ بیہقی" کا یہ قلمی نسخہ، جو مولانا سدید الدین خاں نے ایلیٹ کو دیا تھا، اب برٹش میوزیم میں موجود ہے (نمبر اوآر ۱۹۲۷)۔ اوراق کی تعداد ۳۰۱۔ خط نستعلیق اور سترھویں صدی عیسوی میں اس کی کتابت ہوئی۔ اس کی ابتدائی اور اختتامی عبارتیں مطبوعہ متن (کلکتہ ۱۸۶۲ء) سے مطابق ہیں۔ پہلے صفحہ پر کال محمد زاہد کا ایک فارسی نوٹ منقول ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ اس نے یہ نسخہ ۱۰۶۲ھ میں شاہجہان آباد سے پندرہ روپے میں خریدا تھا۔ اس قلمی نسخے میں دو اور خط بھی ہیں۔ یہ دونوں خط ۲۱ مئی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۸۴۹ء کو ایلیٹ کے نام لکھے گئے۔ ایک خط ثناء الدین احمد بدایونی کا ہے۔ یہ نسخہ اسی شخص کی ملکیت تھا اور مولانا سدید الدین نے یہ اسی سے حاصل کیا تھا۔ دوسرا خط مولانا سدید الدین خاں کا تحریر کردہ ہے، جس میں انھوں نے ایلیٹ سے یہ نسخہ خریدنے کی سفارش کی ہے (بحوالہ ریو۳: ۹۰۳)

۴۔ ہنری ایلیٹ (م-۱۸۵۳ء) اس دور کا ایک اہم عہدہ دار اور معروف مؤرخ، جس کی ''تاریخ ہند'' (۸ جلد) اب بھی بنیادی تاریخی مصادر میں شامل ہے۔ اشپرینگر کی طرح اسے بھی مخطوطات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، لیکن اس کی دلچسپی زیادہ تر تاریخی کتابوں سے تھی۔ بہت سے لوگ ایلیٹ کو بھی قلمی نسخے مہیا کرتے تھے۔ انھی لوگوں میں ایک مولانا سدید الدین بھی تھے۔

۵۔ مولانا کریم الدین پانی پتی، ان کے خطوط مع حالات گذشتہ سطور میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ ان دنوں وہ بھی مولانا سدید الدین کے ساتھ آگرہ کالج ہی میں پڑھاتے تھے۔

۲

''بندگان عالی متعالی، غریب پرور معدلت گستر، خداوند نعمت دام اقبالہم

بعد عرض میر ساند

نمک خوار قدیمی بہت عجز و نیاز سے آداب اور تسلیمات بجا لا کر عرض کرتا ہے کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا مورخہ ۳ ستمبر ۱۸۵۰ء فدوی کے پاس ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو پہونچا، سرفراز اور ممتاز کیا۔ فدوی حضور کی تفضلات اور مکارم کی شکر گذاری کیونکر کرے کہ حضور کی پرورش اور مہربانی اس قدر ہے کہ فدوی جس قدر سپاس گذاری کرے، وہ تھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے کہ فدوی صرف حضور ہی کا متوسل ہے۔

اور ۱۷ تاریخ ماہ ستمبر ۱۸۵۰ء کو فدوی نے اپنی درخواست معہ چٹھی سفارش حضور کی روانہ کلکتہ کے کر دی (۱)، جبکہ فدوی کو اپنے تقرر کی اوس عہدہ پر اطلاع ہوگی، بہت جلد عزم روانگی کلکتہ کا فدوی کرے گا۔

اور کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (۲) بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لا کر خدمت فیضدرجت میں حاضر کروں گا اور اثناء راہ میں بعضے دوستوں سے جو کوئی نئی کتاب تاریخ یا کسی اور فن کی بہم پہنچے گی، وہ بھی حضور کے لیے لیتا آوں گا (۳)۔

زیادہ حد ادب۔ آفتاب دولت تاباں باد

فدوی محمد سدید الدین عفی عنہ

۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء، از مقام آگرہ''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تشریحات:

۱۔ یہ درخواست مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے لیے تھی۔ ۱۸۵۰ء کے شروع میں حافظ احمد کبیر کے انتقال کے بعد یہ جگہ خالی ہوگئی اور اشپرینگر اس عہدہ پر بلا تاخیر کسی مناسب شخص کو تعینات کرنا چاہتا تھا۔

۲۔ اس کے متعلق مولانا مملوک العلی نانوتوی کے خطوط کے ذیل میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

۳۔ اشپرینگر کے اکثر مراسلہ نگار، اس کی مخطوطات سے دلچسپی سے واقف تھے اور وہ جہاں بھی جاتے، اس کے شوق کا خیال رکھتے۔ اگر کہیں نادر قلمی نسخوں کا سراغ ملتا، وہ وہاں پہنچتے اور ان کے کوائف سے اسے آگاہ کرتے۔ اسے جن نسخوں کی ضرورت ہوتی، وہ انھی کی وساطت سے خرید لیتا۔ مولوی سدید الدین خاں بھی اشپرینگر کے اس ذوق کو خوب جانتے تھے، اور وہ اس کے لیے نادر کتب کی تلاش میں رہتے تھے۔ بعض کاغذات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص رقم مولوی صاحب کے پاس رہتی تھی۔ جب بھی وہ کوئی نادر چیز خریدتے، اس کی تفصیل مع خرچ اشپرینگر کو بھیجتے تھے۔

۳

''غریب پرور معدلت گستر، نوشیروان زمان حاتم دوران ملاذ بیکسان، دام اقبالہم

بہت عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجالا کر فدوی عرض رسا ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ صرف حضور کی پرورش سے فدوی مدرسہ کلکتہ میں ایسے بڑے عہدہ پر مقرر ہوا اور حضور ہی کی مہربانی سے فدوی کی یہ ترقی ہوئی۔ رات دن دل سے حضور کی دعا میں مشغول ہوں اور حضور کی مہربانی کا بہت شکرگذار اور احسان مند ہوں۔

نویں تاریخ ماہ جنوری ۱۸۵۱ء کو فدوی کے پاس چٹھی درباب تقرری فدوی کے اوپر عہدۂ امینی مدرسہ کلکتہ کے پہونچی، جو بالفعل مدرسہ اکبرآباد (۱) میں بتقریب امتحان کے تعطیل ہے اور پرنسپل مدرسہ آگرہ (۲) واسطے سیر و شکار کے آگرہ سے بھرت پور کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ اکیسویں تاریخ ماہ جنوری کو مدرسہ کھلے گا، جب صاحب پرنسپل بھی آگرہ میں تشریف لاویں گے۔ اوس وقت فدوی مدرسہ آگرہ کا کار اون کے سپرد کر کے فوراً روانہ بطرف کلکتہ ہوگا۔

اور فدوی نے بموجب ایماء کے پہلے سے سامان سفر کا طیار کر رکھا ہے۔ روانگی میں کچھ توقف نہیں اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی، ورنہ یہاں سب لوگ فدوی سی کہتے تھے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کہ وہ عہدہ تم کو نہیں ملے گا، ناحق طیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا۔ بالفعل جو فدوی کے پاس اوس عہدہ کے اوپر مقرر ہونے کی سند آ گئی۔ وہ سب طیاری سفر کی میری جلدی روانگی کے لیے مفید ہوئی۔ اور فدوی جس دن یہاں کا کام سپرد کر کے آگرہ سے کلکتہ کی طرف روانہ ہوگا، اپنی روانگی سے ایک روز پیشتر عرضی اطلاعی حضور کے پاس روانہ کرے گا، اور بہت جلد کلکتہ میں پہونچے گا۔ اور جو کوئی کام حضور ارشاد کریں، اوس کو بھی بجا لاؤں۔ اگر الہ آباد میں حضور کی کتابوں کا صندوق اب تلک رکھا ہوا ہے (۳)، تو فدوی کو مطلع کیجئے کہ نہایت حفاظت سے فدوی اپنے ساتھ کلکتہ میں لے آوے اور حضور کی عنایت کا بہت بہت شکریہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے۔ زیادہ حد ادب۔ الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں رہے۔

عرضی

محمد سدید الدین عفی عنہ معروضہ دہم جنوری ۱۸۵۱ء

از مقام اکبرآباد''

تشریحات:

۱۔ یہ مدرسۂ آگرہ کے مدرسہ کے ماتحت تھا اور یہاں طلبہ کے امتحان کے لیے مدرسین آگرہ کالج بھی آتے تھے۔

۲۔ یعنی ڈلٹن صاحب۔

۳۔ ان کتابوں کا ذکر مولوی مملوک العلی کے خطوط میں بھی کیا گیا ہے۔

۴

''بندگان عالی متعالی دام اقبالہم (۱)

بموجب حضور کے ارشاد کے بندہ نے حکم کی تعمیل کی اور جو طالب علم، کہ مدرسہ میں آتا گیا، اوس کو فوراً مدرسہ سے خارج کیا۔ مگر اس وقت سب طالب علم متفق ہو کر لکڑیاں ہاتھ میں لے کر اپنے اپنے مکانوں میں چلے آئے اور کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی نہیں نکال سکتا اور نہ ہمارے نکال دینا حکم ہے۔ امین نے بلا حکم کونسل کے ہم کو نکالا ہے۔ اب ہم نہیں نکلنے کے۔ اگر پولس کے آدمی بھی ہم کو نکالنے آویں گے تو ہم سب اون کو بھی ماریں گے مگر نکلیں گے نہیں۔ بہت آدمی متفق ہو کر یہی بات کہتے ہیں کہ اگر پولس کے آدمی ہم کو نکالنے آویں گے، تو ہم فوجداری کریں گے۔ مگر نکلیں گے نہیں (۲)۔ بالفعل غور اور تامل سے حضور جیسا ارشاد فرمائیں، اوس پر عمل کیا جاوے۔ بندہ بعد حضور کے حکم کے فوجداری سے بھی نہیں ڈرتا (۳)۔ آفتاب دولت تاباں ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

محمد سدید الدین
امین مدرسہ کلکتہ (۴)"

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے۔اس میں مراسلہ نگار نے جس ہنگامہ کا ذکر کیا ہے، وہ ۱۸۵۱ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے اس خط کا سنۂ تحریر یقیناً ۱۸۵۱ء ہے۔کلکتہ کے ایک فارسی اخبار "گلشن نو بہار" (جلد اول، نمبر ۱۱، در ذخیرۂ اشپرینگر، برلین) کے ایک شمارہ (بابت ۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء) میں مدرسۂ عالیہ کے طلبہ پر اس "ظلم بزرگ" کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ممکن ہے، زیر نظر مکتوب اسی ماہ یعنی اپریل کے شروع میں لکھا گیا ہو۔

۲۔ اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہوتے ہی مروجہ نصاب میں بعض تبدیلیاں لانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔وہ بنیادی طور پر ایک عربی دان تھا اور وہ جس مدرسہ میں جاتا، سب سے پہلے وہ وہاں کے شعبۂ عربی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا۔مدرسہ کلکتہ میں بھی اس نے یہی کیا اور آتے ہی اس شعبہ کے نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔

اس کی تجویز کردہ اصلاحات یہ تھیں:

الف) کچھ عربی کتب (مثلاً میبذی اور صدرا) کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

ب) نیچرل فلاسفی کا مضمون صرف اردو میں پڑھایا جائے اور اس کی تدریس ایک اینگلو انڈین مسٹر لالر کے سپرد ہوگی۔

ج) قدیم فلسفہ کے بجائے جدید فلسفہ کو نصاب میں شامل کیا جائے۔

د) ذریعہ تعلیم عربی کی جگہ اردو ہوگا۔

اشپرینگر اپنی اس اصلاحی اسکیم کو بہت جلد نافذ کرنا چاہتا تھا، لیکن طلبہ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ان کا مؤقف یہ تھا کہ وہ ان کتابوں کو نصاب سے خارج نہیں ہونے دیں گے، جو اس مدرسہ میں ابتدا سے پڑھائی جا رہی ہیں۔دوسرے یہ کہ پرنسپل نے اپنی اصلاحات کے نفاذ سے قبل کونسل آف ایجوکیشن کی منظوری نہیں لی۔جب کچھ اساتذہ بھی طلبہ کی خاموش حمایت کرنے لگے، تو بات آگے بڑھ گئی۔اشپرینگر کسی قیمت پر ان تجاویز کو واپس نہیں لینا چاہتا تھا، اُدھر طلبہ انھیں ماننے کو تیار نہیں تھے۔چنانچہ مدرسہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔جب اس میں کچھ تیزی آئی تو پولیس کو بلانا پڑا، تاکہ امن و امان قائم کیا جائے۔بالآخر اس شورش کو رفع کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور یوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ معاملہ وقتی طور پر ٹھنڈا پڑ گیا۔ (تفصیل کے لئے رک: سانیال (Sanial) کا مقالہ مذکورہ ۱۹۱۴ء، ص ۹۷-۹۸۔ تاریخ مدرسۂ عالیہ از عبدالستار، ڈھاکہ ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۸ ببعد۔ فارسی اخبار ''گلشن نو بہار'' (محولہ بالا، مفصل رپورٹ مشتملبر سات صفحات)

۳۔ مولوی محمد سدید الدین اس مدرسہ میں امین تھے، اس عہدہ کا اصل مقصد مدرسہ میں انتظامی امور کی نگہداشت تھا، اس لیے طلبہ کے اس ہنگامے کو روکنے اور مدرسہ میں امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری مولوی صاحب کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ ان کی ہمدردیاں اشپرینگر کے ساتھ تھیں، کیونکہ یہ عہدہ اسی کا دلوایا ہوا تھا۔ ''گلشن نو بہار'' کی مذکورہ بالا رپورٹ میں طلبہ کی بھرپور حمایت کی گئی ہے اور پرنسپل کے ''ظلم و ستم گوناگوں'' کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس اخبار نے مولوی سدید الدین کا نام تو نہیں لکھا، البتہ ان کے عہدہ یعنی امین کا ذکر ضرور کیا ہے اور لکھا ہے کہ امین مدرسہ بھی پرنسپل کے ''ظلم بزرگ'' میں برابر کے شریک ہیں۔

۴۔ اس خط کے ایک حصے میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ ''عریضہ ہذا بحضور پرنسپل صاحب بہادر مدرسہ کلکتہ دائم اقبالہم بگذرد۔''

۵

''غریب پرور عدالت گسترآ قائے نامدار من سلامت (۱)

بعد عرض میرساند

حضور کا نمک پروردہ قدیمی محمد سدید الدین بہت عجز و نیاز سے آداب و تسلیمات فدویانہ بجالا کر عرض کرتا ہے کہ فدوی کو بہت ضروری امر حضور سے عرض کرنا ہے اور فدوی کا کلکتہ میں حاضر ہونا بجز جمعہ کے نہیں ممکن ہے۔ اور حضور نے ارشاد بھی فرمایا تھا کہ چنسرہ (۲) کے مدرسہ میں ایک مرتبہ حال میں تشریف فرما ہوں گے۔ اگر حضور بالفعل چنسرہ میں تشریف لاویں، بشرطیکہ مزاج حضور کا درست ہو اور کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، تو کمال بندہ نوازی ہے (۳)۔

کہ خط فرزند منشی محمد حسن مرحوم (۴) کے پاس سے آیا ہے، درباب ''انساب'' سمعانی کے جو کچھ لکھا ہے، وہ حضور سے عرض کرنا ہے اور جو کچھ جواب ارشاد فرمائیں گے، پھر خط کا جواب جلد منشی محمد حسن مرحوم کے بیٹے کے پاس فدوی کو لکھنا ہے اور بغیر دریافت کرنے حضور کے یہ بات ممکن نہیں ہے۔

جناب عالی! وجہ توقف کی یہ ہوئی کہ فرزند ارجمند منشی محمد حسن خاں مرحوم کا نہہ پور [کانپور] میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رہتے ہیں۔ اور فدوی نے خط لکھنؤ میں بھیجا تھا۔ لکھنؤ سے وہ خط پھر واپس کانہہ پور میں گیا۔ جب اون کے پاس پہونچا اور جواب حاصل ہوا اور حضور کے نام پر بھی عرضی منشی مرحوم کے لڑکے نے لکھی ہے۔ حضور کو وہ عرضی بھی سنا کر فدوی ہی جواب اوس کا لکھ کر یہاں سے روانہ کرے گا۔

اور کتاب ''انساب'' سمعانی اگر حضور کو مطلوب ہے تو بمجرد ایماء کے فوراً وہ حضور کے پاس روانہ کرے گا۔ بہر تدبیر اوس کی بطور دیگر جبکہ فدوی کانہہ پور میں جاوے گا کرے گا یا ثانیاً در باب فروخت کے بتدبیر سابقہ لکھے گا۔ باقی بوقت ملازمت حضور کے عرض کروں گا۔ زیادہ حد ادب۔ فقط۔

اور اگر حضور کا تشریف لانا چنسرہ میں نہ ہو تو فدوی کو خبر ہو کہ فدوی خود حضور میں حاضر ہو اور خط اون کا جو کہ میرے نام پر ہے اور عرضی اون کی جو حضور کے نام پر ہے، لیتا آوے۔

آفتاب دولت کا تاباں رہے۔

عرضے

فدوی محمد سدید الدین عفی عنہ''

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں سنہ تحریر درج نہیں۔ مولوی محمد سدید الدین نے جب یہ خط لکھا اس وقت وہ مدرسہ کلکتہ کے عہدۂ امینی سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں مدرسہ عالیہ کے متعلق جو ریکارڈ محفوظ ہے، اس کے بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کم از کم ۱۸۵۳ء کے اواخر تک اسی مدرسہ میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد انھیں ضلع ہوگلی کے مدرسہ چنسرہ میں مدرس اول کی حیثیت سے بھیج دیا گیا۔ اشپرینگر ۱۸۵۴ء میں مشرق وسطیٰ کے ممالک کے علمی سفر پر روانہ ہوا اور عراق، شام، مصر، ترکی وغیرہ سے ہوتا ہوا ۱۸۵۵ء کے آخر یا ۱۸۵۶ء کے شروع میں واپس پہنچا۔ اس کے بخیریت واپس آنے کی خوشی میں مولوی محمد سدید الدین نے اسے اپنے مدرسہ میں مدعو کیا اور اس کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ مولوی صاحب کی اس دعوت کا ذکر اس خط میں بھی ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیر نظر خط ۱۸۵۵ء یا ۱۸۵۶ء میں لکھا گیا۔

۲۔ یہ مدرسہ ضلع ہوگلی میں واقع تھا۔ جب اشپرینگر نیا نیا ہندوستان آیا تھا تو اس کی پہلی تقرری اسی مدرسہ Chinsurah میں ہوئی تھی۔ ممکن ہے یہ مدرسہ بھی اشپرینگر ہی کی نگرانی میں ہو۔

۳۔ اشپرینگر نے یہ دعوت قبول کر لی اور ایک روز وہاں پہنچ گیا۔ مولوی سدید الدین نے اس کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی۔ اس کی خدمت میں بزبان فارسی سپاسنامہ پیش کیا جو مولوی صاحب نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اپنے ہاتھ سے تحریر کیا، لیکن آخر میں اپنے دو شاگردوں مولوی عبداللہ اور محمد وحیدالدین کے نام لکھ دیے (ممکن ہے، مؤخرالذکران کا اپنا ہی بیٹا ہو)۔ اس سپاسنامہ کا عنوان "ایڈرس برائے جناب ڈاکٹر اسپرنجر صاحب بہادر" ہے۔ اس ایڈریس کے اٹھارہ صفحات ہیں۔ مولوی سدیدالدین نے اسے خط شکستہ میں لکھا ہے، اور آخر میں یہ عبارت تحریر کی ہے: "العبدالکتب محمد سدیدالدین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ چنسرہ ضلع ہوگلی شریک ایں ایڈرس"۔ یہ ایڈریس ذخیرۂ اشپرینگر کے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہے۔ اسی تقریب میں مدرسہ کے ایک طالب علم وجہ اللہ اسلام آبادی نے اشپرینگر کی تعریف میں ایک فارسی نظم سنائی تھی۔ اس کا مقطع یہ ہے۔

وجہ اللہ است پیش تو سر بر خطِ رضا　　　اے ابر فیض و بحر غایات وجوئے جود

یہ نظم بھی انہی کاغذات میں موجود ہے۔

۴۔ شاید یہ کسی مطبع کا مالک یا کتابوں کا تاجر تھا۔ کانپور کے مطبع مصطفائی سے ۱۸۵۱ء میں مرزا محمد حسین قتیل کی فارسی قواعد "شجرۃ الامانی" ایک تاجر کتب میر محمد حسین کی فرمائش پر شائع ہوئی تھی (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات از عتیق صدیقی، ص ۲۰۴، تحتی نوٹ) کانپور ہی کے مطبع محمدی کے مالک کا نام محمد حسین تھا۔ یہ مطبع لکھنؤ سے اس شہر میں لایا گیا تھا۔ ۱۸۵۲ء تک اس مطبع سے فارسی اور اردو کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ ممکن ہے، منشی محمد حسن ان دو میں سے کوئی شخص ہو۔ "اختر شہنشاہی" (مؤلفہ اختر الدولہ محمد اشرف) میں مطبع محمدی کے مالک کا نام نوازعلی اور سنہ اجراء ۱۸۵۴ء لکھا ہے (ص ۲۲۳)۔ محمد سدیدالدین نے فرزند منشی محمد حسن کو ایک خط لکھنؤ بھیجا، لیکن وہاں سے وہ خط کانپور بھیج دیا گیا۔ مطبع محمد علی پہلے لکھنؤ میں تھا، پھر یہ کانپور منتقل ہو گیا۔ اس لیے قرین قیاس یہی امر ہے کہ اس خط میں محمد حسن نامی جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسی مطبع کا مالک تھا۔ پھر "اختر شہنشاہی" کی متذکرہ بالا عبارت اور موجودہ خط کے موازنہ سے بھی اسی خط کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اول الذکر کی عبارت میں محمد حسین کا نام نہیں بلکہ نوازعلی درج ہے۔ ظاہر ہے وہ اسی سنہ یعنی ۱۸۵۴ء سے قبل انتقال کر چکا تھا۔ اس خط میں بھی منشی محمد حسن کو مرحوم ہی لکھا گیا ہے۔

۵۔ عبدالکریم بن محمد السمعانی (م۔ ۵۶۲ھ/ ۱۱۶۷ء) کی معروف کتاب "الانساب" مطبوعہ معہ تعارف از مارگولیتھ، لائیڈن/لندن ۱۹۱۲ء۔ اشپرینگر نے ہندوستان سے جتنے قلمی نسخے جمع کیے، وہ سب اس نے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

برلین کے کتاب خانے کو فروخت کر دیئے۔ اس وقت برلین (مغربی) کے اس کتب خانے میں سمعانی کی ''انساب'' کے دو قلمی نسخے موجود ہیں (بحوالہ اہلوارٹ ۹: ۳۸۳-۳۸۴، نمبر ۹۹۲۲-۹۹۲۳)، لیکن یہ دونوں نسخے اشپرینگر کلیکشن کے نہیں ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر، مولوی سدیدالدین کی وساطت سے ''انساب'' کا جو قلمی نسخہ خریدنا چاہتا تھا، وہ کسی وجہ سے نہ خرید سکا۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولوی سیّد علی اکبر سونی پتی

اس ذخیرۂ اشپرینگر میں جن لوگوں کے خطوط محفوظ ہیں، وہ سب اپنے مکتوب الیہ یعنی اشپرینگر کی علم دوستی، معارف پروری، اسلامی زبانوں سے اس کی گہری واقفیت اور مختلف علوم اسلامیہ پر اس کی وسیع نظر کے معترف ہیں۔ اس زمانہ میں شمالی ہند، کلکتہ اور اس کے گردو نواح میں مسلمانوں کی جتنی بھی درس گاہیں تھیں، ان کا انتظام و انصرام اشپرینگر کے دائرہ اختیار میں تھا اور ان کے متعلق برطانوی حکومت کی تعلیمی پالیسی کی تشکیل میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں ایسے متعدد مدارس کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہا اور اس حوالے سے یہ سبھی مکتوب نگار ایک ایک کر کے اس کے قریب آتے چلے گئے، کچھ تو ملازمتوں کے حصول کے لیے اور کچھ اپنی ملازمتوں میں ترقی یا تبادلے کے لیے۔ اشپرینگر ان کی ایسی دنیاوی غرض مندیوں کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا تھا، اپنے اثر و رسوخ اور اختیارات سے بھی کام لیتا تھا اور اکثر و بیشتر ایسے کاموں کے لیے اس کی کوششیں کامیاب بھی ہو جاتی تھیں۔ اس کے عوض یہ اصحاب اشپرینگر کی علمی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ دراصل یہ سبھی لوگ اس کے علمی معاونین تھے۔ اشپرینگر کے لیے اہم معلومات کی فراہمی، ضروری کتابوں کی خریداری، مخطوطات کی تلاش اور ان کا حصول، نایاب خطی نسخوں کی نقول کی تیاری اور ترتیب و تدوین متون میں معاونت جیسے کام یہی مکتوب نگار سرانجام دیتے تھے۔ ان نامہ نویسوں میں چند ایسے بھی تھے، جو ان کاموں کے ساتھ ساتھ اشپرینگر کے خالصتاً نجی اور خاندانی کاموں کی بجا آوری میں بھی اس کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ وہ اشپرینگر کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ وہ جب موسم گرما کی تعطیلات گذارنے شملہ یا کسی اور پہاڑی مقام پر جاتا، تو یہ بھی اس کے ساتھ ہوتے اور وہاں علمی کاموں میں اس کی مدد کرتے۔ اشپرینگر کے علاوہ اس کے افراد خانہ کا بھی خیال رکھتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے۔ اشپرینگر کے ان قریب ترین رفقائے کار میں دو اصحاب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک تو مولوی کریم الدین

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پانی پتی تھے، جن کے اشپرینگر کے نام خطوط اور ان کے سوانح حیات سابقہ سطور میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ دوسرے صاحب کا نام علی اکبر تھا۔ اشپرینگر کے ان مراسلہ نگاروں میں بیشتر نے اپنی تالیفات میں اس کی بلند پایہ علمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ اشپرینگر نے اپنی کسی تحریر میں خود ان مکتوب نویسوں میں سے کسی کی ذہانت، اہلیت اور استعداد کا ذکر کیا ہو۔ وہ ان سے اپنے تعلق کا تو ذکر کرتا ہے یا ان کے کسی علمی کام میں اپنی مشاورت یا عملی شراکت کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک ہی شخص ایسا ہے، جس کی علمی قابلیت اور خداداد صلاحیتوں کا اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور اپنے کاموں بالخصوص فہرستِ شاہانِ اودھ کی ترتیب میں اس کی شبانہ روز محنت کو داد تحسین پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اسے ملازمت دلانے میں اپنی کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اشپرینگر کے اس قریب ترین ساتھی علی اکبر کے حالات زندگی اور اشپرینگر کے نام اس کے گیارہ خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

علی اکبر کے مختصر یا تفصیلی حالاتِ زندگی معلوم نہیں اور معروف سوانحی کتب میں اس کا نام تک نہیں ملتا، حتیٰ کہ انیسویں صدی عیسوی کے مستند ترین مآخذ یعنی مولوی کریم الدین پانی پتی کے تذکرہ (بالخصوص ''طبقات شعرائے ہند'') اور گارسیں دتاسی کے خطبات و مقالات اور ''تاریخ'' بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ علی اکبر دہلی کالج میں برسوں پڑھتا رہا اور وہ یہاں کے ذہین طلبہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ اسی کالج میں استاد مقرر ہوا اور پھر چند سال بعد وہ آگرہ کالج کے شعبۂ عربی سے منسلک ہو گیا اور اپنی وفات تک وہ اسی کالج میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ حیرت ہے کہ دہلی اور آگرہ کے ان مدارس پر لکھنے والوں کی کتابوں اور مقالوں میں بھی علی اکبر کا نام نہیں ملتا۔ ان مصادر میں ان کی عدم موجودگی کی شاید ایک وجہ یہ ہے کہ وہ جوانی ہی میں انتقال کر گیا۔ اس کی قلیل عمر کا بیشتر حصہ تحصیل علم میں گذر گیا اور اس کے بعد اسے جو چند سال ملے، وہ یا تو اشپرینگر کی خدمت میں گذر گئے، یا متذکرہ بالا مدارس کی معلمی میں بسر ہو گئے۔ رہی سہی کسر اس کی علالت نے پوری کر دی، جس نے اسے بالکل بے بس کر دیا اور پیشتر اس کے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کا اظہار ٹھوس علمی کاموں کی صورت میں کرتا، وہ اس جہان فانی سے [illegible] اور علمی دنیا میں اپنی تصنیف و تالیف کا کوئی تحریری ثبوت بھی نہ چھوڑ سکا۔

یہ درست ہے کہ علی اکبر کے حالات زندگی پر کاملاً گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی بھی تذکرہ نویس اور ادبی مؤرخ نے اس کا نام تک نہیں لکھا، لیکن اس کے باوجود اس دور کی بعض کم معلوم تحریروں اور غیر مطبوعہ دستاویزوں سے علی اکبر کے سوانح حیات اور اس کی ذہانت و طباعی کی ایک ہلکی سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سلسلہ میں جن مصادر سے خصوصی طور پر مدد ملتی ہے، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الف۔ علی اکبر کے وہ گیارہ خطوط، جو اس نے اپنی عمر کے آخری دو سالوں میں اپنے مربّی اور محسن ڈاکٹر اشپرینگر کو تحریر کیے۔ یہ تمام خطوط پہلی بار شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے اس کی زندگی، افتادِ طبع، مسائل اور علالت کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

ب۔ زیرِ نظر مجموعۂ مکاتیب میں کچھ ایسے خطوط بھی ہیں، جن کے لکھنے والوں نے علی اکبر کا ذکر کیا ہے۔ ایسے مکتوب نگاروں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی بھی شامل ہیں، جو علی اکبر کے استاد تھے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، منشی اشرف علی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فریدآبادی نے بھی اشپرینگر کے نام اپنے مکتوبات میں مختلف حوالوں سے علی اکبر کا تذکرہ کیا ہے۔ ان مراسلہ نگاروں میں مولانا محمد مظہر نانوتوی کے علی اکبر سے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور وہ کچھ عرصہ اکٹھے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی ماتحتی میں بھی کام کرتے رہے۔ مؤخر الذکر دونو اصحاب یعنی مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فریدآبادی آگرہ کالج میں علی اکبر کے رفقاء میں تھے۔ مولوی ابوالحسن فریدآبادی، منشی اشرف علی کے اردو خطوط کے علاوہ مذکورہ بالا تمام علمی ہستیوں کے مراسلات سابقہ سطور میں درج ہو چکے ہیں۔ ان دونوں اصحاب کے خطوط آئندہ سطور میں حواشی سمیت پیش کیے جائیں گے، لیکن یہاں صرف علی اکبر سے متعلقہ عبارتوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ج۔ مغربی برلین میں محفوظ اشپرینگر کے نجی کاغذات میں بڑی تقطیع کا ایک رجسٹر پڑا ہوا ہے، جس میں ۱۸۴۷ء میں زیرِ تعلیم دہلی کالج کے تمام طلبہ کے تعلیمی کوائف درج ہیں۔ اس رجسٹر میں عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی جماعتوں کے تمام طلبہ شامل ہیں۔ ہر جماعت کے استاد کا نام صفحہ کے اوپر مرقوم ہے اور نیچے اس جماعت کے مختلف فریقوں اور ان کے طلبہ کے نام، ان کی عمر، مدرسہ میں مدت تحصیل اور مختلف مضامین میں ان کے حاصل کردہ نمبر خانوں میں لکھے گئے ہیں۔ اس رجسٹر کا ذکر سطور بالا میں جا بجا کیا گیا ہے، کیونکہ دہلی کالج کے متعلق اس وقت شاید یہ رجسٹر سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ معلومات ہے۔ اس رجسٹر میں بھی علی اکبر کا بطور طالب علم نام موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ معلومات دی گئی ہیں جو اس کی زندگی کے حوالے سے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

د۔ اشپرینگر نے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست مخطوطات کئی جلدوں میں مرتب کی تھی، لیکن اس کی ایک ہی جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اور باقی جلدیں منظرِ عام پر نہ آ سکیں۔ اس فہرست کی پہلی جلد کلکتہ سے ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی، جو فارسی اور ہندوستانی (یعنی اردو) مخطوطات سے متعلق ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں علی اکبر کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے علی اکبر اور اشپرینگر کے قریبی تعلقات کا علم ہوتا ہے اور اس فہرست مخطوطات کی ترتیب و تدوین میں علی اکبر کی معاونت کا پتا چلتا ہے۔ نیز اس مختصر اقتباس سے علی اکبر کی زندگی کے متعلق چند ایسے اشارے بھی ملتے ہیں، جن کا کسی اور جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔

ھ۔ اس دور میں دہلی کالج سے تین رسائل شائع ہوتے تھے۔ ''فوایدالناظرین''، ''محب ہند'' اور ''قران السعدین''۔ ان میں مختلف النوع خبروں کے علاوہ کبھی کبھار کالج کی تعلیمی سرگرمیوں اور اجلاسوں کی کارروائیاں بھی چھپتی رہتی تھیں۔ خاص طور پر ''قران السعدین'' میں کالج سے متعلقہ خبروں کو زیادہ جگہ دی جاتی تھی۔ ویسے بھی اس رسالے کا اجراء اشپرینگر ہی نے کیا تھا اور وہ اس کے انتظام اور معیار کا خاص خیال رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اشپرینگر سے متعلقہ خبروں کو اس رسالہ میں نمایاں جگہ دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل کے فارسی اور اردو اخبارات کی طرح دہلی کالج کے یہ جرائد بھی برصغیر پاک و ہند کے کتاب خانوں اور دیگر مراکز دستاویزات میں بہت کم تعداد میں دستیاب ہیں اور اگر کہیں ہیں تو مسلسل نہیں، بلکہ متفرق تاریخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح آگرہ سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل بھی کمیاب ہیں، بالخصوص ''اسعدالاخبار'' ان میں سب سے اہم ہے، کیونکہ اس میں آگرہ کالج سے متعلق خبریں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اگر دہلی اور آگرہ کے یہ اخبارات دستیاب ہوتے، تو ان سے یقیناً علی اکبر کے بارے میں کارآمد معلومات مل جاتیں، کیونکہ اس کی مختصر زندگی کا زیادہ تر حصہ انھی دو شہروں میں گذرا۔ راقم کے پاس اس وقت ۱۸۵۷ء سے پہلے کے اردو اور فارسی اخبارات کے متفرق شماروں کے مائیکروفلم موجود ہیں اور ان کا معتدبہ حصہ ''قران السعدین'' سے متعلق ہے۔ اشپرینگر کے اجراء کردہ اس رسالے میں دہلی کالج کی کارکردگی یا اس سے متعلقہ رپورٹوں میں علی اکبر کا نام بھی آتا ہے اور ان سے اس کے زمانۂ طالب علمی کے بارے میں مزید روشنی پڑتی ہے۔

ان متذکرہ بالا مآخذ سے علی اکبر کے حالات زندگی اور اس کی ملازمتوں کے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کو یکجا کر کے سطور ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

اشپرینگر نے اپنے انگریزی مقدمہ فہرست اودھ (جلد اول، ۱۸۵۴ء) میں بتایا ہے کہ علی اکبر کا آبائی تعلق پانی پت سے تھا لیکن اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے اپنی کتاب کے ایک اشتہار کے شروع میں اپنے نام کے ساتھ 'سونی پتی' لکھا ہے[1]۔ یہ روایت معتبر ہے، اس لیے علی اکبر کا آبائی شہر سونی پت ہی ماننا پڑتا

۱۔ اشتہار کی مکمل عبارت آئندہ سطور میں منقول ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے۔ وہ اپنے شہر کے ایک معزز سید خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا سنۂ ولادت ۱۸۲۵ء ہے اور وہ یوں کہ دہلی کالج کے محولہ بالا رجسٹر میں جو ۱۸۴۷ء کے تعلیمی کوائف سے متعلق ہے، علی اکبر کی عمر بائیس سال درج ہے۔ علی اکبر نے اپنا بچپن سونی پت میں گذارا اور یہیں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ سنِ شعور کو پہنچا تو دہلی کا رخ کیا۔ ممکن ہے، اس نقل مکانی کا اصل سبب اعلیٰ تعلیم کا حصول ہو، جس کے لیے شمالی ہند میں دہلی کالج سے زیادہ موزوں اور کوئی درس گاہ نہیں ہو سکتی تھی۔ علی اکبر سونی پت سے دہلی کب منتقل ہوا، اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ قیاساً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ۱۸۳۸ء کے لگ بھگ دہلی کا رخ کیا۔

علی اکبر کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا، جس کا نام علی اصغر تھا۔ اس کی عمر علی اکبر سے دو سال کم تھی، یعنی اس کا سال ولادت ۱۸۲۷ء تھا، کیوں کہ مندرجہ بالا رجسٹر (متعلقہ ۱۸۴۷ء) میں اس کی عمر بیس سال درج ہے۔ قرائن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی جاتے ہوئے وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ تھا۔

یہ دونو بھائی چند برس تلاش معاش کے لیے سرگرداں رہے یا ممکن ہے دہلی کے کسی نجی مدرسہ (مثلاً مدرسہ دارالبقاء) میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور کسی نہ کسی طرح اپنے دن بھی کاٹتے رہے۔ بالآخر ۱۸۴۰ء کے وسط میں علی اکبر کو دہلی کالج میں داخلہ مل گیا۔ متذکرہ صدر رجسٹر (برائے سال ۱۸۴۷ء) میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ علی اکبر کو اس مدرسہ میں داخل ہوئے پورے ساڑھے چھے برس گذر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چھوٹے بھائی علی صغر کی بھی اس کالج میں یہی مدت تحصیل لکھی گئی ہے۔ یعنی ساڑھے چھے سال۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونو بھائیوں نے دہلی کالج میں اکٹھے داخلہ لیا اور ان کے ساتھ ہی مولوی کریم الدین پانی پتی بھی اسی سال داخل ہوئے (۱)۔

علی اکبر تقریباً سات برس دہلی کالج میں زیر تعلیم رہا۔ مولوی کریم الدین تو اس کالج سے ۱۸۴۵ء میں فارغ ہو گئے، لیکن علی اکبر اور اس کا چھوٹا بھائی علی اصغر اس کے بعد بھی پڑھتے رہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ ابتدائی سالوں میں وہ کن اساتذہ سے کسب علم کرتے رہے۔ ان دنوں کالج کے شعبہ علوم شرقیہ میں مولانا

۱۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تینوں تذکروں یعنی تذکرہ شعرائے عرب (فرائد الدہر)، گلدستۂ نازنیناں اور طبقات شعرائے ہند (ص ۴۶۱-۴۷۳) میں اپنے اساتذہ اور رفقائے کار کا ذکر کیا ہے، لیکن کہیں بھی علی اکبر کا نام نہیں ملتا، حالانکہ وہ دونو ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی کریم الدین نے یہ تمام تذکرے اس وقت قلم بند کیے جب علی اکبر ابھی دہلی کالج میں طالب علم تھا اور یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ اساتذہ کے تحت ان کے ایک نوعمر شاگرد کا ذکر کرتا۔ اگر کریم الدین ان تذکروں کے بعد کوئی اور تذکرہ مرتب کرتے تو شاید علی اکبر کو اس میں شامل کرنا نہ بھولتے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مملوک العلی نانوتوی، مولوی سید محمد، قاری جعفر علی جار چوی، مولانا سدید الدین خاں اور ماسٹر رام چندر جیسے اساتذہ موجود تھے۔ ظاہر ہے، علی اکبر نے بطور متعلم ان تمام اساتذہ سے استفادہ کیا ہوگا۔ ان کے علاوہ اس نے ذاتی تعلقات کی بنا پر مولوی کریم الدین پانی پتی سے بھی کچھ اسلامی علوم پڑھے۔ چنانچہ مولوی صاحب خود اپنے ایک خط (بابت ۴ جولائی ۱۸۵۲ء) میں اشپرینگر کو بتاتے ہیں کہ:

''مولوی علی اکبر نے سب کتابیں صرف ونحو، منطق و معانی اور فلسفہ اور ادب کی مجھ سے پڑھی تھیں۔ صرف ایک ''ہدایہ'' اور ''حماسہ'' اور حدیث اوس نے کالج میں پڑھی ہے۔''(۱)

۱۸۴۷ء کے رجسٹر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سال علی اکبر جماعت اول عربی کے فریق اول کا طالب علم تھا اور اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے۔ اس کی عمر بائیس سال تھی اور اسے کالج میں پڑھتے ہوئے ساڑھے چھ سال ہو چکے تھے۔ اس سال جنوری سے اکتوبر تک اس کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی اور اس عرصے میں وہ صرف تین دن بوجہ علالت غیر حاضر رہا۔ اس کے بعد علی اکبر کے مضامین اور ہر مضمون میں حاصل کردہ نمبر (پچاس میں سے) دیئے گئے ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

در مختار	۴۸
تاریخ یمینی	۴۹
جامع التواریخ	۵۰
دیوان حماسہ	۵۰
جزئیات کلیات	۴۳
رسالہ ہیئت	۲۵
علم مثلث	۴۸
جواب مضمون	۳۵

اسی سال اس کا چھوٹا بھائی علی اصغر اسی جماعت کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔ اس کی عمر بیس سال تھی اور وہ بھی ساڑھے چھ سال سے دہلی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ جنوری تا اکتوبر ۱۸۴۷ء اس کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی۔ وہ چار دن بلا سبب غیر حاضر رہا اور ایک دن بیماری کے باعث کالج نہ آ سکا۔ اس کے مضامین اور ان میں حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ رک: مکتوبات کریم الدین پانی پتی۔ طور بالا، شمارہ ۳۰، تشریحات ۲۰۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہدایہ	۴۲
تاریخ یمینی	۴۵
دیوان المتنبی	۴۱
جامع التواریخ	۴۱
جزئیات کلیات	۴۲
رسالہ ہیئت	۲۵
علم مثلث	۴۸
جواب مضمون	۲۸

اسی رجسٹر میں علی اکبر کے دو ہم جماعتوں عبدالرحمٰن اور شمس الدین کے نام بھی درج ہیں، لیکن ان سے علی اکبر کے حاصل کردہ نمبر زیادہ ہیں۔ اس کی اپنی جماعت میں اول پوزیشن ہے، جبکہ علی اصغر اپنے فریق دوم (کل طالبعلم تین) میں نمبروں کے حساب سے سب سے آخر میں ہے۔

علی اکبر کا یہ تعلیمی ریکارڈ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ ایک محنتی اور ذہین طالب علم تھا اور عربی زبان و ادب پر اس کی گہری نظر تھی۔ ان دنوں اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا اور وہ علی اکبر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے واقف تھا۔ ایک بار لفٹننٹ گورنر کالج میں آئے اور طلبہ سے ملاقات کی۔ علی اکبر سے بھی ملاقات ہوئی اور اس نے گورنر کو اپنی تحریر کردہ عربی عبارت دکھائی۔ گورنر اس عبارت کو پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اشپرینگر نے بھی اس تحریر کو ایک نظر دیکھا۔ اسے یہ تحریر اتنی پسند آئی کہ اس نے اسے کالج کے اخبار میں شائع کرنے کا حکم دیا۔ ایک معاصر اخبار میں اس کی روداد یوں بیان کی گئی ہے:

''واضح ہو کہ جس دن نواب معلّی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر رونق افروز مدرسہ ہوئے تھے اور روبرو اکثر صاحبان جلیل القدر اہل سیف وقلم کے جواب مضمون سکالران اعلیٰ انگریزی کا سن کر وثیقہ نیک نامی اور تمغہ سرفرازی سے ممتاز اور سربلند کیا تھا اور از راہ حسن خلق اور قدردانی کے ہر ایک شخص کی تعریف فرمائی تھی، اوسی روز عبارت عربی سید علی اکبر کو، کہ عہدہ داران اعلیٰ سے ہیں اور عربی میں نمبر اول رکھتے ہیں اور علم ادب اور انشا میں نہایت ید طولیٰ اور مہارت تامہ ہے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت خوش ہوئے اور نہایت تحسین اور آفرین فرمائی۔ اور ڈاکٹر سپرنگر صاحب نے بخیال اظہار لیاقت اور قابلیت طلبا مدرسہ اور تحریص اور ترغیب اور طالب علموں کی ارشاد کیا کہ یہ عبارت مع حال عنایت اور قدردانی نواب محتشم الیہ کے درج ہوتا کہ ہر شخص کو تحصیل علم میں نہایت کوشش ہو۔ چنانچہ موافق ایماء والا صاحب ممدوح کے یہ عبارت واسطے ملاحظہ ناظرین اخبار خصوصاً اہل علم و

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فضل کے درج اخبار ہوتی ہے[1]۔

علی اکبر ۱۸۴۷ء کے اواخر تک جماعت اول (عربی) کے فریق اول کا طالب علم تھا اور ابھی اس کی تعلیم مکمل ہونے میں چند ماہ باقی تھے کہ اشپرینگر اسے اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو حکومت برطانیہ نے اشپرینگر کو لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز کیا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ وہاں جا کر شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ، عربی، فارسی، اردو، ہندی اور پشتو کے نادر قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرے۔ اشپرینگر کی اس تقرری میں مشہور مؤرخ ہنری ایلیٹ کی ذاتی کاوشوں کا بڑا دخل تھا، جو خود بھی تاریخی نوعیت کے مخطوطات جمع کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ حکومت برطانیہ نے اشپرینگر کی جگہ ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا اور وہ تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۲۴ فروری ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ روانہ ہو گیا[2]۔ اشپرینگر عربی اور فارسی سے کما حقہٗ واقف تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد اس نے اردو زبان بھی سیکھ لی تھی۔ ان زبانوں کے قلمی نسخوں کی پرکھ پڑچول کا بھی اسے وسیع تجربہ تھا، لیکن اس کے باوجود اسے اپنی نئی ذمہ داری کی مشکلات کا پورا احساس تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اکیلا اتنے بڑے کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ روانگی سے قبل اس کی نظرِ انتخاب علی اکبر جیسے ذہین نوجوان اور عربی ادبیات کا وسیع مطالعہ رکھنے والے ہونہار طالب علم پر پڑی۔ وہ علی اکبر کی عربی تحریریں اور اعلیٰ تعلیمی کوائف دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے علی اکبر کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر سکے اور اسے اپنے ساتھ لکھنؤ لے گیا۔

اشپرینگر ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا اور جاتے ہی اس نے وہاں کے شاہی کتاب خانوں میں پڑے ہوئے ہزاروں مخطوطات کی فہرست تیار کرنا شروع کر دی۔ وہ یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے واپس چلا۔ اپنے قیام لکھنؤ کے دوران میں وہ ایک ماہ دوسرے کاموں میں مصروف رہا اور تین ماہ علیل رہا۔ صرف ڈیڑھ سال وہ مخطوطات کی فہرستیں تیار کرتا رہا۔ اتنی قلیل مدت میں اس نے دس ہزار قلمی نسخوں کو دیکھا اور ان کے بارے میں بنیادی کوائف جمع کئے۔ اشپرینگر نے اپنی مرتبہ فہرست کی جلد اول (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے شروع میں ان شاہی کتاب خانوں کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ سلطنت اودھ کی مجموعی سیاسی ابتری اور بدحالی سے خاصا ملتا جلتا ہے۔ ان حالات میں ایک ایک قلمی نسخے کو دیکھنا، اسے پڑھنا اور پھر کتاب اور اس کے مؤلف کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ چند برسوں بعد پرشوو

۱۔ قران السعدین، جلد ۳ شمارہ ۸، بابت ۲۱ فروری ۱۸۴۸ء، مائیکروفلم ملوکہ راقم۔ علی اکبر کی یہ عربی عبارت آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی۔

۲۔ ایضاً، جلد ۳، شمارہ ۹، بابت ۲۸ فروری ۱۸۴۸ء

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سلطنت اودھ کا چراغ گل ہو گیا اور وہ بھی حکومت برطانیہ کا حصہ بن گئی۔ آخری تاجدار واجد علی شاہ اختر معزول ہو کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں ایک نیا لکھنؤ آباد کرنے میں مگن ہو گئے۔ اس سے اگلے سال ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہو گیا، جس نے لکھنؤ جیسے تہذیبی گہوارے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور دیگر تہذیبی آثار کے ساتھ اودھ کے یہ شاہی کتب خانے بھی دست بردز مانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ایسی لوٹ مچی کہ دیکھتے دیکھتے یہ کتاب خانے ویران ہو گئے اور ان میں محفوظ نوادرات کا کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں گئے۔ اب ان یگانۂ روزگار کتاب خانوں کی یادگار صرف اشپرینگر کی تیار کردہ یہ فہرست باقی رہ گئی ہے اور اس کی بھی صرف پہلی جلد۔

اس فہرست کی تدوین اشپرینگر کی انتھک محنت اور مصادر اسلامی پر اس کی مضبوط گرفت کا بیّن ثبوت ہے۔ بلا شبہ یہ ایک عظیم اور نا قابل فراموش علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے، لیکن اس کارنامہ کی تکمیل میں علی اکبر کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اشپرینگر اسے اپنے ساتھ لکھنؤ اسی مقصد کے لیے لے جانا چاہتا تھا کہ وہ مخطوطات کے مطالعہ کے بعد جن ضروری اقتباسات پر نشان لگائے گا، علی اکبر اسے نقل کرتا رہے گا۔ وہ بھی شروع شروع میں اشپرینگر کی ہدایت کے مطابق صرف نشان زدہ عبارتوں کو نقل کرتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ اس کے ذوق کتب بینی کو مہمیز ہوئی اور وہ اس کام میں اتنا منہمک ہوا کہ اشپرینگر سے متعلقہ کام بھی وہ خود ہی کر لیا کرتا تھا۔ اس فہرست کی تدوین کا طریق کار یہ تھا کہ ہر قلمی نسخے کو پہلے علی اکبر دیکھتا اور اس کے بغور مطالعہ کے بعد ضروری کوائف مثلاً کتاب کا نام، مؤلف، سنہ تالیف، کاتب، اوراق، خط، کاغذ، اول و آخر کی عبارتیں، ترقیمہ وغیرہ علی اکبر اپنے ہاتھ سے چھوٹے سائز کے کاغذوں پر لکھ دیتا۔ علی اکبر ان معلومات کو کاغذ کے اوپر اور نیچے تحریر کرتا تھا اور درمیانی جگہ خالی چھوڑ دیتا تھا۔ یہ کاغذ جب اشپرینگر دیکھتا، تو وہ علی اکبر کی فراہم کردہ معلومات کو کاغذ کے درمیان خالی جگہ پر انگریزی میں لکھ دیتا اور اگر کہیں مناسب سمجھتا تو ان میں اضافہ بھی کر دیتا۔ برلین (مغربی) میں اب بھی ذخیرۂ اشپرینگر میں ایسے سیکڑوں کاغذات موجود ہیں، جن پر جلی قلم سے اصل عربی اور فارسی عبارتیں منقول ہیں۔ یہ تمام عبارتیں علی اکبر کی تحریر کردہ ہیں اور یہ اودھ کے انھی شاہی کتاب خانوں کے خطی نسخوں سے متعلق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہزاروں مخطوطات کے متعلق خام مواد علی اکبر فراہم کرتا تھا اور اشپرینگر بعد میں اسی کو انگریزی میں منتقل کر دیا کرتا تھا۔ اس اعتبار سے اشپرینگر کے اس یادگار علمی کارنامہ میں علی اکبر بھی برابر کا شریک ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشپرینگر کو بھی اپنے دیباچے میں اس کی انتھک محنت اور جانفشانی کو خراج تحسین پیش کرنا پڑا۔

اشپرینگر لکھنؤ سے ہزاروں مخطوطات کی فہرست کا مسودہ تیار کر کے جنوری ۱۸۵۰ء کو دہلی روانہ ہوا۔ اس کی غیر موجودگی میں ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا تھا۔ جونہی اشپرینگر واپس آیا، اسے پھر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سابقہ عہدے (یعنی پرنسپل دہلی کالج) پر تعینات کر دیا گیا۔ علی اکبر اشپرینگر کے ساتھ دہلی واپس نہ آیا۔ وہ اس کے حکم پر مزید ایک ماہ لکھنؤ ہی میں قیام پذیر رہا، کیونکہ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ وہ لکھنؤ کے چیدہ چیدہ نجی کتاب خانوں کی فہرستیں بھی تیار کر لے۔ اس ضمن میں منشی محمد حسن اور نواب محمد میر خاں کے کتاب خانے قابل ذکر تھے۔ اُدھر علی اکبر ان نجی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف تھا، اِدھر دہلی میں اشپرینگر نے اس کی غیر حاضری کو اس کی تعلیم پر اثر انداز نہ ہونے دیا اور؟ سے اسی جماعت کے طلبہ میں شامل کر لیا گیا، جہاں سے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ ابھی دہلی نہیں پہنچا تھا کہ دہلی کالج میں ۷ فروری ۱۸۵۰ء کو ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں روسائے دہلی بھی شریک تھے۔ لفٹیننٹ گورنر اس جلسہ کے مہمان خصوصی تھے۔ اشپرینگر نے پہلے کالج کی روداد پیش کی اور پھر مہمان خصوصی نے طلبہ میں اسناد اور انعامات تقسیم کیے۔ اس جلسہ کی تفصیلی روداد رقم کرنے کے بعد ایک معاصر اخبار یہ اطلاع دیتا ہے کہ اب کی بار کالج میں ایک سو دس اسکالر مقرر ہوئے، جن میں انتالیس طلبہ کو چار روپیہ سے لے کر سات روپے تک ماہوار وظیفہ ملے گا۔ ان انتالیس طلبہ میں شعبہ عربی کے علی اکبر بھی شامل ہیں جن کا بیس روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہوا[1]۔

اشپرینگر نے واپس دہلی پہنچتے ہی نہ صرف اس کی ادھوری تعلیم کو مکمل کرنے کا بندوبست کر دیا، بلکہ اس کے لیے دہلی کالج ہی میں ایک عارضی ملازمت کا بھی انتظام ہو گیا۔ اشپرینگر کی یہ مساعی اصل میں علی اکبر کی ان خدمات کا صلہ تھا، جو اس نے فہرست سازی کے سلسلہ میں سرانجام دی تھیں۔ ان دنوں اس کالج میں جماعت سوم فارسی کے استاد مولوی احمد علی مؤلف ''چشمہ فیض'' تھے، جو بقول کریم الدین پانی پتی مبتدیوں کو فارسی پڑھانے پر مامور تھے اور ۱۸۴۷ء میں جن کی عمر قریب ۳۵ برس تھی[2]۔ مولوی احمد علی نے ۱۸۴۸ء میں کسی وجہ سے ایک سال کی طویل رخصت کی درخواست دی، جو اس شرط پر منظور ہو گئی کہ چھے ماہ تک انھیں نصف تنخواہ ملے گی اور بقیہ چھے ماہ کی رخصت بلاتنخواہ ہوگی۔ مولوی صاحب نے یہ شرط قبول کر لی اور یکم جنوری ۱۸۴۹ء سے وہ ایک سال کی رخصت پر چلے گئے۔ ان کی یہ رخصت ۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء کو ختم ہو گئی، لیکن وہ پھر بھی کالج حاضر نہ ہوئے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اب مولوی احمد علی صاحب واپس نہیں آئیں گے، اس لیے اس خالی اسامی پر انھیں مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ دہلی کالج کے ایک پرانے طالب علم مولوی خدا بخش، جو ان دنوں لارنس اسکول میں مدرس فارسی تھے، اشپرینگر کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرتے ہیں:

۱۔ قران السعدین، جلد ۵ شمارہ ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء مائیکروفلم مملوکہ راقم۔ اس کے ساتھ ہی علی اکبر کے برادر خورد علی اصغر کا نام بھی درج ہے، جس کے لیے نو روپے وظیفہ مقرر ہوا۔

۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''حضور کے مدرسہ میں عہدہ احمد علی صاحب مدرس سویم فارسی کا خالی ہے اور میعاد ان کی رخصت کی منقطع ہو چکی ہے۔ اس واسطے امیدوار ہوں کہ فدوی کو از راہ پرورش خاوندانہ کے عہدہ مذکور پر ممتاز فرما دیں۔''(۱)

جب اس خالی عہدہ کے امیدواروں کی تعداد بڑھ گئی اور پرنسپل پر ہر طرف سے دباؤ پڑنے لگا تو اس کا فوری حل یہ سوچا گیا کہ اس عہدہ پر کسی موزوں شخص کو عارضی طور پر مقرر کر دیا جائے، تاکہ اگر مولوی احمد علی واپس بھی آ جائیں تو انھیں پھر سے سابقہ عہدے پر بحال کرنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ اس عارضی تقرری کے لیے اشپرینگر نے علی اکبر کو منتخب کیا۔ علی اکبر ابھی لکھنؤ ہی میں تھا کہ اسے اشپرینگر نے بذریعہ خط اپنے انتخاب کی اطلاع دی، جس کے جواب میں علی اکبر نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ

''نیابت مولوی احمد علی کی چند روز کے واسطے خاکسار کو بسر و چشم منظور ہے۔''

چنانچہ علی اکبر ۲ فروری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے روانہ ہوا اور اسی ماہ کے وسط میں دہلی پہنچ گیا اور آتے ہی دہلی کالج میں جماعت سوم فارسی کے عارضی مدرس کی حیثیت سے اپنا کام شروع کر دیا۔ علی اکبر کا اصل موضوع عربی زبان و ادب تھا اور وہ ابتداء ہی سے دہلی کالج کے شعبۂ عربی کا طالب علم رہا۔ اس کے باوجود وہ فارسی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتا تھا اور اتنی فارسی ضرور جانتا تھا کہ مبتدیوں کو یہ زبان پڑھا سکے۔ پھر اشپرینگر ان دنوں اس کے روزگار کا مسئلہ حل کرنے میں کوشاں تھا اور یہ اس کی ذاتی کوشش تھی کہ علی اکبر کو یہ عارضی ملازمت مل گئی۔ چنانچہ وہ خود اس بات کا یوں اعتراف کرتا ہے:

''مجکو بھی وہ علاقہ (۲) ملنا مشکل تھا، مگر صرف حضور کے اقبال سے حاصل ہوا، ورنہ مجکو کون پوچھتا۔ چنانچہ ٹیلر صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ تو ہی تھا جو یہ علاقہ تجکو مل گیا اور کسی کو ہرگز نہ ملتا۔''

علی اکبر کو اشپرینگر کی تگ و دو سے دہلی کالج میں ملازمت تو مل گئی، لیکن یہ صرف مولوی احمد علی کی واپسی تک تھی۔ معلوم نہیں مولوی موصوف واپس آئے یا نہیں، البتہ علی اکبر کو چند ماہ بعد یہ عہدہ چھوڑنا پڑا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ علی اکبر کی تقرری کے چند ماہ بعد اشپرینگر بیمار پڑ گیا اور وہ رخصت لے کر ۱۹ اپریل کو شملہ چلا گیا۔ ابھی وہ وہیں تھا کہ حکومت برطانیہ نے مئی ۱۸۵۰ء میں اسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا اور اس کی جگہ کارگل کو دہلی کالج کا مستقل پرنسپل بنا دیا گیا۔ ممکن ہے، اس تبدیلی کے سبب علی اکبر کو اپنی عارضی ملازمت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مولوی احمد علی طویل رخصت گذارنے کے بعد واپس آ گئے

۱۔ مکتوب خدا بخش بنام اشپرینگر، بابت ۱۹ جنوری ۱۸۵۰ء۔ (دیکھئے آئندہ سطور)

۲۔ یعنی عہدہ مولوی احمد علی کا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوں، اس کے بعد علی اکبر چند ماہ دہلی ہی میں مقیم رہا اور اس انتظار میں رہا کہ اشپرینگر اس کے لیے کسی موزوں ملازمت کا بندوبست کر دے گا۔ اشپرینگر اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کلکتہ جا چکا تھا، لیکن وہ گاہے ماہے علی اکبر کو خط لکھتا رہتا تھا۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے چوتھے (بابت ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء) اور چھٹے خط (بابت ۱۹ اگست ۱۸۵۰ء) سے علی اکبر کے قیام دہلی کا پتا چلتا ہے، کیونکہ یہ دونو خطوط مولانا کو اس کی وساطت سے ملے تھے۔ ان دنوں اشپرینگر کے بیوی بچے شملہ میں تھے، چنانچہ اس کے حکم پر علی اکبر شملہ چلا گیا اور پھر کچھ عرصہ وہیں رہا۔ جب اکتوبر ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کے افراد خانہ اس کے پاس جانے کے لیے کلکتہ روانہ ہوئے، تو علی اکبر بھی ۲۲ اکتوبر کو شملہ سے روانہ ہوا اور ۲۹ اکتوبر کو دہلی پہنچ گیا۔

علی اکبر دہلی واپس آیا، تو مولوی احمد علی کا عہدہ جوں کا توں خالی پڑا ہوا تھا۔ شاید مولوی صاحب اپنی طویل رخصت سے واپس نہیں آئے تھے اور اگر آئے تھے تو پھر چلے گئے تھے اور اس دفعہ وہ مستقل طور پر اپنی ملازمت چھوڑ گئے تھے۔ علی اکبر نے اس عہدہ کو پھر سے حاصل کرنے کے لیے اشپرینگر سے رجوع کیا۔ اس نے ہیڈ ماسٹر ٹیلر سے سفارش کی اور ٹیلر نے پرنسپل کارگل سے کہہ کر یہ ملازمت دوبارہ علی اکبر کو دلوا دی اور وہ پھر سے کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھانے لگا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو لکھتا ہے:

''ٹیلر صاحب بہادر نے بموجب ایما حضور کے کارگل سے کہہ کر علاقہ مولوی احمد علی پھر مجکو دلوا دیا ہے۔ مولوی مذکور اب نہ آویں گے۔''

ابھی علی اکبر کو دہلی کالج میں پڑھاتے ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ دہلی کے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی کچہری کے ناظر اور سر رشتہ دار رشوت ستانی کے جرم میں معزول ہوئے۔ مفتی صاحب اپنے ان ماتحتوں کو بے قصور سمجھتے تھے اور ان کی معزولی کے حق میں نہیں تھے، لیکن دہلی کا انگریز جج ان پر عائد کردہ الزامات کو درست مانتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے ان دونو کو سبکدوش کر دیا۔ انگریز جج دہلی کالج کا بھی خواہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ان دونو عہدوں پر اسی کالج کے موزوں اشخاص کو تعینات کیا جائے۔ ویسے بھی ان دنوں اخباروں میں یہ بحث چل رہی تھی کہ کالج کے طلبہ درس و تدریس کے علاوہ دیگر انتظامی نوعیت کی ملازمتوں کے لیے سودمند ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ایک اخبار میں ایک مضمون بعنوان ''لئیق طالب علم مدرسے کے اور آدمیوں سے نوکری کے واسطے زیادہ مستحق ہیں یا نہیں؟'' شائع ہوا تھا، جس میں دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ایسی اسامیوں کے لیے کالج کے لوگ دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ مفید ہیں[1]۔ انگریز جج نے جب کالج والوں سے رجوع کیا تو ان دونو عہدوں یعنی ناظر اور سر رشتہ دار کے لئے علی اکبر اور اس سے

۱۔ فوائد الناظرین، جلد ۴ شمارہ ۹، بابت ۳۰ اپریل ۱۸۴۹ء، مائیکرو فلم ملوکہ راقم۔

قریبی دوست مولانا محمد مظہر نانوتوی نے درخواستیں پیش کر دیں۔ چنانچہ انگریز جج کے حکم پر ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو یہ دونو مفتی صاحب کی کچہری میں ملازم ہو گئے[1]۔ علی اکبر کو عہدۂ نظارت تفویض ہوا اور اس کی ماہانہ تنخواہ ساٹھ روپے مقرر ہوئی۔ مولانا محمد مظہر کو عہدۂ سررشتہ داری ملا اور ان کا مشاہرہ پینتیس روپے ماہوار مقرر ہوا۔ علی اکبر کے عہدہ میں چونکہ روپے پیسے کا لین دین بھی شامل تھا، اس لیے اس سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی، جس کا اس نے کسی نہ کسی طرح انتظام کیا اور دہلی کالج سے ۲۳ دسمبر ۱۸۵۰ء تک رخصت لے کر مفتی صاحب کی کچہری میں بطور ناظر کام کرنے لگا۔ مولانا محمد مظہر ان دنوں بیکار تھے، اس لیے انہیں رخصت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

بطور ناظر علی اکبر کو روپے پیسے کا حساب رکھنا پڑتا تھا اور عملہ وغیرہ کا انتظام بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنے ایک خط میں رقم طراز ہے کہ ''نظارت کے واسطے، جس میں ہمیشہ روپیہ سے کام پڑتا ہے اور تمام چپراسیوں اور اہل عملہ و متخاصمین و وکلاء وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔'' یہ نیا عہدہ علی اکبر کے عہدۂ مدرسی سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوا اور صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے لوگ بھی عزت کرنے لگے، لیکن اس کے باوجود وہ اس ملازمت سے مطمئن نہیں تھا۔ اس عدم اطمینان کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس عہدے کو مستقل نہیں سمجھتا تھا۔ علی اکبر کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ جونہی متعلقہ جج تبدیل ہوگا یا واپس اپنے ملک چلا جائے گا، مفتی صاحب فوراً اسے ہٹا کر پرانے ناظر کو بحال کر دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ مفتی صاحب کی ''متلون مزاجی'' اور ''ناقدردانی'' سے بھی خائف تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ کب مفتی صاحب کا مزاج بدلے اور وہ اسے نکال باہر کریں۔ علی اکبر نے اپنے چند خطوط میں مفتی صاحب کی شخصیت کا ایک اور ہی رخ پیش کیا ہے، جو ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب متلون مزاج، ناقدردان اور حاسد شخص تھے۔ اشپرینگر نے کلکتہ جانے کے بعد مولانا مملوک العلی نانوتوی کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کی پیش کش کی، لیکن وہ اپنی احتیاط پسندی کے باعث دہلی نہ چھوڑ سکے۔ اس پس منظر میں علی اکبر اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو بتاتا ہے کہ:

''مفتی صدرالدین نے بھی بہت منع کیا، بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور مرے اور جہنم

۱۔ علی اکبر اپنے مکتوب بابت ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں لکھتا ہے کہ ''صاحب جج نے سررشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو بعلت رشوت ستانی موقوف کروا کر حکم دیا کہ اہل مدرسہ کو جو معتمد ہیں، یہ عہدہ دیئے جائیں۔ اسی سبب سے ہم دونوں کو دیئے گئے۔''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں گئے، یعنی وہاں کے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے، نصاریٰ ہو جاتا ہے۔ وجہ ممانعت مفتی کی مولوی صاحب نہیں سمجھے اور وہ یہ تھی کہ مفتی صاحب کو حسد و رشک لانہایت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی اون کے احبّا یا اقربا یا شاگردوں میں سے عہدۂ جلیل پر منصوب ہو اور آخر کو شاید اون سے برتر اور بلند مرتبہ ہو جائے۔ چنانچہ اس بات کو سب جانتے ہیں۔"

ایک اور خط میں وہ یوں لکھتا ہے کہ:

"ان دنوں میں فدوی نظارت کچہری صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے۔ اگر چہ یہ عہدہ بہ نسبت مدرسی مدرسہ کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرۃً و عزتاً و حکومتاً بمراتب بہتر ہے، لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں۔ اس واسطے کہ فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے۔ جبکہ صاحب مذکور بدل جائیں گے یا ولایت کو جائیں گے، فوراً سررشتہ دار و ناظر سابق کو مفتی صاحب بحال کر دیں گے اور مفتی صاحب نہایت متلون مزاج و ناقدردان ہیں، چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔"

ایک اور خط سے متعلقہ اقتباس:

"عہدۂ مولوی احمد علی کا واسطے طمع ترقی کے چھوڑ کر نظارت محکمہ صدر الصدور اختیار کی۔ اب اوس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ ارادہ مفتی صاحب کا یہ ہے کہ بروقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال کو موقوف کر کر ناظر سابق کو پھر بحال کر دیں گے ...... سوائے آستانہ عالی کے کوئی اور ٹھکانا اس خاکسار کو نہیں۔ مفتی صاحب کے سو روپیہ سے حضور فیض گنجور کے دس روپیہ سو درجہ بہتر ہیں۔"

مفتی صاحب سے متعلق آخری اقتباس:

> "حال نظارت کا یہ ہے کہ کبھی ۵۰ اور کبھی ۶۰ روپیہ حاصل ہوتے ہیں، لیکن عدم ترقی کا یقین کلّی ہے اور احتمال تعزل یا تنزل کا بباعث عدم استقلال مزاج مفتی صاحب باقی ہے ...... صاحب جج بہادر بھی، جو کہ ان دنوں میں اہل مدرسہ کے حامی و مددگار ہیں اور جن کے ایماء و حکم سے مفتی صاحب نے ہم کو مقرر کیا ہے، چند سال تک دہلی میں رہیں گے اور اس صورت میں مفتی صاحب کچھ ضرر ہم کو نہیں دے سکتے۔"

مفتی صدر الدین آزردہ (۱۷۸۹ء - ۱۸۶۸ء) دہلی کے معززین میں سے تھے اور اس دور میں مسلمانوں کے سب سے بڑے عہدے یعنی صدر الصدور پر فائز تھے۔ حکومتی سطح کے علاوہ علم و ادب کی محفلوں میں بھی آپ کا چرچا تھا۔ علوم اسلامیہ کے درس و تدریس سے بھی منسلک تھے۔ دینی حلقوں میں بھی آپ کی رائے معتبر سمجھی جاتی تھی۔ آپ کے تمام معاصرین، تلامذہ اور ہمعصر تذکرہ نویس آپ کے کمالات علمیہ کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ساتھ ساتھ آپ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے معترف ہیں[۱]، لیکن حیرت ہے، ان میں سے کسی نے مفتی صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کی جانب اشارہ تک نہیں کیا، جس کا ذکر علی اکبر نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔ مفتی صاحب اپنے بلند ترین عہدے اور علمی مرتبے کے حوالے سے دہلی کی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ اس لیے علی اکبر یہ عہدۂ نظارت ملنے سے پہلے بھی انہیں ضرور جانتا ہوگا۔ اس کے علاوہ علی اکبر دہلی کالج میں برسوں طالب علم رہا اور مفتی صاحب اس کالج کی مجلس انتظامی کے رکن تھے۔ اس مجلس کا مقصد مدرسہ کے معاملات کی نگرانی اور اس کی بہبودی تھا[۲]۔ مفتی صاحب اس کالج کے ممتحن بھی تھے اور عربی اور فارسی جماعتوں کے امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ کامیاب طلبہ کو ان کی جانب سے تمغے اور انعامات بھی دیے جاتے تھے۔ ۷ فروری ۱۸۵۰ء کو کالج میں جو جلسہ ہوا، اس میں دیگر رؤسائے دہلی مثلاً نواب ضیاء الدین خاں، مرزا سید حسین خاں اور زین العابدین خاں کے علاوہ مفتی صاحب بھی شریک تھے۔ اسی جلسہ میں علی اکبر کو شعبۂ عربی کا اسکالر تجویز کیا گیا اور بیس روپے ماہوار وظیفہ بھی مقرر ہوا[۳]۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی اکبر مفتی صاحب کو اچھی طرح سے جانتا تھا اور ممکن ہے، وہ براہ راست یا اشپرینگر کی وساطت سے ان سے ملا بھی ہو۔

علی اکبر جب مفتی صاحب کی کچہری میں بطور ناظر کام کرنے لگا، تو اسے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کی تقرری مفتی صاحب کی منشا کے خلاف تھی، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سابقہ ناظر کو موقوف کیا جائے، لیکن وہ حاکم بالا کے سامنے بے بس ہو گئے اور انھیں مجبوراً علی اکبر کو عہدۂ نظارت دینا پڑا۔ ممکن ہے، وہ مختلف طریقوں سے اپنی ناخوشی کا اظہار بھی کرتے ہوں، علی اکبر بہت تھوڑی دیر کے لیے یہاں ملازم رہا اور اس دوران میں پریشان ہی رہا، کچھ تو مفتی صاحب کے مزاج کی وجہ سے اور کچھ عہدہ کے مستقل نہ ہونے کے سبب۔ پھر بھی وہ کام کرتا رہا اور ساتھ ساتھ کسی اور کالج میں ملازمت کے لیے کوشاں رہا۔ اسی سے ملتا جلتا حال مولانا محمد مظہر نانوتوی کا بھی تھا۔ وہ بھی اسی کے ساتھ عہدۂ سررشتہ داری پر ملازم ہوئے تھے، لیکن وہ جلد ہی یہ ملازمت چھوڑ کر رڑکی چلے گئے۔ شاید مولانا کے اتنی جلدی ملازمت ترک کرنے کا سبب بھی مفتی صاحب کی متلون مزاجی ہی ہو، لیکن انھوں نے رڑکی پہنچنے کے بعد جو خط اشپرینگر کو تحریر کیا (بابت ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء)[۴]،

۱۔ تفصیل کے لیے رک: مفتی صدر الدین آزردہ (حیات، شخصیت، علمی اور ادبی کارنامے) از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، دہلی ۱۹۷۷ء

۲۔ مرحوم دہلی کالج طبع دوم ص ۱۱۲-۱۱۶

۳۔ قران السعدین، جلد ۵، شمارہ ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء (مخزونہ برلین)

۴۔ یہ خط بذیل ذکر "مولانا محمد مظہر نانوتوی" سابقہ سطور میں شائع ہو چکا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس میں مفتی صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، علی اکبر مفتی صاحب سے کچھ زیادہ ہی شاکی تھا۔ اس کے علاوہ اسے ہر وقت عہدۂ نظارت کی غیر مستقلی کا دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ حالانکہ وہ یہ عہدہ سنبھالنے سے قبل دہلی کالج کی جماعت فارسی (سوم) کا معلم تھا اور ان دنوں رخصت پر تھا۔ وہ چاہتا تو مفتی صاحب کا ساتھ چھوڑ کر واپس کالج جا سکتا تھا، لیکن یہاں کی مالی منفعت اور عزت و تکریم اسے جانے نہیں دیتی تھی۔ وہ مفتی صاحب سے نالاں ضرور تھا اور شاید اسی وجہ سے اس نے اپنے خطوط میں ایسی باتیں لکھی ہیں۔ اس کی ان باتوں میں مفتی صاحب کی ماتحتی کے تلخ تجربات کا بھی ضرور حصہ ہوگا، لیکن وہ اس سے پہلے بھی مفتی صاحب کے مزاج سے واقف تھا۔ اس کا عہدۂ نظارت پر ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو تقرر ہوا، لیکن اس نے اشپرینگر کے نام ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء کو جو خط لکھا، اس میں بھی مفتی صاحب کے حسد و رشک کا برملا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مفتی صاحب کے متعلق وہ جو کچھ لکھ رہا ہے، اس کو صرف وہی نہیں، بلکہ اور لوگ بھی جانتے ہیں، یوں اس کی باتوں کو کسی ذاتی رنجش یا پرخاش کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا اور مفتی صاحب کے قریبی واقف کار کی حیثیت سے نہ اس کی باتوں کو رد کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ کہنا بجا ہے کہ علی اکبر اس وقت پچیس برس کا نوجوان تھا اور مفتی صاحب کی عمر ساٹھ برس سے متجاوز تھی، اس لیے اسے ایک بزرگ اور عالی مرتبت شخصیت کے بارے میں ایسے لہجے میں اظہار خیال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی علی اکبر ایک تیز مزاج اور جذباتی سا نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اس کے استاد تھے۔ وہ عمر رسیدہ شخص تھے اور دہلی کے علمی حلقوں میں ان کا شہرہ تھا، لیکن ان کے متعلق بھی علی اکبر نے کچھ ایسا ہی پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے۔ بعد میں غالباً اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اشپرینگر سے درخواست کی کہ وہ ان خطوں کو ضائع کر دے۔ بہرحال علی اکبر نے مفتی صاحب کی شخصیت کے جس رخ سے پردہ اٹھایا ہے، وہ یقیناً ان کے مداحوں اور تذکرہ نگاروں کے لیے نیا ہے۔

اشپرینگر کی خدمات مئی ۱۸۵۰ء کو حکومت بنگال کے سپرد کر دی گئیں اور اسے کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ غالباً وہ اس سے اگلے ماہ یعنی جون میں کلکتہ پہنچا اور اپنی نئی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے مدرسہ کے انتظام اور نصاب میں بعض بنیادی تبدیلیاں کرنے کا پروگرام بنایا۔ ان دنوں مدرسہ کا عہدۂ امنی خالی پڑا ہوا تھا۔ اس عہدہ پر حافظ احمد کبیر فائز تھے، جو اسی سال کے شروع میں انتقال کر گئے تھے۔ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ اس عہدہ پر کسی عالم و فاضل شخص کو مامور کیا جائے، چنانچہ اس نے پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اس عہدہ کی پیش کش کی۔ مولانا دہلی کالج چھوڑنے سے قبل پنشن کے تحفظات چاہتے تھے، اس لیے وہ اشپرینگر کی پیش کش کو فوراً قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے، اس سلسلہ میں ان کے مابین مراسلت چلتی رہی۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جو تقریباً دو ماہ تک جاری رہی[۱]۔ اشپرینگر کو جب یہ یقین ہوگیا کہ مولانا کلکتہ نہیں آئیں گے تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عہدے کے لیے امتحان لیا جائے اور جو امیدوار کامیاب ہو، اسے یہ عہدہ تفویض کر دیا جائے۔ علی اکبر بھی اس عہدۂ امینی کا امیدوار تھا۔ پہلے تو اس کی خواہش تھی کہ وہ امتحان وغیرہ کے چکر میں نہ پڑے اور اشپرینگر اسے ذاتی مراسم ہی کی وجہ سے یہ عہدہ تفویض کر دے، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، شاید اس ناکامی کا سبب مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے، جن کے متعلق اس نے اشپرینگر سے سخت الفاظ میں شکایت کی۔ اس دوران میں وہ صدر الصدور کی کچہری میں ملازم ہوگیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ دہلی کالج کا سابق پرنسپل ٹیلر ۲۹ نومبر کو اسے کچہری میں ملا اور اسے بتایا کہ عہدۂ امینی کے لیے ۹ دسمبر کو امتحان ہوگا۔ وہ امتحان دینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس نے کافی دیر سے پڑھنا پڑھانا اور مطالعہ کتب چھوڑ رکھا تھا۔ پھر بھی اس نے اشپرینگر کی خوشنودی کی خاطر مقررہ تاریخ کو امتحان دیا، جس میں اس کے علاوہ مولوی حسن علی خاں، مولانا محمد مظہر نانوتوی اور فیض الحسن شریک ہوئے۔ علی اکبر اپنے امتحان سے زیادہ پُر امید نہیں تھا۔ جب ان چاروں اصحاب کے پرچے اشپرینگر کے پاس پہنچے، تو اس نے ان میں سے کسی کو بھی عہدۂ امینی کے اہل نہ سمجھا۔ علی اکبر نے دہلی کالج سے ۲۳ دسمبر تک رخصت لے رکھی تھی۔ اسی عرصے میں اسے عہدۂ نظارت مل گیا، اس لیے کالج والوں نے اس کی چھٹی ختم ہونے سے قبل اس کے عہدہ پر منشی کریم بخش کو مقرر کر دیا۔ اب صرف اسے عہدۂ امینی کے حصول کی امید تھی، لیکن یہ امید بھی پوری نہ ہوسکی، کیونکہ امتحان دینے والوں میں کوئی امیدوار بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ اب علی اکبر کے پاس صرف عہدۂ نظارت تھا اور اسے خلاف مزاج صدر الصدور کے ساتھ کام کرنا پڑ رہا تھا۔

مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے ایک امیدوار مولوی محمد سدید الدین خاں بھی تھے، جو مشہور عالم اور دہلی کالج کے پرانے استاد مولانا رشید الدین خاں کے بیٹے تھے۔ یہ پہلے دہلی کالج ہی میں پڑھاتے رہے، لیکن بعد میں انھیں اشپرینگر کی کوششوں سے آگرہ کالج میں مدرس عربی کی ملازمت مل گئی۔ مولانا سدید الدین نے اشپرینگر کے کہنے پر ۷ادسمبر ۱۸۵۰ء کو عہدۂ امینی کے لئے درخواست کلکتہ بھجوا دی۔ بالآخر وہ اس عہدہ کے لیے منتخب ہوئے اور انھیں ۹ جنوری ۱۸۵۱ء کو اس تقرری کی اطلاع دی گئی۔ یہ معلوم نہیں ان کا انتخاب امتحان کے ذریعہ ہوا یا اس کے بغیر۔ بہر حال انھوں نے اس نئے عہدہ کو قبول کر لیا اور غالباً اسی ماہ کے اواخر میں مدرسہ عالیہ میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا[۲]۔

۱۔ مولانا نے اشپرینگر کو چار خط تحریر کیے، جو ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء اور ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کی درمیانی مدت میں لکھے گئے۔ یہ خطوط مع تشریحات مولانا کے ذکر کے تحت درج ہیں۔

۲۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل ذکر ''مولانا محمد سدید الدین خاں''، سطور بالا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اشپرینگر مدرسۂ عالیہ کا عہدۂ امینی تو علی اکبر کو نہ دلا سکا، البتہ وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ اسے کسی کالج میں مدرس کی ملازمت مل جائے۔ وہ حکام بالا سے بھی سفارش کرتا رہا۔ جب مولانا سدید الدین کے کلکتہ جانے کے بعد آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی جگہ خالی ہوئی، تو علی اکبر نے اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ اس نے اشپرینگر کو بھی لکھا کہ وہ اس عہدے کے حصول میں مدد کرے۔ وہ اپنی تگ و دو میں کامیاب تو ہو گیا اور لفٹیننٹ گورنر نے بھی اسے یہ عہدہ دینے کا وعدہ کر لیا، لیکن انھی دنوں آگرہ کالج کی مجلس انتظامی کے ارکان نے ''بباعث عدم ترقی وعدم لیاقت جماعت'' اس عہدۂ مدرس کو موقوف کرنے کی سفارش کر دی۔ صاحبان مجلس کی یہ رائے تھے کہ چونکہ اس جماعت عربی میں طلبہ بہت کم ہیں، اس لیے انہیں اسی کالج کے دوسرے مدرس مولوی ابوالحسن فرید آبادی کے سپرد کر دیا جائے اور اس اضافی کام کے لیے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا جائے اور یوں مولانا سدید الدین کا یہ عہدہ سرے سے ختم کر دیا جائے[1]۔ علی اکبر کو جب یہ خبر ملی تو اس نے اشپرینگر سے استدعا کی کہ وہ کسی طرح ارکان مجلس کی اس تجویز کو نامنظور کرا دے۔ اسی عرصہ میں مدرسہ عالیہ میں مولوی نورالحق کی جگہ عارضی طور پر خالی ہوئی۔ انہوں نے فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مدرسہ سے دو سال کی رخصت لی تھی۔ اشپرینگر چاہتا تھا کہ ان دو سالوں کے لیے علی اکبر کلکتہ آ جائے۔ علی اکبر نے اشپرینگر کے کہنے پر درخواست تو بھجوا دی، لیکن وہ اس عارضی ملازمت کو پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ''عہدہ مستقل پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے بہ نسبت عہدہ عوض خدمت کے۔'' چنانچہ یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا، لیکن اس کے باوجود اشپرینگر اسے کوئی نہ کوئی ڈھب کی ملازمت دلوانے میں سرگرم عمل رہا اور بالآخر اس کی مسلسل کوششوں سے غالباً مارچ یا اپریل ۱۸۵۱ء میں علی اکبر کو آگرہ کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس اول مقرر کر دیا گیا۔ اس کالج کی کمیٹی نے اس عہدہ کی تخفیف کے متعلق رپورٹ اوپر بھیجی تھی، اسے لفٹیننٹ گورنر نے نامنظور کر دیا اور یوں علی اکبر کو وہی عہدہ مل گیا، جس پر چند ماہ پہلے مولانا سدید الدین کام کر رہے تھے۔ اسی کالج کے شعبۂ اردو کے مدرس مولوی کریم الدین پانی پتی اسی عہدہ کے امیدوار تھے اور وہ بھی اس کے حصول کے لیے اشپرینگر کی استعانت کے طالب تھے[2]، لیکن اس دفعہ اشپرینگر طے کر چکا تھا کہ یہ عہدہ علی اکبر ہی کو دیا جائے گا۔ اشپرینگر نے اپنے متذکرہ بالا انگریزی دیباچے میں بھی یہی لکھا ہے کہ اس نے شمال مغربی صوبوں کے لفٹیننٹ گورنر سے سفارش کی تھی اور اسی وجہ سے عہدہ پر علی اکبر کا تقرر ہوا۔ علی اکبر کی یہ تعیناتی اشپرینگر ہی کی مرہون منت تھی، لیکن ضابطے کی کارروائی کو پورا کرنے کے

۱۔ بحوالہ مکتوب ابوالحسن فرید آبادی بنام اشپرینگر، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ سطور آئندہ

۲۔ رک: مکتوبات کریم الدین پانی پتی بنام اشپرینگر، شمارہ ۲ مع تشریحات۔ سطور بالا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لیے اس عہدہ کا بھی امتحان ہوا، جس میں علی اکبر کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اشپرینگر کے ایک اور مکتوب نگار سید برکت علی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "چنانچہ حضور نے بھی کئی دفعہ امتحان لیا اور مولوی سدید الدین خاں اور ابوالحسن اور مولوی علی اکبر کو مقرر فرمایا۔ اور نہیں تو جو مدرس کہ آگرہ میں تھے، اون کو وہ عہدہ ملتا۔"(۱)

علی اکبر کو آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی ملازمت تو مل گئی، لیکن وہ آگرہ پہنچنے کے چند ماہ بعد مرض بواسیر میں مبتلا ہو گیا۔ جاتے ہی اس نے اپنے شعبہ کی نصابی کتب کا جائزہ لیا اور بعض کو اس نے غیر مفید پایا۔ چنانچہ ان کتب غیر مفیدہ مثلاً شروح، حواشی، منطق اور فلسفہ کو نصاب سے خارج کرنے کے لیے پرنسپل آگرہ کالج ڈلٹن سے مشورہ کیا، جسے قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس نے کتب مفیدہ مثلاً ہدایہ، حماسہ، متنبی، یمینی وغیرہ کی تدریس شروع کر دی۔ یہ تمام کتب قریب قریب وہی تھیں، جو دہلی کالج میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ابھی علی اکبر کو پڑھاتے ہوئے چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ وہ بیمار پڑ گیا اور پھر مرض اس قدر بڑھ گیا کہ اٹھنا بیٹھنا اور کہیں آنا جانا بھی مشکل ہو گیا۔ دسمبر ۱۸۵۱ء میں اسے علیل ہوئے چار ماہ گذر چکے تھے، لیکن تکالیف کے باوجود وہ اپنے تدریسی فرائض سے غافل نہیں رہا اور جب کبھی اس کی طبیعت سنبھلتی، وہ طلبہ کو پڑھانے چلا جاتا۔ اس نے اپنے خطوط میں بھی جابجا اپنی علالت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ اشپرینگر کو لکھتا ہے:

"قریب تین مہینے کے ہوئے کہ کمترین درد بواسیر میں گرفتار رہا۔ نشست و برخاست و آمد و رفت کی موقوف ہوئی۔"

(یکم ستمبر ۱۸۵۱ء)

"کئی عرضیاں اپنی بیماری کے حال کی بندگان عالی کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ نظر انور سے گذری ہوں گی۔ چنانچہ اب تک بیمار ہوں، صحت حاصل نہیں ہوئی۔"

(۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء)

"اس سال میں احقر چار مہینے تک مرض بواسیر و نواسیر میں مبتلا رہا، چنانچہ اب تک اوس کا شمہ باقی ہے۔"

(۱۸ دسمبر ۱۸۵۱ء)

"احقر کو اب تک مرض بھگندر ہے...... رہائی نہیں ہوئی اور یوماً فیوماً حال خراب ہوتا جاتا ہے۔ ضعف اس قدر ہے کہ اپنے ہاتھ سے عرضی نہیں لکھ سکا۔"

(۹ فروری ۱۸۵۲ء)

۱۔ برکت علی کے حالات زندگی مع خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آخر وہ اس مرض کے ہاتھوں بے بس ہوگیا اور پانچ مہینے کی رخصت لے کر دہلی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شعبۂ عربی کے طلبہ کو آگرہ کالج کا مدرس اول (فارسی) مولوی ابوالحسن فریدآبادی پڑھاتا رہا[۱]۔ علی اکبر نے دہلی آنے کے بعد بھی علاج جاری رکھا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ چنانچہ وہ تقریباً ایک سال اس مرض کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو جمعہ کے دن انتقال کر گیا۔ اس وقت علی اکبر کی عمر صرف ستائیس برس تھی۔ اس کی وفات سے آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی جگہ پھر سے خالی ہوگئی۔ چنانچہ اس عہدے کے حصول کے لیے بعض اصحاب نے اپنی کوششیں تیز کردیں۔ ان امیدواروں میں تین اصحاب شامل تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فریدآبادی، مؤخر الذکر دونو اصحاب آگرہ کالج ہی کے فارسی اور اردو شعبوں سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان تینوں نے اشپرینگر سے یہ خالی عہدہ دلوانے کی یوں درخواست کی ہے:

''تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی۔''

(مکتوب مولانا محمد احسن نانوتوی، بابت ۲ جولائی ۱۸۵۲ء)[۲]

''اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں فوت ہونے علی اکبر کے خالی ہوگیا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدہ کے واسطے میں نے مدرسہ کی نوکری اختیار کی تھی اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں۔''

(مکتوب مولوی کریم الدین پانی پتی، بابت ۴ جولائی ۱۸۵۲ء)[۳]

''اب قضائے الٰہی سے مولوی علی اکبر نے اوس مرض میں انتقال کیا اور وہ عہدہ خالی رہ گیا لہٰذا اس وقت میں کہ موقع بلکہ استحقاق میری ترقی کا ہے، حضور سے اعانت اور امداد چاہتا ہوں۔''

(مکتوب ابوالحسن فریدآبادی، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء)[۴]

ان تینوں امیدواروں میں سے علی اکبر کے انتقال سے خالی ہونے والے اس عہدے پر کون ف[illegible] ہوا، کچھ معلوم نہیں۔ ممکن ہے، یہ عہدہ مولوی ابوالحسن فریدآبادی ہی کو مل گیا ہو، کیونکہ وہ [illegible]

۱۔ مکتوب ابوالحسن فریدآبادی، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ سطور آئندہ

۲۔ رک: بذیل ذکر ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' ۔ مکتوب نمبر ۱ مع تشریحات۔ سطور بالا

۳۔ رک: بذیل ذکر ''مولوی کریم الدین پانی پتی'' مکتوب نمبر ۳ مع تشریحات۔ سطور بالا

۴۔ یہ مکتوب آئندہ سطور میں شائع ہوگا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خاں کے کلکتہ جانے اور علی اکبر کی تقرری سے قبل اپنی جماعت فارسی کے ساتھ ساتھ عربی جماعت کے طالب علموں کو بھی درس دیتے رہے اور جتنا عرصہ علی اکبر بیماری کے باعث رخصت پر رہا، تب بھی وہی دونو جماعتوں کو پڑھاتے رہے۔ (۱)

علی اکبر کے انتقال کی خبر اشپرینگر تک پہنچی تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اسے اس جواں مرگ شخص سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ وہ اسے زمانۂ طالب علمی سے جانتا تھا۔ پھر لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں علی اکبر نے جس طرح اس کے معاون کی حیثیت سے کام کیا، اس سے اشپرینگر بہت متاثر تھا اور اس کے بعد وہ یہی کوشش کرتا رہا کہ اس ذہین نوجوان کے لیے معقول روزگار کا بندوبست ہو جائے تاکہ وہ دلجمعی اور یکسوئی سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکے۔ علی اکبر کی جواں مرگی کی وجہ سے اس کی یہ توقع تو پوری نہ ہو سکی، البتہ اس نے اپنا یہ اخلاقی فرض سمجھا کہ وہ علی اکبر کی محنت اور ذہانت کا اعتراف کرے چنانچہ جب علی اکبر کی وفات کے دو سال بعد ''فہرست مخطوطات شاہانِ اودھ'' کی پہلی جلد کلکتہ سے شائع ہوئی (۱۸۵۴ء) تو اس کے دیباچے میں اشپرینگر نے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا:

"I was assisted in my labour by 'ally Akbar of Panypat. He was a pupil of the Dilly College, and had not yet completed his course of study when I took him to Lucnow. I did not expect more of him than that he would copy for me such passages as I might mark; but he soon entered into the spirit of the work and was of very great service. Some time after my return from Lucnow I recommended him to the late Lieut. Governor

---

۱۔ اس دور میں علی اکبر نام کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ایک مولوی علی اکبر تھا، جس کا انتقال ۱۸۳۹ء میں ہوا۔ (بحوالہ اہلوارٹ ۱۰، ص ۲۶۴) دوسرے کا نام علی الاکبر تھا جو ۱۸۴۸ء میں فوت ہوا (بحوالہ ایضاً ۱۰: ص ۲۶۴)۔ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں احمد بن سہل البلخی ابوزید کی ''کتاب الاشکال'' (قلمی) کے آخر میں ''مولوی علی اکبر صاحب'' مرقوم ہے اور تاریخ ۱۸۴۰ء ہے (بحوالہ ایضاً ۵، ص ۳۶۲)۔ اسی کتب خانہ میں المبرد کی ''کتاب الکامل'' کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کے آخر میں ''علی الاکبر'' درج ہے اور سنہ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء مرقوم ہے (بحوالہ ایضاً۔ ۷، ص ۳۰۳)۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

of the North Western Provinces and he appointed him first Professor of Arabic of the Agra College. He died in that post in 1852, about thirty years of age.(1) I take this opportunity publicly to record my sense of gratitude and esteem to this talented, industrious and conscientious young man."

علی اکبر عربی زبان اور انشاء پر کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے اس کی عربی دانی کا چرچا تھا اور دہلی کالج کے اساتذہ اور پرنسپل اس کی ذہانت و فطانت کے قائل تھے۔ اس نے دہلی کالج میں فارسی اور آگرہ کالج میں عربی پڑھائی۔ عربی ادبیات کے علاوہ مختلف اسلامی علوم مثلاً صرف و نحو، منطق و معانی، فلسفہ اور فقہ کا بھی وسیع مطالعہ تھا۔ کتب بینی کا شوق رکھتا تھا۔ مخطوطہ شناس تھا اور خود بھی قلمی نسخوں کا عمدہ ذخیرہ اس کی ملکیت تھا(۲)، لیکن اتنی خوبیوں کے باوصف علی اکبر کسی موضوع پر کوئی کتاب نہ لکھ سکا۔ اس کی ابتدائی عمر تحصیل علم میں گذری۔ ابھی تعلیم بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اشپرینگر اسے اپنے ساتھ لکھنؤ لے گیا اور وہاں وہ اس کی فہرست کے لئے مخطوطات کے کوائف اور ان سے متعلقہ معلومات جمع کرتا رہا۔ یہاں سے فارغ ہوا تو تلاش روزگار میں سرگرداں رہا۔ شروع میں جو ملازمتیں

۱۔ اشپرینگر نے اندازاً اس کی عمر تیس برس کے قریب بتائی ہے جبکہ اس کے متذکرہ بالا تعلیمی ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوا، اس اعتبار سے اس کی عمر ستائیس برس تھی۔

۲۔ تاریخ ہند کے جانے پہچانے مؤرخ سر ہنری ایلیٹ نے نادر تاریخی مخطوطات جمع کر رکھے تھے۔ یہ سب اس نے اپنی ''تاریخ ہند'' جو بعد میں آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی، کے لیے اکٹھے کیے تھے۔ ایلیٹ کے انتقال (۱۸۵۳ء) کے بعد اس کی بیوی کی خواہش پر اشپرینگر نے ان مخطوطات کی فہرست مرتب کی۔ اشپرینگر ایلیٹ کے قریبی دوستوں میں شامل تھا اور پھر جب وہ شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست مرتب کر رہا تھا، تو وہ اپنی کارکردگی کی سہ ماہی رپورٹ اسی کو بھیجا کرتا تھا۔ مخطوطات ایلیٹ کی جو فہرست اشپرینگر نے مرتب کی، وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل میں شائع ہوئی۔ (جلد ۲۳، شمارہ ۳، بابت ۱۸۵۴ء، ص ۲۲۵-۲۶۳) اس فہرست میں کچھ ایسے مخطوطات بھی شامل ہیں، جو ایلیٹ نے مختلف لوگوں سے مستعار لے رکھے تھے۔ ان میں دو ایسے خطی نسخے ہیں، جو علی اکبر کی ملکیت تھے۔ ان میں ایک ''زبدۃ الغرائب'' ہے۔ مؤلف کا نام محمد رضا طباطبا المتخلص بہ نجم ہے، جو ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھا۔ اس کی صرف پہلی اور چوتھی جلد موجود تھی، جن کے بالترتیب ۵۴۲ اور ۶۳۷ صفحات تھے (رک: مذکورہ جرنل، ص ۲۴۸، شمارہ ۱۷)۔ دوسرے قلمی نسخے میں محمد فیض (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ملیں، وہ یا تو عارضی تھیں یا ناساعد حالات کی وجہ سے اعصاب شکن۔ جب ذرا اطمینان نصیب ہوا تو اسے بیماریوں نے آن گھیرا اور بالآخر وہ جوانی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے کسی ٹھوس علمی کام کرنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ علی اکبر کی صرف ایک عربی عبارت ہی دستیاب ہوئی ہے، جو اس نے دہلی کالج میں منعدہ ایک جلسے میں پیش کی تھی اور جسے کالج کے پرنسپل اشپرینگر نے بہت پسند کیا اور اس کی فرمائش پر وہ کالج کے رسالہ ''قران السعدین'' میں شائع ہوئی (بابت ۲۱ فروری ۱۸۴۷ء)۔ علی اکبر کی یہ عبارت اور اس کا اردو ترجمہ سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

لـمـا بـلـغ حكام الفرنج فساد الهنود في دورهم و ديارهم

جب انگریز حکام ہند پہنچے، اس وقت ہند میں بگاڑ پیدا ہوا چکا تھا

و احيـاء الضيم و اماتة السداد في بلادهم و امصارهم

یہاں کے شہروں اور قریوں میں ظلم پھیلا ہوا تھا اور راست روی ختم ہو چکی تھی

و ضيـق تـلـك الارض عـن بـواديهـا و حضـارهـا

وہاں کی زمین متمد ...ں اور جنگلوں ہر طرف سے تنگ ہو چکی تھی

و نبوق اسكار التهب و الغارة عـلـى عمارتها و تجارها

وہاں کے تاجروں اور دولت مندوں پر کھلے بندوں ڈاکے ڈالے جاتے تھے

و عتـو و شـابهـا و جـموح دعـارهـا

وہاں کے اوباش اور سرکشوں نے فتنہ وفساد پھیلا رکھا تھا

ارسلوا اليهم ان يصلحوا الفساد و يرمموا البقاع و البلاد

انہیں ان لوگوں کی طرف اس لئے بھیجا گیا کہ وہ بگاڑ درست کریں، شہروں اور قصبوں کی اصلاح کریں

و يضموا اليها الشراد فما زادهم الانفورا و ما افادهم الاغرورا

سرکشوں کو اپنے ساتھ ملائیں مگر وہ متنفر ہوتے چلے گئے، دھوکہ ہی میں پڑے رہے

حتـى احتشـدوا لـلـقتـال مـن النواحي و الاطراف

بخش کے خودنوشت سوانح تھے۔ فیض بخش چھے سال تک شجاع الدولہ کے ہاں ملازم رہا۔ اس نسخے کے ۹۶۲ صفحات تھے۔ (ایضاً، ص ۲۴۸، شمارہ ۱۲۲)۔ علی اکبر کے ان دو مخطوطات کی ایلیٹ کے کتب خانے میں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے ایلیٹ سے بھی تعلقات تھے اور ایلیٹ معلومات کی فراہمی کے سلسلے میں اس سے بھی مدد لیا کرتا تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حتیٰ کہ تمام اطراف واکناف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے

واجتمعوا للجدال من الضواحی والاکناف

ہرطرف سے لڑنے کے لئے چلے آئے

والتقوا للنزال من ارحاء البلاد والجبال

پہاڑوں اور شہروں سے جنگ کے لئے کھنچے چلے آئے

واحتفوا للنضال من انحاء الاطواد والتلال

ٹیلوں اور کونوں سے آ کر جمع ہو گئے

و حلفوا علی ان لا یرتدوا علی الاعقاب من المجال

انہوں نے قسمیں کھائیں کہ میدان سے نہ بھاگیں گے

و لا یفوتوا عن الاسلاب والاحمال

اپنے مال ومتاع کو نہ چھوڑیں گے

فنطایر رسل الفرنج و رسائلھم الی عمال البلاد

انگریز کے فرستادہ شہروں کے حکمرانوں کے پاس پہنچے

للاستتباب بالعدد والعدد والانجاد

اپنی تعداد، پوری تیاری اور تندہی کے ساتھ

والاستعداد بمالدیھم من الجنود والامداد

اپنے لشکروں کی پوری تیاری کے ساتھ جو ان کے پاس پہنچے تھے

فانضم زھاء ستین الاف رجال من لمھم و ابطال

وہ تقریباً تیس ہزار آدمی تھے، ان میں بہادر وجری تھے

رکماۃ مستبسلین و انبات مستلامین

شہسوار و قوی تھے، دلیر تھے، باوردی تھے

جلوا عن ضراغم حلیۃ و خفیۃ

پوشیدہ اور ظاہر ہتھیاروں سے لیس تھے

فمقدمتھم رعال من رزیۃ و میمنتھم دھماء منیۃ

ان میں مقدمہ میں وہ پیش رو تھے جو لوہے کا لباس پہنے تھے۔ ان میں میمنہ میں وہ تھے جو بہت قوی تھے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

و میسـرتهـم عـلـم ابـاء و حـمية طعـانهـم اشـد بـلية

ان کے میسرہ میں خوددار و باحمیت لوگ تھے، ان کے نیزے سخت تکلیف پہنچانے والے تھے

واقـدامهم بلا روية و صيقل قواضبهم فيصل مفسدة و قضية

ان کے قدم ڈگمگا جانے والے نہ تھے، ان کی تلواریں جھگڑے اور فتنہ کا فیصلہ کرنے والی تھیں

صبـوحهـم التـصبيـح علـى الاقران والامثال

ان کی صبح کی شراب اپنے جیسوں پر حملہ کرنا

و غبوقهم شن الغارات فی الاموال والاحمال

اور شام کی شراب (شعر) مال و متاع کو لوٹنا تھا

الـغـامـرون اذا دعـوا لبـلية

والـفـارسـون اذا دعـوا لـحمـام

جب انہیں کسی مصیبت میں بلایا جائے تو وہ مردانہ وار آتے ہیں

جب انہیں موت (جنگ) کے لئے بلایا جائے تو وہ بہادرانہ آتے ہیں

فتعـود والتثبيـت فـی ضـؤ السيـوف لياليا والقتل فی الايام

تلواروں کی چھاؤں میں ثابت قدم رہنے کے عادی ہو چکے ہیں، دن رات لڑنے کے خوگر ہو چکے ہیں

فسـاروا بـكـتـايـب رجـراحة كـالـزعـازع نـاحة

وہ پر جوش لشکر کی صورت میں چلے گویا تیز جھکڑ ہیں

و بيض مهتزة بالزعاف المقشب مبتز و مران مرتاحة

جو شیلے سردار جو اپنے ساتھ موت کو لے کر چلے

لـلـلبـات والا كبـاد متـاحة فـطيـوا منـزلا فمنـزلا

لہراتے نیزے لے کر چلے جن سے جگر ہل جائیں۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے

وارتـحـلوا مرحلاثم مرحلا

مرحلہ پر مرحلہ طے کرتے ہوئے

حتـی و صـلوا الی حلبة الضـرب والقتال

بالآخر میدان جنگ میں پہنچ گئے

و لـحـقـوا فـی دارالـحـرب والـجـدال

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جنگ وجدال کی جگہ جا پہنچے

واما الهنود فلما اجتمع شملهم و شتاتهم و شك زمورهم و اثباتهم

ہنود نے جب اپنے لشکر اور قوت کو جمع کیا، اپنے بہادروں کو ہتھیار پہنائے

و حرضتهم وحولهم و تراتهم و ما كان عليهم من يرب الثاى و الخلل

انہیں لڑنے مرنے کا جوش دلایا۔ان میں کوئی نہ تھا جو ان کی پراگندہ قوت کو جمع کرتا

ويسقى الغليل و يشفى العلل. حمل رتوت الجنود على جنود الهنود

جو پیاسے کو سیراب اور بیمار کو شفا دیتا۔ان کے لشکروں نے ہنود کے لشکروں پر حملہ کر دیا

لا يبالون بمدافع الضروب المستعرة الضارمة

ہنود اس زبردست حملے کی مدافعت نہ کر سکے

و لا يمترلون بالسهام المصماة الصارمة

وہ ان کے ٹھیک نشانوں پر بیٹھنے والے تیروں سے نہ بچ سکے

حتى انتهوا الى حصنهم كالضبارمة

بالآخر وہ شیروں کے مانند ان کی پناہ گاہوں تک پہنچ گئے

فالتقا الفريقان فى حلقة البطان

دونوں فریقوں کے درمیان پوری شدت سے جنگ ہوئی

فطلعت شمس الحرب عليهما فاقتسما ها فيما بينهما

جنگ کا سورج دونو پر طلوع ہوا، دونو کے درمیان یوں تقسیم کی کہ

فحصل الفرنج منها على نور الفرح و اليسر

انگریزوں کو آسانی ومسرت کا نور بخشا اور

و وصل الهنود على نار الترح و العسر

ہنود کو مصیبت وتنگی کی آگ

فاحمرت الارض بقضها و قضيضها و عمت القتلى فى نجدها و حضيضها

پوری زمین سرخ ہوگئی، ادھر ادھر مقتولین بکھرے پڑے تھے

و لم يقشع عجاج الحرب و ان انهمل صبير الدم فى الصباح و المساء

ابھی جنگ کا غبار چھٹا نہ تھا اگرچہ صبح وشام پر خون کے بادل چھا گئے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

و لـم يـطفوو هج المصاع و ان جادو بل النجيع و جد في الاطفاء

ابھی جنگ کے شعلے بجھے نہیں تھے کہ وہ انہیں بجھانے کی کوشش کرنے لگے

استـلـحـموا وتلببوا و تناضلوا فخلا

اس جنگ سے انہیں چھٹکارا نہ ملا حتیٰ کہ خالی ہو گئے

الاجسـام من ارواحها والصدر من جسد

جسم روحوں سے، سینہ جسم سے

واستـحـزموا و تـنـاوشـوا قتلا فما تـركوا

انھوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ جنگ کی اور نہ چھوڑی

بيـضـا عـلـى راس و لا راسـا على جسد

کسی سر پر سیاہی اور نہ کسی جسم پر سر

حتـى صار الجساد على الاجساد والاكماد فى الاكباد

لاشوں پر لاشے جمع ہو گئے، اعضاء کٹ کٹ کر جگر پر گرنے لگے

و صـدور الـعـوالـى فـى الـصـدور فسالت البحور من النحور

سینوں پر سینے گر گئے، خون کے سمندر بہہ نکلے

والـدامـاء مـن الـدمـا كـالمـاء من السمـاء

آنسوؤں کے سمندر یوں رواں ہو گئے گویا آسمان سے پانی برس رہا ہے

فـلـما راى الهنود ان غشاهم ما غشا هم و ستروجه الارض قتلاهم

جب ہنود نے دیکھا کہ وہ ان پر چھا گئے ہیں، زمین کا چہرہ ان کے مقتولین سے چھپ گیا ہے

ورانـت عـلـى عـقير الضروب رنة جرحاهم

ان کے زخمیوں کی چیخ و پکار سے میدان جنگ گونج اٹھا

و خـارفـخـارهـم و دعـواهـم و ان اوانهـم لـلهـوان

ان کا غرور ختم ہو گیا، وہ ذلیل و رسوا ہو گئے

و حـان حيـن الـحيـن والامتهـان

موت اور ذلت ان پر چھا گئی

وقـعو فى الفزع والاضطرار و هموا بالفرار والادبار

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

وہ آہ وزاری کرنے لگے، میدان میں پشت دکھائی اور بھاگ جانا چاہا

و نسوالرسم الکفاح والنطاح

مقابلہ اور نبرد آزمائی کے طریقے بھول گئے

و لم یمیزو والمساء من الصباح اهملوا المحاربة والجدال

صبح و شام کی تمیز نہ رہی، جنگ وجدال کو چھوڑ دیا

و غادروا لنزال و سیبوا الاموال و طارت هامة النخوة من ها ماتهم

لڑائی کو خیر باد کہا، غرور کا بھوت ان کے سروں سے اتر گیا

و نعیرة الخیلا من مساعیرهم و کماتهم فتبدل غناء هم بالعناء

ان کی غنا تنگ دستی میں

والصباح بالمساء والخیر بالکسر والیسر بالعسر

صبح شام میں، خیر بربادی میں، آسانی تنگی میں بدل گئی

والحلو بالمر والبرد بالحر والاکثار بالاقلال

میٹھا کڑوا ہوگیا، ٹھنڈا گرم ہوگیا، زیادتی قلت میں بدل گئی

فبالجملة صارا حسن حالهم اخس الاحوال حتی نبذوا

مختصر یہ کہ ان کا عمدہ ترین حال بدترین ہوگیا

اعلاقهم وراء ظهرهم و رکبوا باسرهم علی جسرهم

انہوں نے اپنے تعلقات کو خیر باد کہا اور وہاں سے کوچ کیا

(شعر)

ان الا له کذلک یجعل جهد قوم

فی المحیب و حسنهم کالذام

و شجاعهم نکسار و مصقعهم بلیدا

جاهلا و همامهم کطغام

اللہ تعالیٰ اسی طرح کسی قوم کی کوششوں کو ناکام اور ان کی اچھائیوں کو برائیاں کر دیتا ہے، ان کی بہادری کو بزدلی اور ان کے عقلمندوں کو کند ذہن کر دیتا ہے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلتا

فتلطخت ادبارهم اذا دبروا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان کی پشتیں زخمی ہوئیں جب انہوں نے پشت پھیری

و و جوھھم من قبل فی الاقدام

اس سے پہلے جب ثابت قدم تھے تو ان کے چہروں کا بھی یہ حال ہو چکا تھا

رکبوا علی الداما لما قوتلوا

جب انہیں مارا گیا تو وہ سمندر میں کشتیوں پر سوار ہوئے

فالبیض فی ادبارھم والھام

لشکر نے ان کا پیچھا کیا

حتی تشوب ما و ھا بدمائھم و تلاقت الاقمام بالاقدام

تا آنکہ سمندر کے پانی کو ان کے خون سے لت پت کر دیا، لوگوں کی جماعت ان تک جا پہنچی

فعبرت طایفة منھم بالرکض والاسراع

ان میں سے ایک طبقہ نے جلدی ہی عبرت پکڑ لی

و تخلصوا بارواحھم بالسعی والاھراع

اور اپنی جانوں کو بھاگ کر بچا لیا

واما الاخری فانقض الجسر علیھا فاتلعھا الماء

دوسری جماعت پر پل ٹوٹ پڑا، انہیں پانی نے نگل لیا

وتلاطمھا البحران الماء والدماء

پانی اور خون کے دو سمندروں میں وہ پھنس گئے

فتحتھا البلاء و فوقھا اللاواء

ان کے نیچے بھی اور اوپر بھی مصیبت تھی

فاصبحت جثتھم راسبة فی الماء لازبة

ان کے جسم پانی پر تیرتے رہے

و ار واحھم طافیة علی الماء طافحة

ان کی روحیں پانی پر تیرتی رہیں

فصارت الداھیة داھتین والبلیة بلیتین

ان کی مصیبت دوگنی ہوگئی، ان کی تکلیف دوگنی ہوگئی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ضاق الحیاۃ لاسراھم و موتھم

فیھا لھم قلق فی ذالھم حرق

زندگی ان کے لئے تنگ ہوگئی اور موت ان کے لئے دشوار اور تکلیف دہ ہوگئی

اس مجموعۂ مکاتیب میں علی اکبر کے اشپرینگر کے نام گیارہ خط موجود ہیں۔ ان میں پہلا خط یکم فروری ۱۸۵۰ء کا تحریر کردہ ہے اور آخری ۹ فروری ۱۸۵۲ء کو لکھا گیا اور یہ اس نے اپنی وفات (۲۵ جون ۱۸۵۲ء) سے تقریباً ساڑھے چار ماہ پہلے تحریر کیا۔ ان میں کچھ خط طویل ہیں اور کچھ مختصر، لیکن یہ سب اہم ہیں اور ان سے بالخصوص دہلی کالج، آگرہ کالج اور مفتی صدرالدین آزردہ کی شخصیت کے متعلق نئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ سطور ذیل میں یہ تمام خطوط مع ضروری حواشی پیش کئے جاتے ہیں۔

۱

''غریب پرور خداوند نعمت کرم گستر دام اقبالہ (۱)

پروانہ مرحمت نشانہ حضور فیض گنجور کا پہنچا، مفتخر و ممتاز فرمایا۔ حضور کی بندہ پروری اور غریب نوازی کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا۔ علی اصغر (۲) کے واسطے جو حضور نے سعی فرمائی نہایت کرم گستری ہے۔

کمترین نے یکم فروری کو فہرست کتب خانہ منشی محمد حسن (۳) سے فراغت کلی حاصل کی۔ اگرچہ اپنی دانست میں کوئی دقیقہ کتاب بینی کا فروگذاشت نہیں کیا بلکہ ظاہر ہے کہ چشم باریک میں حضور کی سی میں کہاں سے لاؤں گا۔

کل دوئم فروری کو روانہ ہو کر ۱۲ کو انشاءاللہ حاضر خدمت فیض درجت ہوں گا۔ چار کتابیں اسماء الرجال امامیہ (۴) خاں صاحب (۵) کی اپنے ہمراہ لاتا ہوں۔ نیابت مولوی احمد علی (۶) کی چند روز کے واسطے خاکسار کو بسر و چشم منظور ہے۔ بندہ کے حاضر ہونے تک اگر علی اصغر آگرہ کو نہ جائے تو البتہ بہتر ہے۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت اقبال تاباں رہے۔

عرضی

فدوی خاص علی اکبر''

اس مکتوب کی ابتدا سے پہلے یہ عبارت لکھی گئی ہے:

''دوسری عرض حضور کی خدمت [میں] یہ ہے کہ جیسے آپ نے ایک خط خاں صاحب کے واسطے روانہ فرمایا۔ ایک خط منشی صاحب کے نام بھی ارقام فرمائیں کہ ہم آپ کی مہربانی کے شکر گذار ہیں اور علی اکبر کی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایک عرضی سے واضح ہوا کہ آپ نے در باب دکھانے کتابوں کے بہت تکلیف اٹھائی اور فی الواقع اسی طرح ہے۔"

خط کے اختتام کے بعد یہ فارسی عبارت درج ہے:

"بخدمت سراپا مکرمت منشی صاحب سید اشرف علی (۷) التماس آنکہ انشاء اللہ جلد میرس و قانون روانگی مردمان در ڈاک گاڑی ستوران کہ جلو میرساند صرف از لکھنؤ تا کانہ پور است نہ در دیگر بلاد و امصار کمپنی بہادر روز انا بحار در کاری معروف می ایم ...... اگر قیام برادر علی اصغر تا ۱۲ فروری ممکن باشد بلا خرچ فبہا ورنہ خیرانچہ باشد برادر موصوف روانہ آگرہ فرمایند۔ زیادہ حد ادب و ہمراہ من ممتاز علی ہم شریک کاری است۔"

تشریحات

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے اور اس پر مقام تحریر بھی درج نہیں، لیکن خط کی اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ تحریر علی اکبر لکھنؤ میں تھا اور اس سے اگلے روز وہ دہلی روانہ ہونے والا تھا۔ اشپرینگر شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرنے لکھنؤ گیا تو اپنے ساتھ علی اکبر کو بھی لیتا گیا۔ فہرست سازی کے بعد یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر تو دہلی واپس آ گیا، لیکن علی اکبر کو لکھنؤ ہی میں چھوڑ آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اشپرینگر لکھنؤ کے بعض اہم نجی کتاب خانوں کے مخطوطات کی فہرستیں بھی تیار کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اشپرینگر کی دہلی روانگی کے بعد بھی علی اکبر یہ کام کرتا رہا اور اس دوران میں اس نے دو بڑے کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کے کوائف جمع کر لئے۔ مکتوب نگار خود اس خط میں لکھتا ہے کہ وہ کل یعنی دوسری فروری کو دہلی روانہ ہوگا، اس سے موجودہ خط کا سنۂ تحریر یکم فروری ۱۸۵۰ء برآمد ہوتا ہے۔

۲۔ یہ علی اکبر کا چھوٹا بھائی تھا۔ سنہ ولادت ۱۸۲۷ء۔ دہلی کالج میں ۱۸۴۱ء کے وسط میں داخل ہوا۔ ۱۸۴۷ء میں وہ جماعت عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔ اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے۔ علی اکبر تو لکھنؤ چلا گیا، لیکن وہ دہلی ہی میں مقیم رہا اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کسی درس گاہ میں ملازمت تلاش کرتا رہا۔ علی اکبر لکھنؤ جانے کے بعد اپنے بھائی کے لیے کسی عہدے کی تلاش میں رہا اور شاید اس سلسلے میں بھی اشپرینگر ہی نے اس کی مدد کی تھی۔ اسی خط میں چند سطور کے بعد جہاں علی اصغر کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگرہ جانے والا تھا، لیکن علی اکبر نے اسے اپنے دہلی آنے تک رکنے کو کہا۔ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر کے چوتھے ڈبہ میں دو قلمی صفحات کا اشتہار موجود ہے۔ یہ اشتہار علی اصغر کا اپنا تحریر کردہ ہے اور اس کی ابتدائی عبارت سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگرہ کالج میں اردو کا مدرس دوم تھا۔ غالباً اس عہدہ پر علی اصغر کا تقرر ۱۸۵۰ء میں ہوا اور اس کا حصول اشپرینگر کی مساعی کا نتیجہ تھا، لیکن اس مجموعۂ مکاتیب میں علی اصغر کا کوئی خط اشپرینگر کے نام موجود نہیں۔

اس خط کے آخر میں جو فارسی عبارت ہے، اس میں منشی اشرف علی سے یہی درخواست کی گئی ہے کہ علی اکبر کے دہلی پہنچنے یعنی ۱۲ فروری تک وہ علی اصغر کے بلاخرچ قیام کو جاری رہنے دیں۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ بعض تعلیمی دستاویزات سے علی اصغر کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ آئندہ سطور میں پیش کی جائیں گی۔

۳۔ منشی محمد حسن کانپور کی ایک علمی شخصیت تھے جن کی تحویل میں قلمی نسخوں کا اتنا اہم ذخیرہ تھا کہ اشپرینگر جیسے ماہر مخطوطات کی اس پر نظر تھی۔ اس کی فرمائش پر علی اکبر نے اس کتب خانے کی فہرست تیار کی۔ منشی محمد حسن نے اس کام میں اتنا تعاون کیا کہ علی اکبر نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان کا شکریہ ادا کرے۔ اشپرینگر ایسے نجی کتب خانوں کی فہارس اس لیے تیار کراتا تھا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ ان میں اس کے ذوق کی کون کون سی کتاب موجود ہے اور جب کبھی یہ کتاب خانے فروخت ہوں، تو وہ اپنے معاونین کی وساطت سے ان مخطوطات کو خرید سکے۔ یہ فہرست بھی اس نے اسی مقصد کے لیے مرتب کرائی، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے اس کتب خانے کے نوادرات ہاتھ لگے یا نہیں۔

برلین (مغربی) کے کتب خانے میں اشپرینگر کے جو ذاتی کاغذات و دستاویزات محفوظ ہیں، ان میں شمالی ہند کے مختلف شہروں کے بڑے مطابع کی مطبوعات اور شائقین علم و ادب کے ذاتی کتاب خانوں کی متعدد فہرستیں پڑی ہوئی ہیں۔ منشی محمد حسن کی یہ فہرست اسی ذخیرۂ اشپرینگر کے چوتھے ڈبے میں محفوظ ہے۔ اس کے شروع میں اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ نوٹ لکھا ہے

"Catalogue of the Library of Munshi Mohammad Hasan at Cawnpore transcribed for me from his MS. Catalogue in January 1847."

اس فہرست کے اوراق کی تعداد ۳۳ ہے۔ دبیز کاغذ اور جلی قلم استعمال ہوا ہے اور یہ خط شکستہ ہے۔ ابتدا میں "فہرست کتابہای محمد حسن ساکن کانپور" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس فہرست میں کل ۸۱۰ عربی اور فارسی مخطوطات کا ذکر کیا گیا ہے۔ فہرست کو ان عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے: کلام اللہ، تفسیر، تتمہ کتب تفسیر، کتب حدیث، کتب اصول فقہ، کتب لغت (اس کے بعد ایک ورق پر اشپرینگر نے خط

تنسیخ کھینچ دیا ہے، کیونکہ اس کے تحت درج کردہ کتب کا لغت کے موضوع سے تعلق نہیں) کتب علم صرف، کتب نحو، کتب علم بلاغت، کتب عروض، کتب ادب، کتب سیر و تواریخ، کتب تصوف، کتب ریاضیہ، کتب علم حکمت، کتب منطق، کتب علم کلام، کتب قرأۃ، کتب فروغ فقہ، کتب فرایض، کتب طب، کتب علم مناظرہ، کتب علم حساب، کتب امامیہ، کتب فارسی وغیرہ۔

اس کتاب خانہ کے خاص خاص مخطوطات یہ ہیں: ترجمہ کلام اللہ از مولوی عبدالقادر مرحوم، ترجمہ کلام اللہ از مولوی رفیع الدین، ترجمہ شاہ ولی اللہ، مناقب حیدریہ از شیخ احمد عرب، مروج الذہب، اجزائے واقدی مجلد، ابن کثیر (مع مختصر انگریزی نوٹ از اشپرینگر)، تاریخ یمینی، احیاء العلوم، ترجمہ فصوص الحکم، فتوحات مکیہ نصف آخر، فصوص الحکم مع چار شروح برحاشیہ، شرح فصوص ناقص، لغت ہندی از خان آرزو، شرح گلستان از محمد اکرم ملتانی، دیوان شاہی درتر کی، تاریخ راجہ بنارس، زلیخا جامی تصویر دار، آمد نامہ پشتو، مثنوی غنیمت، مثنوی ہندی تصنیف مولوی غلام ضامن، تذکرۃ المعاصرین شیخ علی حزیں، رسالہ نالہ درداز خواجہ میر درد، دیوان رفیع السودا، دبستان مذاہب، ہفت قلزم در چہار جلد، بعضے از محاکمات مولوی رشید الدین خاں از مولوی دلدار علی وغیرہ۔

۴۔ اشپرینگر نے مولوی عبدالحق (استاد مدرسۂ عالیہ) کے تعاون سے طوسی (۳۸۵ھ-۴۵۹ھ/ ۹۹۵ء-۱۰۶۷ء) کی ''فہرست کتب الشیعۃ'' کلکتہ سے شائع کرائی تھی۔ (ببلیوتیکا انڈیکا، شمارہ ۶۰، ۷۱، ۹۱، ۱۰۷، ۱۸۵۳ء-۱۸۵۴ء)۔ اس کے شروع میں اس نے جو انگریزی دیباچہ لکھا، اس میں اسماء الرجال امامیہ کی ان چار کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں پہلی تو طوسی کی یہی فہرست ہے، جو اہل تشیع کے مستند مصادر میں شامل ہے۔ (مطبوعہ نجف ۱۹۶۱ء و مشہد ۱۹۷۸ء)۔ اشپرینگر نے اس کا متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا تھا۔ ان میں ایک نسخہ موتی محل (لکھنؤ) میں محفوظ تھا۔ دوسرا مجتہد مولوی میرن صاحب کی ملکیت تھا اور ان سے اشپرینگر کے دوستانہ مراسم تھے۔ تیسرا اور عمدہ ترین نسخہ اس کے ایک اور دوست نواب مظہر حسین کے پاس تھا۔ اس خط میں جن چار کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ خاں صاحب کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھیں، لیکن اشپرینگر نے اپنے دیباچے میں صرف انھی تین نسخوں کا حوالہ دیا ہے۔ اشپرینگر نے ''فہرست طوسی'' کے اس ایڈیشن کے ہمراہ حسن بن یوسف بن المطہر علی (۶۴۸ھ-۷۲۶ھ/ ۱۲۵۰ء-۱۳۲۵ء) کی ''ایضاح الاشتباہ فی اسماء الرواۃ'' کو بھی شائع کرا دیا تھا۔ (رک: براکلمان؛ ۲: ۲۰۸؛ الذریعۃ ۲: ۴۹۳، شمارہ ۱۹۳۴)۔ اس کے خیال میں ''ایضاح'' کے بغیر ''فہرست طوسی'' نامکمل ہے۔ اشپرینگر نے ''ایضاح'' کا جو نسخہ شائع کرایا اسے محسن کاشانی کے بیٹے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عالم الہدیٰ نے ۱۰۷۳ھ میں تیار کیا تھا۔ اس کے پاس ''ایضاح'' کے دو قلمی نسخے موجود تھے، جواب بھی برلین (مغربی) میں موجود ہیں۔ (رک: اہلوارٹ ۹: ۵۱۷-۵۱۸؛ فہرست اشپرینگر، شمارہ ۳۰۸) نیز رک: براکلمان ۱: ۴۰۵-۴۰۶ (۵۱۲-۵۱۳)؛ ذ ۱: ۷۰۶-۷۰۷؛ الذریعۃ الٰی تصانیف الشیعۃ تالیف آقابزرگ الطہر انی۔ نجہ وزاد فیہ ابن المؤلف احمد المنز وی، طبع ثانی، تہران ۱۹۷۲ء ۱۹: ۳۸۴، شمارہ ۱۷۹۰۔

اشپرینگر نے اس سلسلے کی دوسری کتاب احمد بن علی نجاشی (۳۷۲ھ-۴۵۰ھ/۹۸۲ء-۱۰۵۸ء) کی ''اسماء الرجال'' بتائی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"It was originally my intention to publish it instead of the Fihrist or along with it, and in 1848 when I was at Lucnow I prepared for this purpose, a copy of it founded upon an old MS. but when I commenced printing it, I found it was not sufficientyly correct to enable me to proceed. I was therefore obliged to desist from my purpose at least for the present."

نیز رک: براکلمان ذ ۱: ۵۵۶؛ الذریعۃ ۱: ۱۵۴-۱۵۵ شمارہ ۷۹۴۔

تیسری کتاب کا عنوان ''معالم العلماء فی فہرست کتب الشیعۃ'' ہے، جس کے مؤلف کا نام رشید الدین محمد بن علی ابن شہر آشوب (م-۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) ہے۔ بقول اشپرینگر یہ ''فہرست طوسی'' ہی کا ضمیمہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اس کی ذاتی ملکیت تھا، لیکن اس کے خیال میں یہ نامکمل تھا اور اگر مکمل تھا تو کچھ زیادہ اہم نہیں تھا۔

رک: الذریعۃ ۱۰: ۸۶ شمارہ ۱۵۹، ۱۲۱: ۲۰۱ شمارہ ۲۶۰۶۔ مرتبہ عباس اقبال، تہران ۱۹۳۴ء۔

چوتھی کتاب کا عنوان اشپرینگر نے ''امل الآمل فی علماء جبل عامل'' بتایا ہے۔ اس کا مؤلف محمد حسن عاملی (۱۰۳۳ھ-۱۱۰۴ھ/۱۶۲۴ء-۱۶۹۳ء) ہے اور یہ ۱۰۹۷ھ میں لکھی گئی۔ اس نے اسے معتبر کتاب قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت اس کا ہندوستان میں صرف ایک ہی قلمی نسخہ موجود ہے۔

رک: براکلمان ۲: ۴۱۲ (۵۴۲)، ذ ۲: ۵۷۸-۵۷۹؛ الذریعہ ۲: ۳۵۰ شمارہ ۱۴۰۰؛ طبع تہران ۱۳۰۷ھ (مع ''منیح المقال'' مؤلفہ محمد الاسترآبادی، ص ۴۲۲-۵۰۷)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

علی اکبر یہ چاروں قلمی نسخے اپنے ساتھ دہلی لے آیا اور اشپرینگر نے انھیں خرید لیا۔ ان چاروں قلمی نسخوں کا مختصر ساذکر اس نے اپنی ''فہرست'' (۱۸۵۷ء) میں کیا ہے۔ رک: ص ۲۱، شمارہ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۰۔ یہ تمام نسخے اب برلین (مغربی) کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں:

(الف) اسماء الرجال لاحمد النجاشی۔ اوراق ۱۱۱۔ پہلے صفحہ پر اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ عنوان تحریر کیا ہے۔ آخری صفحہ پر ۱۸۴۰ء مرقوم ہے۔

(تفصیل کے لیے رک: اہلوارٹ ۹: ۴۵۱-۴۵۲، شمارہ ۱۰۰۴۴)

(ب) فہرست اعیان الشیعیۃ وتصانیفھم۔ تالیف محمد بن الحسن بن علی الطوسی۔ اوراق ۱۱۳۔ اس کے آخر میں بھی ۱۸۴۰ء ہی درج ہے۔

(ایضاً ۹: ۴۵۲-۴۵۳، شمارہ ۱۰۰۴۵)

(ج) معالم العلماء فی فہرست کتب الشعیۃ۔ تالیف رشید الدین محمد بن علی شہر آشوب الہروی، در مجموعہ ورق ۸۶-۹۴۔

(ایضاً ۹: ۴۵۳، شمارہ ۱۰۰۴۷)

(د) امل الآمل فی علماء جبل عامل۔ تالیف محمد بن الحسن بن علی الحر العاملی المشعری اوراق ۲۲۱۔ یہ نقل ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی۔

(ایضاً ۹: ۴۵۴، شمارہ ۱۰۰۴۹)

۵۔ یہ خان صاحب لکھنؤ کی علم دوست شخصیت معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ایک ذاتی کتب خانہ تھا اور اشپرینگر اس کے مخطوطات کی فہرست علی اکبر سے مرتب کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خان صاحب کو براہ راست یہ خط تحریر کیا تھا کہ وہ اپنے کتاب خانے کی فہرست تیار کرانے میں علی اکبر کی مدد کریں۔

یہ خان صاحب کون تھے؟ موجودہ خط سے اس سوال کا جواب نہیں ملتا، البتہ اشپرینگر کے ایک اور قریبی ساتھی سید برکت علی کے چند خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خان صاحب کا پورا نام نواب محمد میر خاں تھا۔ وہ ایک نادر کتب خانہ کے مالک تھے اور اشپرینگر اس کتاب خانے کو خریدنا چاہتا تھا۔ سید برکت علی ان دنوں لکھنؤ ہی میں تھے اور اشپرینگر کے قیام لکھنؤ کے دوران میں وہ اس کے رفقائے کار میں شامل تھے (ان کے اشپرینگر کے نام خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں)۔ ایک خط (بلا تاریخ) میں برکت علی لکھتے ہیں ''......اور واسطے کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کے بھی جو منظور ہو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لکھیں۔'' دوسرے مکتوب (بابت ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) میں وہ یوں رقم طراز ہیں کہ ''ٹیلر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کا خریدنا چاہتے ہیں لیکن میری رائے میں تمام کتب خانہ خریدنا مناسب نہیں اور اس میں نقصان ہوگا۔ اس واسطے کہ قیمت بہت مانگتے ہیں، بلکہ جو کتابیں کہ مطلوب ہیں، اون کو خرید فرماویں۔'' اشپرینگر نے علی اکبر سے اس کتاب خانے کی فہرست ۱۸۵۰ء کے اوائل میں تیار کرائی تھی، لیکن وہ اسے ۱۸۵۱ء کے اواخر تک نہ خرید سکا۔ اس کے بعد اس نے یہ تمام کتب خانہ خرید لیا یا سید برکت علی کی تجویز کے مطابق اس نے صرف منتخبہ قلمی نسخوں کو خریدا، اس کے بارے میں ان خطوط سے کچھ پتا نہیں چلتا۔ اس کے علاوہ اشپرینگر نے خان صاحب کے کتاب خانے کی جو فہرست تیار کرائی تھی، وہ بھی اس کے مجموعۂ دستاویزات میں موجود نہیں۔

۶۔ مولوی احمد علی دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے اور پھر یہیں فارسی کے معلم مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال جماعت سوم فارسی کے استاد تھے۔ بقول کریم الدین پانی پتی وہ کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب ۳۵ برس تھی (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴)۔ ۱۸۴۹ء کے شروع میں وہ ایک سال کی طویل رخصت پر چلے گئے۔ اگلے سال انھوں نے واپس آنا تھا، لیکن کسی وجہ سے نہ آ سکے۔ ان کی غیر حاضری سے فارسی کے مدرس کا عہدہ خالی پڑا ہوا تھا، چنانچہ اس عہدہ پر علی اکبر کا عارضی تقرر ہو گیا۔ اس تقرر کو اس نے قبول کر لیا اور لکھنؤ سے واپس دہلی پہنچتے ہی اس نے کالج میں فارسی پڑھانا شروع کر دیا۔ مولوی احمد علی کے اس عہدہ پر علی اکبر کی تقرری کی مزید تفصیلات سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہیں۔

مولوی احمد علی کی معروف کتاب اردو قواعد پر ہے، جو ''چشمہ فیض'' یا ''فیض کا چشمہ'' کے عنوان سے تحت پہلی بار ۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی۔ (در مطبع اردو اخبار، صفحات ۳۴، فی صفحہ ۲۰ سطر) کتاب کے ابتدائیے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشپرینگر کی فرمائش پر لکھی گئی۔ برٹش لائبریری (لندن) میں اس گرامر کا جو نسخہ موجود ہے، اس کے آخر میں اس کا سنہ تالیف ۱۸۴۳ء درج ہے۔ متعلقہ عبارت یہ ہے ''رسالہ فیض کا چشمہ بیچ قواعد صرف اور نحو زبان اردو میں مولوی احمد علی صاحب مدرس مدرسہ دہلی نے بیچ اٹھارہ سو تینتالیس میں تصنیف کیا۔''

(رک: فہرست مخطوطات اردو (انگریزی) مرتبہ سلیم الدین قریشی، برٹش لائبریری، لندن ۱۹۷۸ء، ص ۵۰، شمارہ ۱۵)

ممکن ہے، یہ قواعد ۱۸۴۳ء میں مکمل ہوئی ہو اور ۱۸۴۵ء میں اشپرینگر کے ایما پر پہلی بار طبع ہوئی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہو۔اس عبارت سے ایک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مولوی احمد علی ۱۸۴۳ء میں بھی دہلی کالج میں مدرس تھے۔اس سے ان کے زمانۂ تدریس کا جو پانچ سال (۱۸۴۳ء-۱۸۴۸ء) سے کسی طرح کم نہیں، تعین ہوتا ہے۔ یہ قواعد اتنی پسند کی گئی کہ بعد میں اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔ ۱۸۴۷ء میں یہ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوئی اور ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء میں بھی اس کے ایک ایک سو کے ایڈیشن طبع ہوئے۔ (بحوالہ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۸، ۱۸۹)۔

مولوی احمد علی نے جو کتابیں لکھیں یا جن کے ترجمے میں حصہ لیا، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) نصاب غرایب: فارسی فرہنگ اردو نظم میں۔ یہ آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے ۱۸۵۰ء میں طبع ہوئی۔ (بحوالہ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۵۰)

(ب) رسالہ تحرک الاعضاء: مطبوعہ آگرہ (رک: گارسیں دتاسی ۱: ۱۶۰-۱۶۱، بذیل ''مولوی میر احمد علی'')۔

(ج) تواریخ ہند: اس کے تین حصے تھے۔ حصہ دوم میں ''سیر المتاخرین'' کا خلاصہ تھا اور اس کا ترجمہ مولوی امام بخش صہبائی، مولوی سبحان بخش شکار پوری اور مولوی احمد علی نے مل کر کیا تھا۔ یہ حصہ دہلی کے مطبع دارالسلام سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

(د) جغرافیہ در فارسی: مطبوعہ حرفی بکنگھم ٹامسنؔ (دہلی)۔ صفحات ۲۲۰

(ھ) ترجمہ نسخہ رہنما یعنی قانون مال از فارسی باردو: مترجمین میں مولوی احمد علی بھی شامل تھے۔ یہ ترجمہ مطبع اردو اخبار سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ صفحات ۹۳۴، فی صفحہ ۱۸ اسطور۔

مؤخر الذکر تین کتابوں کا ذکر اشپرینگر نے اپنے نجی کاغذات میں کیا ہے، جو اس وقت برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔

مولوی احمد علی طبیب بھی تھے اور امراض کی تشخیص میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ بہت مخلص، متین، اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا تخلص احمد تھا۔ ان کے اردو شعر نہیں ملتے، البتہ اس وقت فارسی کے یہ چند اشعار دستیاب ہیں۔

ساقی بیا با جام مے ایں لطف در جنت کجا
آں جا بہار دیگر و ایں جا بہار دیگر است
اختر امید از برج جلال آمد پدید
نیر اقبال بر اوج کمال آمد پدید

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شکر ریزد را کہ نخل آرزو شد پر ثمر
کوکب تابندہ باجاہ و جلال آمد پدید

رک: گلستان سخن از قادر بخش صابر، ص ۳۸۱؛ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص ۸۹۔ ''دہلی کالج کے چند شاعر''۔

مولوی احمد علی کی حیات و تصانیف کے متذکرہ بالا مآخذ کے علاوہ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۹۲ شمارہ ۱۶۷۳؛ مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ص ۱۵۴

۷۔ اشرف علی دہلی کالج کے منشی اور مطبع العلوم کے مہتمم تھے۔ ان کے مفصل سوانح حیات اور اشپرینگر کے نام خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔ انھوں نے اشپرینگر کو ایک خط لکھنؤ بھیجا، جس میں علی اکبر اور اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس خط (سنۂ تحریر تخمیناً بعد مارچ ۱۸۴۸ء) کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی بابت قیمت سنگ پالش کے اون سے طلب کریں، وہ اپنے پاس سے دے کر مجکو اطلاع دیں۔ یہاں میں علی اصغر کو دے دوں گا۔''

منشی اشرف علی کے ایک اور خط کے ہمراہ ایک مختصر سی فارسی عبارت لکھی گئی ہے، جس کا حکم مکتوب نگار کے قلم سے مختلف ہے۔ یہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن اندازاً یہ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔ متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:

''بخدمت مولوی سید علی اکبر بعد از سلام و دعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم حسب الایماء الصاحب بوطن اندوا ینجا بہمہ وجوہ بخانہ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب عازم وطن شدہ اندو بامر خیریت ہست۔''

۲

''غریب پرور سلامت

۲۹ اکتوبر فدوی دہلی میں پہنچا اور ۲۲ کو شملہ سے چلا تھا (۱)۔ ٹیلر صاحب بہادر (۲) نے بموجب ایماء حضور کے کارگل صاحب (۳) سے کہہ کر علاقہ مولوی احمد علی کا پھر مجکو دلوادیا ہے (۴)۔ مولوی مذکور اب نہ آویں گے۔ لیکن حاصل ہونا اس علاقہ کا میرے اختیار سفر کو پھر مانع نہیں ہے۔ میں منتظر جواب باصواب ہوں اور پابرکاب۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہلے حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ پارکاب میم صاحبہ دام اقبالہا کی کشتی میں آئیو۔ سو اب ٹیلر صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب میم صاحبہ پالکی میں دلّی تک اور یہاں سے گاڑی کی ڈاک میں تشریف لے جائیں گی۔ اس سبب سے میں شرف استصحاب خدمت میم صاحبہ سے محروم رہوں گا۔

اور مجھے اپنے حق میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میرے واسطے کوئی عہدہ حضور پُرنور تجویز فرمائیں، میں یہاں اقامت کروں اور بروقت تجویز عہدہ فوراً یہاں سے رخصت ہو کر شرف پابوس بندگان عالی حاصل کروں۔ غالباً یہی حضور کے نزدیک بھی مناسب ہوگا۔

مجکو بسبب نہ خالی ہونے عہدہ معلوم کے بہت تأسف ہوا۔ اب غالب یہ ہے کہ کوئی مدرس صاحب عہدہ جلیل اوس عہدہ احمد کبیر پر کلکتہ ہی میں سے مقرر ہوگا۔ اگر اوس کا عہدہ فدوی کو مرحمت ہوگا، عین پرورش حضور روز ہے نصیب خاکسار۔ اگر اوایل فروری میں بھی حضور فدوی کو یاد فرمائیں گے تو میں فوراً چلوں گا، اس واسطے کہ گرمی زیادہ نہ ہوگی (۵)۔

عرضی مولوی محمد مظہر (۶) کی ملفوف ہے۔ باعث اون کی عرضی لکھنے کا یہ ہے کہ علی اکبر چونکہ کلکتہ کو بالضرور جائے گا، علاقہ مولوی احمد علی کا بعد اوس کے ہم کو ملے گا۔ لیکن اب صورت اوس کی دگرگوں ہوگئی یعنی سرکار میں استحقاق روشن علی (۷) کا ثابت ہوگیا۔ میرے بعد وہ علاقہ اوسی کو ملے گا۔ مجکو بھی وہ علاقہ ملنا مشکل تھا مگر صرف حضور کے اقبال سے حاصل ہوا (۸)، ورنہ مجکو کون پوچھتا۔ چنانچہ ٹیلر صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ تو ہی تھا جو یہ علاقہ تجکو مل گیا اور کسی کو ہرگز نہ ملتا۔ اسی سبب سے اونھوں نے مضطر ہو کر حضور کو لکھا اور سوا ارتکاب سفر کے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا، کیونکہ اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے، لیکن مولوی صاحب ایسے عقلمند ہیں کہ ٹیلر صاحب سے ناحق بگاڑ اور خلاف کر رکھا ہے۔ تمام مدرسہ کے باب میں جو مشورہ وغیرہ منظور ہوتا ہے، ٹیلر صاحب مولوی سید محمد (۹) کو بلاتے ہیں۔ آمد و رفت مولوی مملوک العلی کی اون کے پاس بالکل ترک ہوگئی ہے اور فی الواقع مولوی مملوک العلی اون کا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں (۱۰)۔

چند اجزاء تاریخ ابن حبان کے حضور کے پاس ہیں (۱۱)۔ مجھ سے مولوی مملوک العلی نے طلب کیے۔ مجھے مطلق یاد نہیں اور نہ شملہ سے چلتے وقت یاد آئے اور نہ حضور کو یاد تھے۔ مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مجکو بروقت تشریف لانے حضور کے اور واپس لینے ''مفردات'' (۱۲) کے یاد تھے، لیکن کہنا مناسب نہ جانا۔ اون اجزا کو بھولکر پن میں ٹیلر صاحب کی خدمت میں بھیج دیے۔

مولوی صاحب کا ارادہ ہے کہ ''باب الحماسہ'' چھپوا دیں (۱۳)۔ اس طرح کہ ضروریات شرح

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حاشیہ پر ہو۔ اور مجھے اوس کے انتخاب کو کہتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اوس کا چھاپنا اس طرح برا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شرح اشعار و جز شعر وقصہ وصحر شاعر مختصراً کتاب کے اندر ہو اور بعضے شعر و شاعر کا حال ''حماسہ'' میں کچھ نہیں لکھا اور ''اغانی'' میں اوس کا حال موجود ہے۔ یہ بھی بہتر ہے کہ ''اغانی'' میں سے کچھ کچھ حال لکھوں۔ سو یہ بدون حاضر ہونے وہاں کے غیر ممکن ہے۔

آخر دسمبر میں ارادہ ماسٹر رام چندر کا بھی سیر کلکتہ کا ہے۔ نصف جنوری سے نصف مارچ تک رخصت لیں گے (۱۴)۔

مولوی مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جائے محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا۔ پھر یہ چاہا کہ مدرس سویم کی جائے اپنے بیٹے محمد یعقوب کو مقرر کریں، یہ بھی نامنظور ہوا۔ اس سبب سے اون کا عزم کلکتہ کا زیادہ سست ہو گیا (۱۵)۔ گفتگو ان درخواستوں کی صرف ٹیلر صاحب سے کی تھی۔ انہوں نے خلاف سرشتہ تصور فرما کر منظور نہ کی۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سید محمد کی بھی رائے یہ تھی کہ مولوی صاحب کلکتہ نہ جائیں اور بہت منع کرتے تھے۔ مفتی صدرالدین (۱۶) نے بھی بہت منع کیا بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور مرے اور جہنم میں گئے۔ یعنی وہاں کے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے، نصاریٰ ہو جاتا ہے۔ وجہ ممانعت مفتی کی مولوی صاحب نہیں سمجھے اور وہ یہ تھی کہ مفتی صاحب کو حسد و رشک لانہایت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی اون کے احبا یا اقربا یا شاگردوں میں سے عہدۂ جلیل پر منصوب ہو اور آخر کو شاید اون سے برتر اور بلند مرتبہ ہو جائے۔ چنانچہ اس بات کو سب جانتے ہیں (۱۷)۔

یہاں گرمی اور بیماری تپ و لرزہ بدستور ہے۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال از افق امانی و امالی درخشاں باد۔

عرضی

علی اکبر، معروضہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ ان دنوں اشپرینگر بیوی بچوں سمیت شملہ میں مقیم تھا اور علی اکبر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اشپرینگر کا یہ معمول تھا کہ جب بھی وہ کسی صحت افزا مقام پر جاتا، لکھنے پڑھنے کے لیے ضروری کتابیں اپنے ساتھ رکھتا۔ علی اکبر کو بھی ہمراہ لے جانے کا یہی مقصد تھا کہ وہ مختلف مصادر سے اس کے لیے معلومات فراہم کرتا رہے۔ اس کے علاوہ وہ شاہان اودھ کے کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کی جو تفصیلات جمع کر چکا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تھا، انھیں سلیقے سے ترتیب دے کر قابل طباعت بنانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ علی اکبر کو ایسی مقامات پر ساتھ لے جاتا اور وہ اس کی نگرانی میں کام کرتا۔ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں بعض فہارسِ کتب ایسی ہیں، جن پر اشپرینگر نے اپنے قلم سے Done. Simla 10 Oct. 1850 لکھا ہے۔ اس کے بعد کی تاریخ ۱۳ اکتوبر کی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی اکبر شملہ سے روانگی سے تقریباً ایک ہفتہ قبل اشپرینگر وہیں تھا۔ اشپرینگر پہلے روانہ ہوا، کیونکہ اسے کلکتہ پہنچنا تھا۔ علی اکبر نے اس کے افراد خانہ کے ساتھ آنا تھا، لیکن وہ دہلی پہنچ گیا اور اس کے بعد اشپرینگر کے بیوی بچے براستہ دہلی کلکتہ روانہ ہوئے۔

۲۔ ٹیلر برسوں دہلی کالج سے منسلک رہا۔ وہ یہاں معلم تھا۔ اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد وہ دہلی کالج کا قائمقام پرنسپل مقرر ہوا۔ یکم جولائی ۱۸۵۰ء میں کارگل کو عہدۂ پرنسپلی تفویض ہوا، لیکن اس کے بعد بھی کالج کے معاملات میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور وہ کالج سے متعلقہ تمام تعلیمی اور انتظامی امور میں دخیل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علی اکبر کو اس کی سفارش پر کالج میں عارضی ملازمت مل گئی۔

۳۔ اشپرینگر کے پرنسپل مدرسۂ عالیہ مقرر ہونے کے بعد ۱۸۵۰ء میں جے کارگل دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا (تنخواہ ۶۰۰ روپے ماہوار)۔ وہ ۱۸۵۴ء تک اس عہدہ پر کام کرتا رہا۔ اس کے بعد پھر ٹیلر کو اس کی جگہ پرنسپل بنادیا گیا اور ۱۸۵۷ء تک وہی اس اُدارے کا کرتادھرتا رہا۔

۴۔ علی اکبر اسی سال وسط فروری میں لکھنؤ سے دہلی واپس آیا اور آتے ہی اسے مولوی احمد علی کے عہدہ پر عارضی طور پر تعینات کردیا گیا۔ وہ چند ماہ یہاں فارسی پڑھاتا رہا، لیکن پھر کسی وجہ سے اس کی یہ ملازمت ختم ہوگئی۔ اب شملہ سے واپسی پر اسے ایک بار پھر عہدۂ احمد علی تفویض ہوا۔ وہ اس عہدہ کی غیر مستقلی سے مطمئن نہیں تھا اور کسی بہتر اور مستقل ملازمت کی تلاش میں تھا، لیکن جب ایسی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو اسے مجبوراً اس عارضی عہدہ پر کام کرنا پڑا۔

۵۔ علی اکبر کو دہلی آتے ہی معلوم ہوا کہ مدرسۂ عالیہ میں احمد کبیر مرحوم کا عہدۂ امینی خالی ہے اور اشپرینگر اس کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش میں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مدرسہ ہی کے کسی شخص کو یہ عہدہ تفویض ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ بھی اس عہدے کے امیدواروں میں شامل ہے۔ عہدۂ احمد کبیر کے متعلق تفصیلات مولوی مملوک العلی نانوتوی اور مولانا سدیدالدین خاں کے مکتوبات کے تحت لکھی جا چکی ہیں اور اس ضمن میں کچھ مزید باتیں علی اکبر کے آئندہ دو خطوط میں درج ہوں گی۔

۶۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی (۱۸۲۱ء–۱۸۸۵ء)۔ مشاہیر نانوتہ میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ مولوی مملوک

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

العلی نانوتوی کے قریبی عزیز اور شاگرد، مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی کے بڑے بھائی اور علی اکبر کے قریبی دوست۔ ان کے مفصل حالات اور اشپرینگر کے نام خطوط سابقہ سطور میں درج ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد مظہر کی یہ عرضی (بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء) ان کے مکتوبات کے تحت شائع ہو چکی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ان دنوں بیکار تھے۔ علی اکبر دہلی کالج میں مولوی احمد علی کے عہدہ (مدرس سوم، فارسی) پر فائز تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کے کلکتہ جانے کے بعد یہ عہدہ مولانا کو مل جائے، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ان کے بجائے روشن علی کو اس عہدہ کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ مولانا جب ادھر سے مایوس ہو گئے، تو انہوں نے اشپرینگر کو خط لکھا کہ اگر کلکتہ میں ملازمت کی کوئی صورت نکل آئی تو وہ علی اکبر کے ساتھ ہی چل پڑیں گے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''فدوی اب تک بیکار ہے...... ارادہ مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے فدوی یہ تمنا رکھتا ہے کہ اگر کوئی علاقہ وہاں فدوی کے واسطے بھی ممکن ہو تو ہمراہ مولوی مذکور کے خدمت عالیہ فیض درجت میں حاضر ہوں...... اگر ہمراہی میری اور مولوی علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہو تو نہایت خوشی اور آرزو ہے۔''

علی اکبر اور مولانا محمد مظہر دونوں کلکتہ تو نہ جا سکے، البتہ انہیں جلد ہی مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کی کچہری میں بطور ناظر اور سررشتہ دار ملازمت مل گئی۔ مولانا کو یہ ملازمت راس نہ آئی اور وہ ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو میکلاگن کی دعوت پر روڑکی چلے گئے۔ وہاں ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار مقرر ہوئی۔

۷۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے بڑے بھائی تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے تلامذہ میں تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی یعنی احمد علی محدث نے دہلی میں جو مطبع قائم کیا تھا، اس کے مالکان میں مولانا مملوک العلی اور روشن علی شامل تھے۔ بحوالہ قلمی بیاض متعلقہ ''مختصر واقعات و سوانح...... احمد علی محدث'' نوشتہ مولوی مظہر الحق۔ اس بیاض کا حوالہ بذیل مکاتیب مملوک العلی نانوتوی دیا جا چکا ہے۔

۸۔ جنرل کمیٹی برائے پبلک انسٹرکشن (بابت ۱۸۵۲ء)

"The services of Dr. Sprenger were placed at the disposal of the Government of Bengal in May 1850, and the present Principal joined his appointment on the 2nd September following, the duties of Principal having previously been

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

carried on by Mr. F.F. Taylor, and discharged to the satisfaction of His Honor the Lieutenant Governor, and the Members of the Local Committee of Public Instruction. The only other change of importance took place in the Establishment was the leave of absence for one year granted to Mawlawy Ahmad Ali, and the appointment of Mawlawy Ali Akbar in his room."

۹۔ مولوی سید محمد دہلی کالج کے پرانے طالب علموں میں سے تھے۔ مولوی رشید الدین خاں (م۔ ۱۸۴۷ء) کے شاگرد تھے۔ تعلیم مکمل ہوئی تو اسی کالج کے شعبۂ عربی سے منسلک ہو گئے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال مدرس جماعت دوم عربی تھے۔ اس جماعت کے دو فریق تھے اور ان دونو کے طلبہ کی تعداد پندرہ تھی۔ فریق اول اور فریق دوم میں پڑھائے جانے والے مضامین یہ تھے: شرح ملا (نصف)، شرح تہذیب (تمام)، کلیلہ و دمنہ (نصف اخیر)، مسعودی، قدوری (نصف اول)، علم مثلث، تاریخ، جبر و مقابلہ، مقناطیس، تحریر، کافیہ، ایساغوجی اور علم طبیعی۔ مولوی عبدالحق نے مولوی سید محمد کی جماعت کے طالب علموں کی تعداد آٹھ لکھی ہے اور ان کے نصابی مضامین اس رجسٹر کے مضامین سے مختلف ہیں (رک: مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ص ۷٦) ممکن ہے، شعبۂ عربی کے یہ مضامین ۱۸۴۷ء سے پہلے کے ہوں۔ البتہ انھوں نے شعبۂ عربی کے نصاب (برائے ۱۸۴۷ء) کی جو تفصیل دی ہے (ایضاً، ص ۷۹-۸۰)، اُس میں اور اس رجسٹر کے مضامین میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ حیرت ہے، مولوی صاحب نے جہاں دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی کے اساتذہ اور قدیم طلبہ کے حالات لکھے ہیں (ایضاً، ص ۱۵۱-۱۷۱)، وہاں مولوی سید محمد کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے مختصر سوانح یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

میر سید محمد دہلی کے رہنے والے تھے۔ صحیح النسب سید اور عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ صاحب ''مجموعہ نغز'' میر قدرت اللہ قاسم کے قریبی اعزہ میں سے تھے اور آپ نے ان سے فن طب میں مہارت حاصل کی۔ قاسم کے بیٹے میر عزت اللہ عشق آپ کے خسر تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ بعد میں یہیں شعبۂ عربی میں مدرس مقرر ہوئے اور پھر اپنی وفات تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے۔ آپ کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (۱۸۴۷ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں ان کی عمر قریب ۷۰ برس بتاتے ہیں۔ اشپرینگر نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں وہ دہلی کالج میں عربی کے پروفیسر ہیں اور اس وقت ان کی عمر قریباً ۶۵ سال ہے۔ انھوں نے ۵۷ برس کی عمر میں ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔

انیسویں صدی عیسوی کی جن نامور ہستیوں نے دہلی کالج میں تعلیم پائی، وہ سب مولوی سید محمد کے حلقۂ تلمذ میں شامل تھیں۔ ان شخصیات میں محمد حسین آزاد بھی ہیں۔ وہ پہلے شیعہ طلبہ کی جماعت میں پڑھتے تھے اور ان کے استاد قاری جعفر علی جارچوی تھے، لیکن جب قاری صاحب اور آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے مابین تنازعہ شروع ہوا تو آزاد کو قاری صاحب کی جماعت سے ہٹا کر مولوی سید محمد کی جماعت برائے سنّی طلبہ میں داخل کرا دیا گیا (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد از محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء)۔ مولوی کریم الدین ان کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ''فاضل کامل، عالم محقق، تحریر مدقق، تمام علوم مندرجہ فارسی اور عربی سے ماہر، خوش خلق نیک طینت ذہین وذکی، پرلے درجے کے صاحب تدابیر صائبہ کے، واقف اسرار دقیقہ کے، باریک بین، جوہر شناس، طلباء ان کے فیض سے تمام علوم درسیہ سے کامیاب، علماء وفضلاء محققین میں وہ گوہر نایاب۔''

اشپرینگر کی فرمائش پر مولوی سید محمد نے چند کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کی شرحیں لکھیں۔ ان میں ایک ''فرائض شمسیہ'' ہے۔ یہ ترجمہ ہے، لیکن شرح سمیت (مطبوعہ دہلی ۱۸۴۵ء)۔ ''رسالہ شمسیہ'' علم منطق کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا بھی اردو ترجمہ کیا، جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا (صفحات ۱۰۵)۔ ان کے علاوہ ایک ہندی لغت بھی مرتب کی، جو مطبع العلوم (دہلی) سے ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی۔

(رک: صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰)

مولوی سید محمد اردو میں شعر کہتے تھے۔ ان کا تخلص تعشق تھا۔ شاعری میں اپنے خسر میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر تذکروں میں ان کے اردو اشعار منقول ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات، تصانیف اور اردو کلام کے لیے رک: مجموعۂ نغز مرتبہ حافظ محمود شیرانی (طبع ثانی، دہلی ۱۹۸۳ء (لاہور ۱۹۳۳ء)، ۱: ۱۴۲-۱۴۳۔ عمدۂ منتخبہ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۸-۱۵۹۔ طبقات شعرائے ہند از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۸ء (طبع ثانی، لکھنؤ ۱۹۸۳ء)، ص ۳۶۶-۳۶۷۔ یادگار شعراء از اشپرینگر، ترجمہ طفیل احمد، الہ آباد ۱۹۴۳ء، ص ۵۴۔ گلستان بے خزاں از میر قطب الدین باطن، طبع ثانی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء، ص ۵۴۔ گارساں دتاسی در تاریخ،

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۳:۱۹۱۔ گلستان سخن، ص ۱۷۹، گلشن ہمیشہ بہار مؤلفہ نصر اللہ خاں خویشگی۔ شمیم سخن (حصہ اول) از عبدالحیٔ صفا بدایونی۔ بزم سخن مؤلفہ سید علی حسن خاں (آگرہ ۱۸۸۱ء)۔ طور کلیم مؤلفہ سید نور الحسن (آگرہ ۱۲۹۸ھ)۔ عیار الشعراء مؤلفہ خوب چند ذکا (قلمی)۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۸-۸۹ "دہلی کالج کے چند شاعر۔"

۱۰۔ ٹیلر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی کا یہ اختلاف تاریخ دہلی کالج کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے لاتا ہے۔ شاید اس اختلاف کی وجہ شخصی ہو۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مولانا کسی خالی عہدے پر اپنے بیٹے محمد یعقوب نانوتوی یا قریبی رشتہ دار محمد مظہر نانوتوی کی تقرری چاہتے ہوں اور کالج کے اصحاب اختیار کو یہ منظور نہ ہو۔ یہاں ایک بات لائق توجہ ہے کہ اشپرینگر جتنی دیر لکھنؤ میں رہا، ٹیلر دہلی کالج کے قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس کی واپسی کے بعد (اوائل ۱۸۵۰ء) ٹیلر کی قائم مقامی کا دور ختم ہو گیا۔ چند ماہ بعد جب اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ کا پرنسپل بنا کر کلکتہ بھیج دیا گیا، تو جے، کارگل دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ نئے پرنسپل کی تقرری کے بعد ٹیلر اپنے سابقہ عہدہ یعنی بطور ہیڈ ماسٹر تدریسی فرائض سرانجام دیتا رہا اور وہ اس وقت بھی صاحب الرائے تھا، جیسا کہ موجودہ خط کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے" اور وہ جس کو چاہتا پرنسپل سے سفارش کر کے اسے کالج میں ملازمت دلوا دیتا۔ اس کے اثر و رسوخ کی ایک مثال خود علی اکبر کی ہے، جس کو اسی کے کہنے پر مولوی احمد علی کا عہدہ تفویض ہوا۔

اشپرینگر اور ٹیلر دونو دہلی کالج کے پرنسپل رہے اور مروجہ نصاب میں اصلاحی تبدیلیوں کے سبب ان میں اختلاف کا امکان ہو سکتا ہے، لیکن فی الحال اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بعض قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے قریب رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی محمد باقر کا وہ مذہبی مناقشہ تھا، جس نے شیعیانِ دہلی کو دو گروہوں یعنی باقری اور جعفری میں تقسیم کر دیا۔ ادبی، تعلیمی، دینی اور سماجی سطح پر ایسی گروہ بندیوں کا ذکر راقم نے اپنے مقالہ "آزاد اور ان کے والد" (در: مطالعہ آزاد، متذکرہ بالا) میں تفصیل سے کیا ہے۔ ٹیلر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی میں جو بھی اختلاف تھا، اس سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اس اختلاف میں علی اکبر کا رویہ جانبدارانہ تھا اور وہ مولانا کا شاگرد ہونے کے باوجود انہیں حق پر نہیں سمجھتا تھا۔

۱۱۔ راوی حدیث ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی الحنظلی البُستی (۲۷۰ھ-۳۵۴ھ/۸۸۴ء-

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۹۶۵ء) کی کتاب ''المسند الصحیح علی التقاسیم والانواع''۔ اس کے چند اجزاء برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں، (اہلوارٹ ۲:۱۰۶، شمارہ ۱۲۶۸)، لیکن یہ چند اوراق ذخیرۂ اشپرینگر کے نہیں ہیں۔ یہ اجزاء مولانا مملوک العلی نانوتوی سے مستعار لیے گئے تھے اور ہوسکتا ہے، بعد میں ان کو واپس بھیج دیے گئے ہوں۔ ابن حبان کے لیے رک: براکلمان ا:۱۶۴ (۱۷۲-۱۷۳)، ذ ا:۲۷۳-۲۷۴، سیزگن ا:۱۸۹-۱۹۱۔

۱۲۔ امام راغب اصفہانی (م۔ ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) کی معروف کتاب بعنوان ''مفردات القرآن''۔ اردو ترجمہ مع حواشی از محمد عبدالفلاح الفیر وزآبادی، لاہور ۱۹۶۳ء، رک: براکلمان ا:۲۸۹ (۳۴۳)، ذ ا: ۵۰۵-۵۰۶۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اشپرینگر کے پاس تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۶۱، شمارہ ۹۶۶)۔ اشپرینگر نے یہ نسخہ لکھنؤ میں تیار کرایا تھا (۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء)۔ اصل نسخہ ۱۱۳۲ھ......۱۷۲۰ء کا مکتوبہ تھا (رک: اہلوارٹ ا: ص ۲۶۸-۲۶۹)۔

۱۳۔ حماسہ (ابوتمام) کے قلمی نسخوں، طباعتوں اور شروح کے لیے رک: سیزگن ۲ (متعلقہ عربی شاعری، ۱۹۷۵ء): ۶۶-۷۵۔ اس کا ایک ایڈیشن کلکتہ سے ۱۸۵۶ء میں طبع ہوا تھا (بحوالہ سیزگن ۲: ۶۸)۔ دیوانِ حماسہ کا دسواں باب دہلی کالج کی جماعت اول (عربی) فریق اول کے نصاب میں شامل تھا (مرحوم دہلی کالج، ص ۸۲) اور مولانا مملوک العلی نانوتوی اور قاری جعفر علی جار چوی دونو اس کا درس دیتے تھے۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ نصاب میں شامل باب الحماسہ کو شرح کے ساتھ چھاپ دیا جائے۔ انھوں نے علی اکبر سے مشورہ کیا، لیکن وہ آمادہ نہ ہوا۔ وہ حسب منشا خود بھی یہ کام نہ کر سکا اور بالآخر اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے باب الحماسہ کی شرح مکمل کی۔ اشپرینگر کے ذاتی کاغذات (مخزونہ کتاب خانہ برلین) میں علی اصغر کے خودنوشت دو قلمی صفحات موجود ہیں۔ یہ تحریر بلا تاریخ ہے اور ''اشتہار'' کے عنوان کے تحت یہ عبارت درج ہے:

''کمترین سید علی اصغر سونی پتی مدرس دوم درجہ اول مدرسہ آگرہ کا یہ اشتہار دیتا ہے کہ ان دنوں میں اس کمترین نے شرح ''دیوان حماسہ'' کی دسوں باب کی اول سے آخر تک ہر ہر شعر پر لکھی ہے اور یہ خلاصہ ہے اوس شرح کا کہ جس کو صاحب والا مناقب جناب ڈاکٹر اسپرینگر صاحب بہادر پرنسپل مدارس کلکتہ نے واسطے طلبہ مدرسہ دہلی کے لندن سے منگا دی تھی۔ اس کمترین نے جو اس شرح کو اول سے آخر تک کئی دفعہ دیکھا تو بہت طویل پایا اور بہت سی ایسی باتیں اس میں پائیں کہ طالب علم ادب کو اون سے علم ادب میں کچھ نفع نہیں ہوتا، چنانچہ ذکر انساب شعرا اور بیان اشتقاق اسمائے شعراء، کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

طائل تحتہ ہے، اس میں بہت ہے۔اور بھی زوائد نظر آئے۔سواس لیے اس کمترین نے اس شرح کو اس طرح پر خلاصہ کیا کہ سوائے تحقیق لغت اور ترکیب نحوی اور معنی شعری کے سب کو ترک کیا اور تحقیق لغت از سرنو کی گئی۔اس واسطے کہ احقر نے اکثر جا معنی لغت میں فرق پایا۔معنی مرادی اور ہیں اور لکھ دیئے ہیں۔کچھ اور اعراب بھی بہت صحت کے ساتھ ضبط کیا ہے اور چونکہ شارح نے ہر قصیدہ پر صرف نام بحر اور ضرب اور قافیہ لکھ دیا ہے اور اوس کا کچھ بیان نہیں کیا تو اس واسطے اس کمترین نے ایک رسالہ جدا اسی باب میں کہ جس میں ہر ایک قصیدہ کی بحر اور تقطیع اور عروض اور قافیہ کا بیان بالتفصیل ہوگا، تالیف کر کر اوس شرح کے ساتھ منضم کر دیا ہے۔اب یہ کمترین اس دیوان نایاب عزیز الوجود کو مع اس خلاصہ عجیب وغریب کے چھپوایا چاہتا ہے۔بایں صورت کہ متن میں اشعار کہ ہر صفحہ میں بیس شعر سے زیادہ نہ ہوں گے اور حاشیہ پر شرح ہر شعر کی لکھی جائے گی۔غالب ہے کہ تمام اجزا اس کتاب کے بیس سے زیادہ نہ ہوں گے۔یہ صورت مرقومہ بالا بہت مطبوع اور پسندیدہ ہے۔جو کوئی دیکھے گا، پسند کرے گا اور غایت ایزدی سے یہ شرح بھی ایسی مغنی اور کافی تیار ہوئی ہے کہ جو شخص علم و ادب سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہوگا، اوس کو استاد کی حاجت نہ پڑے گی اور کسی بات میں محتاج غیر کا نہ رہے گا۔کوئی کسی طرح کی مشکل نہیں ہے کہ اوس کو حل نہ کیا ہو۔الغرض یہ شرح عجیب وغریب تیار ہوئی ہے۔جب چھپ کر تیار ہوگی اور ملاحظہ سے گذرے گی کہ عنایت ایزدی سے مقبول و مطبوع طبع خلایق ہوگی اور ہر کوئی اس کا جان سے طالب اور مشتاق ہوگا۔پس جو صاحب کہ اس کو خریدنا چاہیں، اون کو چاہیے کہ قبل از طبع جلد درخواستیں اپنی اس کمترین کے پاس بھیج دیویں تا کہ یہ کتاب نایاب اون کو بقیمت چار روپیہ کے دستیاب ہووے۔ورنہ بعد طبع کے پانچ روپے کو دستیاب ہوگی۔اور یہ قیمت اس کتاب عزیز الوجود کے مقابلہ میں بہت کم رکھی گئی ہے تا کہ ہر شخص کثیر الاستطاعت اور قلیل البضاعت اس کو خرید سکیں اور اوس سے بہرہ ور ہوویں۔''

معلوم نہیں، علی اصغر کی یہ شرح اور ''حماسہ'' پر یہ رسالہ چھپا یا نہیں، کیونکہ گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' وغیرہ اور محمد عتیق صدیقی کی کتاب ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات'' میں اس کا ذکر موجود نہیں۔

سید علی اصغر سونی پتی کے تفصیلی حالاتِ زندگی دستیاب نہیں۔راشد کاندھلوی اسے تلامذۂ مملوک العلی میں شمار کرتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ ''غالباً ۱۸۵۱ء میں آگرہ کالج میں اردو کا مدرس مقرر ہوا'' اور ساتھ ہی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''مزید کوائف اور وفات وغیرہ معلوم نہیں''۔(رک: مولانا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مملوک العلی نانوتوی، محولہ بالا، ص ۵۳۰)

طلبائے دہلی سے متعلق رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) علی اصغر، مولانا مملوک العلی کی جماعت عربی اول کے فریق دوم میں زیر تعلیم تھا۔ عمر بیس سال اور یوں اس کا سنۂ ولادت ۱۸۲۷ء متعین ہوتا ہے۔ اس کی عمر اپنے بھائی علی اکبر سے دو سال کم تھی۔ دہلی کالج میں مدت تحصیل ساڑھے چھے سال بتائی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں بھائی ایک ساتھ ۱۸۴۰ء کے وسط میں اس مدرسہ کی عربی جماعت میں داخل ہوئے۔ ان دنوں یہ مضامین پڑھائے جاتے تھے: ہدایہ، تاریخ یمینی، دیوان متنبی، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، رسالہ ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون۔ ان میں علی اصغر کے حاصل کردہ نمبر بالترتیب ۴۲، ۴۵، ۴۱، ۴۱، ۲۲، ۲۵، ۱۴۸، اور ۲۸ تھے۔

ایک تعلیمی رپورٹ (بذیل ۴ جنوری ۱۸۴۳ء) میں علی اصغر کا بطور عربی اسکالر ذکر کیا گیا ہے۔ اُس کا ماہوار وظیفہ چار روپے تھا۔ بعد کی دو رپورٹوں (بذیل یکم مارچ ۱۸۴۸ء اور یکم جنوری ۱۸۴۹ء) میں وہ سینئر اسکالر کی حیثیت سے نو روپے ماہوار وظیفہ وصول کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی رپورٹ میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

cf. General Report on Public Instruction in the Bengal Presidency, for 1842-43. Calcutta 1843; General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency for 1847-48. Agra 1849; ibid., for 1849-50. Agra 1850.

۱۴۔ ماسٹر رام چندر (۱۸۲۱ء-۱۸۸۰ء) دہلی کالج کا طالب علم، استاد اور معروف ریاضی دان۔ اس کا ایک سوانح نگار رام چندر کے دورۂ کلکتہ کا یوں ذکر کرتا ہے: "۱۸۵۱ء میں وہ کالج کے امتحان کے زمانہ میں تین ماہ کی چھٹی لے کر کلکتہ گئے۔ یہاں انہوں نے "کلکتہ ریویو" کے اعتراضات کا جواب [illegible] "انگلشمین" میں شائع ہوا۔ دہلی کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر اشپرینگر کی وساطت سے [illegible] کے ممبر اور مجلس قانون اور مجلس تعلیم کے صدر ڈرنک واٹر بیتھون سے بھی ملے۔"

(ماسٹر رام چندر از صدیق الرحمٰن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۳۷)

۱۵۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ [illegible] کی پیشکش کی تھی۔ وہ اپنے دیرینہ تعلقات کی بناء پر اشپرینگر کی اس پیشکش کو نامنظور نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ان کے کلکتہ جانے کے بعد دہلی کالج میں مدرس اول (عربی) کی جو جگہ خالی ہوگی، اس پر مولانا محمد مظہر نانوتوی کو تعینات کر دیا جائے۔ جب وہ اپنا یہ مطالبہ منوانے میں ناکام ہوئے تو پھر اسی شعبۂ عربی کے مدرس سوم کی تقرری کے لیے اپنے بیٹے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا نام تجویز کیا، لیکن ارباب اختیار بالخصوص ٹیلر نے یہ بات بھی قبول نہ کی اور یوں مملوک العلی قدرے دل برداشتہ ہو گئے۔ علاوہ ازیں مولانا مملوک العلی کلکتہ جانے سے قبل کچھ تحفظات چاہتے تھے، جو شاید انہیں نہ مل سکے۔ چنانچہ وہ اشپرینگر کی پیش کش کو نہ تو کھل کر قبول کر سکے اور نہ اس سے انکار کر سکے، لیکن اشپرینگر نے ان کے خطوط سے یہی تاثر لیا کہ وہ دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہیں آنا چاہتے، چنانچہ بعد میں اشپرینگر نے اس عہدۂ امینی پر مولانا سدیدالدین خاں کو مقرر کر دیا۔

مولانا مملوک العلی کے فرزند ارجمند مولانا محمد یعقوب نانوتوی (م ۱۸۸۴ء) صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، کے ابتدائی حالات، جبکہ ان کی عمر ابھی بیس سال سے بھی کم تھی، اور دہلی کالج سے ان کے تعلق کے بارے میں تفصیلات آئندہ سطور میں بذیل مکتوبات سید برکت علی پیش کی جائیں گی۔

۱۶۔ مولانا مملوک العلی کے کلکتہ نہ جانے کا ایک سبب ان کے بعض احباب بھی تھے۔ ان میں ایک نام ان کے رفیق کار میر سید محمد کا ہے، لیکن علی اکبر کے خیال میں مولانا کو روکنے کے اصل ذمہ دار مفتی صدر الدین آزردہ تھے۔ علی اکبر نے مفتی صاحبؒ کے مزاج کے بارے میں جو اظہار خیال کیا ہے، اس کا تفصیلی ذکر سابقہ سطور میں ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات کا اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ آزردہ اور مولانا مملوک العلی میں اختلاف تھا اور وہ وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:

"عم بزرگوار مولانا قاری عبدالسلام سے منقول واقعہ۔ مفتی صدر الدین صاحب کو مولانا مملوک العلی سے معاصرانہ چشمک تھی۔"

(رک: تذکرۃ الصالحین المعروف بہ تذکرہ رحمانیہ یعنی سوانح عمری محمد عبدالرحمٰن محدث انصاری، پانی پتی، مرتبہ و مؤلفہ محمد عبدالحلیم انصاری، لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۳۷)

ممکن ہے، مفتی صاحب نے مولانا کو کلکتہ نہ جانے کا جو مشورہ دیا، اس کے پیچھے ان کی یہی چشمک کارفرما ہو۔

۱۷۔ مکتوب نگار نے مفتی صدرالدین آزردہ کی شخصیت کے جس پہلو سے پردہ اٹھایا ہے، اس سے وہ اکیلا ہی نہیں، بلکہ اور بھی لوگ واقف تھے۔ مفتی صاحب اپنے منصب اور علم کے حوالے سے اعلیٰ مسند پر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

متمکن تھے اور ان پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ان کے طبعی اوصاف اور علمی کمالات کا شاہد ہے۔ اب ان خطوط سے ان کی ذات کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے، جو لائق توجہ ہے اور اس سے مفتی صاحب کی شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۳

"غریب پرور سلامت

فدوی اقبال حضور فیض گنجور سے بہت خوش و خورم ہے۔ خدا تعالیٰ ذات خجستہ صفات بندگان عالی کو ابدالآباد سلامت رکھے۔

۲۲ نومبر مفتی صدرالدین صاحب نے فدوی کو عہدۂ نظارت (۱) کچہری اپنی کا بمشاہرہ ساٹھ روپیہ بسبب خالی ہونے کے اور محمد مظہر (۲) کو عہدہ سرشتہ داری کا بمشاہرہ ۳۵ روپیہ مرحمت کیا۔ چونکہ نظارت کے واسطے، جس میں ہمیشہ روپیہ سے کام پڑتا ہے اور تمام چپراسیوں اور اہل عملہ و متخاصمین و وکلا وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے، ضمانت تین ہزار روپیہ کی کسی صاحب جایداد کی شرط ہے اور مجھ سے انتظام ضمانت نہ ہو سکا۔ لاچار دو چار روز میں اگر ضمانت ملی فبہا، ورنہ چھوڑ کر علاقہ مولوی احمد علی پر، کہ میں نے وہاں سے ۲۳ دسمبر تک رخصت لی ہے، درس دوں گا۔

عہدۂ مذکور عہدہ زیادتی عزت و کمی محنت و فرحت حکومت کا تھا اور میں اوس سے نہایت خوش تھا، لیکن شرط ضمانت نے لاچار کر دیا (۳)۔ اگر چہ عہدہ نظارت بہت بہتر و اعلیٰ ہے، لیکن عہدہ احمد کیہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا (۴)۔ یہ سارا فساد و خلل مولوی مملوک العلی کا ہے کہ اپنا قدم بیچ میں داخل کر کر نہ اپنا رکھا نہ میرا۔ مجھے اس کا اب تک بڑا افسوس ہے اور مولوی صاحب سے بڑی شکایت (۵)۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آخر نوبت اوس عہدہ کی امتحان پر پہنچی۔ چنانچہ کل ۲۹ نومبر نیئر صاحب بہادر نے مجھے کچہری میں کہلا بھیجا کہ اوس عہدہ کے واسطے امتحان ہوگا، تم کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ غریب پرور! مختصراً صورت حال یہ ہے کہ اوس کے واسطے تمام مدرسین بنگال و آگرہ و دہلی وغیرہ کا غالبا امتحان دیں گے اور چونکہ مدرسین ہمیشہ دیکھتے پڑھاتے رہتے ہیں، اون کو یاد ہوتا ہے۔ اور میں نے مدت دراز سے پڑھنا پڑھانا و مطالعہ کتب خصوصاً معانی و فقہ و اصول فقہ چھوڑ رکھا ہے۔ البتہ اگر کوئی مجھ سے پڑھے، پڑھا سکتا ہوں کیونکہ پڑھانے کو حسن استعداد کافی ہے، لیکن امتحان کے واسطے یاد ہونا شرط ہے۔ مسائل فقہیہ یا اصول فقہ میں کہ بالکل منقولات ہے، استعداد سے علاقہ نہیں۔ علم ادب میں شاید کچھ ہو سکے تو ہو سکے۔ اگر چہ میرا اول امتحان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دینے پر راضی نہیں، لیکن صرف بموجب حکم وایماء حضور وباندیشہ نارضامندی بندگان جناب فیض مآب جس طرح ہو سکے گا، امتحان دوں گا، لیکن بشرط حصول عہدہ نظارت، اگر وہ عہدہ امتحاناً میرے واسطے تجویز نہ ہوا، مجکو مطلق رنج نہ ہوگا، البتہ اگر نظارت بھی نہ ملی اور نہ امینی بنگال بلکہ صرف عہدہ احمد علی میسر آیا، اوس صورت میں رنج مالا کلام ہوگا، لیکن اوس کا تدارک حضور کے اختیار ہے۔ اس واسطے کہ اگر کسی وقت عہدہ مدرسی اول ہوگلی یا کلکتہ، کہ تنخواہ اوس کی عہدہ احمد کبیر سے بھی زیادہ ہے، خالی ہو اور پرورش حضور سے نصیب اس خاکسار کے ہو سکے، تو اوس سے زیادہ خوشی کی بات نہیں (٦)۔ فقط۔

صاحب جج نے سرشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو بعلت رشوت ستانی موقوف کروا کر حکم دیا کہ اہل مدرسہ کو جو معتمد ہیں، یہ عہدے دیئے جاویں۔ اسی سبب سے ہم دونو کو دیئے گئے۔

۱۰ نومبر ایک عرضی متضمن اپنے حالات کے حضور کی خدمت فیض درجت میں روانہ کی ہے۔ پہنچی ہوگی۔

فدوی علی اکبر

معروضہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء"

تشریحات:

۱۔ علی اکبر ۲۹ اکتوبر ۱۸۵۰ء کو شملہ سے واپس دہلی پہنچا اور آتے ہی اسے پھر سے دہلی کالج میں فارسی کے مدرس سوم کی ملازمت حاصل ہوگئی۔ چند روز بعد صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری کے ناظر اور سررشتہ دار بوجہ رشوت ستانی معطل کر دیئے گئے اور انگریز جج کے حکم پر مفتی صاحب کے خلافِ منشاء بطور ناظر علی اکبر کو مقرر کر دیا گیا۔ اس نے کالج سے ایک ماہ کی رخصت لی اور ۲۲ نومبر کو اس نئے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ کالج کی نسبت یہاں تنخواہ بھی زیادہ تھی یعنی ساٹھ روپے ماہوار، کام کم کرنا پڑتا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں یہ عہدہ باعثِ عزت بھی تھا۔

۲۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی کا صدر الصدور کی کچہری میں بحیثیت سررشتہ دار تقرر ایک نئی اطلاع ہے۔ وہ ان دنوں بیکار تھے، اس لیے انھوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا، لیکن وہ زیادہ دیر مفتی صاحب کے ساتھ کام نہ کر سکے اور میکلاگن کے بلانے پر رروڑکی چلے گئے، جہاں انھیں عہدۂ وزیٹری پرگنہ مل گیا۔

رک: بذیل مکتوبات مولانا محمد مظہر نانوتوی، سطور بالا۔

۳۔ علی اکبر کو بطور ناظر منتخب تو کر لیا گیا، لیکن باقاعدہ تقرری کے لیے یہ شرط عائد کر دی گئی کہ وہ کسی صاحب حیثیت شخص سے تین ہزار روپے کی ضمانت دلوائے۔ یہ ضمانت اس لیے لازمی سمجھی گئی کہ عہدۂ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نظارت میں روپے پیسے کا لین دین بھی شامل تھا۔ یہ شرط علی اکبر کو سخت ناگوار گذری، کیونکہ اس کی اپنی مالی حیثیت اتنی مستحکم نہیں تھی کہ وہ اتنی بڑی رقم کی ضمانت دے سکتا اور نہ اسے فوری کوئی ایسا باثروت شخص نظر آیا، جو اس کے لیے ضمانت کا انتظام کر سکے۔ اس ضمانت کا بندوبست ہوا یا نہیں، اس کا ذکر علی اکبر نے اپنے ان خطوط میں نہیں کیا، لیکن قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یا تو کسی نے یہ ضمانت دے دی یا یہ شرط ہی ختم کر دی گئی، کیونکہ اس کے بعد چند ماہ تک علی اکبر اسی عہدہ پر کام کرتا رہا اور اس نے یہ ملازمت اس وقت چھوڑی، جب اسے آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) مقرر کیا گیا۔

۴۔ علی اکبر مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ احمد کبیر یعنی عہدۂ امینی کا بھی امیدوار تھا۔ وہ عہدۂ نظارت پر مطمئن ضرور تھا، لیکن پھر بھی مدرسہ عالیہ کی ملازمت کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ عہدۂ نظارت کی غیر مستقلی سے خوفزدہ تھا اور اسے یقین تھا کہ انگریز جج کے جاتے ہی صدر الصدور سابقہ ناظر کو بحال کر دیں گے اور اسے ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ آگرہ کالج میں اپنی تعیناتی تک اسے یہی فکر دامن گیر رہی۔

۵۔ اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ کے عہدۂ امینی کی پیش کش سب سے پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو کی۔ اس مجموعہ مراسلات میں مولانا کے نو خطوط میں سے پانچ خط اسی عہدہ سے متعلق ہیں۔ ان میں آخری خط ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کا تحریر کردہ ہے، جس میں مولانا نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کلکتہ آنے کو تیار ہیں، لیکن انھیں اختیار دیا جائے کہ ایک سال تک وہ جب چاہیں، واپس آ کر دہلی کالج میں اپنا عہدہ پھر سے سنبھال سکیں۔ افسران بالا کو ان کی یہ شرط منظور نہیں تھی، چنانچہ وہ کلکتہ نہ جا سکے اور حسب سابق دہلی ہی میں کام کرتے رہے۔

اس کے بعد علی اکبر اس عہدہ کے امیدواروں میں شامل ہوا۔ وہ اس عہدے کو دوسرے عہدے پر فوقیت دیتا تھا، لیکن معلوم نہیں، مولانا مملوک العلی نے کیا مداخلت کی کہ علی اکبر کو ان سے شدید الفاظ میں شکایت کرنا پڑی اور اپنے استاد کی عزت و تکریم کا بھی خیال نہ کیا۔ مولانا خود اس عہدہ کے خواہاں نہیں تھے اور نہ انھیں اس سے کوئی دلچسپی تھی۔ اگر وہ اس کے متمنی ہوتے تو [illegible] لیتے۔ اب معلوم نہیں کہ انھوں نے کیا خلل ڈالا؟ کہ علی اکبر کو [illegible] یہ عہدہ نہ مل سکا۔ شاید اسے اس بات کا یقین تھا کہ اشپرینگر اسے دیرینہ مراسم کے سبب عہدۂ امینی تفویض کرے گا، لیکن اس کی راہ میں بعض انتظامی مجبوریاں حائل تھیں۔ علی اکبر کو شاید غلط فہمی ہو گئی کہ اسے براہ راست عہدہ نہ ملنے میں مولانا مملوک العلی کا ہاتھ تھا۔ بعد میں جب اسے صحیح صورت حال کا علم ہوا تو اسے اشپرینگر کو لکھنا پڑا کہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس نے مولانا کے بارے میں جو خط لکھا ہے، وہ اسے ضائع کردے۔

۶۔ جب اشپرینگر کو یہ یقین ہو گیا کہ مولانا مملوک العلی کلکتہ نہیں آئیں گے، تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عہدۂ امینی کے لیے امتحان لیا جائے اور جو امیدوار سب سے زیادہ نمبر حاصل کرے، اسے یہ عہدہ دے دیا جائے۔ یہ امتحان ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو منعقد ہوا اور اس میں کلکتہ، آگرہ اور دہلی کے اساتذہ نے حصہ لیا۔ (اس امتحان کی تفصیل اگلے خط کی تشریحات میں بیان کی جائے گی۔) علی اکبر اس امتحان سے خائف تھا۔ وہ امتحان سے گریزاں تھا، لیکن اشپرینگر کے حکم سے روگردانی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ امتحان کے انعقاد سے قبل ہی اسے اندازہ تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکے گا، اسی لیے اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر وہ ناکام ہو گیا اور عہدۂ نظارت بھی صدر الصدور کی متلون مزاجی سے جاتا رہا، تو پھر وہ کیا کرے گا۔ دہلی کالج میں اب وہ جانا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ وہاں اس کی رخصت کے دوران میں نیا استاد مقرر ہو چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ناکامی کی صورت میں اشپرینگر کلکتہ یا ہگلی کے کسی اور مدرسہ میں ایسی ملازمت کا بندوبست کر دے، جو عہدۂ امینی سے زیادہ بہتر ہو۔ علی اکبر کی یہ تمام خواہشات ایک ایک کر کے ناکام ہوتی گئیں اور بالآخر اسے مدرس اول (عربی) کے عہدے پر آگرہ کالج جانا پڑا۔

۴

''غریب پرور سلامت (۱)

فدوی اقبال حضور سے بخیریت وصحت ہے، حضور کی دعائے دولت و اقبال میں مصروف۔ یہاں ۹ دسمبر چار آدمیوں نے یعنی مولوی حسن علی خان (۲) و محمد مظہر (۳) و فیض الحسن (۴) نے (جس نے معرفت مولوی امام بخش (۵) کے حضور سے ''اغانی'' مستعار لی تھی) اور اس احقر نے امتحان دیا۔ سوالات بہت آسان تھے۔ میں نے اپنی دانست میں سوالات کے جواب بخوبی تمام اپنے ہمسروں سے بہتر لکھے ہیں، لیکن ''فوق کل ذی علم علیم''۔ شاید اور مدارس کے امتحان دینے والوں نے مجھ سے بہتر لکھا ہو گا۔

ان دنوں میں فدوی کارِ نظارت کچہری صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے۔ اگرچہ یہ عہدہ بہ نسبت مدرسی مدرسہ کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرۃً و عزتاً و حکومتاً بمراتب بہتر ہے، لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں۔ اس واسطے کہ فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے، جبکہ صاحب مذکور بدل جائیں گے یا ولایت کو جائیں گے، فوراً سررشتہ دار و ناظر سابق کو مفتی صاحب بحال کر دیں گے اور مفتی صاحب نہایت متلون المزاج و ناقدردان ہیں، چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔ اسی واسطے مولوی محمد مظہر سررشتہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

داری کو چھوڑ کر روڑ کی کو تیس رد پیہ کی تنخواہ پر میٹکا گن صاحب کے پاس ۱۶ دسمبر یہاں سے چلے گئے (۶)۔

بناء علیہ یہ نمک خوار قدیمی عرض رسا ہے کہ جب کوئی عہدہ قابل فدوی کے وہاں بہم پہنچے، فدوی کو یاد فرما کر ممتاز و سرفراز فرماویں۔

اب مدرسہ میں فدوی کے عہدہ پر منشی کریم بخش (۷) اور اون کے عہدہ پر پنڈت رادھا کشن (۸) لڑکا مقرر ہو گیا۔ کل ۲۳ دسمبر روبکاری ہو کر مدرسہ میں تعطیل ہوگی۔ ۲۵ کو ماسٹر رام چندر یہاں سے چلیں گے۔ واسطے سیر بنگال کے رخصت دو مہینے کی لی ہے'' (۹)۔

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے اور اس پر مراسلہ نگار کا نام بھی درج نہیں، لیکن اس مکتوب کے مندرجات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سنہ تحریر ۲۲ دسمبر ۱۸۵۰ء ہے اور اس کا لکھنے والا علی اکبر ہے۔

۲۔ یہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس دوم تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس کے تھی۔ ان کا تفصیلی ذکر علی اکبر کے خط نمبر ۸ کی تشریحات میں کیا جائے گا۔

۳۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ وہ بھی اس امتحان کے بارے میں اشپرینگر کو یہ اطلاع دیتے ہیں:

''حسب الحکم حضور کے پیر کے دن ۹ تاریخ ۱۸۵۰ء کو امتحان واسطے عہدۂ کلکتہ کے دہلی میں ہوا۔ احقر نے بھی جو کچھ اوس وقت سمجھ میں آیا، سو لکھا لیکن جب مکان پر آیا تو بعد غور و تامل کے معلوم ہوا کہ اکثر صحیح لکھا ہے۔''

(مراسلہ بابت ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء۔ رک: بذیل ''مولانا محمد مظہر نانوتوی'')

۴۔ ان سے مراد مولانا فیض الحسن سہارنپوری (۱۸۱۶ء-۱۸۸۷ء) ہیں۔ عربی ادبیات کے فاضل اور بقول سید سلیمان ندوی ''مولانا اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو'' (بحوالہ حیات شبلی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ص ۸۰)

مولانا فیض الحسن کے سوانح حیات کے متعلق یہ نئی اطلاع ہے کہ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدہ کے لیے جو امتحان دہلی میں ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو ہوا تھا، اس میں وہ بھی بطور امیدوار شریک تھے۔ ۔ ۔ ان دنوں دہلی میں مقیم تھے اور اس دور کے جلیل القدر فضلا مثلاً آزردہ، شاہ احمد سعید مجددی، اخوند شیخ محمد، مولانا فضل حق خیر آبادی، مومن، غالب اور ذوق کی علمی اور شعری صحبتوں سے کسب فیض کرتے رہے۔ مولانا ان سب میں امام بخش صہبائی سے زیادہ گہرے مراسم رکھتے تھے اور وہ انھیں کے کہنے پر اس امتحان میں شامل ہوئے، لیکن دیگر تینوں امیدواروں کی طرح وہ بھی اس امتحان میں کامیاب نہ ہو

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سکے اور عہدۂ امینی انہیں حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا فیض الحسن کے مختصر حالات زندگی: وہ ۱۸۱۶ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حافظ خلیفہ علی بخش سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ مزید علم حاصل کرنے کے لیے دہلی آئے اور یہاں کی نامور علمی ہستیوں سے مروجہ علوم میں دسترس حاصل کی۔ کچھ عرصہ دہلی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد چند سال سہارنپور اور علی گڑھ میں بسر کیے اور بالآخر ۱۸۷۰ء میں ڈاکٹر لائٹنر کی دعوت پر لاہور آ گئے اور یہاں وفات (۱۸۸۷ء) تک اورینٹل کالج کے صدر مدرس اور سپرنٹنڈنٹ صیغۂ عربی رہے۔ وہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بے تکلف دوست تھے اور دونو حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مرید تھے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے تفصیلی حالات اور ان کی تالیفات کے لیے رک: مولانا فیض الحسن از سید عابد علی عابد، در: رسالہ شباب اردو (لاہور)، مئی ۱۹۲۲ء۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری از محمد عبداللہ قریشی در: نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲ء، ص ۹۳۹۔ تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج (لاہور) مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور ۱۹۶۲ء، ص ۱۲۸-۱۳۰۔ نزہتہ الخواطر ۸: ۳۶۶-۳۶۹۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دوم (عربی ادب، ۱۲؁ء-۱۹۷۲ء)، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ص ۴۰۲-۴۰۴، مقالہ از پروفیسر عبدالقیوم۔ مشاہیر علماء دیوبند (جلد اول) تالیف حافظ قاری فیوض الرحمٰن، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۴۰۵-۴۰۷۔ مفتی صدر الدین آزردہ از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۷-۱۱۰۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء از حافظ قاری فیوض الرحمٰن، کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۲۷۴-۲۷۷۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے سوانح اور علمی کارناموں پر سعید اقبال قرشی کا مقالہ برائے ڈاکٹریٹ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور بعنوان ''مولانا فیض الحسن قرشی سہارنپوری، علمی و ادبی کارنامے مع خصوصی مطالعہ باب الحماسۃ از شرح دیوان الحماسۃ الملقب بہ بالفیضی و تصحیح اغلاط طباعت''۔ ۱۹۸۶ء۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری از محمد عبداللہ قریشی در: نقوش (لاہور)، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۲۲-۴۲۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی 'فیضیہ' ''انجمن پنجاب، لاہور سے طبع ہوئی تھی (۱۸۸۲ء، صفحات ۴۲) مراد مولوی امام بخش صہبائی۔ دہلی کالج میں فارسی کے استاد اور مشہور زمانہ فارسی داں۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری شعر و شاعری میں ان کے شاگرد تھے اور وہ اپنے استاد کی وساطت سے اشپرینگر سے ملے تھے اور اس سے ''کتاب الأغانی'' کا قلمی نسخہ مستعار لیا تھا۔ برائے تفصیل رک: امام بخش صہبائی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کی تنقید نگاری از ذاکر حسن ندوی (معارف (اعظم گڑھ)، بابت اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۰۲-۳۱۸) اور امام بخش صہبائی اور اردو زبان وادب از ایم زید حسین (نوائے ادب (بمبئی)، بابت اپریل ۱۹۹۷ء، ص ۹۲-۱۰۱)۔ امام بخش صہبائی از امیر حبیب اللہ خاں نظامی جالندھری، در: ادبی دنیا (لاہور)، جولائی ۱۹۳۰ء، ص ۵۲۵-۵۲۸۔

دہلی کالج میں شعبۂ فارسی کے مدرس اول، پچاس روپے ماہوار تنخواہ۔ تاریخ تقرری یکم اپریل ۱۸۴۱ء۔

۶۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی نے روڑکی سے جو خط اشپرینگر کو لکھا (مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء)، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میکلاگن کے بلاوے پر عہدۂ سررشتہ داری چھوڑ کر وہاں گئے تھے۔ انھیں وہاں عہدۂ وزیٹری پرگنہ ملنے کی امید تھی، جس کی تنخواہ تیس روپے ماہوار تھی۔ وہاں دوسرا عہدۂ وزیٹری پرگنہ بھی تھا، جس کی تنخواہ چالیس روپے ماہانہ تھی۔ مولانا کی خواہش تھی کہ علی اکبر دوسرے عہدے کے لیے درخواست بھیج دے، لیکن وہ نہ مانا، کیونکہ دہلی میں بطور ناظر صدرالصدور اس کی ماہوار تنخواہ ساٹھ روپے تھے اور وہ بیس روپے کم تنخواہ پر دہلی چھوڑ کر روڑکی جانا نہیں چاہتا تھا۔

۷۔ مولوی کریم بخش دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال جماعت اول (عربی) کے فریق دوم میں پڑھتے تھے۔ اس فریق کے کل تین طلبہ میں علی اکبر کے چھوٹے بھائی علی اصغر بھی شامل تھے۔ اس رجسٹر میں کریم بخش کی عمر بیس سال درج ہے، اس سے ان کا سنہ ولادت ۱۸۲۷ء برآمد ہوتا ہے۔ انھیں کالج میں داخل ہوئے ۴ سال ۷ ماہ ہو چکے تھے۔ اس سال ان کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی اور اس عرصے میں وہ تین دن غیر حاضر رہے۔ نمبروں کے حساب سے جماعت میں ان کی دوسری پوزیشن تھی۔ ہر مضمون میں ان کے حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

ہدایہ	۴۰
تاریخ یمینی	۴۲
دیوان المتنبی	۳۹
جامع التواریخ	۴۶
جزئیات کلیات	۴۹
رسالہ ہیئت	۳۰
علم مثلث	۴۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جواب مضمون ۳۰

اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے اور یوں کریم بخش بھی ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔

۱۸۵۲ء میں اشپرینگر کے اجرا کردہ ہفتہ وار رسالہ ''قران السعدین'' کے مدیر مولوی کریم بخش تھے۔ اس سال اس رسالے کے خریداروں کی تعداد اکتیس تھی۔ (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۱۱)۔ گارسیں دتاسی نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں بھی اس رسالے کے وہی مدیر تھے۔ (رک: تاریخ ۲: ۱۶۵)

کریم بخش کی تصنیفات یہ ہیں:

الف۔ جبر و مقابلہ۔ یہ کتاب الجبرا پر ہے۔ اردو میں لکھی گئی۔ ماسٹر رام چندر نے اس کے لکھنے میں تعاون کیا اور یہ دہلی کے مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔

V. Tregear نے صرف رام چندر ہی کو اس رسالے کا مؤلف بتایا ہے اور کریم بخش کا نام نہیں لکھا۔ ماسٹر رام چندر کے ایک سوانح نگار نے ان کی ایک کتاب ''اصول جبر و مقابلہ'' کا نام لکھا ہے، جو دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی تھی (رک: ماسٹر رام چندر تالیف صدیق الرحمٰن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۸۳)۔ ممکن ہے، یہ دونوں الگ الگ کتابیں ہوں۔ ایک ماسٹر رام چندر کی اپنی تالیف ہو اور دوسری انہوں نے کریم بخش کے ساتھ مل کر لکھی ہو۔ گارسیں دتاسی اور محمد عتیق صدیقی نے ''جبر و مقابلہ'' کے مؤلفین میں رام چندر اور کریم بخش دونو کے نام لکھے ہیں۔

ب۔ رسالہ ہٹن صاحب: الجبرا پر Hutton کی کتاب کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ اس کی طبع اول پر عنوان ''اصول علم مثلث'' درج ہے۔ محمد عتیق صدیقی کے مطابق کریم بخش نے یہ رسالہ بھی ماسٹر رام چندر کے اشتراک سے تالیف کیا، لیکن صدیق الرحمٰن قدوائی کی مذکورہ بالا کتاب میں اس کا ذکر موجود نہیں۔

ج۔ عجائبات محنت شعاری، بفرمائش ایچ ایس ریڈ، مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۹ء (صفحات ۱۱۴)۔ یہ اس انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے:

The Phenomena of industrial life and conditions of industrial success

د۔ جمع النفائس: یہ کتاب پانچ حصوں میں تھی۔ اس کا تیسرا اور چوتھا حصہ آگرہ سے بالترتیب ۱۸۵۸ء اور ۱۸۵۹ء میں طبع ہوا۔ یہ کتاب بھی ایچ ایس ریڈ (Reid) کی فرمائش پر تالیف ہوئی۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ھ۔ ہندوستانی پینل کوڈ کے اردو ترجمہ میں عظمت اللہ کی اعانت۔

و۔ دائرۂ علم: اس کا اصل مؤلف منشی ہشام لال تھا۔ کریم بخش نے اس کی تصحیح کی تھی۔

ز۔ رسالہ اصول محصول، لکھنؤ ۱۸۶۰ء (صرف آٹھ صفحات)

ح۔ انتباہ المدرسین۔ بفرمائش ایچ ایس ریڈ۔ مل (Mill) کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ۔ آگرہ ۱۸۵۸ء، صفحات ۴۸

ط۔ جغرافیہ جہاں۔ مطبوعہ ۱۸۶۰ء (صفحات ۵۲)

رک: گارسیں دتاسی ۲: ۱۶۳-۱۶۵۔ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰

بحوالہ تعلیمی رپورٹ (متعلقہ ۱۸۵۰ء) کریم بخش دہلی کالج میں ریاضی کے استاد تھے (بذیل ۳۰ اپریل ۱۸۵۰ء)

۸۔ رادھا کشن ۱۸۴۷ء میں جماعت دوم (عربی) کا طالب علم تھا اور مولوی سید محمد اس کے استاد تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر بذیل مکتوبات منشی اشرف علی کیا جائے گا۔ (بذیل: مکتوب ۴، مع تشریحات)

۹۔ علی اکبر نے اپنے سابقہ خط (بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء، شمارہ ۲) میں لکھا ہے کہ ماسٹر رام چندر کلکتہ جانے کے لیے دو ماہ (نصف جنوری تا نصف مارچ ۱۸۵۱ء) کی رخصت لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ دسمبر کے اواخر میں دہلی سے روانہ ہوں گے۔ اس خط میں رام چندر کی روانگی کی تاریخ ۲۵ دسمبر بتائی گئی ہے، اس حساب سے اس کی رخصت دو ماہ سے زیادہ ہو جاتی ہے، لیکن صدیق الرحمٰن قدوائی نے لکھا ہے کہ رام چندر نے ۱۸۵۱ء میں تین ماہ کی رخصت حاصل کی تھی۔ (رک: علی اکبر کا مکتوب ۲، مع تشریحات شمارہ ۱۳)

۵

"غریب پرور سلامت

سابق میں چند عرایض بسبیل ڈاک فدوی نے بھیجے۔ غالب ہے کہ خدمت عالی میں نہ پہونچے ہوں گے۔ ورنہ حضور اوس کا جواب بالضرور عنایت فرماتے۔

۸ جنوری پروانہ میور صاحب بہادر (۱) کا فدوی کے پاس آیا۔ اوس کی عبارت یہ ہے کہ تمہاری نوکری کی سبیل دہلی میں ہوگئی ہے یا نہیں۔ اگر نہ ہوئی ہو تو تم ہم کو اطلاع دو کہ تم کو کس قدر تنخواہ پر روزگار اس طرف کا منظور ہے۔ فدوی نے یہ خیال کیا کہ سدید الدین کلکتہ میں مقرر ہو گئے (۲) اور حضور نے فدوی کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

واسطے چٹھی لکھی ہوگی، یہ جواب پروانہ کا لکھا کہ سابق میں جناب لفٹنٹ صاحب بہادر (۳) نے فدوی کے واسطے وعدہ مرحمت فرمانے عہدہ سدیدالدین (۴) کا کیا تھا۔ اگر عہدہ مذکور یا کوئی اور عہدہ مساوی عہدہ مذکور مرحمت ہو، عین مراد ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اوس کا جواب پھر کچھ نہ آیا، لیکن آگرہ کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ رائے بعض اہل کمیٹی کی یہ ہے کہ عہدہ مدرسی اول بباعث عدم ترقی و عدم لیاقت جماعت بالکل موقوف ہو جاوے۔ اس صورت میں فدوی بڑے اضطرار میں گرفتار ہے اور نہایت افسوس میں ہے کہ رفاقت خدمت عالی درجت کیوں چھوڑ دی۔ عہدہ مولوی احمد علی (۵) کا واسطے طمع ترقی کے چھوڑ کر نظارت محکمہ صدرالصدور اختیار کی۔ اب اوس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ ارادہ مفتی صاحب کا یہ ہے کہ بروقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال کو موقوف کر کر ناظر سابق کو پھر بحال کر دیں گے۔

سو اب میں نہ کلکتہ کا رہا نہ آگرہ کا نہ دہلی کا۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ جو امید و توقع رکھتا تھا، سب درہم برہم ہوگئیں۔ اگر حضور مناسب جانیں، ایک چٹھی جناب لفٹنٹ صاحب بہادر یا اہل کمیٹی کو اس مضمون کی ارقام فرماویں کہ تخفیف عہدہ ہماری رائے میں نامناسب ہے اور جو دلائل کہ مناسب ہیں، ارقام فرمائیے۔ چند روز تک فدوی منتظر جواب و فیصلہ آگرہ کا ہے۔ اگر وہاں مقرر ہو گیا، فبہا، ورنہ جس طرح ہو سکے گا، اپنے تئیں خدمت بندگان عالی میں بالضرور پہونچاوے گا۔ حضور کو فدوی کا وہاں آنا منظور ہو یا نہ ہو، اس واسطے کہ سوائے آستانہ عالی کے کوئی اور ٹھکانا اس خاکسار کو نہیں۔ مفتی صاحب کے ۱۰۰ روپیہ سے حضور فیض گنجور کے ۱۰ روپیہ ۱۰۰ درجہ بہتر ہیں۔ البتہ اگر فدوی کو استقلال و قیام متیقن ہوتا، اس قدر اضطراب و قلق حاصل نہ ہوتا۔

اور اصل باعث اضطراب کا یہ ہے کہ اگر آب و ہوائے بنگال موافق مزاج و حال حضور ہوتی اور حضور تندرست و خوش وہاں رہتے، تو اس صورت میں اقامت حضور کی مدت دراز تک یقیناً وہاں ہوتی اور اوس مدت دراز میں فدوی کے واسطے بھی کچھ نہ کچھ صورت استقلال بذریعہ پرورش حضور حاصل ہو جاتی۔ اب چونکہ طبیعت عالی طینت ناساز اور ناموافق آب و ہوائے بنگال رہتی ہے (۷)، مدت دراز تک اقامت حضور کی وہاں نہ ہوگی اور غالباً بعد عرصہ قلیل کے حضور ولایت کو تشریف لے جاویں گے، اوس عرصہ قلیل میں خدا جانے کوئی عہدہ فدوی کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ فقط۔

سابق میں دو عرضی مشتمل اپنے حال کے فدوی نے لکھی ہیں۔ اون میں کچھ حال مولوی مملوک العلی کا بطور شکایت لکھا تھا۔ اون کو حضور چاک فرمادیں۔ مبادا کہ سدیدالدین خان اون کو دیکھیں (۸)۔ فقط

علی اکبر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۹ جنوری ۱۸۵۱ء''

تشریحات:

۱۔ سر ولیم میور (۱۸۱۹ء-۱۹۰۵ء)۔ منتظم، مؤرخ اسلام اور علوم اسلامیہ کا معروف اسکالر۔ ۱۸۵۲ء میں وہ صوبجات شمال مغربی کا سیکرٹری تھا۔ تفصیلی حالات کے لیے رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ۔ ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی (بک لینڈ)، لندن ۱۹۰۶ء (طبع عکسی، لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۳۰۳-۳۰۴۔ جوزف اروِنگ: دی بک آف ایمی نینٹ سکوٹسمین (۱۸۸۱ء)۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، بذیل مادہ۔

۲۔ مولانا سدید الدین خاں کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے لیے منتخب کر لیا گیا اور وہ جنوری ۱۸۵۱ء کو آگرہ کالج کی ملازمت چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہو گئے۔

۳۔ مراد جیمز ٹامسن (۱۸۰۴ء-۱۸۵۳ء)۔ وہ ۱۸۴۳ء سے وفات تک شمال مغربی صوبوں کے لفٹیننٹ گورنر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ رک: بک لینڈ، ایضاً، ۴۲۱-۴۲۲۔ سر ولیم میور: جیمز ٹامسن، لفٹیننٹ گورنر آف نارتھ ویسٹرن پراونسز آف انڈیا، ۱۸۹۷ء۔ سر رچرڈ ٹمپل: جیمز ٹامسن، آکسفورڈ ۱۸۹۳ء، ص ۹۱ بعد۔ ٹمپل نے لکھا ہے کہ ٹامسن کے پاس مشرقی زبانوں کی کتب کا جو ذخیرہ تھا، اسے مرنے کے بعد آگرہ کالج کو دینے کی وصیت کر دی تھی۔ (ص ۱۷۰، تحتی نوٹ)

۴۔ مولانا سدید الدین خاں آگرہ کالج میں شعبۂ عربی کے مدرس اول تھے۔ ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو مدرسۂ عالیہ کے عہدۂ امینی کے لیے جو امتحان ہوا، اس میں مولانا بھی شامل ہوئے اور وہی اس عہدے کے لیے کامیاب قرار دیے گئے۔ اس کے بعد مولانا کے عہدے کے کئی امیدوار [illegible] ہوئے اور کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح یہ عہدہ انھیں مل جائے۔ ان میں چند امیدواروں نے [illegible] خطوط لکھے، لیکن اس نے یہ عہدہ علی اکبر کو دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے صوبجات شمال مغربی کے لفٹیننٹ گورنر کو خط لکھا اور مولانا سدید الدین سے خود [illegible]۔ لفٹیننٹ گورنر نے بذریعہ خط علی اکبر کو یہ اطلاع دی کہ آگرہ کالج میں مدرس اول [illegible] کو دیا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد جب میور اس علاقے کا افسر مقرر ہوا تو اس نے آتے ہی [illegible] بھجوایا کہ اگر اسے ابھی تک نوکری نہ ملی ہو تو وہ بتائے کہ آگرہ کالج میں وہ کس تنخواہ پر کام کرنے کو تیار ہے۔ علی اکبر نے جواباً اصل صورت حال بتا دی۔ اس دوران میں یہ پیش رفت ہوئی کہ آگرہ کالج کی مجلس انتظامی کے ارکان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بہت کم ہے اوران کی استعداد بھی واجبی سی ہے، اس لیے مدرس اول کے عہدہ کو ختم کر دیا جائے اور اس جماعت کے طلبہ کو پڑھانے کے لیے کالج کے شعبہ فارسی کے استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو مقرر کر دیا جائے اور اس اضافی تدریس کے پیش نظر ان کی تنخواہ میں معمولی سا اضافہ کر دیا جائے۔ علی اکبر کے اگلے خط (شمارہ ٦) سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان دنوں مدرس اول (عربی) کے استاد کی تنخواہ سو روپیہ ماہوار تھی، لیکن متذکرہ بالا مجلس کے فیصلے کے مطابق مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو عربی پڑھانے کے عوض بیس روپے زیادہ دینے کا فیصلہ ہوا اور اسی روپے کی تخفیف کی تجویز ہوئی۔ کسی طرح مجلس انتظامی کی ان تجاویز کی بھنک علی اکبر کے کان میں پڑ گئی۔ شاید اس کی خبر اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے دی ہو، جو آگرہ کالج ہی میں اردو کا مدرس تھا۔ علی اکبر نے فوراً اس کی اطلاع اشپرینگر کو کر دی، جس نے فوراً میور کو ان تجاویز کو نامنظور کرنے اور آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کے عہدے پر علی اکبر کی تقرری کے متعلق لکھا۔ چنانچہ اس نے اشپرینگر کی سفارش پر مولانا سدید الدین خاں کا عہدہ بحال رکھا اور اس پر علی اکبر کو مقرر کر دیا۔

۵۔ یعنی مدرس سوم (فارسی)، دہلی کالج۔

٦۔ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی۔

۷۔ اشپرینگر جتنی دیر ہندوستان میں رہا، وقتاً فوقتاً اس کی طبیعت بگڑتی رہی۔ دوران ملازمت وہ کئی بار بیمار ہوا اور اپنی علالت کے سبب رخصت لیتا رہا۔ تفصیل کے لیے رک: راقم کی کتاب ''شاہان اودھ کے کتب خانے''، کراچی ۱۹۷۳ء، مقدمہ۔ بنگال کی آب و ہوا بھی اسے راس نہ آئی، لیکن اس کے باوجود وہ ہندوستان چھوڑنے تک اسی علاقے میں مقیم رہا۔

۸۔ علی اکبر نے اپنے سابقہ خطوط میں اپنے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی کے متعلق تلخ باتیں لکھ دی تھیں۔ بعد میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان خطوط کو ضائع کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مولانا سدید الدین خاں کو اس بات کا پتا چل جائے۔ معلوم نہیں علی اکبر اپنے ان شکایت آمیز کلمات کو کیوں مولانا سدید الدین سے مخفی رکھنا چاہتا تھا۔

٦

''غریب پرور سلامت

سابق میں پروانہ عالی معرفت مولوی جعفر علی (١) پہنچا اور فدوی نے ایک عرضی ملفوف خط مکند

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لال (۲) اور دوسری بر سبیل ڈاک روانہ کی ہے۔ ۳۱ جنوری پروانہ حضور فیض گنجور متضمن حال عہدہ مولوی نور الحق (۳) صادر ہوا، مشرف فرمایا۔

صورت یہ ہے کہ قانون رخصت کا کچھ مقرر نہیں ہے۔ چنانچہ ٹیلر صاحب بہادر نے یہی فرمایا کہ رخصت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ سابق میں مولوی محمد مظہر کو رخصت دو سال کی ملی تھی (۴)۔ بایں شرط کہ چھ مہینے نصف تنخواہ دی جاوے اور من بعد عوض خدمت کو عہدہ واپس دینے نہ دینے کا اختیار ہے۔ مولوی احمد علی کو رخصت یک سال بشرط نصف تنخواہ تا شش ماہ ہوئی (۵)۔ مولوی مملوک العلی کو رخصت ایک مہینے کی بھی نہ ہوئی (۶)۔ ٹیلر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ منظوری رخصت و مقدار و شرط رخصت سب گورنمنٹ و حاکم اعلیٰ کی رائے پر موقوف ہے اور احتمال ہے کہ قانون مدرسہ دہلی کا مختلف ہو، قانون مدرسہ کلکتہ سے۔

حضور نے ارقام فرمایا ہے کہ بعد دس ماہ کے مدرس مذکور موقوف نہ ہوگا۔ فدوی کو یہ شبہ ہے کہ بشرط حصول رخصت دو سال دس ماہ میں کس قانون سے موقوف ہوگا۔ علاوہ یہ کہ جب چھ مہینے منقضی ہو چکیں، اس کے بعد ۱۰ ماہ میں موقوف ہوگا یا ابتدائے حصول رخصت سے۔

حال نظارت کا یہ ہے کہ کبھی ۵۰ اور کبھی ۶۰ روپے حاصل ہوتے ہیں، لیکن عدم ترقی کا یقین کلی ہے اور احتمال تعزل یا تنزل کا بباعث عدم استقلال مزاج مفتی صاحب باقی ہے۔

فدوی کو بڑی تمنا یہ ہے کہ کسی قانون کی رو سے بالفعل تمام تنخواہ یعنی ۱۰۰ روپیہ فدوی کو مرحمت ہوں اور چھ مہینے تک پچاس روپیہ ملنے میں نقصان ہے۔ دوسری وجہ نقصان کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ کلکتہ سے جہاز قریب تر ہے۔ ایک سال میں حج کر کر مراجعت ہو سکتی ہے۔ غالب ہے کہ مدرس مذکور نے احتیاطاً رخصت دو سال کی درخواست دی ہے۔ بعید نہیں کہ بعد یک سال مراجعت کر کر اپنا عہدہ حاصل کرے۔ عہدہ مستقل پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے، بہ نسبت عہدہ عوض خدمت کے۔ اگرچہ عوض خدمت سالہائے دراز تک ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید تا انقضائے دو سال عہدہ دیگر خالی نہ ہو۔ فدوی از روئے جواب نہیں عرض کرتا، بلکہ از روئے استحصال مصلحت و مشورہ یہ عرض کرتا ہے کہ اگر حضور کے نزدیک استقلال اس عہدہ کا متیقن ہو، تو فدوی بسر و چشم اسی وقت یہاں سے روانہ ہو کیونکہ فدوی طالب استقلال و ترقی کا ہے اور یہ دونو باتیں بجز پرورش و نوازش بندگان عالی اور کسی جائے اس خاکسار کو حاصل نہ ہوں گی۔ اور اگر استقلال کا یقین حاصل نہ ہو تو چندروز تک یعنی جب تک کہ استقلال کا یقین حاصل ہو یا کوئی دوسرا عہدہ خالی ہو، تو فدوی توقف کرے۔ اس واسطے کہ صاحب جج بہادر بھی، جو کہ ان دنوں میں اہل مدرسہ کے حامی و مددگار ہیں اور جن کے ایماء حکم سے مفتی صاحب نے ہم کو مقرر کیا ہے، چند سال تک دہلی میں رہیں گے اور اس صورت میں مفتی صاحب بغیر رضا ہم کو نہیں دے سکتے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اوراس چند سال میں بلکہ عنقریب غالباً مدارس بنگال میں کوئی نہ کوئی عہدہ بالضرور حاصل ہوگا، لیکن حضور از راہ نوازش خاوندانہ حال اس عہدہ اور کیفیت تقرر رخصت سے فدوی کو ارقام اطلاع مرحمت فرماویں، تا کہ اگر استقلال یقینی ہو اور بالفعل کل تنخواہ فدوی کو مرحمت ہو سکے یا ٦ مہینے تک ٥٠ روپیہ ملیں اور بعد ٦ مہینے کے عہدہ مذکور نامزد فدوی کے ہو جاوے، تو فوراً شرف خدمت حاصل کروں اور ایک لحہ یہاں نہ ٹھہروں۔

فدوی کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ حضور کو یہ خیال نہ گذرے کہ علی اکبر کلکتہ میں حاضر ہونا نہیں چاہتا اور حیلہ و بہانہ کرتا ہے۔ فدوی سچ عرض کرتا ہے کہ حصول شرف خدمت عالی کو تمنائے عظیم و آرزوئے فخیم جانتا ہے، مگر عدم استقلال عہدہ کا خیال کر کر خوامخواہ دل میں توقف ہوتا ہے۔ درخواست فدوی نے بحسب حکم بندگان عالی ملفوف عریضہ ہذا روانہ خدمت کی ہے۔ اگر حضور کے نزدیک یقین واستقلال عہدہ کا واسطے فدوی کے یقینی ہو، تو درخواست ہذا کو گورنمنٹ میں منظور فرمائے اور اگر یقین نہ ہو تو جیسا مناسب ہو حضور میرے حق میں حکم فرماویں اور فدوی کو اتباع واطاعت حضور سے مطلقاً انکار نہیں۔ امیدوار ہوں جیسا حضور کے نزدیک مناسب معلوم ہو، اوس سے اطلاع بخشیں تا کہ موافق اوس کے عمل کروں۔ اب فدوی منتظر جواب باصواب ہے(٧)۔ فقط۔

مولوی مملوک العلی صاحب نے ایک نسخہ ''موَطا'' کا ہدیۂ وتحفۂ حضور کے واسطے رکھا ہے(٨)۔ جس طرح حکم ہو، بھیجا جاوے۔ حال مدرسہ آگرہ کا یہ ہوا کہ ٨٠ روپیہ تخفیف میں آئے اور ٢٠ روپیہ ابوالحسن کو دیئے گئے۔ وہ کچھ عربی بھی پڑھاوے گا(٩)۔

عرضے

سید علی اکبر

تیسری فروری ١٨٥١ء''

تشریحات:

١۔ قاری جعفر علی جارچوی، جو دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے مدرس تھے۔ ان کے دہلی کالج میں تقرر اور اس کے پس منظر، تنخواہ اور محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر سے ان کے مذہبی تنازعہ کی تفصیلات کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعہ آزاد، درج بالا)

٢۔ ١٨٤٧ء کے محولہ بالا رجسٹر برائے طلبہ دہلی کالج کے مطابق مکند لال جماعت دہم کا استاد تھا اور اس سال یہ جماعت چالیس طالب علموں پر مشتمل تھی، جن میں پانچ مسلمان تھے۔ اس جماعت میں طلبہ کے لیے صرف دو مضامین ہوتے تھے۔ ریڈر نمبر اول (٥٠ صفحے) اور ابجد (٥٠ صفحے)۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

گارسیں دتاسی لکھتا ہے کہ مکند لال ۱۸۶۱ء میں نائب اسسٹنٹ سرجن تھا اور آگرہ کے میڈیکل کالج میں استاد تھا۔ اس نے ایک کتاب ''بغاوت ہند'' کے عنوان سے لکھی، جس میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کو قلمبند کیا گیا۔ اس نے ایک اور کتاب ''مفید الخلائق'' بھی لکھی، جس پر شیونرائن کا نام بھی موجود ہے۔

(رک: تاریخ ۲: ۳۷۸، نیز رک: مکتوبات منشی اشرف علی، شمارہ ۴، تشریحات، شمارہ ۹)

۳۔ مولوی نورالحق مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں عربی کے استاد تھے، لیکن مدرسہ کی تاریخ کے مرتب مولوی عبدالستار نے ان کا نام اساتذہ میں شامل نہیں کیا۔ برلین (مغربی) میں محفوظ ذخیرۂ اشپرینگر کے چھٹے ڈبہ میں بڑی تقطیع کے ایک کاغذ پر مدرسہ کے اساتذہ کی فہرست نقل کی گئی ہے۔ اس صفحہ کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر خانہ میں استاد کا نام اور اس کے مقابل طلبہ کی تعداد اور کتب درسیہ کے عنوانات دیئے گئے ہیں۔ اس فہرست میں مولوی نورالحق کا نام بھی شامل ہے اور وہ مدرسہ میں جماعت عربی کے مدرس سوم تھے۔ ان کی جماعت کے دونو فریقوں میں طلبہ کی تعداد ۱۷ تھی اور وہ طالب علموں کو نفحۃ الیمن، اشباہ والنظائر، مطول اور مختصر معانی پڑھاتے تھے۔

اشپرینگر نے السیوطی کی ''الاتقان'' شائع کرائی تھی (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء)۔ اس کتاب کا متن تیار کرنے میں مولوی سدیدالدین خاں اور مولوی بشیرالدین کے علاوہ مولوی نورالحق نے بھی اس کی مدد کی تھی۔

۴۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی مدرسہ بنارس میں استاد تھے۔ انھوں نے ۱۸۴۷ء میں حج پر جانے کے لیے دو سال کی رخصت لی تھی، جو دسمبر ۱۸۴۹ء میں ختم ہوگئی۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل مکتوبات محمد مظہر نانوتوی۔

۵۔ مولوی احمد علی، مدرس سوم (فارسی)، دہلی کالج نے ۱۸۴۸ء کے آخر میں ایک سال کی رخصت لی۔ ممکن ہے، انھوں نے یہ طویل رخصت حج کے لیے حاصل کی ہو۔ انہیں ۱۸۵۰ء کے شروع میں واپس آنا تھا، لیکن وہ نہ آسکے۔ ان کی غیر موجودگی میں یہ عہدہ علی اکبر کو عارضی طور پر دیا گیا تھا۔ اسے ۱۸۵۰ء میں دو مرتبہ یہ عہدہ تفویض ہوا، لیکن وہ اس عہدے کی غیر مستقلی کے باعث اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

۶۔ اشپرینگر مصر تھا کہ مولانا مملوک العلی نانوتوی مدرسہ عالیہ کے عہدۂ امینی کو قبول کرلیں اور دہلی کالج چھوڑ کر کلکتہ آجائیں۔ مولانا اپنی پچیس سالہ پرانی ملازمت چھوڑنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔ بالآخر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ انھیں دہلی کالج سے ایک سال کی رخصت مل جائے اور اس کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دوران میں اگر وہ چاہیں، تو واپس دہلی آ جائیں، لیکن ارباب اختیار کو یہ منظور نہیں تھا، کیونکہ وہ انھیں ایک سال چھوڑ، ایک مہینے کی بھی رخصت نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ وہ اختلاف تھا، جو مولانا اور ٹیلر کے مابین پایا جاتا تھا۔

ان دنوں شمالی ہند کے مدارس بشمول دہلی کالج میں طویل رخصت کا یہی طریق کار تھا کہ درخواست دہندہ کو چھے ماہ تک نصف تنخواہ دی جاتی تھی، اس کے بعد رخصت بلا تنخواہ ہوتی تھی، لیکن اس کا عہدہ محفوظ رہتا تھا۔ غیر حاضری میں کسی اور شخص کو اتنی مدت کے لیے ملازم رکھ لیا جاتا تھا اور جب اصل مدرس چھٹی گذار کے واپس آتا، تو پھر وہ اپنے عہدے پر کام شروع کر دیتا۔

۷۔ علی اکبر کو مدرسۂ عالیہ کا عہدۂ امینی امتحان میں ناکامی کے باعث نہ مل سکا اور وہ مجبوراً آزردہ دہلوی کی کچہری میں بطور ناظر کام کرتا رہا۔ اسی سال غالباً جنوری ۱۸۵۱ء میں اسی مدرسہ کے مدرس سوم (عربی) مولوی نور الحق نے حج پر جانے کے لیے دو سال کی رخصت طلب کی، جو منظور ہو گئی۔ ڈاکٹر اشپرینگر نے فوراً علی اکبر کو مطلع کیا کہ اگر وہ چاہے تو مولوی صاحب کے اس عہدہ کے لیے درخواست دے دے، لیکن اس عہدے کے لیے بھی یہ شرط عائد کر دی گئی کہ مولوی صاحب کی واپسی کے بعد یہ عہدہ اسے چھوڑنا پڑے گا۔ علی اکبر کو ایسا غیر مستقل عہدہ قبول کرنے میں تامل تھا، کیونکہ وہ ''طالب استقلال و ترقی'' تھا اور چاہتا تھا کہ اب جو بھی ملازمت ملے، وہ مستقل ہو اور کم از کم عہدۂ نظارت کی ماہوار آمدنی (ساٹھ روپے) کے برابر ہو۔

علی اکبر نے جب سے عملی زندگی میں قدم رکھا تھا، اسے عارضی ملازمتیں ہی حاصل ہوتی رہیں۔ ۱۸۵۰ء میں دوبارہ دہلی کالج میں مدرس سوم (فارسی) کا عہدہ ملا، لیکن یہ بھی غیر مستقل تھا۔ صدر الصدور کی کچہری میں ناظر کی نوکری ملی، جو مستقل ضرور تھی، لیکن مفتی صدر الدین آزردہ کی متلون مزاجی کی وجہ سے اسے یہ خدشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی اسے معطل کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی خواہش تھی کہ اب کوئی ایسی ملازمت حاصل ہو، جو مستقل ہو۔ چنانچہ وہ اشپرینگر کو یہی لکھتا رہا کہ اگر مدرسۂ عالیہ میں ممکن نہیں، تو بنگال کے کسی اور کالج (مثلاً ہگلی کالج وغیرہ) میں کوئی مستقل عہدہ دلوا دے۔ اس خط کی تحریر کے فوراً بعد اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی اور بنگال میں تو نہیں، البتہ دہلی کے قریب ہی آگرہ کالج میں اس کی مستقل ملازمت کا بندوبست ہو گیا۔

۸۔ مؤطا امام مالک (رک: سیتز گن ا: ۴۵۷-۴۶۴)۔ اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں ''مؤطا'' کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، جو خاصا پرانا تھا، لیکن ناقص تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۳۲ شمارہ ۴۹۳۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اہلوارٹ، شمارہ ۱۱۴۳) لیکن اس خط میں کسی مخطوطہ کا ذکر نہیں، بلکہ اس کتاب کے اس ایڈیشن کا حوالہ دیا گیا ہے، جو ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء میں دہلی سے طبع ہوا تھا۔ سیتز گن نے ''موَطا'' کی کئی طباعتوں کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس قدیم طباعت کا ذکر نہیں کیا۔

۹۔ آگرہ کالج کی مجلس انتظامی نے مولانا سدید الدین خاں کے خالی عہدہ یعنی مدرس اول (عربی) کو ختم کرنے کی جو سفارش کی تھی، اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا، یعنی اس جماعت کے طالب علموں کو اسی کالج کے فارسی استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی پڑھانے لگے اور اس اضافی کام کے لیے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا گیا اور یوں اسی روپے کی بچت ہو گئی، لیکن یہ انتظام زیادہ دیر نہ چل سکا اور لفٹیننٹ گورنر کے حکم پر کالج کی انتظامیہ کو یہ عہدہ بحال کرنا پڑا اور اس پر علی اکبر کا تقرر ہوا۔

۷

''غریب پرور سلامت (۱)

سابق میں فدوی نے دو عرضیاں خدمت میں بندگان عالی کی بھیجی تھیں، پہنچی ہوں گی۔ اب عرصہ دراز سے کوئی عرضی خدمت حضور میں فدوی نے نہیں بھیجی۔ سبب اس کا یہ تھا کہ قریب تین مہینے کے ہوئے کہ کمترین درد بواسیر میں گرفتار رہا۔ نشست و برخاست و آمد و رفت کی موقوف ہوئی۔ اسی اثنا میں ایک دُمَّل متصل مقام بواسیر پیدا ہوا، چنانچہ اب تک اوسی دُمَّل کا معالجہ جاری ہے اور اوس میں باعث بگڑ جانے کے ناسور ہو گیا ہے۔ اوس سے بہت تکلیف اور حرج رہا۔ اس قدر ممکن نہ تھا کہ بیٹھ کر ایک عرضی لکھوں۔ اب ایک ہفتہ سے مدرسہ میں جاتا ہوں۔ کچھ بیٹھتا ہوں، اکثر پڑا رہتا ہوں۔ علاوہ درد بواسیر و درد دُمَّل کے اور مصایب بخار و نفخ و قبض وغیرہ کی بہت رہیں (۲)۔ حال اس مدرسہ کا آئندہ حضور کی خدمت میں لکھوں گا۔

احقر کی بڑی تمنا ہے کہ بندگان عالی کی خدمت میں مشرف ہو۔ امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص اور خیر خواہ با اخلاص کو حضور سہو نہ فرماویں۔ جس وقت حضور ایما فرماویں گے، خاکسار فوراً بلا تامل حاضر ہوگا (۲)۔ فقط واجب تھا عرض کیا۔ الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔

کمترین علی اکبر

یکم ستمبر ۱۸۵۱ء از آگرہ''

تشریحات:

۱۔ علی اکبر نے یہ خط اشپرینگر کو آگرہ سے لکھا۔ اس وقت وہ یہاں کے کالج میں ملازم ہو چکا تھا۔ اس نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کب مدرسہ آگرہ میں بحیثیت مدرس اول (عربی) ذمہ داریاں سنبھالیں، اس کے متعلق کسی حتمی تاریخ کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اس کے گذشتہ خط کا سنہ تحریر ۳ فروری ۱۸۵۱ء ہے اور اس میں عہدہ مذکور پر تقرری کا ذکر تک نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کمیٹی کی تجویز پر اس عہدہ ہی کو سرے سے ختم کر دیا گیا اور اس جماعت کے چند طلبہ کی تعلیم و تدریس کے لیے مدرسہ ہی کے فارسی استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو مقرر کر دیا گیا۔

یوں علی اکبر کو یہ عہدہ ملنے کے جو امکانات روشن ہوئے تھے، وہ بالکل ختم ہو گئے، لیکن یہ اشپرینگر کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ ولیم میور نے کمیٹی کے فیصلے کو منسوخ کر کے یہ عہدہ بحال کر دیا اور اس پر علی اکبر کو تعینات کر دیا گیا۔ یہ تقرری کب عمل میں آئی؟ اس کے بارے میں وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی اکبر کو ۳ فروری کے بعد مدرس اول مقرر کیا گیا۔ کچھ دیر پڑھایا اور پھر وہ بیمار پڑ گیا۔ زیر نظر خط (مورخہ یکم ستمبر ۱۸۵۱ء) کے حوالے سے اسے بیمار ہوئے تقریباً تین ماہ گذر چکے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ جون ۱۸۵۱ء میں بیمار ہوا اور پھر اس کا مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جون سے قبل مدرسہ آگرہ میں اپنا عہدہ سنبھال چکا تھا۔ ان تصریحات کے پیش نظر قرین قیاس یہی امر ہے کہ علی اکبر صدر الصدور کی کچہری سے عہدۂ نظارت چھوڑ کر آگرہ کالج میں فروری اور جون کے مابین ملازم ہوا۔

۲۔ علی اکبر نے آئندہ خطوط میں بھی اپنی علالت کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان بیماریوں کے ہاتھوں بہت تنگ تھا۔ علاج بھی کراتا رہا، لیکن اسے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس خرابیٔ صحت کا اثر علی اکبر کے تدریسی مشاغل پر بھی پڑا، لیکن وہ طوعاً و کرہاً وقت گذارتا رہا۔ بالآخر یہ امراض اتنی شدت اختیار کر گئیں کہ وہ جانبر نہ ہو سکا اور تقریباً ایک سال ان بیماریوں سے نبرد آزما رہنے کے بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

۳۔ علی اکبر کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اسے اشپرینگر کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔ اسے جتنی ملازمتیں حاصل ہوئیں، وہ ان سے غیر مطمئن ہی رہا اور اس بات کا متمنی رہا کہ کسی طرح اشپرینگر اسے اپنے پاس بلا لے۔ آگرہ کالج کی ملازمت ہر اعتبار سے اس کی خواہش کے مطابق تھی، لیکن اس کے باوجود وہ مُصر رہا کہ اگر مدرسۂ عالیہ میں جگہ نہیں، تو بنگال کے کسی اور کالج میں اسے ملازمت مل جائے تا کہ وہ اشپرینگر کی ہمراہی یا قربت میں اپنا وقت گذار سکے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۸

''غریب پرور سلامت

کمترین نے سابق میں کئی عرضیاں اپنی بیماری کے حال کی بندگان عالی کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ نظر انور سے گذری ہوں گی۔ چنانچہ اب تک بیمار ہوں۔ صحت حاصل نہیں ہوئی۔ خدا فضل کرے۔

اب ان دنوں میں دہلی میں ایک حادثہ پیش آیا کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے انتقال کیا (۱) اور کمیٹی نے بجائے اون کے مولوی سید محمد صاحب کو مامور کیا (۲)، لیکن چونکہ بابت عہدۂ دوئم عربی کے مولوی سبحان بخش (۳) میں، جو مستحق اس عہدہ کے ہیں، اور مولوی حسن علی خان (۴) میں تنازع ہوا، تو اسی واسطے کمیٹی نے واسطے اس عہدہ کے امتحان تجویز کیا ہے۔ اور یہ تجویز کیا کہ کواغذ امتحان کے واسطے ترتیب نمبر کے بندگان عالی کی خدمت میں بھیجے جاویں۔ غالب ہے کہ ملاحظہ عالی سے گذرے ہوں گے (۵)۔

میں نہیں جانتا کہ کیوں کمیٹی نے امتحان تجویز کیا ہے۔ مولوی سبحان بخش میں اور مولوی حسن علی خان میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ حضور کو خوب یاد ہوگا کہ حضور نے چینی (کذا) میں مولوی سبحان بخش کو ایک چٹھی اس مضمون کی عنایت فرمائی تھی کہ یہ شخص یعنی مولوی سبحان بخش مستحق عہدہ مدرسی دوئم عربی کے ہیں، جب کبھی خالی ہو۔ اور کیوں مستحق نہ ہوں کہ وے بڑے عالم ہیں۔ رات دن پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ اپنے مکان پر بھی یہی چرچا رکھتے ہیں اور مدرسہ میں تو اس کام کی نوکری ہی پاتے ہیں۔ اور اسی واسطے کتابیں تحصیلی اون کو خوب یاد ہیں۔ ابتدا سے لے کے انتہا تک کئی بار پڑھایا ہے۔ فی الحقیقت بڑی استعداد کامل رکھتے ہیں۔ سوا اس کے بڑی بات یہ ہے کہ وے طالب علموں پر بڑی محنت کرتے ہیں اور اون سے بہت محنت لیتے ہیں۔ خواندگی سننے اور ترکیب عبارات عربی کے لکھوانے اور جواب مضمون کا لکھوانا اور اون میں اصلاح دینی، تمام دن اون کا انہیں باتوں میں جاتا ہے۔ چاہیے کہ کوئی دم ذرا آپ دم لیں یا طالب علم کو دم لینے دیں، کیا ممکن۔ حقیقت حال یہ ہے کہ طالب علم کی انہیں کی جماعت میں آن کر استعداد درست ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ بھی شوق سے پڑھاتے ہیں اور طالب علموں کو بھی شوق دلاتے ہیں اور محنت پر [illegible] ہیں۔ پس طالب علم خواہ نخواہ مستعد اور محنت کش ہوا چاہے (۶)۔

برخلاف مولوی حسن علی خان کے کہ اون کو ذرا شوق نہیں۔ رات دن اون کا ستار بجانے میں ستا ہے [illegible] در مدرسہ میں جو تشریف لاتے ہیں، تو سوا سور بتنے کے اور کچھ کام نہیں کرتے۔ اسی واسطے اون کے طالب علم نہایت خراب اور بالکل بد استعداد ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایک آدھ طالب علم بروقت امتحان کے اچھا بھی نکل آیا تو وجہ اوس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ شہر میں باہر مدرسہ سے پڑھ آتا ہے۔ اون کی محنت کو اوس میں کچھ دخل نہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اب اگر خدانخواستہ ایسا شخص عربی کا مدرس دوم ہو جاوے، تو طالب علم محنت سے نا آشنائے محض ہو جاویں گے اور پڑھا لکھا بالکل بھول جاویں گے اور استعدادیں خراب ہو جاویں گے۔ جو کچھ کہ علم اور استعداد اوس نے نیچے کی جماعت میں حاصل کیا ہوگا، وہ بھی ان کے ہاں آن کر کھو دے گا (۷)۔

جو کچھ کہ یہ حال کمترین نے مولوی حسن علی خان کا لکھا، اوس کے شاہد مولوی محمد سدید الدین خان صاحب بھی ہیں (۸)۔ حضور اس کو بخوبی دریافت کر سکتے ہیں۔ ہر چند کمترین کو یہ پایہ نہیں کہ اس طرح سے بندگان عالی میں عرض کرے، لیکن بباعث رعایت حق اور خیر خواہی سرکار کے اطلاعاً عرض کیا۔ آئندہ جو مرضی مبارک بندگان عالی کی ہووے، وہ وہی عین صواب ہے۔ زیادہ حد ادب۔

کمترین نے اس عرضی کو اب کی بار بیرنگ اس لئے روانہ کیا کہ اس سے پہلے کئی عرضیاں پوسپیڈ بندگان عالی کی خدمت میں روانہ کیں، لیکن اون میں سے ایک کے بھی جواب سراسر صواب سے، جو معزز اور ممتاز مفخر اور سرفراز نہ ہوا، تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید بندگان عالی کی خدمت میں نہ پہنچیں ہوں گی اور بیچ میں ڈاک والوں نے خرد برد کر لی ہوں گی۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال کا ہمیشہ تاباں رہے۔

کمترین علی اکبر

۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء، از مدرسہ آگرہ"

تشریحات:

۱۔ علی اکبر کے اس خط (مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے دس دن قبل یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو مولانا مملوک العلی نانوتوی کا انتقال ہوا۔ چنانچہ ان کے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی رقمطراز ہیں کہ "اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارھویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو...... انتقال ہو گیا"

(سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۹)۔

۲۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی دہلی کالج میں مدرس اول (عربی) تھے اور مولوی سید محمد اسی شعبے میں مدرس دوم کی حیثیت سے پڑھا رہے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد مدرس اول کا عہدہ مولوی سید محمد کو تفویض ہوا اور ان کے خالی عہدہ پر کالج ہی کے دو استادوں مولوی سبحان بخش شکار پوری اور مولوی حسن علی خاں کے مابین مقابلہ شروع ہوا۔ علی اکبر مدرس دوم (عربی) کے عہدے کے لیے مولوی سبحان بخش شکار پوری کو مستحق سمجھتا تھا اور اسی مقصد کے لیے یہ اس نے اشپرینگر سے سفارش بھی کی۔ ان دونو امیدواروں میں سے کس کو یہ عہدہ ملا، موجودہ مکاتیب اس کے متعلق خاموش ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۳۔ مولوی سبحان بخش شکارپوری دہلی کالج میں مدرس سوم (عربی) تھے اور ان کا تقرر بھی اشپرینگر ہی کے کہنے پر ہوا تھا۔ یہ جماعت تین فریقوں میں منقسم تھی اور ان سب کو وہی پڑھاتے تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر برائے طلبہ دہلی کالج میں ان تین فریقوں کے طلبہ کی تعداد اکیس بتائی گئی ہے۔

۴۔ مولوی حسن علی خاں ان دنوں اسی مدرسہ میں فارسی کے مدرس دوم تھے، لیکن وہ عربی کے مدرس دوم کے امیدوار تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دہلی کالج کے مشرقی شعبوں میں مضمون کی قید نہیں تھی۔ ایک شعبہ کا استاد دوسرے شعبہ کے عہدے کے لیے بھی منتخب ہوسکتا تھا۔

۵۔ ان دنوں اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل تھا اور دہلی کالج کا سربراہ کارگل تھا، لیکن اس کے باوجود اشپرینگر اس کالج کے معاملات میں دخیل تھا اور کسی خالی عہدے کے امیدواروں کے کاغذات اسی کو بھیجے جاتے تھے اور اسی کی سفارش پر نیا مدرس ملازم رکھا جاتا تھا۔

۶۔ مولوی سبحان بخش شکارپوری کے تفصیلی حالات زندگی ان کے مکتوب بنام اشپرینگر کے تحت درج کیے گئے ہیں۔

۷۔ مولوی حسن علی خاں کا آبائی تعلق کشمیر سے تھا (گارسیں دتاسی ۱:۱۳۵) ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس کی تھی۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷)۔ ۱۸۴۷ء ہی کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ جماعت فارسی کے مدرس دوم تھے اور اس سال دس طلبہ ان کے زیر تعلیم تھے۔ اس جماعت کو وہ یوسف زلیخا (نصف اخیر)، جغرافیہ اور حساب پڑھاتے تھے اور ان کی ماہوار تنخواہ ۳۵ روپے تھی۔ علی اکبر کے کہنے کے مطابق وہ اپنے تدریسی فرائض سے غفلت برتتے تھے اور انھیں پڑھانے سے زیادہ ستار بجانے کا شوق تھا۔ بقول کریم الدین پانی پتی "خلیق اور ظریف اور ہوشیار اور بہت چالاک آدمی ہے" (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷)۔ درگا پرشاد نادر کھتری نے اپنے تذکرہ "خزینۃ العلوم" (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) میں مولوی حسن علی خاں کو مرحوم لکھا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۷۱ء سے قبل وفات پا چکے تھے۔ درگا پرشاد خود بھی دہلی کالج ہی کا تعلیم یافتہ تھا۔

مولوی حسن علی خاں کی تالیفات اور تراجم کی فہرست درج ذیل ہے:

الف۔ قانون مال: انگریزی سے ترجمہ، بحکم فیلکس بوترو (دہلی کالج کا پہلا فرانسیسی نژاد پرنسپل) قبل ۱۸۴۵ء۔

ب۔ گلستان سعدی: یہ منظوم ترجمہ تھا، جو ۱۸۴۹ء میں دوسو کی تعداد میں شائع ہوا (رک صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۷)۔ ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۲ء میں یہ ترجمہ دہلی کے مطبع العلوم سے طبع ہوا تھا (ایضاً، ص ۱۹۰، ۱۹۱)۔ منشی درگا پرشاد نادر کھتری نے بھی اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے اور نمونے کے طور پر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ شعر دیا ہے۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت　　رفت و منزل بدیگرے پرداخت

ترجمہ: جو کوئی آیا محل بنایا　　آپ گیا اور اُور بسایا

(تذکرۂ نادری، ص ۵۲۔ بحوالہ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۵۷)

ج۔ الف لیلہ: اردو ترجمہ

د۔ کرۂ ارضی: جغرافیہ پر ایک رسالہ

ہ۔ میزان الطب: محمد اکبر کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ، مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا۔

رک: گارسیں دتاسی ۱: ۵۴۱-۵۴۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷۔ مرحوم دہلی کالج، ص ۱۵۵۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص ۵۷۔

۸۔ مولوی سدید الدین خاں ان دنوں مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے امین تھے۔ وہ آگرہ جانے سے پہلے چند سال دہلی کالج میں بھی پڑھاتے رہے، اس لیے وہ حسن علی خاں کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علی اکبر نے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے انھی کا نام پیش کیا۔

۹

"غریب پرور سلامت

خاکسار نمک خوار قدیم دعا گوئے احسان عمیم پرورش یافتہ دولت و اقبال خداوندی علی اکبر عرض رسائی خدمت فیضدرجت بندگان عالی شان یہ ہے کہ ہمیشہ حضور کے انعام و نوازش یاد کر کر دعائے نعمت خداوند نعمت میں مصروف رہتا ہے۔ اس نالایق کو لیاقت اس مرتبہ کی نہیں تھی۔ یہ سب کچھ کرم و لطف و بندہ نوازی ہے، جس کا ادائے شکر آخر عمر تک نہیں ہوسکتا۔

اس سال میں احقر چار مہینے تک مرض بواسیر و نواسیر میں مبتلا رہا، چنانچہ اب تک اوس کا شمہ باقی ہے(۱)۔

احقر نے حسب الحکم بندگان عالی کے مدرسہ میں آتے ہی کتب غیر مفیدہ مثل شروح و حواشی منطق و فلسفہ کو بموجب رائے جناب منڈلیٹن صاحب بہادر (۲) کے موقوف کیا تھا اور کتب مفیدہ مثل "ہدایہ" و "حماسہ" و "متنبی" و "یمینی" و "خلاصہ مسعودی" و "قدوری" و "شمسیہ" وغیرہ پڑھانا شروع کیا (۳) اور بہت محنت کی، لیکن وقت امتحان کے سوالات اون کتابوں میں آئے، جن کو مولوی محمد سدید الدین خان صاحب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

شروع سال ۱۸۵۱ء میں واسطے تدریس سالیانہ کے لکھوا گئے تھے۔ فدوی کو اس بات سے بڑا افسوس ہوا مگر باوجود اوس کے فدوی کے درجہ نے امتحان بہ نسبت سابق بہت اچھا دیا۔ چنانچہ کاغذ امتحان کے خدمت عالی میں پہنچیں گے (۴)، اون سے معلوم ہو جاوے گا۔ البتہ ''ہدایہ'' کا امتحان شاید برا ہوا ہوگا۔ اس واسطے کہ فدوی نے دو جلدیں آخر کی پڑھائی تھیں اور سوالات دو جلدوں اول میں سے آئے، جن کو طلبہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور وہ دو جلدیں اول کی درس میں بھی داخل نہیں۔

امیدوار ہوں کہ بندگان والا مکان کو خیال پرورش فدوی کا ہمیشہ رہے اور بموجب لطف و رحم قدیم نظر نوازش خاکسار ملحوظ حضور فیض گنجور رہے۔ پرورش و بقائے عزت فدوی کی حضور کے ہاتھ میں ہے۔ اطلاعاً عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد۔

علی اکبر پرورده دولت خداوندی

۱۸ دسمبر ۱۸۵۱ء''

تشریحات:

۱۔ علی اکبر نے اپنے ایک سابقہ خط (بابت یکم ستمبر، ۱۸۵۱ء) میں لکھا ہے کہ اسے مرض بواسیر میں مبتلا ہوئے تقریباً تین ماہ ہو گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط تحریر کرتے وقت اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی اور کچھ بہتری کے آثار پیدا ہو گئے تھے، لیکن یہ افاقہ دیرپا ثابت نہ ہوا اور ۱۸۵۲ء کے شروع ہوتے ہی اس مرض میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔

۲۔ جیمز مڈلیٹن Middleton، جو اس وقت آگرہ کالج کا پرنسپل تھا۔

۳۔ دہلی کالج اور آگرہ کالج میں جماعت اول (عربی) کے دونو فریقوں کے نصاب میں فرق تھا۔ آگرہ کالج میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا، اشپرینگر انہیں غیر مفید سمجھتا تھا، چنانچہ اس نے علی اکبر کو یہ ہدایت کی کہ وہ وہاں جاتے ہی اس کے حوالے سے پرنسپل سے بات کرے اور کتب غیر مفیدہ کے بجائے کتب مفیدہ کو نصاب میں شامل کرائے۔ یہ کتب مفیدہ وہی تھیں، جو دہلی کالج کی جماعت اول (عربی) میں برسوں سے پڑھائی جا رہی تھیں اور ان کو بھی اشپرینگر ہی کی فرمائش پر داخل نصاب کیا گیا تھا۔ اشپرینگر ان درسگاہوں کے نصاب سے مطمئن نہیں تھا اور وہ ان میں تبدیلیوں کا خواہاں تھا، تاکہ انھیں اس دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جس مدرسہ کا سربراہ مقرر ہوتا، سب سے پہلے وہ وہاں کے نصاب کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا۔ ۱۸۴۵ء میں اس نے دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوتے ہی یہاں کے نصاب میں خاصا ردوبدل کیا اور کئی مفید کتابوں کو متعارف کرایا۔ ایسی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہی اصلاحات وہ مدرسۂ عالیہ میں بھی کرنا چاہتا تھا، لیکن وہاں طلبہ نے اسے قبول نہ کیا اور نتیجتاً ہنگامہ برپا ہو گیا اور امن وامان کی صورت حال خراب ہو گئی۔ اپنی انھی اصلاحات کو وہ علی اکبر کی وساطت سے آگرہ کالج میں متعارف کرانا چاہتا تھا اور اس میں وہ کامیاب رہا۔

۴۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر ان مدارس کا ممتحن بھی تھا اور بالعموم عربی جماعت کے طلبہ کے امتحانی پرچے اس کے پاس بھیجے جاتے تھے۔

۱۰

''غریب پرور سلامت

پروانہ حضور فیض گنجور نے معہ کتاب ''گلستان'' (۱) کے مشرف وممتاز فرمایا۔ جو احکام کہ پروانہ عالی میں مندرج تھے، اون سب کا فدوی کو پہلے سے خیال اور اشتیاق تھا، لیکن بسبب نہ ملنے کتابوں کے اس شہر میں کچھ نہ ہوسکا۔ اب چند جائے اس شہر میں کتابوں کا پتا لگا ہے۔ اون کے دیکھنے کی تدبیر کررہا ہوں۔ ان شاءاللہ آج کل میں دیکھ کر جلد تر حضور کو عرض اطلاع کرتا ہوں۔ غالب ہے کہ کچھ نہ کچھ کتابیں ملیں گی، مگر یہاں کے لوگ دکھانے میں نہایت بخل کرتے ہیں (۲)۔ ایں وقت فدوی بسبب جلدی کے زیادہ عرض نہ کرسکا۔ عنقریب تمام حال بالتفصیل خدمت بندگان عالی میں عرض کروں گا۔

آفتاب دولت واقبال تاباں ومنور باد۔

فدوی علی اکبر

مورخہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ ''گلستان'' (سعدی) کو اشپرینگر نے خود مرتب کیا تھا اور یہ ایڈیشن علی اکبر کے اس خط سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اشپرینگر کا مرتبہ متن ٹائپ میں طبع ہوا اور اس میں رموز واوقاف کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ان دنوں اشپرینگر فورٹ ولیم کالج کا ممتحن بھی تھا اور یہ ایڈیشن اسی کالج کے طلبہ کے لیے چھاپا گیا تھا۔ اس کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس کے آخر میں ۱۲ نومبر ۱۸۵۱ء مرقوم ہے۔ ترتیب متن کا یہ کام حکومت بنگال کی سرپرستی میں ہوا۔ اس کا متن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کے قلمی نسخہ پر مبنی ہے۔ اس نسخہ کا سنۂ کتابت ۱۶۹۰ء ہے۔ یہ مخطوطہ اورنگ زیب عالمگیر کے لیے تیار ہوا تھا اور یہ اس نسخہ کو سامنے رکھ کر لکھا گیا تھا، جو کاتب میر عماد کا مکتوبہ تھا اور بخط مصنف

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نسخہ سے نقل ہوا تھا۔

متن کی تیاری میں آغا محمد شوستری اور مولوی محمد وجیہ نے اشپرینگر کی معاونت کی۔ کل صفحات ۲۴۱۔

۲۔ اشپرینگر کے تمام مکتوب نگار اس کے لئے جگہ جگہ سے نایاب اور نادر کتابیں جمع کرتے رہتے تھے۔ ان کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جہاں بھی جائیں، وہاں کے کتب فروشوں اور نجی کتاب خانوں کے مالکوں سے قریبی تعلق رکھیں اور اہم کتابوں سے اشپرینگر کو مطلع کریں۔ چنانچہ سب نامہ نویس یہ کام کرتے رہے اور ان کے تعاون سے اشپرینگر قیمتی اور بیش بہا عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی خاصی بڑی تعداد اپنے ساتھ جرمنی لے گیا اور اب یہ سارا ذخیرہ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ دیگر مکتوب نگاروں کی طرح علی اکبر بھی اشپرینگر کے لیے کتابیں تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے قیام آگرہ کے دوران میں جو نسخے اشپرینگر کو فراہم کیے، ان کا ذکر اس سے اگلے خط میں کیا گیا ہے۔

۱۱

''غریب پرور سلامت

قبل اس کے کہ ایک عرضی متضمن رسید پروانہ عالی و'' گلستان'' مرحمتِ حضور ملازمانِ عالی کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔ یقین کہ حضور سے مشرف ہوئی ہو۔

فدوی حسب الحکم کتابوں کی تلاش میں تھا کہ اس عرصہ میں دو کتابیں ہاتھ آئیں۔ ایک ''مطلع الغایۃ'' (۱) لغات احادیث میں کہ خلاصہ ہے ''نہایہ'' جزری کا اور دوسری ''قول المنبی فی ردّ اقوال ابن عربی'' (۲)۔ یہ کتاب اگرچہ ایسی کچھ مفید نہیں مگر چونکہ اس میں تذکرہ علما کے نام کا اور اون کی تصنیفات اور وفیات کا پایا جاتا ہے، اس سبب سے مفید ہے۔ چنانچہ فدوی نے ان دونوں کو بائیس روپیہ کو خریدا ہے۔ اطلاعاً بندگان عالی میں عرض کیا کہ اگر پسند خاطر فیض مآثر ہووے تو ارسال حضور کرے۔

اور ایک رسالہ مصنفہ محمد طاہر فتنی صاحب ''مجمع البحار'' کا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اوس نے اپنے عرض تک جتنے علماء کہ ہوئے ہیں، سب کے نام لکھے ہیں اور ہر ایک کی وفیات اور بعض تصنیفات بھی ہیں۔ ازانجا کہ وہ ۲۰ اورق کا ہے۔ مختصر نہیں ہوسکتا، اس لیے اوس کی نقل کرا کے ارسال حضور کروں گا (۳)۔

اور جو ارشاد ہوا تھا کہ تذکرِ کریم الدین میں اگر مصنفات نہ لکھی ہوں تو اوس کا تتمہ لکھنا چاہیے۔ فی الواقع اوس تذکرہ میں مصنفات کا ذکر اصلا نہیں ہے اور قابل تتمہ لکھنے کے ہے مگر چونکہ وہ کتابیں کہ جس سے تتمہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لکھا جاوے، دستیاب نہیں [ہو] سکتیں اور علاوہ اس کے فدوی دس پندرہ دن سے بشدت علیل ہے اور علالت کی جہت سے التزام اس امر کا نہیں ہوسکتا۔ انشاء اللہ بعد حصول صحت خوب سعی کروں گا (۴)۔

احقر کو اب تک مرض بھگندر سے، جس کو انگریزی میں فس چولا ان اینو کہتے ہیں، رہائی نہیں ہوئی اور یوماً فیوماً حال خراب ہوتا جاتا ہے۔ ضعف اس قدر کہ اپنے ہاتھ سے عرضی نہیں لکھ سکا (۵)۔ دو شخصوں نے اپنا کتب خانہ دیکھانے کا وعدہ کیا ہے، مگر لاچار ہوں۔ قوت وصحت پر موقوف ہے۔

کاغذ ''متنبّی'' اور ''مقامات'' اور ''شرح وقایہ'' اور ''قدوری'' و ''شرح ملا'' وغیرہ کے جناب میور صاحب کے پاس واسطے ترتیب نمبر کے گئے تھے۔ صاحب ممدوح نے بھی اپنی رپورٹ میں نہایت تعریف لکھی ہے۔

جناب میم صاحبہ کی خدمت میں آداب قبول ہو۔ آفتاب دولت چمکتا رہے۔

عرضے علی اکبر

۹ فروری ۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ یہ قلمی نسخہ اشپرینگر نے خرید لیا اور اس کا مختصر ساذکر اپنی فہرست میں بھی کیا۔ (مطبوعہ ۱۸۵۷ء، ص ۶۱، شمارہ ۳۷۹)۔ علی اکبر کا فراہم کردہ یہ مخطوطہ اب برلین (مغربی) میں موجود ہے۔ اوراق کی تعداد ۳۵۴ ہے۔ سنۂ کتابت ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء ہے اور کاتب کا نام محمد شاہ الحسنی الحیدر آبادی ہے۔ اس نسخے کی ابتدائی عبارت یہ ہے:

الحمد للّٰه الذی انطق الانسان بلغات مختلفة الیعبر بها عما فی الضمیر فاختصر مبسوطات الکلام وافیة المعانی والتفسیر ...... و بعد فیقول العبد الفقیر الی اللّٰه علی بن حسام الدین الهندی الشهیر بالمتقی هذا "مطلع الغایة فی اختصار النهایة" ذکرت فیه جمیع موادها الاماده مشهورة ما کانت بتلک الغرابة و هی قلیلة جدا و ترکت فیه اسم الراوی و بعض طرق الحدیث ایجاز اور بما ذکرت اسم الراوی والحدیث بطوله لتوقف المقصود علی ذلک

رک: اہلوارٹ ۲: ۲۹۲-۲۹۳، شمارہ ۱۶۶۲۔

۲۔ علی متقی (۹۵۵ھ ..... ۱۵۴۸ء میں زندہ تھے) کی ''مطلع الغایۃ'' اور ''القول المنهی'' دونو کے قلمی نسخے علی اکبر نے بائیس روپے میں خریدے اور انھیں اشپرینگر کے پاس بھیج دیا۔ مؤخرالذکر نسخے کا حوالہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس نے اپنی فہرست میں بھی دیا ہے۔ (ص ۷۰، شمارہ ۷۹۰) اور اب یہ نسخہ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے۔ اس وقت یہ مخطوطہ منحصر بفرد ہے اور ابھی تک زیور طبع سے بھی آراستہ نہیں ہوا۔

مخطوطے میں اس کا عنوان ''کتاب القول المنبی عن ترجمۃ ابن عربی'' مرقوم ہے۔ بعض لوگ ''المنبی'' کو ''المنبی'' بھی پڑھتے ہیں۔ مؤلف کا نام شمس الدین محمد بن زین الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی بکر السخاوی الشافعی ابوالخیر (۸۳۱ھ-۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸ء-۱۴۹۶ء) ہے۔ اوراق کی تعداد ۲۵۰، کرم خوردہ، مکتوبہ قریب ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء۔

آغاز:

الحمد للّٰہ ناصر دینه القویم و ناشر اعلامه بالکشف عن سبیله المستقیم و بعد فهذا کتاب مرشد شاء اللّٰہ الصواب جمعت فیه الالفاظ و النصوص المنتقد بها علی صاحب الفتوحات و الفصوص۔

اس کتاب کا دیباچہ ان آٹھ فصول میں منقسم ہے:

فصل ۱ (۳ب) فی التاویل

فصل ۲ (۸ب) فی صنیع الائمة فی اعلام هذین الکتابین و ما اشبهها من هذا القبیل

فصل ۳ (۱۵الف) فی کونهالم ترک مما یجوزه و یحل الاماکن مستورة

فصل ۴ (۱۸الف) فیما اجتمع لی من مذاهب الناس فیه و بیان المعتمد منها بحسن الایراد و التوجیه

فصل ۵ (۲۳ب) فی سرد شیٔ من کلماته المزیغة و معانیه المبتدعة المحرفة

فصل ۶ (۲۷الف) فی تجرید اسماء من نسب الی هذه النحلة أو کان معتقد انی بعضهم لکونه مثله.

فصل ۷ (۳۵ب) فی الاعتذار عن معتمدهم لیتمیز و اعن منتقدهم

فصل ۸ (۳۶الف) فی الاعدل فی الحکم علیه و علی امثاله لقصد السلامة من الکفر و احتماله.

اختتام:

فان ارادو ابالحلول و الاتحاد ما ذکرناه فقد ظهر بطلانه و ان اراد و اعره فلا بد من البیان لیتمکن الاثبات و النفي.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(بحوالہ اہلوارٹ ۳: ۲۳-۲۴، شمارہ ۲۸۴۹)

عثمان بن یحییٰ نے ابن العربی کی تصنیفات وتالیفات کی ایک جامع فہرست مرتب کی ہے (بزبان فرانسیسی، ۲ جلد، دمشق ۱۹۶۴ء)۔ مرتب نے جلد اول میں ان کتابوں کی ایک طویل فہرست (ص ۱۱۴-۱۱۷) دی ہے، جو ابن العربی کے افکار وخیالات کے خلاف لکھی گئیں۔ انھی کتابوں میں اس کتاب کا نام بھی شامل ہے (ص ۱۱۶) نیز رک: مصرع التصوف اوتنبیہ الغبی الی تکفیر ابن عربی۔ تالیف العلامۃ برہان الدین البقاعی (۸۰۹ھ-۸۸۵ھ) تحقیق عبدالرحمٰن الوکیل، بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، مقدمہ۔

راقم نے ''القول المنبی'' کا ایک قلمی نسخہ لاہور کے ایک تاجر کتب مولانا عبدالخالق قدوسی (م۔ ۱۹۸۷ء) کے پاس دیکھا تھا۔ یہ مخطوطہ صاف تھا، صرف چند اوراق کہیں کہیں سے جل گئے تھے۔ یہ کتب فروش اس نادر قلمی نسخے کو فروخت کرنے کے بجائے مرتب کرنا چاہتے تھے، لیکن فی الحال یہ طبع نہیں ہوا۔

۳۔ ''ملک المحدثین الہند'' جمال الدین محمد طاہر الپٹنی (۹۱۴ھ-۹۸۶ھ/۱۵۰۱ء-۱۵۷۸ء)۔ مشہور کتاب ''مجمع بحار الانوار فی غرایب التنزیل واللطایف الأخبار'' (مطبوعہ ۱۲۸۳ھ، ۱۳۴۴ھ) کے مؤلف۔ رک: براکلمان ۲: ۴۱۶ (۵۴۸)، ذ ۲: ۶۰۱-۶۰۲۔

محمد طاہر پٹنی نے ایک کتاب بعنوان ''اسماء الرجال'' تالیف کی، اس میں ان محدثین کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں جن کا ''مجمع بحار الانوار'' میں ذکر کیا گیا ہے۔ (رک: بانکی پور ۱۲: ۶۷-۶۸، شمارہ ۷۳۰، براکلمان ذ ۲: ۶۰۲)۔ اسی کتاب کی تصحیح کے طور پر ''المغنی فی اسماء الرجال'' بھی لکھی گئی (رک: بانکی پور ۱۲: ۶۸-۶۹، شمارہ ۷۳۱، براکلمان ذ ۲: ۶۰۲۔ تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ ومترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۴۴۱)۔ ان دونو کتابوں میں ''مجمع بحار الانوار'' میں مذکور محدثین کے سوانح قلمبند کیے گئے ہیں، جبکہ علی اکبر نے محمد بن طاہر پٹنی کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے، وہ اس کے ہمعصر علماء کے حالات پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب کون سی تھی، اس کے متعلق مآخذ خاموش ہیں۔

محمد طاہر پٹنی کی یہ نامعلوم تالیف زیادہ ضخیم نہیں تھی۔ بقول علی اکبر اس کے ۱۲ اوراق تھے۔ اس کا خطی نسخہ کسی کتاب خانے میں تھا، جس کی نقل فراہم کرنے کا وعدہ مکتوب نویس نے کیا۔ یہ نقل تیار ہوئی یا نہیں، اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) اور اس کے ذخیرۂ مخطوطات کے فہرست ساز اہلوارٹ نے ایسی کسی نقل کا حوالہ نہیں دیا۔ ممکن ہے، علی اکبر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اپنی بیماری کے باعث حسب وعدہ یہ نقل تیار نہ کر سکا۔

۴۔ یہاں ''تذکرہ کریم الدین'' سے مراد ''فرائد الدہر'' ہے، جس کا دوسرا عنوان ''تذکرہ شعرائے عرب'' ہے۔ یہ مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو مطبع العلوم (دہلی) سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی۔ مؤلف نے یہ تذکرہ اشپرینگر کی فرمائش پر عربی میں لکھا، لیکن بعد میں اس کے ایماء پر اس کا اردو ترجمہ کیا اور پھر یہی ترجمہ چھپ کر سامنے آیا۔ اصل عربی تذکرہ قلمی مسودے کی صورت ہی میں رہا اور یہ اس وقت برلین (مغربی) کے کتاب خانہ (ذخیرۂ اشپرینگر) میں موجود ہے۔ اس مسودے کی تفصیل کے لیے رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی۔

مؤلف تذکرہ نے قدیم اور جدید عربی شعراء کے حالات زندگی تو بڑی تفصیل سے لکھے، لیکن اس میں ان کی تصنیفات کا حال بہت کم تھا۔ اشپرینگر چاہتا تھا کہ ان شعراء کی تصانیف کا ذکر بطور ضمیمہ شامل کیا جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ علی اکبر یہ ضمیمہ تیار کرے، لیکن وہ ضروری کتب کی نایابی اور اپنی بیماری کے سبب یہ کام نہ کر سکا۔

۵۔ علی اکبر کے ایک رفیق کار اور آگرہ کالج کے شعبۂ فارسی کے استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھی دنوں اس کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور وہ چار ماہ کی رخصت لے کر دہلی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد یہی مولوی ابوالحسن جماعت اول (عربی) کے طلبہ کو پڑھانے لگے۔ علی اکبر دہلی میں علاج کراتا رہا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس عرصے میں نہ وہ آگرہ کالج واپس جا سکا اور نہ اشپرینگر کو کوئی اور خط لکھ سکا۔ آخر وہ اپنی اس علالت کی وجہ سے ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو انتقال کر گیا۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مولوی سیّد برکت علی

ڈاکٹر اشپرینگر کا شمار انیسویں صدی عیسوی کے صف اول کے مستشرقین میں کیا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم وتربیت یورپ کی اعلیٰ دانش گاہوں میں ہوئی۔ اس کے علمی ذوق کو نکھارنے میں اس دور کے عظیم علماء نے معاونت کی۔ ان عالموں میں اس کے اساتذہ بھی شامل تھے اور علومِ شرقیہ کے وہ ماہرین بھی جن سے اس کے علمی روابط استوار تھے۔ چنانچہ جب اس نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، تو وہ ایک منجھے ہوئے خاور شناس کے سبھی بنیادی اوصاف سے متصف تھا۔ عربی فارسی سمیت وہ متعدد زبانوں سے واقف تھا۔ مختلف اسلامی علوم وفنون بالخصوص تاریخ، ادب، طب، جغرافیہ اور حدیث پر اس کی گہری نظر تھی۔ اس کے باوصف مغربی ممالک کی بڑی بڑی دانش گاہوں اور کتاب خانوں میں کام کرنے کا وسیع تجربہ بھی اسے حاصل تھا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے عالمانہ اوصاف وکمالات کو جلا ہندوستان کی آب وہوا نے بخشی۔ دراصل اس کے قیام ہندوستان کا زمانہ (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) اس کی ذہنی، علمی اور تحقیقی خوبیوں کا بھرپور اظہار ہے اور اس کے مستقبل کے علمی کارہائے نمایاں کا پیش خیمہ بھی۔ پھر اس نے اپنے ایام جوانی میں مشرق ومغرب کو علمی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کے قریب لانے کا جو عزم صمیم کیا تھا، اس کو پورا کرنے کا سنہری موقع اسے ہندوستان آنے کے بعد ہی نصیب ہوا اور اس نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اشپرینگر ہندوستان میں بطور طبی ماہر آیا، لیکن بہت جلد افسران بالا کو اس کی علمی استعداد نیز اسلامی علوم اور زبانوں سے اس کی گہری وابستگی کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ فوراً اسے مختلف اسلامی درس گاہوں کا نظم ونسق اور ان کے مروجہ نصاب کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ مسلمانوں کی یہ درس گاہیں عرصۂ دراز سے قائم تھیں، لیکن سلطنت مغلیہ کی انحطاط پذیری کے اثرات ان مدارس کی مجموعی کارکردگی پر بھی پڑے اور ان کا معیار تعلیم وتدریس روز بروز گرنے لگا۔ جب برطانوی اقتدار بام عروج تک

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پہنچا، تو مسلمانوں کے قائم کردہ یہ ادارے بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت کے زیرنگیں آ گئے اور انگریز ارباب حل و عقد نے ان تعلیمی اداروں کو مقامی لوگوں کے ذہنوں پر اپنی سائنسی، تکنیکی، علمی اور فکری ترقی اور بالا دستی کی دھاک جمانے کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے ان مدارس کے انتظامی ڈھانچے کو جوں کا توں قائم رکھنے کی کوشش کی، البتہ ان کے یورپی سربراہ مقرر کرنے اور تعلیمی پالیسی وضع کرنے کے اختیارات اپنے پاس رکھے۔ ان اصحاب بست و کشاد نے اس مقصد کے لیے کمپنی کے ملازمین میں سے جن معدودے چند عالموں کو منتخب کیا، ان میں ایک اشپرینگر بھی تھا اور شاید ان دنوں منتخبہ افراد میں سب سے باصلاحیت اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والا موزوں ترین شخص صرف وہی تھا۔

اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا اور اس کے ساتھ ہی شمالی ہند کے دیگر شہروں مثلاً آگرہ، بنارس اور بریلی کے مدارس کے انتظام و انصرام میں بھی اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ اپنے قیام ہندوستان کے آخری سالوں میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) اور بنگال کے بعض دوسرے مدارس اس کی سربراہی میں رہے۔ اس نے ان مدرسوں کے انتظامی اور تعلیمی امور کو بڑے مستعدی اور خوش اسلوبی سے طے کیا اور ان میں صحیح علمی روح پھونکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ جہاں بھی رہا، کامیاب رہا اور اس کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے ارباب اقتدار کے تعلیمی مقاصد کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور مقامی علماء، بااستعداد اساتذہ اور ذہین طلبہ کے تعاون سے ان اداروں میں ایک خوشگوار علمی ماحول پیدا کر دیا۔ وہ خود اسلامی علوم اور زبانوں کو اچھی طرح جانتا تھا، علاوہ ازیں مسلمانوں کے علمی خزینوں کو جمع کرنے کا بھی شوق رکھتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ نسلاً انگریز نہیں تھا، اس لیے فطری طور پر یہاں کے اہل علم طبقے سے تعلقات استوار کرنے میں اس کی راہ میں کسی قسم کا حاکمانہ طرز عمل مانع نہیں تھا۔ اس بات کے شاہد وہ مکتوب نگار ہیں، جن کے خطوط اس مجموعۂ مراسلات میں شامل ہیں۔ بلاشبہ ان خطوں میں نامہ نویسوں کی ذاتی غرض مندیاں بھی شامل ہیں اور وہ عہدوں کے حصول یا ان میں ترقی کے لیے اس کی سفارش کے طلب گار رہے، لیکن اس سے اشپرینگر اور متعدد مقامی اہل علم و دانش کے مابین خالصتاً علمی مراسم کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہ مکتوب نگار اشپرینگر کے طلبہ بھی ہیں، اس کے ساتھی اساتذہ بھی اور اس کے ہمکار بھی۔ اس کے انھی رفقائے کار اور تلامذہ میں ایک نام مولوی سید برکت علی کا بھی ہے، جن کے سوانح حیات اور اشپرینگر کے نام ان کے تحریر کردہ گیارہ خطوط مع ضروری معلومات بطور ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

اشپرینگر کے ایک اور اہم مکتوب نویس مولوی سید علی اکبر کی طرح مولوی سید برکت علی کے حالات زندگی پر بھی گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ برکت علی انیسویں صدی عیسوی کے عربی و فارسی کے جید عالم اور ممتاز

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مدرسین میں سے تھے، لیکن اس دور کے کسی بھی قابل ذکر تذکرۂ رجال اور سوانحی کتب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے تصنیفی و تالیفی آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کا آبائی تعلق اہل تشیع سے تھا، اس لیے رجال الشیعہ سے متعلق کتابوں میں ان کا چند سطری ذکر ملتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ اس موضوع پر ایک اہم کتاب ''تذکرۂ بے بہا فی تاریخ العلماء'' کے مؤلف محمد حسین نوگانوی نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ ان کا مختصر سا تذکرہ صرف آغا مہدی نے اپنی کتاب ''تاریخ سلطان العلماء'' (کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۴) میں کیا ہے اور اس میں پیش کردہ معلومات کو مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے ''مطلع انوار'' (کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۷) اور سید حسین عارف نقوی نے ''تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان'' (اسلام آباد ۱۹۸۴ء، ص ۶۴) میں نقل کر دیا ہے۔ ان کتابوں سے برکت علی کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم ریاضی اور علم فقہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وہ سلطان العلماء مولانا سید محمد کے تلامذہ میں سے تھے اور استاد نے انہیں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں ایک تعریفی سند بھی عطا کی تھی۔ وہ برسوں لاہور میں رہے اور یہاں اپنے مسلک کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ انھوں نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کے لگ بھگ انتقال کیا اور لاہور ہی میں دفن ہوئے۔

مولوی برکت علی کے صرف یہی حالات ہیں، جو متذکرۂ بالا سوانحی کتب میں درج ہیں۔ راقم کو ان کے موجودہ خطوط بنام اشپرینگر، بعض ہمعصر اخبارات اور دیگر دستاویزات سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں اُن کے سوانح حیات کا ایک ادھورا سا خاکہ کچھ یوں بنتا ہے۔

مولوی برکت علی ایک صحیح النسب سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان آبائی طور پر شیعہ مسلک کا پیروکار تھا، چنانچہ انھوں نے خود اپنے ایک خط میں اس کا اظہار کیا ہے اور وہ یوں کہ دہلی کالج میں ایک عہدۂ مدرسی پر تقرری کے وہ خواہشمند تھے۔ ان دنوں اس کالج میں شیعہ طلبہ کی عربی جماعت الگ تھی اور اس کے استاد قاری جعفر علی جارچوی تھے، چنانچہ وہ اس مدرسہ میں اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے اشپرینگر کو لکھتے ہیں:

''اگر اس مدرسہ میں یہ خاکسار مقرر ہوگا تو اس میں یہ بھی فائدہ متصور ہے کہ جولڑکے مبتدی شیعوں کے ہوں گے، اون کو بھی تعلیم کروں گا۔ اس واسطے کہ مولوی جعفر علی صاحب شیعہ مذہب تمام مدرسہ میں ایک ہیں اور جو مبتدی شیعہ آتے ہیں تو مشکل ہوتی ہے۔ اور مدرس شاستری بھی دو ہیں اور سُنّی بھی کئی ہیں، لیکن شیعہ ایک ہے اور یہ خاکسار سُنّی لڑکوں کو اور شیعہ لڑکوں کو انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی اور باخلاق تمام تعلیم کرے گا۔''

برکت علی ضلع تھانیسر میں واقع ایک مقام پونڈری میں پیدا ہوئے۔ ایک خط کے آخر میں انھوں نے خود ''برکت علی بمقام پونڈری ضلع تھانیسر'' لکھا ہے۔ دو اور خطوط میں بھی انھوں نے اپنے وطن کا محل وقوع

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بتایا ہے۔ایک خط میں لکھتے ہیں:

''انبالہ میرے وطن سے قریب ہے۔''

اور دوسرے خط میں مختلف شہروں سے اپنے وطن کے فاصلوں کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

''میرا وطن کرنال سے بیس کوس ہے اور انبالہ سے تیس کوس اور پانی پت سے بھی تیس کوس اور دلی سے ستر کوس۔''

شیعہ افاضل کے مذکورہ بالا تذکروں میں ان کے نام کے ساتھ ''لاہوری'' لکھا ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ بسلسلۂ ملازمت اس شہر میں برسوں مقیم رہے اور شاید ان کی وفات بھی اسی شہر میں ہوئی۔

مولوی برکت علی کا سنۂ ولادت معلوم نہیں۔ قیاساً ان کا سال پیدائش ۱۸۲۵ء کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ دہلی کالج میں اہل تشیع کے لیے مخصوص عربی جماعت کے طالب علم تھے۔ اس الگ جماعت کا قیام اس وقت عمل میں آیا، جب یکم اپریل ۱۸۴۱ء کو قاری جعفر علی جارچوی اس کالج میں بحیثیت ''شیعہ ٹیچر'' مقرر ہوئے۔ اس جماعت کے چار فریق تھے اور سب سے آخری فریق چہارم تھا۔ ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیر تعلیم طلبہ سے متعلق جس رجسٹر کا حوالہ بار بار سابقہ سطور میں آیا ہے، اس کے مطابق فریق چہارم کے طلبہ کی عمر کم سے کم تیرہ سال اور زیادہ سے زیادہ سولہ سال ہوتی تھی۔ اگر برکت علی نے دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کی جماعت شروع ہوتے ہی اس میں داخلہ لیا ہو اور اس وقت ان کی عمر سولہ سال مان لی جائے تو اس سے ان کا سنۂ ولادت ۱۸۲۵ء یا اس کے لگ بھگ ہی قرار پاتا ہے۔

برکت علی نے ابتدائی تعلیم گھر یا اپنے کسی نواحی شہر کے مدرسہ میں حاصل کی ہوگی۔ جونہی دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے لیے الگ عربی جماعت کا انتظام ہو گیا اور قاری جعفر علی ان طلبہ کو پڑھانے پر مامور ہوئے، برکت علی نے بھی اپنے آبائی شہر کو چھوڑ کر دہلی کا رخ کیا اور وہاں جاتے ہی اس جماعت میں داخلہ لے لیا۔ دہلی کالج میں ابتداء سے شیعہ طلبہ کی تعلیم و تدریس کا علیحدہ بندوبست نہیں تھا، بلکہ شیعہ اور سنی طلبہ ایک ہی جماعت میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ جب شاہِ اودھ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں نے ۱۸۲۹ء میں دہلی کالج میں عربی و فارسی کے فروغ اور ان زبانوں کے طلبہ اور اساتذہ کی فلاح و بہبود [illegible] ہزار روپے کا عطیہ دیا اور معطی کی وفات (۱۸۳۰ء) کے بعد ان کے داماد نواب حامد علی خاں اس وقف کے نگران مقرر ہوئے، تو ان کی جانب سے پُرزور مطالبہ کیا جانے لگا کہ عطیہ کی رقم صرف شیعہ طلبہ اور اساتذہ پر خرچ ہونی چاہیے اور اس کے لیے کالج میں شیعہ طلبہ کی تعلیم و تدریس کی الگ جماعت قائم ہونی چاہیے اور اس جماعت کا جو مدرس مقرر ہو، وہ بھی شیعہ ہونا لازمی ہے۔ یہ مطالبہ روز بروز زور پکڑتا گیا اور بالآخر نواب حامد علی [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خاں کا اثر و رسوخ کام آیا اور ۱۸۴۱ء میں ''جماعت عربی اہل تشیع'' کا آغاز ہو گیا اور اس کے پہلے استاد کی حیثیت سے قاری جعفر علی جارچوی کو منتخب کیا گیا۔[۱]

شیعہ طلبہ کی علیحدہ عربی جماعت کا آغاز ۱۸۴۱ء کے وسط میں ہوا اور غالباً سید برکت علی ان ابتدائی طلبہ میں شامل ہیں، جنھوں نے اس میں داخلہ لیا۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق اس جماعت کے چار فریق تھے اور ہر فریق میں پڑھائی جانے والی نصابی کتب مختلف تھیں۔ ان چاروں فریقوں کے نصاب میں جو کتابیں شامل تھیں، ان میں اس رجسٹر کے حوالے سے شرح لمع، معالم الاصول، تاریخ یمینی، دیوان حماسہ (ایک باب)، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث، شرح ملا، کلیلہ و دمنہ، ہدایہ (ابتدائی حصہ)، تحریر (آخری تین مقالے)، الجبر والمقابلہ، تاریخ، جغرافیہ، تہذیب، ہدایت النحو، منتخبات عربی، شرح مأتہ، دستور المبتدی، حساب اور جواب مضمون کے نام ملتے ہیں۔ فریق چہارم اور سوم میں پانچ مضامین ہوتے تھے، لیکن ان کے بعد فریق دوم اور فریق اول میں چار مضامین کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ ان اضافہ شدہ مضامین میں جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون شامل تھے۔ برکت علی اس جماعت عربی کے چاروں درجوں میں کامیاب رہے اور ان علوم کو بڑے ذوق و شوق اور دلچسپی سے تحصیل کیا۔ مدرس جماعت قاری جعفر علی بھی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور علمی استعداد کے معترف تھے اور وہ اپنے اس شاگرد پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ استاد اور شاگرد کے یہ تعلقات بعد تک قائم رہے، چنانچہ جب برکت علی لکھنؤ کے مدرسہ میں ملازم ہو گئے تو اپنے مکتوب الیہ اشپرینگر کو اکثر خطوط لکھتے رہے کہ اگر وہ کوئی خط یا کتاب بھیجنا چاہے تو قاری جعفر علی کی وساطت سے بھجوا سکتا ہے۔

''مطلع انوار'' اور ''تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان'' کے مؤلفین نے برکت علی کے اساتذہ میں سلطان العلماء سید محمد (۱۷۹۴ء-۱۸۶۷ء) اور ممتاز العلماء سید ابراہیم کے نام لکھے ہیں، لیکن ''تذکرۂ بے بہا[۲]'' کے مؤلف اور سب محمد تقی[۳] نے جہاں سلطان العلماء کے تلامذہ کی طویل فہرست دی ہے، وہاں برکت علی کے بجائے ان کے استاد قاری جعفر علی کا نام لکھ دیا ہے۔ البتہ صاحب ''مطلع انوار'' نے قاری جعفر علی کے ذکر کے تحت برکت علی کو ان کے شاگردوں میں شامل کیا ہے[۴]۔ برکت علی جتنا عرصہ لکھنؤ میں مدرس

۱۔ راقم نے اپنے ایک مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' میں اس جماعت کے قیام کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان محرکات کی نشاندہی کی ہے، جو اس کے آغاز کا سبب بنے۔ (رک: مطالعۂ آزاد، محولہ بالا)

۲۔ محمد حسین نوگانوی، ص ۳۴۲

۳۔ امجد علی شاہ (اودھ کا متشرع بادشاہ)، لکھنؤ ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۴-۲۳۸۔

۴۔ ص ۱۵۱

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رہے، وہاں کے نامور علمی اصحاب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ انھی علمی ہستیوں میں سلطان العلماء سید محمد بھی شامل تھے، لیکن اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے سلطان العلماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ بھی کیا یا نہیں۔ مولوی برکت علی کے اگر کوئی استاد تھے تو وہ قاری جعفر علی جارچوی ہی تھے، جن سے انھوں نے دہلی کالج میں تقریباً پانچ سال تعلیم حاصل کی۔ اس دور کا ایک اخبار اپنے مطبع سے قاری جعفر علی جارچوی کا ایک اجازہ شائع کرنے کا اشتہار دیتا ہے، جو سلطان العلماء نے قاری صاحب کو عطا کیا اور جس پر سید العلماء کے دستخط موجود ہیں۔ اس اشتہار کے آخر میں قاری موصوف کے چند مشہور شاگردوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان شاگردوں میں سید برکت علی کا نام بھی شامل ہے۔

''ازانجملہ مولوی سید برکت علی صاحب مدرس مدرسہ لاہور کے علم اور فضل میں یکتائے آفاق اور تحقیق اور تبحر میں فرید علی الاطلاق ہیں۔''(۱)

سید برکت علی دہلی کالج کے ایک ذہین طالب علم تھے اور انھوں نے اپنی تعلیم اسی درسگاہ میں مکمل کی۔ اپنے ان خطوں میں انھوں نے جا بجا اس کا اظہار کیا ہے مثلاً

''میں نے سرکار کمپنی کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔''

''حضور کے مدرسہ کا طالب علم ایسے عہدۂ جلیل پر مقرر ہو۔''

''اگر میں اچھا نکلتا تو مجکو مقرر کرتے خصوصاً مدرسہ دہلی میں کہ میرا حق اس مدرسہ میں ہے کہ میں نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی۔''

دہلی کالج میں برکت علی کی مدت تحصیل کتنی تھی؟ اس کا حتمی تعین قدرے مشکل ہے، البتہ بعض شواہد سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس مدرسہ میں تقریباً پانچ سال طالب علم رہے۔ ۱۸۴۱ء میں اس کالج میں شیعہ طلبہ کے لیے الگ عربی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا اور اسی سال یکم اپریل کو قاری جعفر علی جارچوی بطور ''شیعہ ٹیچر'' مقرر ہوئے۔ جب اس نئی جماعت کی خبر لوگوں تک پہنچی تو شیعہ حضرات نے اپنے لڑکوں کو اس میں داخل کرا دیا۔ جو لڑکے سب سے پہلے اس جماعت میں داخل ہوئے ان میں برکت علی بھی شامل تھے۔ جب کہ اس کالج کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ اس جماعت کے چار فریق تھے اور ہر فریق کی مدت ایک سال تھی۔ اس طرح ایک طالب علم کو یہاں سے فارغ التحصیل ہونے میں چار سال گزر جاتے تھے۔ برکت علی بھی اتنے سال اس کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب اشپرینگر ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا تو اس وقت برکت علی وہاں زیر تعلیم تھے۔ شاید وہ ان دنوں جماعت عربی کے فریق اول کے طالب علم تھے۔ اشپرینگر

۱۔ اشرف الاخبار (لکھنؤ) جلد ۱ شمارہ ۱۰، بابت ۲۵ اپریل ۱۸۵۷ء۔ مائیکرو فلم ملوکہ راقم۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خود عربی، فارسی اور مختلف اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتا تھا اور وہ ان اساتذہ اور ذہین طلبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، جو ان علوم سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ برکت علی بھی کالج کے ہونہار اور ذہین طلبہ میں سے تھے، اس لیے وہ بھی اشپرینگر کے ہمکاروں میں شامل ہو گئے۔ اشپرینگر اور ان کے مابین جو قریبی مراسم تھے، اس کا اندازہ ان خطوط کو ایک نظر دیکھنے کے بعد بخوبی ہو جاتا ہے۔ اشپرینگر ۱۸۴۸ء کے آخر تک پرنسپل رہا، لیکن برکت علی اس سے پہلے ہی اپنی تعلیم مکمل کر کے اس کالج سے جا چکے تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرۂ بالا رجسٹر میں برکت علی کا نام ''جماعت عربی اہل تشیع'' کے طلبہ میں شامل نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سال سے پہلے ہی یہاں سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس مجموعہ میں برکت علی کے جو خطوط شامل ہیں، ان میں پہلا خط ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء کا تحریر کردہ ہے اور اس وقت مکتوب نگار لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازمت اختیار کر چکا تھا۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ برکت علی نے ۱۸۴۵ء کے اواخر یا ۱۸۴۶ء میں دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد بہت جلد ان کا لکھنؤ کے مدرسہ میں تقرر ہو گیا۔ ممکن ہے، برکت علی کو یہ ملازمت دلوانے میں اشپرینگر ہی نے سفارش کی ہو، کیونکہ وہ مختلف عہدوں کے حصول کے لیے اسی کو اپنا وسیلہ جانتے تھے اور اس کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانے کے خواہشمند رہتے تھے۔

برکت علی نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں وہ مضامین تو ضرور پڑھے، جو ان کے نصاب میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ عربی زبان و ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی زبان سے بھی واقف تھے اور اس کالج میں پڑھائے جانے والے انگریزی علوم پر بھی ان کی دسترس تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں:

''سوا عربی اور فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔''

برکت علی چار سال دہلی کالج کی عربی جماعت برائے شیعہ طلبہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی اور ان علوم انگریزی کو بھی سیکھتے رہے، جو ان دنوں اس کالج میں پڑھائے جاتے تھے۔ جونہی وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے، انھیں لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازمت مل گئی۔ قبل ازیں وہ مختصر مدت کے لیے شملہ اسکول میں استاد بھی رہے (تعلیمی رپورٹ، بذیل یکم جنوری ۱۸۴۹ء)۔ اشپرینگر کے علاوہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ ملازمت قاری جعفر علی کی کوششوں کی مرہون منت ہو۔ قاری صاحب دہلی آنے سے قبل لکھنؤ ہی میں مقیم تھے۔ وہاں ان کے تمام شیعہ علماء سے قریبی مراسم تھے۔ سلطان العلماء مولانا سید محمد کے تو وہ شاگردوں میں شامل تھے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ قاری موصوف نے اپنے ایک ذہین اور باصلاحیت شاگرد کو یہ ملازمت دلوانے میں کوشش کی ہو۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مدرسہ لکھنؤ میں برکت علی کو یہ ملازمت کب ملی؟ اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے اشپرینگر کے نام پہلے خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خط کے سنۂ تحریر (یعنی ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء) سے بہت پہلے اس مدرسہ کے اساتذہ میں شامل ہو چکے تھے۔ اس خط میں وہ خود لکھتے ہیں:

''اب بھی سرکار کے مدرسہ میں نوکر ہوں اور سوا عربی اور فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔ لکھنؤ میں ان علوم سے کوئی واقف نہیں۔''

برکت علی اس مدرسۂ لکھنؤ کی عربی جماعت کے مدرس دوم یا مدرس سوم کی حیثیت سے مقرر ہوئے، لیکن وہ مدرس اول کی جماعت کے طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے اور جب کبھی مدرس اول موقوف ہوتا، تو وہ قائم مقام مدرس اول کے فرائض بھی سرانجام دیتے۔ چنانچہ وہ خود اپنے ایک خط میں رقمطراز ہیں:

''لکھنؤ میں ایک مدت میں نے طالب علم مدرس اول کے تعلیم کیا اور بعد اون کے موقوف ہونے کے قائم مقام مدرس اول ہوا۔''

برکت علی کو اس مدرسہ میں ملازمت تو مل گئی اور وقتی طور پر ان کے روزگار کا مسئلہ حل ہو گیا، لیکن وہ اس سے خوش نہیں تھے۔ ان کے اس عدم اطمینان کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انہوں نے دہلی کالج میں جو علوم سیکھے تھے، اس پر انھیں بہت فخر تھا۔ پھر انھیں اپنی استعداد اور علمی صلاحیتوں کا بھی پورا احساس تھا اور ان کی خواہش تھی کہ انھیں ان کے اعلیٰ تعلیمی کوائف کے مطابق ملازمت حاصل ہو۔ مزید برآں اس ناخوشی کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ لکھنؤ میں اکثر بیمار رہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کسی ایسی جگہ پر ان کا تقرر ہو، جہاں کی آب و ہوا انھیں راس آ جائے۔ انھی وجوہ کی بناء پر وہ جتنی دیر لکھنؤ میں مدرس رہے، مختلف درس گاہوں میں ملازمت کے لیے تگ و دو کرتے رہے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بار بار اشپرینگر کو لکھتے رہتے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے انہیں ملازمت دلوانے میں مدد کرے۔ ۱۸۴۷ء میں ہوگلی کے مدرسہ میں ایک شیعہ مدرس کی جگہ خالی ہوئی۔ برکت علی کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً اشپرینگر کو لکھا کہ وہ اس عہدے کے مستحق ہیں۔ جب اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا، تو وہ پوری کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح مولوی مملوک العلی نانوتوی دہلی کالج چھوڑ کر وہاں چلے جائیں اور حافظ احمد کبیر مرحوم کے خالی عہدہ پر فائز ہو جائیں۔ [illegible] جب برکت علی کو ملی تو انھوں نے فوراً اشپرینگر سے رابطہ قائم کیا اور اسے یہ تجویز پیش کی کہ مولوی مملوک العلی کے چلے جانے کے بعد مدرس اول (جماعت عربی) کا عہدہ انھیں تفویض کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مدرس دوم کی جگہ مقرر ہو، اسے لکھنؤ بھیج دیا جائے اور انھیں لکھنؤ سے دہلی کالج بلا لیا جائے۔ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو مولوی مملوک العلی فوت ہوئے اور دہلی کالج میں مدرس اول (جماعت عربی) کا عہدہ خالی ہو گیا۔ اس عہدے پر فی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

الفور مولوی سید محمد کو منتخب کر لیا گیا اور مولوی سید محمد کے اس عہدے یعنی مدرس دوم (عربی جماعت) کے تین امیدوار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک امیدوار مولوی حسن علی خاں تھا۔ یہ صاحب دہلی کالج کے شعبۂ فارسی کے استاد تھے۔ برکت علی کو جب دہلی کالج کی اس صورت حال کا علم ہوا، تو وہ بھی امیدواروں میں شامل ہو گئے۔ وہ اپنے آپ کو مولوی سید محمد کے عہدہ یعنی مدرس دوم (شعبہ عربی) کا اہل سمجھتے تھے، لیکن یہ ممکن نہیں تھا، کیونکہ کالج کی انتظامی کمیٹی اس عہدہ کے لیے تین امیدواروں کے علاوہ کسی اور کو امیدوار ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جب یہ عہدہ ملنے کی امید ختم ہوگئی، تو برکت علی نے اشپرینگر کو یہ تجویز پیش کی کہ اگر اس عہدہ پر حسن علی خاں مقرر ہو تو ان کے خالی عہدہ پر انھیں تعینات کر دیا جائے۔ اس بار بھی برکت علی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر دہلی کالج کا کوئی مدرس ان سے اپنی ملازمت بدلنے پر آمادہ ہو، تو وہ اس پر بھی راضی ہیں، لیکن انھیں ایسا بھی کوئی شخص نہ مل سکا اور وہ طوعاً و کرہاً مدرسہ لکھنؤ کے طلبہ ہی کو پڑھاتے رہے۔ وہ اشپرینگر سے بار بار مختلف انگریز ارباب اختیار کے نام سفارشی چٹھیوں کا مطالبہ کرتے رہے اور وہ انھیں ایسے خطوط بھیجتا رہا، لیکن اس کے باوجود برکت علی اپنی خواہش کے مطابق ملازمت حاصل نہ کر سکے۔

برکت علی یہی چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وہ دہلی کالج کے اساتذہ میں شامل ہو جائیں، کیونکہ وہ دہلی میں مستقل سکونت کے بڑے خواہش مند تھے۔ جب ان کی دہلی منتقل ہونے کی تمام کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں اور اس کے لیے اشپرینگر کی ذاتی تگ و دو اور مختلف افسران بالا کے نام اس کی سفارشی چٹھیاں بھی کام نہ آئیں تو برکت علی نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ایک اور راہ نکالی اور وہ یہ کہ انھوں نے چند آدمیوں کی شراکت سے دہلی میں ایک مطبع قائم کر دیا۔ اس چھاپہ خانہ کی بنیاد کب رکھی گئی؟ اس کے بارے میں حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان خطوں کی بعض عبارتوں سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ برکت علی ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو اپنے وطن روانہ ہوئے۔ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے ابتدائی دنوں میں وہ چند روز کے لیے دہلی میں رکے۔ شاید دہلی میں ان کے اس مختصر قیام کے دوران میں یہ مطبع قائم ہوا۔ اس مطبع کا کیا نام رکھا گیا اور یہاں سے کون کونسی کتابیں شائع کی جاتی تھیں اور یہ مطبع کب تک چلتا رہا؟ ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس مطبع کے مہتمم مولوی خدا بخش تھے۔ مولوی صاحب بھی دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد تھے اور ۱۸۴۷ء میں عربی کی جماعت اول میں زیر تعلیم تھے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب بعنوان ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات'' میں بہت سے ایسے مطابع کا ذکر کیا ہے، جو ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۴ء کے مابین دہلی میں موجود تھے، لیکن ان میں کسی ایسی مطبع کا نام نہیں ملتا، جس کے مہتمم مولوی خدا بخش

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطبع زیادہ دیر نہیں چلا۔اگر چل پڑتا تو برکت علی لازماً لکھنؤ سے دہلی آ جاتے، لیکن وہ نہیں آئے اور مدرسۂ لکھنؤ ہی میں درس و تدریس سے منسلک رہے۔

برکت علی کبھی کبھار اپنے آبائی وطن بھی جایا کرتے تھے اور کچھ وقت وہاں گذار کر واپس لکھنؤ آ جاتے تھے۔جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، ان کا وطن قصبہ پونڈری ضلع تھانیسر تھا۔ان خطوط میں صرف ایک خط ایسا ہے، جو انھوں نے پونڈری سے اشپرینگر کو ارسال کیا۔وہ ۱۸۵۰ء کے آخری مہینوں میں پونڈری میں مقیم تھے۔ اس وقت بسک صاحب انبالہ میں اسسٹنٹ کے عہدے پر فائز تھے۔یہ صاحب اس سے پہلے لکھنؤ میں تھے اور تحصیل علم و ادب کا بھی شوق رکھتے تھے۔برکت علی کو جب بسک صاحب کی انبالہ میں موجودگی کا پتا چلا تو انھوں نے فوراً اشپرینگر کو خط تحریر کیا اور یہ درخواست کی کہ وہ بسک صاحب کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں۔اشپرینگر نے حسب عادت ان کے لیے سفارشی چھٹی بنام بسک صاحب ضرور لکھی ہوگی، لیکن یہ چھٹی بھی کارآمد ثابت نہ ہو سکی اور برکت علی کو اپنے آبائی علاقے یا اس کے قریب کسی شہر میں ملازمت نہ مل سکی۔ابھی چند سال ہی گذرے تھی کہ برکت علی شاید اشپرینگر کی سفارش اور بسک صاحب کے اثر و رسوخ سے پنجاب میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور لاہور کے مدرسہ تعلیم المعلمین میں بطور مدرس اول ان کا تقرر ہو گیا۔جن دنوں انھیں یہ عہدہ تفویض ہوا، اشپرینگر ہندوستان میں نہیں تھا۔وہ مشرق وسطیٰ کے مختلف اسلامی ممالک کے علمی سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔جونہی وہ اس سفر سے واپس آیا، برکت علی نے فوراً اس سے رابطہ قائم کیا اور اسے لاہور سے ۲۲ فروری ۱۸۵۶ء کو خط روانہ کیا۔یہ اشپرینگر کے نام برکت علی کا آخری خط ہے۔اس میں مکتوب نگار نے اشپرینگر کو اپنی نئی ملازمت کی اطلاع دی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ اس سے بہت خوش ہے۔اشپرینگر اسی سال یعنی ۱۸۵۶ء میں مستقلاً ہندوستان کو خیر باد کہہ کر جرمنی چلا گیا اور یوں برکت علی اور اس کے درمیان مراسلت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

برکت علی کو برسوں کی دوڑ دھوپ کے بعد لاہور کے اس مدرسہ میں ایسا عہدہ ملا تھا، جس سے وہ خود بھی مطمئن تھے۔انھوں نے یہاں اپنی اعلیٰ مدرسانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا اور بڑی مستعدی اور تندہی سے طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔طلبہ کے ساتھ ساتھ شعبہ تعلیم کے انگریز افسر بھی ان سے خوش تھے اور جب کبھی مدرسہ میں جلسہ منعقد ہوتا تو اس میں مدعو افسران طلبہ کی ذہانت کو دیکھ کر ان کے مدرس یعنی برکت علی کو بھی خراج تحسین پیش کرتے۔ایسا ہی ایک جلسہ ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو انعقاد پذیر ہوا۔اس جلسے کی روداد لاہور کے اخبار ''کوہ نور'' میں شائع ہوئی، جسے لکھنؤ کے ایک اخبار نے یوں نقل کیا ہے:

''صاحب' کوہ نور' تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۴ اپریل کو مسٹر پاسک صاحب بہادر انسپکٹر حلقہ اول نے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

امتحان طلبہ مدرسہ تعلیم المعلمین کا لیا۔صاحب مہتمم کوہ نور بھی شریک جلسہ تھے۔طالب علموں کی حسن لیاقت اور حاضر جوابی سے صاحب ممدوح بہت خوش ہوئے۔مولوی برکت علی صاحب مدرس کو طلبا کی حسن لیاقتی اور ترقی سے دادخوشنودی عنایت فرمائی اور اسی روز صاحب امرتسر کو تشریف فرما ہو گئے۔"(۱)

۱۸۵۷ء کے بعد برکت علی اس مدرسہ میں کب تک پڑھاتے رہے، اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔شیعہ افاضل کے سوانح حیات پر مشتمل جن تذکروں میں برکت علی کے چند سطری حالات مرقوم ہیں، ان کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔ان تذکرہ نویسوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ برکت علی اپنی وفات تک لاہور ہی میں رہے اور اس عرصے میں جس قدر شیعی مسلک کی تبلیغ کا کام ہوا، اس کا سہرا مولوی برکت علی کے سر ہے۔ برکت علی نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کا سال وفات ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کے لگ بھگ یا اس کے بعد بتایا ہے، حالانکہ متذکرہ بالا اخباری نوٹ سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مولوی برکت علی کم از کم اپریل ۱۸۵۷ء تک زندہ تھے۔اس کے بعد ان کا انتقال ہوا، لیکن کب ہوا، اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ان کے قیام لاہور کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

اس مجموعۂ خطوط کے بعض مکتوب نگاروں کی طرح سید برکت علی بھی اشپرینگر کے لیے مختلف جگہوں سے عربی اور فارسی کی نادرالوجود کتب جمع کرتے رہتے تھے۔اشپرینگر نہ صرف اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتا تھا، بلکہ وہ ان سے متعلق اہم قلمی نسخوں کو جمع کرنے کا بھی شوقین تھا۔مخطوطہ شناسی کا اسے وسیع تجربہ حاصل تھا اور ہندوستان آنے سے قبل یورپ کا شاید ہی کوئی ایسا بڑا کتب خانہ ہو، جس کے عربی اور فارسی مخطوطات کے خزینوں کو اس نے نہ کھنگالا ہو۔ہندوستان آنے کے بعد اسے اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے سنہری مواقع ملے اور اس نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔وہ خطی نسخوں کی جمع آوری کے لیے ذاتی سطح پر بھی کوشش کرتا رہتا تھا، لیکن اس کام کے لیے اشپرینگر کی سب سے زیادہ مدد سید برکت علی جیسے لوگ کرتے تھے۔یہ لوگ اپنی علمی استعداد کے باعث اشپرینگر کے قریب تھے اور وہ اس کے مشاغل علمیہ سے بخوبی واقف تھے۔علاوہ ازیں ان دنوں اسلامی درسگاہوں سے متعلق اشپرینگر کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور اس کی سفارش سے اکثر لوگوں کے مسائل روزگار حل ہو جاتے تھے۔یوں یہ اصحاب اشپرینگر کے ممنون احسان ہوتے تھے۔نیز انھیں اس کی جانب سے واضح ہدایات تھیں کہ وہ جہاں بھی ہوں، قیمتی مخطوطات کی کھوج میں رہیں اور اگر کہیں سے ان کا سراغ ملے، تو اسے فوراً اطلاع دی جائے۔چنانچہ یہ سب متوسلین اشپرینگر اس کے لیے مخطوطات تلاش کرتے رہے اور یہ انھی لوگوں کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ اشپرینگر عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں بیش بہا مخطوطات جمع

۱۔ اشرف الاخبار (لکھنؤ) جلد ۱ نمبر ۱۲، بابت ۹ مئی ۱۸۵۷ء/مطابق ۱۴ رمضان ۱۲۷۳ھ۔(مخزونہ برلین)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کرنے میں کامیاب ہوگیا اور ہندوستان سے جاتے ہوئے مسلمانوں کے ان علمی اور تہذیبی ورثے کو بھی اپنے ساتھ جرمنی لے گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اشپرینگر کے ہندوستان چھوڑنے سے ایک سال بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں ''رستخیزِ بے جا'' کا آغاز ہوگیا، جس میں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی آثار بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ اگر اشپرینگر ان مخطوطات کو جمع کر کے اپنے ساتھ نہ لے جاتا، تو شاید یہ بھی انھی ہنگاموں کی نذر ہو جاتے۔ مسلمانوں کے علمی کارناموں کے ان شاہکاروں کا محفوظ رہ جانا اشپرینگر کا مرہون منت ہے۔ اب یہ سارا ذخیرہ برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے میں بحفاظت پڑا ہے۔

مولوی برکت علی نے بھی دوسرے مکتوب نویسوں کی طرح اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جتنی دیر وہ بسلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں رہے، اشپرینگر کے لیے عربی اور فارسی کے قیمتی مخطوطات جمع کرتے رہے اور نادر کتابوں کی فراہمی کا یہ سلسلہ اشپرینگر کے قیام ہندوستان کے آخری ایام تک جاری رہا۔ جب برکت علی لاہور کے مدرسہ تعلیم المعلمین میں مدرّس اول مقرر ہوئے، اس وقت بھی وہ اشپرینگر کو کتابوں کی ترسیل کی پیشکش کرتے رہے، کیونکہ یہاں بھی ایران اور کشمیر سے ایسی کتابیں برائے فروخت آتی رہتی تھیں۔

برکت علی نے اپنے ان گیارہ خطوط میں اشپرینگر کے لیے خرید کردہ متعدد قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ان نسخوں کے انھوں نے جو کوائف بیان کیے ہیں، ان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ برکت علی مخطوطات کی پرکھ اور ان کے موضوعی اور صوری پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ یقیناً مخطوطہ شناسی کے فن سے آگاہ تھے اور وہ ان کے حصول کے مختلف ذرائع کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ وہ لکھنؤ کے تمام تاجران کتب سے ذاتی مراسم رکھتے تھے اور ان کے پاس جب بھی کوئی نادر نسخہ پہنچتا، وہ فوراً انھیں اطلاع کرتے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے بڑے بڑے علماء، علم دوست امراء اور شائقین کتب کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ جب بھی ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا، تو جس قرابت دار کے حصے میں کتب خانہ آتا، وہ اسے فروخت کر کے رقم اپنی جیب میں ڈال لیتا۔ برکت علی اس طرح فروخت ہونے والے کتب خانوں پر خاص نظر رکھتے تھے۔ بالعموم اشپرینگر کو جن کتابوں کی ضرورت ہوتی، ان کی فہرست مولوی صاحب کے پاس رہتی تھی۔ اگر فہرست میں شامل کسی کتاب پر ان کی نظر پڑ جاتی، تو وہ اسے فوراً خرید کر اشپرینگر کو بھجوا دیتے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ برکت علی کسی معروف کتب خانے کی فہرست تیار کر کے پہلے اشپرینگر کو ارسال کر دیتے اور اسے جن کتابوں کی ضرورت ہوتی وہ ان پر نشان لگا دیتا اور برکت علی صرف انھی کتابوں کو خرید لیتے۔ اشپرینگر کے نجی کاغذات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے لیے جو لوگ کتابیں جمع کرتے تھے، انھیں اشپرینگر پیشگی رقوم بھجوایا کرتا تھا اور یہ لوگ ان

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رقوم میں سے اس کی ہدایت کے مطابق کتابیں خرید لیا کرتے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد خرچ کردہ رقوم کی تفصیل اسے بھیج دیتے تھے۔ ایسے حساب کتاب کی بہت سی رسیدیں اشپرینگر کے نجی کاغذات اور دستاویزات میں اب بھی محفوظ ہیں۔ ان رسیدوں میں سے کچھ مولوی برکت علی کی بھی ارسال کردہ ہیں۔

اشپرینگر کو ابھی دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوئے تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ حکومت نے اسے ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے عہدے پر فائز کر دیا۔ اس نئی تقرری کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ شاہانِ اودھ کے تین بڑے کتاب خانوں (موتی محل، توپ خانہ اور فرح بخش) میں محفوظ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور پشتو مخطوطات کی مفصل فہرست تیار کرے۔ اس منصوبہ کا نگران معروف انگریز تاریخ دان سر ہنری ایلیٹ تھا اور اشپرینگر اسی کو اپنے کام کے متعلق سہ ماہی رپورٹ بھیجتا تھا۔ اشپرینگر تقریباً تین ماہ سفر کی تیاریوں میں مصروف رہا اور ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا۔ یہاں سے وہ یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو واپس دہلی روانہ ہوا۔ اس طرح وہ تقریباً پونے دو سال لکھنؤ میں مقیم رہا اور اس دوران میں اس نے دس ہزار مخطوطات کے کوائف قلمبند کیے۔ اتنی تھوڑی مدت میں قلمی نسخوں کی اتنی بڑی تعداد کا بالاستیعاب مطالعہ اور ان کے اندرونی اور بیرونی کوائف کی تفہیم کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ خوش قسمتی سے مخطوطات کو آنکنے کے ان دشوار گذار مراحل میں اشپرینگر کو چند ایسے نوجوان، محنتی، باصلاحیت اور مخطوطہ شناس رفقائے کار میسر آ گئے، جو ہر قلمی نسخے کے بنیادی کوائف لکھ دیتے تھے اور اشپرینگر انھی کی بنیاد پر اپنی فہرست مرتب کرتا تھا۔ ان مستعد اور علم دوست رفیقوں میں ایک نام تو علی اکبر کا ہے، جس کی اعانت کا شکریہ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست مخطوطات'' کی جلد اول (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں ادا کیا ہے۔ علی اکبر کے علاوہ اشپرینگر کے معاونین میں برکت علی بھی شامل تھے۔ ان کے اشپرینگر کے نام پہلے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء کے اواخر میں لکھنؤ میں موجود تھے اور جتنی دیر اشپرینگر اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف رہا، وہ بھی لکھنؤ ہی میں رہے اور اس کام میں اشپرینگر کی ہر طرح سے مدد کرتے رہے۔ علی اکبر کی طرح اشپرینگر نے اپنی کسی تحریر میں برکت علی کا شکریہ تو ادا نہیں کیا، البتہ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں سیکڑوں ایسے چھوٹے بڑے کاغذات موجود ہیں، جن پر مختلف عربی اور فارسی مخطوطات کی ابتدائی اور آخری عبارات، ترقیمے اور دیگر کوائف مرقوم ہیں۔ ان کاغذوں پر کہیں برکت علی کا نام تو درج نہیں، لیکن ان عبارتوں کا طرزِ تحریر ان کے لکھے ہوئے ان خطوط کے طرزِ تحریر سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ اس مشابہت کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اشپرینگر کو فہرست مخطوطات کی تدوین و ترتیب میں سید برکت علی کا علمی تعاون حاصل تھا اور یہ اسی اشتراک کا نتیجہ تھا کہ وہ اتنے تھوڑے عرصے میں ہزاروں خطی نسخوں کی تفصیلات جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولوی برکت علی ایک عالم شخص تھے۔ عربی، فارسی اور انگریزی علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اہل علم کی مجالس میں شریک رہتے تھے اور لکھنؤ کے سبھی علماء بالخصوص شیعہ افاضل سے ان کے قریبی مراسم تھے۔ شعبۂ تعلیم و تدریس سے منسلک تھے اور بطور مدرس لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و تکریم تھی۔ انھوں نے اپنے مدرسانہ فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف یا ترجمہ کا کام بھی ضرور کیا ہوگا، لیکن ان کے حالات زندگی کی طرح ان کے علمی آثار بھی گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ایک خط سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کتاب کی تالیف یا ترجمہ کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن اس شرط پر کہ اس کام کا انھیں معاوضہ بھی ادا کیا جائے۔ ان دنوں پلٹنوں کے کورس میں ''اخلاق جلالی'' اور ''اخلاق ناصری'' جیسی کتابیں شامل تھیں اور ان کو پڑھانے کا مقصد یہ تھا کہ زیر تربیت برطانوی فوجی مسلمانوں کے علم اخلاق کے اصولوں سے واقفیت حاصل کریں۔ چونکہ ان فارسی کتابوں میں جابجا قرآنی آیات، احادیث، اور مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، اس لیے ان فوجیوں کو ان کتب کے مضامین سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ اس مشکل کا احساس کرتے ہوئے برکت علی اشپرینگر کو اس خط میں لکھتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب مختصر علم اخلاق میں، جو بہت واضح اور آسان ہو، زبان اردو میں تالیف کروں اور جو مبحث کہ ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' وغیرہ میں عبث اور بے فائدہ ہیں، اون کو خارج کروں اور جو اچھی اچھی باتیں ہیں، اون کو درج کروں تاکہ سمجھنا اوس کا آسان ہو اور فائدہ اوس کا عام ہو۔ پس اس میں جو رائے حضور کی ہو اشارہ فرمادیں۔''

اشپرینگر نے مکتوب نگار کی اس تجویز کو پسند کیا یا نہیں اور کیا برکت علی نے علم اخلاق کے موضوع پر ایسی کوئی اردو کتاب تالیف کی یا نہیں؟ ان امور کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

سید برکت علی عربی اور فارسی زبانوں کو عالمانہ سطح پر جانتے تھے، علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور جدید مغربی علوم کی مبادیات سے بھی واقف تھے۔ آغا مہدی لکھنوی کا کہنا ہے کہ ''احیاء الآثار'' کی کتاب میں برکت علی کے علمی اور عملی کمالات کا ذکر کیا گیا ہے'' (رک: تاریخ سلطان العلماء، کراچی ۔ ۱۹۶۰ء، ص ۱۶۴)۔ آغا صاحب نے صرف کتاب کا نام لکھ دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ کتاب کب اور کہاں سے شائع ہوئی اور اس کا مؤلف کون ہے۔ راقم نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا لیکن یہ پاکستان کے کسی بڑے اور قابل ذکر کتاب خانے میں دستیاب نہیں۔ حتیٰ کہ رجال الشیعہ کے ماہر اور معروف محقق مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مرحوم نے راقم کو بتایا کہ آج تک ان کی نظر سے بھی یہ کتاب نہیں گذری۔ آغا بزرگ طہرانی نے اس کتاب کا یوں ذکر کیا ہے:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''احیـاء الآثار فی ترجمةممتاز العلماء السید محمد تفی بن سید العلماء السید حسین بـن الـعلامة السید دلداد علی النقوی النصیر آبادی المولود بلکھنؤ سنة ۱۲۳۴ والـمتـوفـی بهـا سـنة ۱۲۸۹، و هـوا بلغۃ اردو ، لحفیده، السید مهدی بن السید محمد تـقـری بـن شـمـس العلماء السیدا ابراهیم بن ممتاز العلماء السید محمد تقی المذکور، ذکره السید العلامة ابن عم المصنف السید علی تقی بن أبی الهسن بن ابراهیم''

(الـذریـعة الـی تـصـانیف الشیـعة ، الـجـزء الاول، تهـران ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء، ص ۳۰۶ شماره ۱۵۹۴)

''احیاءالآ ثار'' کی نایابی کے باوجود سید برکت علی کے علم وفضل میں کوئی شبہ نہیں اوران کے علمی خصائص کے پیش نظر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ انھوں نے مختلف موضوعات پر کچھ کتابیں ضرور لکھی ہوں گی۔ان کے متذکرہ بالا سوانح نگاروں نے ان کی کسی تالیف کا حوالہ نہیں دیا۔راقم کو اس دور کی صرف دوایسی کتابوں کے نام مل سکے ہیں جو غالباً ہمارے مکتوب نگار سید برکت علی کی تحریر کردہ ہیں ، کیونکہ ان کے موضوعات وہی ہیں،جن سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی۔ان میں ایک کتاب کا نام ''خزانۂ برکت'' ہے۔ساٹھ صفحات کا یہ رسالہ ریاضیات سے متعلق ہے، جو دہلی سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا (بحوالہ گارسیں دتاسی ا: ۳۰۵)۔دوسری اردو کتاب کا عنوان ''مفید العوام'' ہے اور یہ ۱۲۶۴ھ/ ۴۸-۱۸۴۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی (صفحات ۱۵۲)۔کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب (لاہور) میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے،لیکن پہلا صفحہ غائب ہونے کی وجہ سے اس کے مقام اشاعت کا پتانہیں چلتا۔ممکن ہے،یہ کتاب لکھنؤ سے شائع ہوئی ہو۔اس کتاب کی ابتدایوں ہوتی ہے:

''واضح ہو کہ یہ مختصر رسالہ ہے در باب اظہار ثبوت وجوب مسح پا اور ارسال یعنی کھلے ہوئے ہاتھ نماز پڑھنے وغیرہ۔بعض بعض باتوں کے کہ بموجب قرآن وحدیث کے فریقین کے ہاں سے ثابت اور متحقق ہے،خاکسار اقل الخلیقہ بل لاشی فی الحقیقہ بندہ ہیچ میرز سید برکت علی عفی عنہ لکھتا ہے۔''

اس کے بعد سبب تالیف اوراس کے آخر میں رسالہ کا نام درج ہے:

''سونظر برافادۂ عام نہایت سہل اور آسان زبان اردو میں لکھا جاتا ہے تاکہ ہر کوئی اسے سمجھ سکےاور نام اس رسالہ کا ''مفید العوام'' رکھا۔''

ذرا آگے چل کر مؤلف اپنی اگلی کتاب کااس طرح ذکر کرتا ہے:

''انشاءاللہ تعالیٰ ایک رسالہ علیحدہ میں اکثر اون باتوں کا علیحدہ ذکر واسطے فائدہ عام کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

سہل اسی زبان اردو میں بعد اس کے لکھ دوں گا، جس سے عوام بھی جانیں کہ کیا کیا بدعتیں اور مخالف ان کے (سنیوں کے) مقتداؤں اور علماؤں نے کی ہیں۔“

مولوی برکت علی کے ان گیارہ خطوط سے بہت سی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے، جو کسی اور کتاب میں مذکور نہیں۔ ان اہم باتوں میں اس دور کی بعض علمی شخصیات کے متعلق سوانحی اشارے، درس گاہوں کی اندرونی حالت، متعدد نادر و نایاب مخطوطات کے کوائف وغیرہ شامل ہیں۔ ان خطوط کے ایسے اہم حصوں کا تفصیلی ذکر ان کی ”تشریحات“ کے تحت کیا جائے گا۔ یہاں ان مکاتیب کے صرف ایک اہم ترین پہلو کی نشان دہی کی جائے گی، جس سے بالکل نئی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ پہلو دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس کی ابتدائی زندگی کے اس دور سے متعلق ہے، جس کا ذکر ان کے تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد مولانا مملوک العلی نانوتوی برسوں دہلی کالج میں مدرس اول (جماعت عربی) کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ نانوتہ سے بہت سے ایسے لوگ، جن کا نام بعد میں انیسویں صدی عیسوی کے نامور علماء میں شمار ہونے لگا، مولانا مملوک العلی ہی کی تحریک پر دہلی آئے اور یہاں دہلی کالج میں ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایسے معروف علماء میں مولانا احسن نانوتوی، مولانا مظہر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے اپنے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کا سنہ ولادت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۲ء ہے۔ ان کے بیشتر تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ مولانا نے ابتدائی تعلیم نانوتہ ہی میں مکمل کی اور پھر اپنے والد یعنی مملوک العلی کے کہنے پر وہ ۱۸۴۴ء میں دہلی آئے اور تقریباً سات برس یعنی ۱۸۵۰ء تک انھوں نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی[(۱)]۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو اجمیر کے مدرسہ میں ان کا تقرر ہو گیا۔ بالآخر ۱۸۶۰ء میں دارالعلوم

۱۔ رک: سیرت یعقوب و مملوک۔ تالیف مولانا محمد انوار الحسن شیرکوٹی، کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۔ اس کے علاوہ جن سوانح نگاروں نے مولانا کے دہلی کالج سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے، ان میں محمد ایوب قادری (رک مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۹) اور امداد صابری (دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۹۹) شامل ہیں۔ ان کے برعکس بعض تذکرہ نگاروں نے مولانا کا حیثیت طالب علم دہلی کالج [illegible] مثلاً حافظ قاری فیوض الرحمن (مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، اور حضرت حاجی [illegible] اور ان کے خلفاء، کراچی ۱۹۸۴ء)، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری (تذکرہ علمائے دیوبند، لاہور، بلا تاریخ)، سید محبوب رضوی (تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، دیوبند ۱۹۷۱ء) اور مولانا عبدالحی (نزہۃ الخواطر، جلد ۸، طبع ثانی، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۵۲۴-۵۲۵)

مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مسلسل سات سال (۱۸۴۴ء-۱۸۵۰ء) دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی کوئی ٹھوس شہادت نہیں ملتی۔ مندرجہ بالا سطور میں ایک رجسٹر کا حوالہ دیا جا رہا ہے جس میں ان تمام طلبہ کے نام (باقی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دیو بند میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر اپنی وفات (۱۸۸۶ء) تک وہ اسی درس گاہ میں لوگوں کے سینوں کو نورِ علم سے روشن کرتے رہے۔ (۱)

مولوی برکت علی نے ان گیارہ خطوط میں سے صرف ایک خط میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا ذکر کیا ہے اور اس سے مولانا کے زمانۂ طالب علمی کے بعض ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جن کے بارے میں ان کے سوانحی مصادر بالکل خاموش ہیں۔ مکتوب نگار کے اس خط سے ہمیں جن نئی باتوں کا علم ہوتا ہے، ان کے مطابق مولانا یعقوب نانوتوی کے والد مملوک العلی نانوتوی کے انتقال بتاریخ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے فوراً بعد دہلی کالج کی انتظامی کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مملوک العلی کی جگہ شعبۂ عربی کے مدرس دوم مولانا سید محمد کو تعینات کر دیا جائے، البتہ یہ کمیٹی مولانا سید محمد کے خالی عہدہ (یعنی مدرس دوم) پر کسی کو مقرر کرنے کا فیصلہ نہ کر سکی۔ اس عہدہ کے تین امیدوار تھے۔ ان میں ایک مولوی حسن علی خاں تھے، جو دہلی کالج کے شعبہ فارسی کے مدرس دوم کی حیثیت سے مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ دوسرے امیدوار کا نام سبحان بخش شکار پوری تھا، یہ دہلی کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس سوم تھے۔ اس عہدہ کے تیسرے امیدوار مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے۔ انتظامی کمیٹی کے رکن اور دہلی کالج کے ممتحن مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی چاہتے تھے کہ عربی جماعت کے مدرس دوم کا عہدہ مولانا محمد یعقوب کو حاصل ہو، کیونکہ ایک تو وہ مملوک العلی کے فرزند تھے،

اور بنیادی کوائف درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ حیرت ہے کہ اس رجسٹر میں محمد یعقوب کا نام موجود نہیں۔ اس سے یہ بات تو طے پا جاتی ہے کہ مولانا نے دہلی کالج میں مسلسل سات سال تعلیم حاصل نہیں کی۔ ممکن ہے، مولانا نے دہلی آنے کے چند برس بعد تک اپنے والد سے گھر پر ہی پڑھا ہو یا دہلی کی بعض دینی اور علمی ہستیوں سے کسب فیض کیا ہو۔ اس کے بعد غالباً ۱۸۴۸ء میں انھوں نے دہلی کالج کی عربی جماعت میں داخلہ لیا۔ تین سال بعد یعنی ۱۸۵۱ء کے شروع میں وہ کالج کے اسکالروں میں شامل ہو گئے اور انھیں نو روپے ماہوار وظیفہ ملنے لگا۔ اسی سال وہ کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس طرح مولانا کی دہلی کالج میں مدت تعلیم سات سال نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ چار سال بنتی ہے، کیونکہ اس کالج کی جماعت عربی کے چار فریق تھے اور ہر فریق میں طالب علم کو ایک سال پڑھنا پڑتا تھا۔

۱۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مفصل سوانح حیات ان مآخذ سے دستیاب ہیں، جن کا حوالہ مذکورہ بالا نوٹ میں کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ رک: تذکرہ مشائخ دیو بند از مفتی عزیز الرحمٰن، بجنور ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۲-۱۶۲۔ دار العلوم از قاری محمد طیب، دہلی ۱۹۶۵ء۔ نیز مولانا کی بعض کتابوں مثلاً ''مکتوبات یعقوبی'' کی نئی طباعتوں کے دیباچوں میں بھی ان کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جنھوں نے خلوص نیت اور مستعدی سے تقریباً پچیس برس اس درس گاہ کی خدمت کی تھی۔ علاوہ ازیں مولانا اس وقت اسی شعبہ کے اسکالروں میں شامل تھے اور ان کا شمار مدرسہ کے ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔ آزردہ کی اس خواہش میں مولانا سید محمد بھی شریک تھے، جنھیں ان کے والد کے عہدہ پر فائز ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے۔ بالآخر اراکین کمیٹی نے یہ طے کیا کہ ان تین امیدواروں کا تحریری امتحان لیا جائے، جو امیدوار زیادہ نمبر حاصل کرلے، اسے شعبۂ عربی میں مدرس دوم مقرر کردیا جائے۔ چند ماہ بعد یہ امتحان ہوا اور بقول مولوی برکت علی ممتحنوں (یعنی آزردہ اور مولانا سید محمد) نے مولانا محمد یعقوب سے آسان اور سہل نصابی کتابوں (مثلاً منتخبات عربیہ، شرح ملا اور قطبی) سے سوالات دیئے۔ یہ بھی ان اصحاب کے مولانا کے متعلق جانبدارانہ رویے کا ثبوت تھا۔ ان تینوں امیدواروں کے حل کردہ پرچے ڈائرکٹر اشپرینگر کو بھیج دیئے گئے، تاکہ وہ ان میں موزوں امیدوار کا انتخاب کرسکے۔

انھی دنوں برکت علی لکھنؤ سے آئے اور جب انھیں اس صورت حال کا علم ہوا، تو انھوں نے دہلی کالج کے پرنسپل کارگل سے ملاقات کی اور یہ یقین دلایا کہ وہ بھی مدرس دوم (جماعت عربی) کے لیے موزوں امیدوار ہے۔ برکت علی کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح دہلی کالج میں ملازم ہوجائے۔ اس کے علاوہ انھیں کمیٹی کے اس طریق کار پر بھی اعتراض تھا، جس کے تحت وہ مدرس دوم کو منتخب کررہی تھی۔ ان کی نظر میں بہتر طریقہ یہ تھا کہ اس خالی عہدہ کا اشتہار دیا جاتا اور اس کے لیے جتنے امیدوار درخواست دیتے، ان سب کا امتحان لیا جاتا اور ان میں جو نمایاں حیثیت حاصل کرتا، اسے یہ عہدہ تفویض کردیا جاتا۔ انھوں نے اپنا یہ مؤقف اشپرینگر اور کارگل دونو سے بیان کیا، لیکن اب وہ بھی کچھ نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ کمیٹی کے اراکین نے جو متفقہ فیصلہ کیا تھا، وہ اس کو تبدیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مولوی برکت علی جب کالج کے پرنسپل کارگل سے ملے تو اس نے بھی اراکان کمیٹی کے فیصلہ کو تبدیل کرنے سے معذوری کا اظہار کردیا، البتہ اس نے یہ وعدہ ضرور کیا کہ اگر حسن علی خان کو جماعت عربی کا یہ عہدہ مل گیا، تو ظاہر ہے اس کا شعبہ فارسی میں اپنا عہدہ (مدرس سوم) خالی ہوگا اور اس عہدے پر انھیں مقرر کیا جائے گا۔ برکت علی پرنسپل کے اس وعدے سے مطمئن تو ضرور تھے، لیکن اس کے باوجود انھیں یہ تشویش تھی کہ یہ عہدہ مولانا محمد یعقوب کو نہ مل جائے۔ انھیں یہ بالکل گوارا نہیں تھا کہ شعبہ فارسی میں مولانا کا تقرر ہوجائے، کیونکہ وہ انھیں اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے انھوں نے اشپرینگر کو جو خط لکھا، وہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

"اب حضور سے عرض یہ ہے کہ اگر حسن علی خان، مولوی سید محمد یا سبحان بخش کی جگہ پر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تو حضور کی عنایت سے مجکو امید قوی ہے کہ حسن علی خان کی جگہ پر میں مقرر ہوں۔ اس واسطے کہ محمد یعقوب نے اگر چہ عربی میں کچھ پڑھا ہے لیکن فارسی بالکل نہیں جانتا ہے اور حضور از روئے منصفی کے خیال فرماویں کہ عہدہ فارسی اوس شخص کو ملنا چاہیے کہ جو لیاقت رکھتا ہو اور طلبہ کو بخوبی تعلیم کرے...... پس اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ صاحبان کمیٹی عہدۂ دوم کے واسطے میرا بھی امتحان لیتے...... اور اگر صاحبان کمیٹی کو محمد یعقوب کی پرورش منظور ہو تو اوس کی پرورش ہو سکتی ہے کہ اوس کی بیس روپیہ تنخواہ اسکالری میں مقرر فرما دیں۔ اس واسطے کہ ابھی محمد یعقوب آٹھ نو مہینے سے اسکالروں میں نوکر ہوا اور نو روپیہ اس کے واسطے مقرر ہوئے ہیں۔ وہ بھی بپاس خاطر مولوی مملوک العلی صاحب کے اور جب محمد یعقوب مدرسہ میں اچھی استعداد حاصل کر چکے تو صاحبان کمیٹی اوس کو کوئی عہدہ دے سکتے ہیں۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی کے مدرس دوم کے انتخاب کے لیے جن تین امیدواروں نے امتحان دیا اوران کے حل کردہ پرچے اشپرینگر کے پاس بھیجے گئے، ان میں مولانا محمد یعقوب کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں انھیں انتظامی کمیٹی کے بعض ارکان مثلاً آزردہ اور مولوی سید محمد کا تعاون بھی حاصل تھا۔ شاید اس ناکامی کی وجہ یہ ہو کہ وہ دوسرے دو امیدواروں کے مقابلے میں زیادہ نمبر حاصل نہ کر سکے۔ بہر حال مولانا کو دہلی کالج میں تو جگہ نہ مل سکی، لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد وہ اجمیر کالج میں ملازم ہو گئے۔ (۱)

ان خطوط سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے زمانۂ طالب علمی کے بارے میں جو نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان کا ذکر تو سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور باتوں کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً بعض شیعہ افاضل سے اشپرینگر کے تعلقات، سید محمد تقی کا قیمتی پتھر جمع کرنے کا شوق، اشپرینگر کے بعض علاقوں کے سفر وغیرہ وغیرہ۔ ایسی نئی باتوں کا ذکر ان مکاتیب کے ہمراہ تشریحات کے ذیل میں کیا جائے گا۔

مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو وقتاً فوقتاً جو خط تحریر کیے، ان کی تعداد گیارہ ہے۔ ان میں مکتوب نگار نے پہلے اور آخری خط کی تاریخ تحریر آخر میں درج کی ہے، جو بالترتیب ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء (مقام لکھنؤ) اور ۲۲

۱۔ اشپرینگر کے ایک قریبی رفیق کار مولوی علی اکبر نے اسے ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو آگرہ سے خط لکھا تھا، جس میں عربی کے مدرس دوم کے عہدہ کے امیدواروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس خط میں مکتوب نگار نے صرف مولوی سبحان بخش شکارپوری اور حسن علی خاں کے نام بتائے ہیں، لیکن مولانا محمد یعقوب علی کا نام تک نہیں لکھا۔ رک: بذیل ذکر علی اکبر، مکتوب نمبر ۸ مع تشریحات۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فروری ۱۸۵۶ء (مقام لاہور) ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ نو خط بلا تاریخ ہیں، لیکن ان کی اندرونی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۱ء میں لکھے گئے۔ مراسلہ نگار نے خطوط کے آخر میں کہیں صرف اپنا نام لکھ دیا ہے اور کہیں نام کے ساتھ مقام یا درس گاہ کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ کسی جگہ مہینے اور دن کا ذکر بھی کر دیا ہے، لیکن سنہ تحریر نہیں لکھا۔ ایک خط کے نیچے انھوں نے اپنا نام انگریزی میں لکھا ہے۔ سطور ذیل میں یہ گیارہ خطوط مع تشریحات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱

"غریب پرور فیاض زمان قدر دان سلامت

مدت ہوئی کہ ایک عرضی مشتمل حال کتاب سیبویہ (۱) وغیرہ حضور کی خدمت میں اندور کی طرف روانہ کی تھی، لیکن اب تک اوس کے جواب سے سرفراز نہ ہوا (۲)۔ اور فہرست کے واسطے مولوی میر ن (۳) صاحب وقبلہ سے حکم لے لیا ہے، لیکن چونکہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ اس واسطے توقف ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب جلد خدمت عالی میں روانہ کروں گا۔ اور حضور اطلاع فرماویں کہ کب لکھنؤ میں رونق افروز ہوں گے (۵) تب تک جو کتابیں، جو معرض بیع میں ہوں، حضور کے ملاحظہ کے واسطے طیار کر رکھوں۔ فقط

بڑا سبب اس عرضی کے لکھنے کا یہ ہوا کہ کلنٹ (۶) صاحب بہادر کی زبانی معلوم ہوا کہ کونسل کلکتہ نے کرنیل رچمنڈ (۷) صاحب بہادر رزیڈنٹ لکھنؤ کو واسطے مقرر کرنے مدرس ہوگلی کے اختیار دیا (۹)۔ پس اب جو مدرس مقرر ہوگا، رزیڈنٹ صاحب بہادر کی پسند پر موقوف ہے۔ اب حضور سے یہ امید ہے کہ جس طرح ہو سکے میرے حق میں سعی فرماویں۔ خواہ بڑے صاحب کو لکھیں، خواہ معرفت ڈاکٹر لوئین (۹) صاحب اور کرنیل ولکاک (۱۰) صاحب اور چھوٹے صاحب کے سفارش کریں کہ حضور کے کہنے کا بڑا اعتبار ہے۔

اور بنظر انصاف بھی اس عہدہ کا میں مستحق ہوں۔ اس واسطے کہ مدرس شیعہ ہو گا (۱۱) اور میں نے سرکار کمپنی کے مدرسہ میں تعلیم پائی (۱۲) اور اب بھی سرکار کے مدرسہ میں نوکر ہوں اور سوائے عربی و فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔ لکھنؤ میں ان علوم سے کوئی واقف نہیں۔

وہ جو حضور نے بنظر پرورش سارٹی فکٹ مرحمت کی تھی، میں نے اوس کو زیادہ اعتبار کے واسطے بجنسہ درخواست کے ساتھ کلکتہ کو روانہ کر دیا۔ اب میرے پاس کوئی حضور کی سارٹی فکٹ نہیں کہ درخواست کے ہمراہ رزیڈنٹ صاحب کی خدمت میں گذرانوں۔ اگر جلدی ایک سارٹی فکٹ اوسی مضمون کی بنظر پرورش مرحمت فرماویں، تو حضور کا بڑا شکر گذار ہوں۔ چونکہ حضور کو ہر طرح سے میری پرورش منظور ہے اور حضور کے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مدرسہ کا طالب علم ایسے عہدہ جلیل پر مقرر ہو، اس میں حضور کی بھی نیک نامی ہے۔ امید قوی ہے [یہاں سے کاغذ پھٹا ہوا ہے] کوشش فرمادیں گے، لیکن جلدی مناسب ہے۔ فقط

برکت علی از لکھنؤ

۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء''

تشریحات:

۱۔ سیبویہ پر ایک عربی شرح کی جلد اول اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھی۔ اس نے اپنی مرتبہ ''فہرست'' (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں صرف اتنا لکھا ہے کہ اس شرح کے تین سو صفحات ہیں اور اس کے انیس صفحات کم ہیں۔ اس نے سیبویہ کا سنۂ وفات ۱۸۰ھ لکھا ہے (ص ۶۸، شمارہ ۱۰۰۴)۔ اہلوارٹ نے بھی اس نسخے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اوراق کی تعداد ۱۲۸ بتائی ہے، اور اس کا سنۂ کتابت ۱۷ شوال ۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ء لکھا ہے (فہرست برلین، ۶: ۴-۵، شمارہ ۶۴۵۹۔ نیز براکلمان ۱: ۱۰۱، ذ ۱: ۱۶)۔ ممکن ہے، یہ نسخہ وہی ہو جس کی تفصیل برکت علی نے اشپرینگر کو بھیجی اور اس نے بعد میں خرید لیا۔

۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوب نگار کا اشپرینگر کے نام پہلا خط نہیں، بلکہ وہ اس سے قبل بھی اسے خط لکھتے رہتے تھے، لیکن برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں اس وقت ان گیارہ خطوط کے علاوہ برکت علی کی اور کوئی تحریر موجود نہیں۔ مولوی صاحب اپنے محسن اشپرینگر کے لیے قلمی نسخے جمع کرتے رہتے تھے اور ان کی اطلاع اسے دہلی کے پتا پر دے دیا کرتے تھے، لیکن جب کبھی اشپرینگر اپنے نجی یا سرکاری دورے پر دہلی سے باہر جاتا تھا، تو وہ روانگی سے قبل اپنے دورے کی پوری تفصیل برکت علی کو لکھ دیتا تھا، تا کہ اگر دوران سفر کوئی نادر کتاب دستیاب ہو جائے تو اسے فوراً اطلاع کر دی جائے۔ اشپرینگر کے دورۂ اندور کی اطلاع صرف اسی خط سے ملتی ہے۔

۳۔ جناب سید حسین صاحب المعروف بہ جناب سید میرن صاحب بن مولوی سید دلدار علی صاحب نصیر آبادی لکھنوی۔ سنہ ولادت ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ/ اکتوبر ۱۷۹۶ء۔ اصل نام حسین اور عرف میرن تھا۔ وہ سلطان العلماء سید محمد کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بڑے بھائی سے حاصل کی۔ ان کی ذہانت و ذکاوت اور علم و فضل کا ایک زمانہ معترف تھا۔ اودھ کے حکمران بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ محمد امجد علی شاہ نے تو انھی کے کہنے پر مدرسۂ سلطانیہ کی بنیاد رکھی۔ امور دینیہ میں ان کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ اختر تو ہمیشہ ان سے خلوص وعقیدت اور عزت و احترام سے پیش آتا تھا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں اور ان کے تلامذہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

میں ممتاز العلماء سید محمد تقی، حامد حسین اور قاری جعفر علی جارچوی بھی شامل تھے۔ ان کی تاریخ وفات ۱۷ صفر ۱۲۷۳ھ/ اکتوبر ۱۸۵۶ء ہے۔ ان کی رحلت کا ذکر مرزا غالب نے کالپی کے رئیس انور الدولہ سے یوں کیا ہے:

''آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنو کے۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء نقش نگیں ''میر حسین ابن علی''۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اس میں پانچ بڑھتے ہیں، یعنی ۱۲۷۸ھ ہوتے تھے، تخرجۂ روشنی کا میرے خیال میں آیا، میں تو جانتا ہوں اچھا ہے......

حسین ابن علی آبروے علم و عمل — کہ سید العلما نقش خاتمش بودی
نماند ماندے اگر بودے پنج سال دگر — غم حسین علی سال ماتمش بودی''

(اردوئے معلی، مطبوعہ لاہور، ص ۵۹۷)

اس قطعہ تاریخ کے علاوہ غالب نے فارسی میں ایک دردانگیز ترکیب بند بھی لکھا ہے۔

(رک: کلیات غالب، لاہور، جلد اول، ص ۴۶۴، ۵۰۴)

میرن صاحب کے مفصل حالات زندگی اور تالیفات کے لیے رک: تذکرۂ بے بہا، ص ۱۲۴–۱۲۸۔ مطلع انوار ۱۹۱–۱۹۹ (مع دیگر مآخذ)

۱۔ مولوی میرن صاحب کے پاس ذاتی کتب خانہ بھی تھا، جس کی شہرت ان کے علم و فضل کی طرح دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اشپرینگر بھی اس کتب خانہ کی اہمیت سے آشنا تھا۔ وہ اس کتب خانہ کی ایک فہرست تیار کرانا چاہتا تھا، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس کتب خانہ میں کون کونسے نوادرات ہیں۔ اس نے فہرست کی تیاری کا فریضہ مولوی برکت علی کو سونپا۔ انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور مولوی میرن صاحب سے مل کر یہ فہرست تیار کرنے کی اجازت حاصل کر لی، لیکن اپنی علالت کی وجہ سے برکت علی جلدی یہ کام شروع نہ کر سکے۔ انھوں نے یہ خط (بابت ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء) بھجوانے سے چند روز بعد فہرست بنانا شروع کر دی اور دسمبر میں اسے مکمل کر کے اشپرینگر کو بھیج دی۔

جیسا کہ سابقہ سطور میں مرقوم ہے کہ اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں معروف شخصی کتاب خانوں کی جتنی فہارس مرتب کرائی تھیں، وہ اب اس کے ذاتی کاغذات میں برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں بحفاظت پڑی ہوئی ہیں۔ ان فہرستوں میں وہ فہرست بھی شامل ہے، جو مولوی میرن صاحب کے کتاب خانہ کی ہے اور جس کا ذکر مکتوب نگار نے اپنے اس خط میں کیا

ہے۔ اس فہرست کے تین ورق ہیں اور بحالت موجودہ ''باب الزاء المعجم'' سے شروع ہوتی ہے۔ الفبائی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے اور اس کے ابتدائی چند اوراق کم ہیں۔ پہلے صفحہ کے اوپر اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ انگریزی عبارت لکھی ہے:

"Catalogue of Myran's Library at Lucknow, 1847 December"

اس نامکمل فہرست میں ۳۵۸ کتابوں کے نام درج ہیں۔ چند قابل ذکر کتابیں یہ ہیں: شرح فصوص الحکم، شرح فصوص الحکم (ہادی ماژندرانی)، فصوص الحکم، مختصر تنزیہہ الشریفہ (مولوی میرن صاحب۔ تذکرہ بے بہا، ص ۱۲۷-۱۲۸ اور مطلع انوار ص ۱۹۸-۱۹۹ میں میرن صاحب کی تصانیف کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں یہ کتاب شامل نہیں)، منتخب علی ورد تصوف الفتوحات والفصوص، مناظرہ ملا عبدالصمد و میر محمد علی بنگالی مرشد آبادی در جواب سبحان علی خان وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ برکت علی کے اس خط کے دس دن بعد یعنی ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو اشپرینگر لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ مقرر کر دیا گیا اور وہ تقریباً تین ماہ بعد یعنی اوائل مارچ ۱۸۴۸ء لکھنؤ پہنچا۔ اس سے قبل وہ لکھنؤ گیا یا نہیں، اس کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملتی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ برکت علی کی وساطت سے مولوی میرن جیسی علمی ہستیوں سے اس کے غائبانہ مراسم تھے اور اسی ذریعے سے لکھنؤ میں قدیم کتابوں کا کاروبار کرنے والے دکانداروں تک اس کی رسائی تھی۔

۶۔ اُن دنوں ایل کلنٹ نامی ایک برطانوی افسر موجود تھا، جس کا نام ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی رکنیت کے لیے سوسائٹی کے صدر نے پیش کیا اور اشپرینگر نے اس کی تائید کی۔ مزید رک: برکت علی کے نام پانچویں خط کی تشریحات ۲ (ص ۲۷۳)

۷۔ کرنل رچمنڈ (Colonel Richmond) واجد علی شاہ اختر کی تخت نشینی (بابت ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء) کے موقع پر بحیثیت ریذیڈنٹ دربار میں موجود تھا۔ (تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری، جلد پنجم، لکھنؤ ۱۹۱۹ء، ص ۱۲۰)۔ اسی ''تاریخ'' میں مرقوم ہے کہ ''۲۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو کرنیل رچمنڈ صاحب رزیڈنٹ علالت مزاج کی وجہ سے روانہ ولایت ہوئے اور یہاں کے کاروبار اور رنگ دربار اور مزاج بادشاہ سے بہت تنگ ہو کر اپنا جانا بہتر سمجھے۔'' (ایضاً، ۵: ۱۵۲)

۸۔ ہوگلی کالج ویسے تو کلکتہ کی تعلیمی کونسل کے ماتحت تھا، لیکن اس کے انتظامی اور تعلیمی امور مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کے سپرد تھے۔ جن دنوں اشپرینگر مدرسہ عالیہ کا پرنسپل تھا، یہ کالج اسی کی ماتحتی میں چلتا تھا۔ جب اس مدرسہ میں طلبہ نے ہنگامہ برپا کر دیا تو عہدۂ امینی پر فائز مولانا سدید الدین خاں کو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس نے تبدیل کر کے اس کالج میں مدرس مقرر کیا تھا۔ ہوگلی کالج کی بنیاد ۱۸۳۶ء میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات ایک متمول شخص محمد محسن (م۔۱۸۰۶ء) کی وقف کردہ خطیر رقم سے پورے کیے جاتے تھے۔ اس کالج کی مزید تفصیلات کے لئے رک:

Calcutta Review. vol. XLVI (1867) pp. 441-449 under "Mr. Monteath's Educational Minute"; Ibid. vol. XCVI (1893); "Hooghly Past and Present" bY Shumbhoo Chunder Dey, pp. 285-6, 354-366; Ibid. vol. 18 (March 1926). 3rd series, "Some Features of Hooghly in the Company Days" by B. Ramsbotham, pp. 426-427.

۹۔ ڈاکٹر سر جان سپینسر لوگین (Dr. Sir John Spencer Login) ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں اسسٹنٹ سرجن ملازم ہو گیا۔ سی، مٹکاف جب شمال مغربی صوبجات کا لفٹیننٹ گورنر تھا، تو لوگین اس کے عملہ میں شامل تھا (۱۸۳۶ء)۔ بعد میں وہ لکھنؤ کی برطانوی ریذیڈنسی کا سرجن اور شاہ اودھ کے تمام شفاخانوں کا نگران مقرر ہوا۔ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء) کے بعد اسے مہاراجہ دلیپ سنگھ کا سرپرست اور سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۸ء میں ریٹائر ہوا اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۱ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ رک: بک لینڈ، ص ۲۵۳۔ ڈاکٹر لوگین واحد شخص تھا، جسے شاہ اودھ نے اپنے زنان خانے میں جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ رک:

The Journals of Honoria Lawrence, India Observed 1853-1854. Edited by John Lawrence and Audrey Woodiwiss, London 1980, p. 139.

۱۰۔ میجر آر ولکاکس (Major R. Wilcox) لکھنؤ کی شاہی رصدگاہ کا سربراہ تھا اور اس نے اس رصدگاہ کے متعلق کئی رپورٹیں تیار کی تھیں رک:

"R. Wilcox's Reports on the Affairs of the King of Oudh's Observatory at Lucknow dated 18th January 1844, 20th March 1848" (in: *JASB*, vol. XVII (1848), pp. 507-17).

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۱۔ ہوگلی کالج محمد محسن کے وقف سے معرض وجود میں آیا اور محمد محسن اہل تشیع کے مخیّر اصحاب میں سے تھے۔ ممکن ہے، ان کی یا ان کے لواحقین کی یہ خواہش ہو کہ اس درسگاہ سے شیعیت کو فروغ حاصل ہو، اس لیے انھوں نے شیعہ اساتذہ ملازم رکھنے پر اصرار کیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معطی کے قرابت داروں کے پر زور مطالبہ پر اس مدرسہ میں شیعہ استاد کی اسامی نکالی گئی ہو، جس طرح دہلی کالج میں نواب اعتمادالدولہ کے داماد نواب حامد علی خاں کی کوشش پیہم سے ایک ''شیعہ ٹیچر'' کی اسامی نکالی گئی اور اس پر ۱۸۴۱ء میں قاری جعفر علی جارچوی کو تعینات کیا گیا۔ (رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعہ آزاد، محولہ بالا)۔ دہلی کالج کے علاوہ ہوگلی کالج ہی ایک ایسا مدرسہ تھا، جہاں شیعہ اور سنّی طلبہ کی تعلیم کا الگ الگ انتظام کیا گیا تھا۔

۔ یعنی دہلی کالج۔ مولوی برکت علی اس مدرسہ کے ذہین طلبہ میں سے ایک تھے۔ وہ یہاں جماعت اول (برائے شیعہ طلبہ) میں زیر تعلیم رہے اور قاری جعفر علی جارچوی ان کے استاد تھے۔ وہ یہاں ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء میں اپنی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ لکھنؤ میں ملازم ہوئے۔

۱۱۔ اس سے مراد شاید ''مدرسۂ سلطانیہ'' ہے، جسے شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مولانا سید محمد تقی کی صدارت و ارادت میں ۱۸۴۵ء سے قبل قائم کیا تھا۔ وہی اس کے صدر مدرس تھے۔ اس مدرسے میں تیس اساتذہ اور دو سو سے زیادہ طلبہ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ مکتوب نگار نے اپنے خطوط میں جس انداز سے جابجا سید محمد تقی کا ذکر کیا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدرسۂ سلطانیہ ہی میں ملازم تھے، کیونکہ ان دنوں لکھنؤ میں یہی ایک ایسا مدرسہ تھا، جسے سرکار کا مدرسہ کہا جا سکتا تھا۔

۲

''غریب پرور قدر دان من سلامت (۱)

حکمنامہ حضور کا واسطے ادا کرنے ایک روپیہ بابت کرایہ بنگلہ کے عزت افزا خاکسار ہوا۔ حسب الحکم ایک روپیہ ڈاک گھر میں دیا گیا اور رسید اوس کی حضور کی خدمت میں پہنچتی ہے۔ اور کتاب ''اغانی'' (۲) میں سات روپے اس نیاز مند کے صرف ہوئے تھے اور ایک روپیہ اب کرایہ میں دیا گیا۔ پس امیدوار ہوں کہ یہ آٹھ روپے مولوی جعفر علی صاحب کو دیے جائیں۔

بعد روانگی حضور کی ایک امیر کی کتابوں کا نیلام ہوا تھا، لیکن معلوم نہ تھا کہ حضور کو کون سی کتاب مطلوب ہے۔ اس واسطے خرید میں جرأت نہ کی۔ البتہ اگر کسی کتاب فروش کی معرفت اچھی کتاب ہاتھ لگی،

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

خدمت عالی میں اطلاع کروں گا۔

فقط

عرضی

برکت علی از لکھنؤ، ۶ فروری''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے اس خط کے آخر میں سالِ تحریر نہیں لکھا، صرف تاریخ اور مقام کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اس خط میں ایک ایسی شہادت موجود ہے جس سے سنہ تحریر کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ متعلقہ عبارت یہ ہے ''بعد روانگی حضور کی ایک امیر کی کتابوں کا نیلام ہوا۔'' مراسلہ نگار نے یہ خط لکھنؤ سے بھجوایا، اس لیے ''روانگی'' سے مراد اشپرینگر کی لکھنؤ سے روانگی ہے۔ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست مخطوطات'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں لکھنؤ میں آنے اور یہاں سے روانہ ہونے کا تاریخوں سمیت ذکر کیا ہے۔ اس دیباچے میں اس نے لکھنؤ سے اپنی روانگی کی تاریخ یکم جنوری ۱۸۵۰ء بتائی ہے۔ مکتوب نگار نے خط کے آخر میں ۶ فروری لکھا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیرِ نظر خط ۶ فروری ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر کے نجی کتاب خانے میں ابوالفرج الاصبہانی (۲۸۴ھ-۳۵۶ھ/ ۸۹۷ء-۹۶۷ء) کی ''کتاب الأغانی الکبیر'' کے تین عمدہ قلمی نسخے موجود تھے۔ ایک نسخہ دو جلدوں پر مشتمل تھا۔ اوراق کی تعداد بالترتیب ۶۳۱ اور ۷۱۹ تھی (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۵-۱۱۷۶۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۵، ص ۴۷۶-۴۷۷)۔ دوسرے نسخے کے بھی دو حصے تھے۔ اوراق ۴۷۲، ۳۶۰۔ مکتوبہ ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۴ء (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۷-۱۱۷۸۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۶ ص ۴۷۷-۴۷۸)۔ نسخہ سوم کی ایک ہی جلد تھی، اوراق ۴۱۳۔ سنہ کتابت قریب ۱۸۵۰ء (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۹۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۷، ص ۴۷۹)

موجودہ خط میں 'کتاب الأغانی' کے جس نسخے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے متعلق حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں وہ کون سا ہے۔

۳۔ اشپرینگر کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے ان قریبی رفقا کے کو پیشگی رقوم بھجوایا کرتا تھا، جو اس کے لیے مخطوطات تلاش کرتے رہتے تھے۔ وہ ان رقوم سے اشپرینگر کی اجازت سے قلمی نسخے خریدتے اور بعد میں اخراجات کی تفصیل اسے بھیج دیتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ یہ رفیق اپنی جیب سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

چھوٹی موٹی رقم ادا کر دیتے، جو بعد میں وہ اشپرینگر سے براہ راست یا کسی کی وساطت سے لے لیا کرتے تھے۔ مولوی برکت علی کا بھی یہی طریقہ تھا اور بوقت ضرورت وہ اپنی جیب سے رقم خرچ کر لیتے جو بعد میں بذریعہ مولوی جعفر علی انھیں مل جاتی۔ یہ مولوی جعفر علی جارچوی دہلی کالج میں ان کے استاد تھے اور استاد شاگرد دونو ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولوی برکت علی اپنے مکتوب الیہ کو ایسی رقوم کے علاوہ خطوط بھی قاری جعفر علی کی وساطت سے بھجوانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

۳

''غریب پرور خداوند نعمت فیاضان قدردان دام اقبالہ (۱)

عرصہ دراز ہوا کہ حضور کے مزاج مبارک کا حال معلوم نہیں، دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حضور کو صحت اور عافیت سے رکھے۔

رئیس صاحب (۲) کی زبانی معلوم ہوا کہ پندرویں تاریخ اپرل کی آپ شملہ کو تشریف فرما ہوں گے (۳)۔ خیر خدا حضور کو خوش وخورم رکھے۔ میں حضور کو بہت یاد کرتا ہوں اور آرزو کرتا ہوں کہ خدمت میں رہوں۔ خدا کو سب قدرت ہے۔ اگر کوئی سبب پیدا کر دے تو کیا بعید ہے۔ اگر کوئی مدرس دہلی کا مجھ سے اپنی نوکری بدلے تو میں بہت خوش ہوں (۴)۔

حضور کی چٹھی کے وسیلہ سے میں نے سلیمن صاحب بہادر سے ملاقات کی۔ رزیڈنٹ صاحب نے بہت مہربانی اور اخلاق سے ملاقات کی اور بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور طرح طرح کے حالات مجھ سے پوچھتے رہے۔ (۵) فقط۔

ایک شخص مرزا محسن صاحب ان دنوں میں مر گئے اور اون کا ایسا کتب خانہ اور ایسی اچھی کتابیں ہیں کہ لکھنؤ میں کسی کی نہیں۔ وہ شخص اپنی کتابیں پوشیدہ رکھتا تھا۔ کسی کو نہ دکھاتا تھا۔ اب اوس کے وارثوں میں جھگڑا ہے۔ اغلب کہ ان کتابوں کا نیلام ہوگا، لیکن میں نہیں جانتا کہ حضور کو کون کون کتاب مطلوب ہوگی۔ اور فہرست کتابوں کی ہاتھ نہیں آتی۔ اگر فہرست ہاتھ لگے گی تو حضور کی خدمت میں بھیجوں گا (۶)۔ اور سنا جاتا ہے کہ کتب تواریخ اوس کے وارثوں سے وزیر نے طلب کی ہیں۔ شاید ایلیٹ صاحب بہادر (۷) کے واسطے۔ فقط۔

اور جو کتابیں کہ آپ کے پاس ہوں اور اون کا خریدنا منظور نہ ہو، اگر اون کی فہرست میرے پاس روانہ فرمادیں تو فائدہ ہے کہ وقت نیلام کے یا کسی کتاب فروش سے کتاب مکرر نہ لی جاوے۔ فقط۔

اور ایک رسالہ جو بیان اقسام علوم میں حضور نے کلکتہ میں چھپوایا ہے (۸)، امیدوار ہوں کہ میرے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

واسطے مولوی جعفر علی صاحب (۹) مرحمت فرماویں۔ اور اگر ایک رسالہ سید تقی صاحب کے واسطے بھی روانہ فرماویں تو مناسب ہے۔ اور اگر حضور کے پاس کوئی رسالہ باقی نہ ہو تو کلکتہ سے طلب فرماویں۔ اوس کی قیمت ادا کروں گا۔ فقط۔

تین کتابیں مفصلہ ذیل چراغ علی کتاب فروش کے پاس ہیں۔ اگر کوئی کتاب ان میں سے مطلوب ہو، ارشاد فرماویں۔

'کتاب الترغیب والترہیب (۱۱) تمام (۲۰ روپے)۔ تفسیر کبیر چار سیپارہ از اول (۸۰ جزو)۔ تاریخ عالم آرائے عباسی (۱۳) یک جلد، خط ولایتی (۲۰ روپے)۔

اس خاکسار کو بمنزلہ اپنے ادنیٰ نوکروں کے تصور فرمایئے گا اور جو کام اس نیاز مند کے لائق ہو، بلا تامل حکم فرمایئے گا کہ بسر وچشم بجالاؤں گا۔ مجکو طاقت نہیں کہ حضور کا شکر ادا کر سکوں۔ اور سید تقی صاحب اور جناب میرن صاحب (۱۴) کو بھی آپ کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور اکثر یاد فرماتے ہیں۔

عرضی

برکت علی'

تشریحات:

۱۔ اس بلا تاریخ خط کے سنۂ تحریر کے تعین میں یہی اندرونی شہادت کافی ہے کہ اشپرینگر کسی سال کے وسط اپریل میں شملہ جانے والا تھا۔ اسی مجموعۂ مراسلات کے چند خطوط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشپرینگر دہلی سے ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو شملہ روانہ ہوا اور چند ماہ اس نے وہیں قیام کیا۔ اشپرینگر کے بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ ہی میں مقیم رہا، کیونکہ اس نے چند تحریروں کے آخر میں اپنے ہاتھ سے اس تاریخ کے ساتھ شملہ کا نام لکھا ہے (رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی، مکتوب ۲ کی تشریحات، ص ۱۷۵ و مکتوبات مولوی علی اکبر، مکتوب ۲، تشریحات ۱)۔ اشپرینگر ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو شملہ روانہ ہوا اور مولوی برکت علی نے یہ خط اس تاریخ سے قبل تحریر کیا۔ صحیح تاریخ کا تعین تو مشکل ہے۔ البتہ قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکتوب نگار نے یہ خط اوائل اپریل ۱۸۵۰ء کو تحریر کیا۔

۲۔ Rees لکھنؤ کے کسی انگریزی افسر کا نام۔ اس کے بارے میں دیگر کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

۳۔ مکتوب نگار کو اطلاع تو یہی ملی تھی کہ اشپرینگر ۱۵ اپریل کو شملہ روانہ ہوگا، لیکن اس میں بعض وجوہ کی بنا پر تاخیر ہوگئی اور وہ چار دن بعد یعنی ۱۹ اپریل کو دہلی سے روانہ ہوا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۴۔ مولوی برکت علی جب تک لکھنؤ میں رہے، وہ یہی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح دہلی میں ان کی ملازمت کا بندوبست ہو جائے۔ جب کبھی دہلی کالج کے عربی یا فارسی شعبوں میں کوئی جگہ خالی ہوتی، وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے اور اشپرینگر کو بھی لکھتے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے ملازمت دلوانے میں ان کی مدد کرے۔ کئی بار کوشش کرنے کے باوجود وہ دہلی نہ آ سکے۔ بالآخر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر دہلی کالج کا کوئی استاد لکھنؤ آنا چاہے تو وہ ان سے اپنی ملازمت کا تبادلہ کر لیں اور جو صاحب لکھنؤ آئے، وہ ان کی جگہ دہلی چلے جائیں۔ مولوی صاحب کی یہ تجویز بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور انھیں مجبوراً لکھنؤ ہی میں رہنا پڑا۔

۵۔ ولیم ہنری سلیمن (W. Henry Sleeman) سنۂ ولادت ۱۸ اگست ۱۷۸۸ء، ۱۸۰۹ء میں وہ بنگال آرمی میں شامل ہوا۔ ٹھگوں کے خلاف مہم اس کی سربراہی میں شروع ہوئی تھی، اور اسی نے ان کا قلع قمع کیا (۱۸۳۵ء)۔ چھے سال گوالیار کا ریذیڈنٹ رہا (۱۸۴۳ء-۱۸۴۹ء)۔ ۲۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو کرنل رچمنڈ علالت کی وجہ سے رخصت پر چلا گیا اور اس کی جگہ سلیمن اودھ کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ واجد علی شاہ اختر سے اس کی پہلی ملاقات ۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء کو ہوئی (تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری، لکھنؤ ۱۹۱۹ء، جلد پنجم، ص ۱۵۲)۔ چند سال بعد وہ بھی بیمار رہنے لگا اور سوا سال کی رخصت لے کر ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۴ء کو میرٹھ روانہ ہو گیا (ایضاً ۵: ۴۴۷)۔ اس نے ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء کو وفات پائی۔ (رک: بک لینڈ، ص ۳۹۲)۔ اس نے ٹھگوں اور سلطنت اودھ کی سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان کی اہمیت آج بھی مسلمہ ہے۔

مولوی برکت علی کی سلیمن سے جو ملاقات ہوئی، وہ بھی اشپرینگر کی سفارشی چٹھی کے توسط سے ہوئی۔ ظاہر ہے، یہ ملاقات بھی کسی بہتر ملازمت کے حصول کے لیے ہوگی، لیکن یہ کوشش بھی سودمند نہ ہو سکی۔

۶۔ مرزا محسن اس دور کی کوئی علمی شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ صاحب کتابیں جمع کرنے کا شوق رکھتے تھے اور انہیں کسی کو دکھاتے بھی نہیں تھے۔ ان کے بارے میں دیگر تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ بالعموم ایسے نجی کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کر کے اشپرینگر کو بھجوادی جاتی تھیں۔ وہ مطلوبہ کتب کی نشاندہی کر دیتا اور مکتوب نگار انہی کتابوں کو مناسب قیمت پر خرید لیا کرتے۔ ایسی بہت سی فہرستیں اب بھی اشپرینگر کے نجی کاغذات میں محفوظ ہیں، لیکن ان میں مرزا محسن کے کتاب خانے کی فہرست شامل نہیں۔ ہو سکتا ہے، ورثاء کے تنازعہ کی وجہ سے مکتوب نگار فہرست تیار نہ کر سکا اور یہ کتاب خانہ اسی جھگڑے کی نذر ہو گیا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۷۔ سر ہنری ایلیٹ (Sir Henry Elliot) سنۂ ولادت ۱۸۰۸ء، سالِ وفات ۱۸۵۳ء۔ مشہور تاریخ دان، جس کی ''تاریخ ہند'' (مشتمل بر ۸ جلد) آج بھی بنیادی تاریخی مصادر میں سمجھی جاتی ہے۔ وہ اشپرینگر کا دوست تھا اور جب اسے شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کا کام سونپا گیا، تو ایلیٹ ہی اس کا نگران تھا اور اشپرینگر ہر تین ماہ کے بعد اپنی کارکردگی کی رپورٹ اسے بھیجا کرتا تھا۔ ایلیٹ کو تاریخی کتب جمع کرنے سے خاصا لگاؤ تھا اور وہ بھی اشپرینگر کی طرح مختلف ذرائع سے ایسے مخطوطات کی تلاش میں رہتا تھا، جو خصوصاً ہندوستان کی تاریخ سے متعلق ہوتے تھے۔ جب اس کا انتقال ہوا، تو ایسے سیکڑوں نادر قلمی نسخے اس کے کتاب خانے میں محفوظ تھے۔ اشپرینگر نے ایلیٹ کی بیوی کی فرمائش پر ان مخطوطات کی ایک فہرست ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل (بابت ۱۸۵۴ء) میں شائع کرائی تھی۔ ایلیٹ ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھا اور کتابیں جمع کرنے میں وہ اپنی اس مقتدر حیثیت سے بھی فائدہ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ اسے جب مرزا محسن کے کتب خانہ کا علم ہوا تو اس نے وزیر اودھ نواب علی نقی خاں کی وساطت سے تاریخی کتب حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا یا نہیں، اس کا پتا نہیں چلتا۔

cf. Tripta Wahi: "Henry Miers Elliot--a reappraisal" (in: *JRAS*, 1999, pp. 64-90)

۸۔ اشپرنگر کی تصنیفات اور تالیفات میں کوئی ایسا رسالہ شامل نہیں، جس میں اقسامِ علوم و بیان کیا گیا ہو اور وہ اس خط کے سالِ تحریر (یعنی اپریل ۱۸۵۰ء) سے قبل کلکتہ سے شائع ہوا ہو۔ اس سے پہلے کی صرف ایک ہی کتاب کا حوالہ ملتا ہے، جس کا عربی متن اشپرنگر نے مرتب کیا تھا اور وہ کتاب ہے، عبدالرزاق الکاشی کی ''اصطلاحات الصوفیہ'' جو کلکتہ سے ٹائپ میں ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ شاید اقسامِ علوم پر مبنی رسالے سے یہی کتاب مراد ہو۔ اس سے التھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' کا نام بھی ذہن میں آسکتا ہے، جس کا ایک اہم مخطوطہ مولوی محبوب علی نانوتوی کی وساطت سے اشپرنگر کو دستیاب ہو چکا تھا اور وہ اسے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی اعانت سے شائع ہوئی، لیکن اس خط کے سالِ تحریر کے بعد یعنی ۱۸۵۴ء میں۔ اسی طرح اشپرنگر نے نجم الدین الکاتبی کا ''رسالہ شمسیہ'' بھی اس کے بعد یعنی ۱۸۵۴ء میں انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کرایا۔

۹۔ مراد قاری جعفر علی جارچوی۔ مکتوب نگار کے استاد۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۰۔ ممتاز العلماء محمد تقی (۱۲۳۴ھ-۱۲۸۹ھ/ ۱۸۱۹ء-۱۸۷۲ء)۔ سید العلماء مولانا سید حسین کے فرزند اور سلطان العلماء سید محمد کے بھتیجے۔ اپنے والد اور بڑے چچا کی آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے اور ان سے علوم متداولہ کی کتابوں کا درس لیا۔ شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مدرسۂ سلطانیہ کی بنیاد رکھی، تو وہی اس کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ غالباً مکتوب نگار مولوی برکت علی جہاں ملازم تھے، وہ یہی مدرسہ تھا۔ یوں وہ مولانا کے ماتحت مدرسین میں سے تھے۔ بادشاہ نے انھیں ممتاز العلماء کے لقب سے نوازا۔ انھوں نے تدریس وخطابت میں بڑی شہرت حاصل کی۔ انگریز حکام آپ کا بڑا احترام کرتے تھے اور دربار میں بھی ان کی عزت وتکریم تھی۔ انھیں فقہ اور تفسیر سے خاص لگاؤ تھا اور ان موضوعات پر انھوں نے کئی کتابیں بھی تالیف کیں۔ ان کے مفصل حالات زندگی، تلامذہ اور تصانیف کے لیے رک: مطلع انوار، ص ۵۰۴-۵۰۵ (مع دیگر ماخذ)۔

۱۱۔ یہ احادیث کا مجموعہ ہے، جس کے مؤلف زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی ابن عبداللہ المنذری (م۔ ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء) ہیں۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں اس مخطوطے کا مختصراً ذکر کیا ہے (ص ۳۵ شمارہ ۵۳۵-۵۳۶)۔ یہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ دوسرے حصے کے صفحات کی تعداد ۴۸۸ بتائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کے چند ابواب کا ایک نسخہ بھی اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھا (بحوالہ اہلوارٹ ۳: ۲۸۰ شمارہ ۳۵۱۶ وفہرست اشپرینگر، ص ۵۵ شمارہ ۸۶۹)، جو کہ مجموعۂ مخطوطات میں شامل ہے (ورق ۶۲۶-۶۷۳)۔ ''کتاب الترغیب والترہیب'' کے یہ دونو کامل اور نامکمل قلمی نسخے اب برلین (مغربی) کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ فہرست نگار کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق مکمل نسخے کے جزء اول کے اوراق کی تعداد ۹۴ ہے۔ کاتب نے جلی قلم استعمال کیا ہے۔ کچھ اوراق کرم خوردہ ہیں۔ متن اعراب کے بغیر ہے اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ سنۂ کتابت قریب ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء ہے (رک: اہلوارٹ ۲: ۱۴۲-۱۴۳ شمارہ ۱۳۲۹)۔ جزء ثانی کے اوراق ۱۵۳ ہیں۔ قلم قدرے جلی استعمال ہوا ہے۔ خط عمدہ اور صاف ہے۔ عنوانات شنگرفی ہیں۔ کسی اور نسخے سے موازنہ بھی کیا گیا ہے اور اختلافات نسخ حاشیوں پر درج ہیں۔ بعض مشکل الفاظ اور عبارات کی حواشی پر تشریح بھی کی گئی ہے۔ ابتدائی دو اوراق کاتب کے علاوہ کسی اور شخص کے تحریر کردہ ہیں۔ سنہ کتابت تخمیناً قریب ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء (رک: اہلوارٹ ۲: ۱۴۳-۱۴۴، شمارہ ۱۳۳۰)۔

۱۲۔ امام رازی (م۔ ۶۰۶ھ......۱۲۰۹ء) کی مشہور تفسیر قرآن۔ ''فہرست اشپرینگر'' کے مطابق اس کے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صفحات کی تعداد ۲۵۰ ہے اور یہ صرف پہلی جلد ہے (ص ۲۹ شمارہ ۴۳۴)۔

۱۳۔ یہ تاریخ صفوی حکمران شاہ عباس کے عہد حکومت (۹۹۶ھ-۱۰۳۸ھ/ ۱۵۸۸ء-۱۶۲۹ء) سے متعلق ہے۔ اس کے مؤلف سکندر المعروف بہ منشی نے اسے ۱۰۳۸ھ میں مکمل کیا۔ ''فہرست اشپرینگر'' کے مطابق اس قلمی نسخے کی دو جلدیں ہیں اور یہ بالترتیب ۶۹۰ اور ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس نسخے کی تیسری جلد بھی تھی، جو اشپرینگر کو نہ مل سکی (ص ۱۴ شمارہ ۲۰۲-۲۰۳)۔ فہرست نگار پرنش نے اوراق کی تعداد ۳۴۵ لکھی ہے۔ خط نستعلیق ہے اور کاتب نے اسے ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء میں لکھا۔ (ص ۴۳۳-۴۳۴)۔ اس تاریخ سے متعلق دیگر تفصیلات کے لیے رک: استوری ۱: ۳۰۹-۳۱۳ (مع دیگر مآخذ) و ۱۲۸۰۔

۱۴۔ مولوی میرن کا ذکر پہلے مکتوب کی تشریحات میں ہو چکا ہے۔

۴

''غریب پرور فیض رسان قدردان دام اقبالہ (۱)

مولوی غلام قادر صاحب کہ اس خاکسار سے کمال محبت اور دوستی رکھتے ہیں، نوکری سے تخفیف میں آئے اور چونکہ فضل خدا سے حضور کلکتہ میں مقرر ہوئے، تو ان کی پرورش اور نوکری کا خیال حضور کو ضرور ہے۔ حضور اہل علم کی خود قدر فرماتے اور ان کی پرورش میں سعی فرماتے ہیں۔ میں آرزو رکھتا ہوں کہ جتنا حضور کو میری پرورش کا خیال ہے اور جس قدر اس خاکسار پر نظر عنایت فرماتے، اوتنا ہی مولوی غلام قادر صاحب کی پرورش کا خیال رہے اور نظر عنایت فرمادیں کہ مولوی صاحب ممدوح میرے بہت دوست ہیں۔ جو سعی اون کے باب حضور فرمادیں گے اوس کا میں بہت شکرگذار ہوں گا (۲)۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال تابان

خاکسار برکت علی''

اس خط کی دوسری جانب:

''بنظر فیض اثر غریب پرور خداوند نعمت فیاضان ڈاکٹر اسپرینگر صاحب بہادر دام اقبالہ ...''

تشریحات:

۱۔ یہ بلا تاریخ خط اشپرینگر کو اس وقت لکھا گیا جب وہ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) میں پرنسپل مقرر ہو چکا تھا لیکن ابھی اس کی تقرری کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، جیسا کہ خط کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ ''چونکہ فضل خدا سے حضور کلکتہ میں مقرر ہوئے۔'' اس مدرسے کی تعلیمی کونسل نے مارچ ۱۸۵۰ء میں علامت ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

یہ تجویز پیش کی تھی کہ دوسرے مدارس کی طرح اس مدرسہ کا پرنسپل بھی انگریز ہونا چاہیے۔ اشپرینگر نسلاً انگریز نہیں تھا، لیکن وہ اس وقت کی برطانوی حکومت کا ملازم تھا، اس لیے تعلیمی کونسل کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے حکومت نے اسے مدرسۂ عالیہ کا پہلا پرنسپل مقرر کردیا۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے حکومت کے فیصلے سے جون یا جولائی ۱۸۵۰ء میں مطلع کیا گیا۔ وہ ان دنوں موسم گرما کی تعطیلات گذارنے شملہ میں مقیم تھا، جہاں وہ وسط اکتوبر تک رہائش پذیر رہا۔ اس کے بعد وہ براستہ دہلی کلکتہ چلا گیا اور وہاں جاتے ہی اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ خط جون اور اکتوبر ۱۸۵۰ء کی درمیانی مدت میں تحریر کیا گیا۔

۲۔ مکتوب نگار نے مولوی غلام قادر کو اپنا قریبی دوست بتایا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی موصوف کا آبائی تعلق بھی شمالی ہند کے کسی شہر سے تھا۔ ممکن ہے، وہ بھی دہلی کالج میں برکت علی کے ہم درس رہے ہوں اور یہاں اپنی تعلیم مکمل کر کے بسلسلۂ ملازمت کلکتہ چلے گئے ہوں۔ وہ مدرسۂ عالیہ میں مدرس عربی تھے، لیکن معلوم نہیں وہ کیوں اپنی نوکری سے تخفیف میں آگئے۔ جب برکت علی کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً اشپرینگر کو یہ خط لکھا اور انھیں اپنے اصل عہدے پر بحال کرانے کی سفارش کی۔ مکتوب نگار کی یہ سفارش کارگر ثابت ہوئی اور مولوی غلام قادر نے پھر سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔

مولوی غلام قادر مدرسۂ عالیہ کے شعبہ عربی کے مدرسین میں شامل تھے۔ مولانا عبدالستار نے اپنی ''تاریخ مدرسۂ عالیہ'' (ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء) کی جلد دوم میں یہاں کے صدر مدرسین کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں، لیکن ان میں مولوی صاحب کا نام شامل نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس مدرسہ میں صدر مدرس نہین تھے، بلکہ شعبہ عربی کے مدرس دوم یا سوم کے عہدہ پر فائز تھے۔

مولوی غلام قادر کے اشپرینگر سے قریبی مراسم تھے اور وہ مختلف عربی کتابوں کے متون کی تصحیح و ترتیب میں ان سے مدد لیا کرتا تھا۔ چنانچہ اشپرینگر کی مرتبہ حسب ذیل کتابوں کے معاونین میں مولوی غلام قادر بھی شریک ہیں:

الف۔ التھانوی کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' دو جلد۔ تصحیح مولوی محمد وجیہ و مولوی عبدالحق و مولوی غلام قادر۔ باہتمام الوئس اسپرنگر التیر ولی و ولیم ناسولیس الایرلندی، کلکتہ ۱۸۶۲ء

ب۔ فہرست کتب الشیعۃ للشیخ الطوسی ونضد الایضاح لعلم الہدی۔'' تصحیح اسپرنگر و مولوی عبدالحق و مولوی غلام قادر، کلکتہ ۱۸۵۳ء۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ج۔ المجلد الاول من کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ۔ تالیف ابن حجر العسقلانی۔ بہ تصحیح مولوی محمد وجیہ، مولوی عبدالحق، مولوی غلام قادر وابی غترا سپرنگر التیر ولی، کلکتہ ۱۸۵۶ء

د۔ نخبۃ الفکر۔ تالیف ابن حجر العسقلانی۔ کلکتہ ۱۸۶۲ء۔

۵

''قریب (۱) دو مہینے سے کلنٹ صاحب (۲) کلکتہ میں ہیں۔ بعضے شخص کہتے ہیں کہ اگر آپ کلکتہ میں مقرر ہوئے تو شاید کہ کلنٹ صاحب دلی کے مدرسہ کے پرنسپل ہوویں اور ہمیلٹن صاحب ہیڈ ماسٹر اکبرآباد کے لکھنؤ میں پرنسپل ہوں۔ اگر کچھ حال حضور کو معلوم ہوا اور لکھنا مناسب ہو تو اطلاع فرماویں۔

ان دنوں میں مولوی غلام قادر (۳) مدرس اول عربی لکھنؤ کی نوکری موقوف ہوئی اور مولوی عبدالصمد (۴) مدرس اول فارسی کی تنخواہ بیس روپے کم ہوئی۔ سو (۱۰۰) میں سے اسی رہے اور باقی مدرس بدستور رہے۔ یہ امر بسبب کمی طلبہ کے واسطے تخفیف خرچ کے واقع ہوا۔ اگر کبھی حضور ریزیڈنٹ صاحب کو چٹھی لکھیں اور مناسب ہو تو اتنا کلمہ لکھیں کہ برکت علی پر نظر عنایت اور پرورش کی رکھنا۔ اس واسطے کہ مولوی غلام قادر کے طلبہ بھی مجھ کو ملیں گے۔ شاید میری تنخواہ میں اون کی پرورش سے کچھ زیادتی ہو جاوے۔ سب جگہ یہ دستور ہے کہ عربی مدرس کی تنخواہ فارسی مدرس سے زیادہ ہوتی ہے اور اب یہاں فارسی کی اسی اور عربی کی پچاس۔ فقط

تشریحات:

۱۔ گذشتہ خط کی طرح یہ خط بھی بلا تاریخ ہے، لیکن اس کے مندرجات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سنہ تحریر ۱۸۵۰ء ہی ہے اور یہ خط نمبر ۴ کے فوراً بعد لکھا گیا۔

۲۔ C. Clint، پرنسپل مدرسۂ عالیہ، کلکتہ۔ انشاء اللہ خاں انشا کی ''کہانی رانی کیتکی اور اودے بھان کی'' کا انگریزی ترجمہ کیا تھا اور اشپرینگر نے اس پر تعارفی نوٹ لکھا تھا۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) ۱۸۵۲ء۔ نیز اس ترجمہ کا دوسرا حصہ از Slater، ایضاً ۱۸۵۶ء۔

۳۔ مولوی غلام قادر کے لیے رک: سابقہ خط کی تشریحات، شمارہ ۲

۴۔ مکتوب نویس مولوی برکت علی کی طرح مولوی عبدالصمد بھی مدرسہ لکھنؤ ہی میں مدرس تھے، لیکن شعبہ فارسی کے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۶

''غریب پرور قدر دان من سلامت (۱)

موافق حکم حضور کے مسمی شیخ اکبر علی واسطے تلاش کتب و اہتمام کتابت وغیرہ کے معرفت جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب کے بمشاہرہ چار روپیہ کے نوکر رکھا۔ یہ شخص تلاش کتب اغلب ہے کہ بہت کرے گا، لیکن حضور کی خدمت میں تیسرے چوتھے دن حاضر ہوا کرے گا (۲)۔

فہرست کتب کی، جس کا ذکر حضور سے آیا تھا، روانہ کی (۳) اور یہ کتابیں بڑے مجتہد صاحب کے مکان کے پاس ایک مسجد سنت جماعت کی ہے، اوس میں ہیں اور مفتی صاحب (۵)...... جانتا ہے اور جس کتاب کا ذکر میں نے کیا تھا اوس کا نام ''توضیح فی شرح الجامع الصحیح'' (۶) ہے۔ مالک کتاب کے پاس میں گیا تھا۔ اوس نے کہا کہ میں نے اس کتاب کو اور ''تفسیر مدارک'' (۷) کو واسطے بیع کر دیا ہے۔ اگر بیع نہ ہوئی ہوگی تو دلال سے واپس لوں گا۔ اور مالک کو راضی کیا ہے کہ ''تفسیر مدارک'' کے دس روپے لے گا اور ''توضیح'' کے آٹھ روپے۔ اور اگر میں چلا جاؤں گا تو معرفت سید حامد حسین صاحب بیٹے مفتی صاحب کے ملیں گی اور رسالہ تصوف کا بقیمت ایک روپیہ چار آنہ کو خرید کر خدمت میں روانہ کیا ہے۔ واسطے کتابت ''اَغانی'' (۸) کے سید تقی صاحب کو میں نے آٹھ روپیہ دیئے ہیں۔ اس واسطے کہ سوا روپیہ قیمت کتاب تصوف میں خرچ ہوا اور بارہ آنہ معرفت بیٹے مفتی صاحب کے حضور کی خدمت میں پہنچیں گے۔ فقط۔ اور واسطے تلاش کتب اور کتابت ''اَغانی'' وغیرہ کے میں نے سید تقی صاحب سے بہت تاکید ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ بہت کوشش فرمادیں گے۔

''Barkat aly

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں برکت علی نے صرف اپنا نام لکھا ہے اور وہ بھی انگریزی میں۔ سابقہ خطوط کی طرح اس خط کا سنہ تحریر بھی درج نہیں۔ اندرونی شہادتوں سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط لکھنؤ سے بھیجا گیا اور جب یہ لکھا گیا، اس وقت مکتوب نگار کہیں جانے والے تھے۔ وہ اشپرینگر کو اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے اس کے لیے دو عربی کتابوں کی قیمت طے کر دی ہے اور اگر وہ چلے گئے تو یہ کتابیں سید حامد حسین کے ذریعے اسے مل جائیں گی۔ برکت علی کے چند خطوط میں ان کا لکھنؤ سے اپنے وطن (پونڈری ضلع تھانیسر) جانے کا ذکر ملتا ہے۔ وہ اپنے ایک مکتوب (بابت ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء) میں لکھتے ہیں کہ ان کی لکھنؤ سے روانگی ۱۶ ستمبر کو ہوگی اور وہ اکتوبر کے اوائل میں دہلی پہنچ جائیں گے۔ اس سے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے موجودہ خط لکھنؤ سے اپنی روانگی یعنی ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پہلے لکھا۔ ممکن ہے کہ یہ خط ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء کے خط سے چند روز قبل تحریر کیا گیا ہو۔

۲۔ اشپرینگر کے مخطوطات جمع کرنے کے کئی ذرائع تھے۔ سب سے بڑا ذریعہ تو یہی مراسلہ نویس تھے، جو تاجران کتب اور مختلف نجی کتاب خانوں سے اس کے لیے نادر قلمی کتابیں جمع کرتے رہتے تھے اور اس کے عوض اپنی دنیاوی غرض مندیوں کو پورا کرانے میں کوشاں رہتے تھے۔ زیر نظر خط سے پہلی بار اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے مقامی علماء کی معرفت ایسے تنخواہ دار ملازم بھی رکھے ہوئے تھے، جو اس کے لیے جگہ جگہ سے مخطوطات تلاش کرتے رہتے تھے۔ انھی ملازمین میں ایک شیخ علی اکبر بھی تھا۔ اسے سید محمد تقی نے ملازمت دلوائی اور وہ تلاش کتب کے ساتھ ساتھ بعض نایاب خطی نسخوں کی نقول تیار کرانے کا بھی اہتمام کرتا تھا۔

۳۔ اشپرینگر نے اپنے متوسلین سے جن کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کرائیں، ان میں سے بیشتر اب اس کے مجموعۂ کاغذات و دستاویزات (مغربی برلین) میں محفوظ ہیں۔ اس نے ہر فہرست کے اوپر اپنے قلم سے انگریزی میں مالک کتاب خانہ کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں کہیں فہرست کا سنہ کتابت بھی رقم کر دیا ہے۔ ان فہارس میں وہ فہرست کتب موجود نہیں، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ممکن ہے، یہ کہیں ضائع ہوگئی ہو۔

۴۔ ان سے مراد سلطان العلماء سید محمد (۱۷۹۴-۱۸۶۷ء) ہے۔ مشہور فقیہ اور مجتہد تھے۔ اودھ کے بادشاہ انھیں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور امور دینیہ میں ان کی رائے کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ (تفصیل کے لیے رک: مطلع انوار، ص ۴۵۵-۴۵۹)۔

اشپرینگر کے ذاتی کاغذات میں ایک فہرست کتب موجود ہے، جس میں مخطوطات اور مطبوعات کے کوائف درج ہیں۔ اس فہرست کا ابتدائی عنوان یہ ہے:

''فہرست کتب سرکاری کہ بتاریخ نوزدہم شہر شوال ۱۲۵۶ ہجری کہ جایزۂ آن گرفتہ شد بترتیب حروف تہجی نوشتہ میشود''۔ باہر کے صفحہ پر بخط اشپرینگر یہ انگریزی عبارت درج ہے

Catalogue of the Mojtahid at Lucknow, 1848."

ظاہر ہے، یہ فہرست اس وقت مرتب ہوئی، جب اشپرینگر لکھنؤ میں مقیم تھا۔ اس فہرست کے ۱۱ اوراق ہیں اور اس کے اختتام پر یہ عبارت مرقوم ہے: ''تمام شد بتاریخ چہارشنبہ ۲۸ شہر ... ہفت کتبہ آقا رضا کشمیری۔''

فہرست کی ترتیب الفبائی ہے اور اس میں ۲۱۴ کتب کے نام دیے گئے ہیں۔ بیشتر کتابیں ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تاریخ کے موضوع پر ہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

احیاء العلوم، الاتقان، دیوان مرزا سودا (دو نسخے)، رجال نجاشی، رسالہ ردسمیع مولوی، فصوص الحکم، نزہتہ اثناعشریہ تصنیف مرزا محمد مرحوم دررد عبدالعزیز وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ یہاں مفتی صاحب سے مراد مولانا مفتی سید محمد قلی خاں ہے، جو اشپرینگر کے قریبی دوست سید حامد حسن کے والد تھے۔ مفتی صاحب ۱۱۸۸ھ-۱۲۶۰ھ/۱۷۷۴ء-۱۸۴۴ء کے حالات زندگی اور تصانیف کے لیے رک: مطلع انوار، ص ۵۸۸-۵۹۱۔ اس خط میں ''مفتی صاحب'' کے الفاظ کے بعد کاغذ پھٹ گیا ہے، اس لیے عبارت پڑھی نہیں جاتی۔

۶۔ اس میں صرف ''کتاب الوضو'' کی شرح بیان کی گئی ہے۔ شارح کا نام عمر بن علی بن الملقن (م۔ ۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء) ہے۔ سنۂ کتابت قریب ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۱۰۹ شمارہ ۱۹۶۲۔ اہلوارٹ ۲: ص ۶۳۔ سیتزگن ۱: ۱۲۰۔

۷۔ تفسیر قرآن بعنوان ''المدارک''۔ مفسر کا نام امام عمر النسفی (م۔ ۵۳۷ھ/۱۱۴۱ء) ہے۔ اشپرینگر کے پاس اس تفسیر کے دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ (صفحات ۳۰۰) میں صرف دوسری سورۃ کی تفسیر تھی۔ دوسرے نسخے (صفحات ۴۰۰) میں مختلف سورتوں کی تفسیر تھی اور اس کا سنۂ کتابت ۹۴۸ھ تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲۹، شمارہ ۴۲۴-۴۲۵)۔ حاشیوں میں توضیحی عبارات لکھی گئی ہیں۔ رک: اہلوارٹ ۱: ۳۶۹-۳۷۰ شمارہ ۹۲۴۔

۸۔ ''کتاب الأغانی'' کے جو قلمی نسخے اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں، ان کے مختصر کوائف مکتوب برکت علی (شمارہ ۲) کے ذیل (تشریحات، شمارہ ۲) میں لکھے جا چکے ہیں۔

انھی دنوں ''کتاب الأغانی'' کا ایک جزو دہلی میں زیر کتابت تھا اور یہ مولوی مملوک العلی نانوتوی اور منشی اشرف علی کی نگرانی میں لکھا جا رہا تھا۔ دراصل یہ اس کتاب کا جزو ثالث تھا اور اس کی کتابت عبدالرزاق بن محمد سالم دہلوی کر رہا تھا۔ یہ جزو شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مکمل ہوا۔ رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵ (مع تشریحات ۵)۔ مکتوبات منشی اشرف علی، شمارہ ۳ (مع تشریحات ۲)

اس خط سے پتا چلتا ہے کہ ''کتاب الأغانی'' کے ایک نسخے کی کتابت لکھنؤ میں بھی ہو رہی تھی۔ یہ کام مکتوب نگار نے شروع کرایا تھا، لیکن اس کے جانے کے بعد کتابت کی نگرانی سید محمد تقی کرتے رہے۔ جس اصل نسخے کی یہ نقل تیار ہو رہی تھی، اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کس کی ملکیت تھا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۷

''غریب پرور خداوند نعمت قدر دان سلامت (۱)

دو قطعہ مرحمت نامہ حضور کے جو بنظر پرورش اور عنایت لکھے ہوئے تھے اور تاکید واسطے خرید کتب کی فرمائی تھی، خاکسار کے پاس پہنچے اور عزت اور مرتبہ اس ذرۂ بے مقدار کا زیادہ کیا۔ میں دل و جان سے حضور کے حکم کی بجا آوری میں مصروف ہوں۔ اور جب مجھ کو کوئی کتاب نہیں ملتی تو شرمندہ رہتا ہوں اور جب کوئی کتاب حضور کے لائق ملتی ہے تو بہت خوش ہوتا ہوں۔

بعد اون دو کتابوں (۲) کے جو پہلے حضور کو اطلاع کی تھی، چار کتابیں تصوف کی حضور کے واسطے میں نے اور خریدی ہیں۔ ایک ''نصیحت العارفین'' (۳) تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی کی، دوئم ''سیر العارفین'' (۴) تصنیف حامد بن فضل اللہ، سوئم ''تکملہ'' (۵) تصنیف عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی الشافعی بعبارت عربی، چہارم ''رباعیات قدوۃ المحققین مولانا سبحانی'' (۶)۔ اور یہ چاروں کتابیں سستی ہات لگی یعنی چاروں کتابیں پانچ روپیہ دو آنہ کو۔ اور اور بھی کچھ کتابیں تصوف میں تھیں لیکن وہ سلوک میں تھیں۔ میرے نزدیک حضور کو پسند نہ آتیں۔ اس واسطے اون کو مول نہ لیا۔ اور اب تک اور کوئی اچھی کتاب ہات نہیں لگی۔ اور وہ جو حضور نے واسطے خرید نے ''سنن ابی داؤد'' (۷) کے لکھا تھا، حقیقت اوس کی یہ ہے کہ اس کتاب کو مدت دراز چھپے ہوئے ہوئی اور سب نسخہ معرض بیع میں آئے۔ میں نے ہر چند تلاش کیا، کوئی نسخہ اب تک ہات نہیں لگا۔ لیکن ایک نسخہ کہ اوس میں ۷ اورق ناقص ہیں اور شاید معرفت چراغ علی کے اوس نسخہ کو حضور نے بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ اوس کی قیمت میں سات روپیہ دیتا تھا۔ شاید وہ آٹھ روپے کو ہات آوے گا۔ لیکن چونکہ وہ ناقص ہے، اوس کے خریدنے پر جرأت نہ کی۔ اگر اوس کے واسطے حضور لکھیں گے تو خریدا جاوے گا اور اگر کوئی اس عرصہ میں اور نسخہ کامل ہات لگا تو اوس کا خریدنا کچھ ضرور نہیں، لیکن کامل نسخہ بارہ تیرہ روپے کو ملے گا۔ فقط۔

اور حضور پر روشن ہو کہ سولویں تاریخ ستمبر ۱۸۵۰ء کو یہ خاکسار بطور رخصت لکھنؤ سے دہلی کو روانہ ہوگا۔ پس اگر اس تاریخ تک حضور کا مرحمت نامہ میرے پاس پہنچ سکے تو جلد حضور مجھ کو لکھیں کہ یہ چھ جلد کتاب جو میرے پاس ہیں، کانپور میں کس کے پاس پہنچا دوں اور اگر اس تاریخ تک حضور کا سرفراز نامہ میرے پاس نہ پہنچے گا تو یہ چھ کتابیں میر حامد حسین صاحب (۸) کو سپرد کر دوں گا۔ جس جگہ حضور لکھیں گے، اوس جگہ پہنچا دیں گے۔ اور اگر لکھنؤ میں حضور کا مرحمت نامہ بسبب قلت ایام کے پہنچ نہ سکے تو ضرور ہے کہ ایک عزت نامہ میرے نام پر حضور دہلی میں بھیجیں اور انشاء اللہ تعالیٰ پہلی یا دوسری یا تیسری اکتوبر کو میں دہلی میں ہوں گا اور تین چار روز دہلی میں مقام کر کے اپنے وطن کو جاؤں گا۔ میرا دل حضور کی ملاقات کو بہت چاہتا ہے۔ اگر دہلی یا کرنال یا انبالہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

میں حضور کوئی مقام کریں اور مجھ کو تاریخ معلوم ہو، تو ایک روز کے واسطے شاید میں اپنے وطن سے حاضر ہوں اور میرا وطن کرنال سے بیس کوس ہے اور انبالہ سے تیس کوس اور پانی پت سے بھی تیس اور دلی سے ستر کوس، لیکن حضور ضرور لکھیں کہ شملہ سے کس تاریخ کو تشریف فرما کلکتہ کو ہوں گے۔ فقط۔

اور شاید دلی میں پہنچ کے ایک عرضی حضور کو میں اور بھی لکھوں گا۔ اور صحت اور خوشی مزاج سے بھی اطلاع بخشیں۔ اور قیمت تمام کتب کی مع کتاب ''برہان الفتوح'' (۹) کے، جو الیٹ صاحب بہادر کے واسطے خریدی گئی تھی، اٹھائیس روپے چار آنہ ہوئی۔ جب حضور کا مزاج چاہے گا، دلی میں یا لودھانہ میں بھیج دیجئے گا۔ کچھ جلدی نہیں ہے۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

عرضی

سید برکت علی

۳۰ اگست یوم جمعہ''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے آخر میں اپنے نام کے ساتھ خط لکھنے کی تاریخ (یعنی ۳۰ اگست) اور دن کا ذکر تو کیا ہے، لیکن سنہ تحریر نہیں لکھا۔ البتہ سید برکت علی اس خط کے ذریعے اشپرینگر کو یہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ لکھنؤ سے اپنے وطن ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو روانہ ہوں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خط اپنی روانگی سے تقریباً دو ہفتے قبل یعنی ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء کو لکھا تھا۔ مزید برآں جن دنوں یہ خط لکھا گیا، اس وقت اشپرینگر شملہ میں مقیم تھا۔ وہ تقریباً وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ میں موجود رہا اور پھر یہاں سے کلکتہ روانہ ہو گیا۔ اس سے بھی زیر نظر خط کے متذکرہ بالا سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء کی تصدیق ہوتی ہے۔

۲۔ سابقہ خط میں مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو تین کتابوں کی اطلاع دی، جو لکھنؤ کے ایک کتب فروش چراغ علی کے پاس برائے فروخت موجود تھیں، لیکن اس خط میں ''دو کتابوں'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے ان دونو مکتوبات کی درمیانی مدت میں بھی کوئی خط لکھا گیا ہو، جس میں اشپرینگر کو دو کتابوں کی اطلاع دی گئی، لیکن یہ خط سید برکت علی کے موجودہ گیارہ خطوط میں شامل نہیں۔

۳۔ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست'' (۱۸۵۷ء) میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا موضوع وحدت الوجود ہے اور اس کے صفحات کی تعداد تین سو ہے (صفحہ ۵۳ شمارہ ۸۲۴)۔ برٹش نے اس نسخے کی یہ تفصیلات دی ہیں، اوراق ۱۱۹، خط شکستہ آمیز نستعلیق، کرم خوردہ اور کاتب محمد درویش (صفحہ ۲۹۸ شمارہ ۲۶۳)۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۹۔ جمالی دہلوی (م۔۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) کا سلسلہ چشتیہ کے اولیاء کا تذکرہ۔ اشپرینگر کے پاس اس تذکرے کے دو قلمی نسخے تھے، جو بالترتیب ۴۰۰ اور ۴۵۰ صفحات پر مشتمل تھے (ص ۲۵ شمارہ ۳۶۲-۳۶۳)۔ پرٹش نے بھی ان دونوں نسخوں کا ذکر کیا ہے (ص ۵۵۶-۵۵۸ شمارہ ۵۹۰-۵۹۱)۔ ان میں ایک نسخے کی تفصیل یہ ہے: اوراق ۱۵۹، عمدہ خط شکستہ، مقام کتابت لاہور، ۷ شعبان ۱۰۸۵ھ/۶ نومبر ۱۶۷۴ء (اشپرینگر نے سال کتابت ۱۰۷۵ھ لکھا ہے)۔ نیز رک: اسٹوری ا: ۹۶۸-۹۷۲ (مع دیگر مآخذ)

۱۰۔ عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی الیمنی عفیف الدین (م۔۷۶۸ھ/۱۳۶۶ء)۔ ''فہرست اشپرینگر'' (۱۸۵۷ء) میں اس نسخے کا عنوان ''اطراف الایات'' مرقوم ہے اور یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ اس مخطوطے کے صفحات کی تعداد پانچ سو ہے اور اس میں صوفیائے کرام کی دو سو حکایات لکھی گئی ہیں (ص ۲۴ شمارہ ۳۵۷)۔ اہلوارٹ کے مطابق اس نسخہ کے ۲۱۶ اوراق ہیں۔ اس کا کچھ حصہ کرم خوردہ ہے اور بعض صفحات آب زدہ ہیں۔ سال کتابت تقریباً ۱۷۵۰ء (۷: ۶۹۱-۶۹۲)۔ اس مخطوطے کی ابتدائی عبارت درج ذیل ہے:

قال العبد الفقير الى عفوا اللّٰه و لطفه و رحمته و عطفه عبداللّٰه بن اسعد اليافعی اليمنی الشافعی نزيل الحرمين الشريفين ... اما بعد حمد اللّٰه الذی خضع لسلطان عظمته كل شی و ذلت اعناق الجبابره من سائر الملوک و السلاطين فهذا كتاب اطراف عجائب الايات المشتملات علی غرايب الكرامات التی هی من تتمته المعجزات والبراهين اردفتها علی سبيل التكملة لكتابی الموسوم بروض الرياحين فی حكايته الصالحين و سيمته كتاب اطراف عجايب الايات والبراهين واردات غرايب حكايات روض الرياحين و لقبته بخلاصته المفاخر فی اختصار مناقب الشيخ عبدالقادر و جماعته من عظمة من الشيوخ الاكابر۔

۱۱۔ ''فہرست اشپرینگر'' (۱۸۵۷ء) میں مرقوم ہے کہ سحابی ۹۹۰ھ میں موجود تھا۔ لیکن بعض ادبی مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ شاہ عباس کے دور حکومت (۱۰۵۲ھ-۱۰۷۷ھ/۱۶۴۲ء-۱۶۶۶ء) میں بقید حیات تھا۔ اشپرینگر نے اس قلمی نسخے کے صفحات کی تعداد پانچ سو لکھی ہے (متذکرہ فہرست، ص ۹۳ شمارہ ۱۵۱۱)۔ پرٹش نے اس نسخے کے یہ کوائف دیئے ہیں: اوراق ۱۲۷، رباعیات کی تعداد ۱۵۰۰، عمدہ خط نستعلیق، فی صفحہ ۶ تا ۸ رباعیات۔ (ص ۹۲۵-۹۲۶ شمارہ ۹۵۰) نیز اودھ لیناا کٹ (مرتبہ اشپرینگر)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ص۴۲،۵۵۲۔

۷۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ/۸۱۷ء-۸۸۸ء)۔ ''کتاب السنن'' احادیث کا معروف مجموعہ ہے۔ مکتوب نویس نے اس کتاب کے جس قدیم ایڈیشن کا ذکر کیا ہے، وہ لکھنؤ سے ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا تھا (بحوالہ سیزگن ا: ۱۵۰)۔ اشپرینگر کو اس مطبوعہ ایڈیشن کی تلاش تھی اور اس کا خیال تھا کہ یہ لکھنؤ کے کسی کتب فروش کے ہاں سے دستیاب ہو جائے گا۔ اس نے مولوی برکت علی کو لکھا، لیکن اس وقت اس ایڈیشن کو چھپے ہوئے دس سال گذر چکے تھے، اس لئے وہ بھی اس کی نایابی کے سبب کوئی نسخہ حاصل نہ کر سکے۔

اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں ''سنن ابی داؤد'' کا ایک عمدہ قلمی نسخہ موجود تھا۔ اس کے تین حصے تھے اور ان میں سے دو حصے ۵۷۴ھ (صفحات ۳۶۰) اور ۴۷۷ھ میں کتابت ہوئے تھے، جب کہ تیسرے حصے کے صفحات کی تعداد ۱۴۲ لکھی گئی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۴ شمارہ ۵۱۰-۵۱۲)۔ اہلوارٹ کے درج کردہ کوائف کے مطابق جزء اول کے اوراق ۱۸۱ ہیں۔ خط غیر واضح ہے۔ حاشیوں پر توضیحی عبارات اور تصحیحات درج ہیں۔ ورق ۶۹ ب پر ۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء تاریخ مرقوم ہے۔ ''الجزء العشرون والحادی والعشرون من کتاب السنن وھوالثانی والثالث من کتاب المناسک'' کے اوراق ۲۰ ہیں اور سنۂ کتابت ۴۷۷ھ/۱۰۸۴ء۔ تیسرے جزء کے اوراق ۷۱ ہیں اور سنۂ کتابت تقریباً ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۸ء (۲: ۹۰-۹۲)۔ مزید تفصیل کے لیے رک: براکلمان ۱: ۱۶۱، ذ ۱: ۲۶۶-۲۶۷، سیزگن ۱: ۱۴۹-۱۵۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید) ۱: ۱۱۴۔

۔ مولوی سید حامد حسین بن مفتی محمد قلی خاں کنتوری لکھنوی (۱۲۴۶ھ-۱۳۰۶ھ/۱۸۳۰ء-۱۸۸۸ء)۔ ان کا شمار برصغیر کے معروف شیعہ علماء میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے جواب میں ''طبقات الانوار'' لکھی، جو اہل تشیع کے دینی ادب میں بلند مقام رکھتی ہے۔

سید حامد حسین مکتوب نگار مولوی برکت علی سے عمر میں چھوٹے تھے اور جس انداز سے مولوی صاحب نے اپنے خطوں میں ان کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ سید صاحب یا تو ان کے شاگردوں میں شامل تھے یا ان کے آپس میں قریبی دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ ''تذکرہ بے بہا'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سید صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ جب ان کی عمر پندرہ سال تھی، تو ان کے والد انتقال کر گئے اور وہ مولوی برکت علی سے ادب پڑھنے لگے۔ اسی تذکرہ میں مولوی برکت علی کے نام کے ساتھ ''سنی المذہب'' کے الفاظ درج ہیں (ص

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۳۴)، جب کہ ان خطوط میں مکتوب نگار نے اپنے شیعی مسلک کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ ممکن ہے، یہی مکتوب نگار سید حامد حسین کے استاد ہوں، جنھیں ''تذکرۂ بے بہا'' کے مؤلف نے کسی غیر مصدقہ روایت یا لاعلمی کی بنیاد پر ''سنی المذہب'' لکھ دیا ہو۔ اس خط کے سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء میں مولوی برکت علی لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ کے شعبۂ عربی میں استاد تھے۔ شاید سید صاحب اسی مدرسہ میں ان سے ادب پڑھتے رہے یا نجی سطح پر ان کے علم و فضل سے مستفید ہوتے رہے۔

سید حامد حسین اور ڈاکٹر اشپرینگر کے مابین گہرے علمی روابط قائم تھے (مطلع انوار، ص ۱۵۹)۔ ممکن ہے، یہ تعلقات مولوی برکت علی کی وساطت سے استوار ہوئے ہوں۔ مولوی چراغ علی نے اپنی ایک انگریزی کتاب اشپرینگر کو جرمنی بھجوائی، جس کے جواب میں اس نے مولوی صاحب کو ایک طویل خط (بابت ۸ مئی ۱۸۸۴ء) لکھا۔ اس انگریزی کتاب کے مترجم مولوی عبدالحق نے اس کتاب کے ترجمے بعنوان ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' کے حصہ دوئم (مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۱ء) میں اشپرینگر کے اس انگریزی خط کو بھی اردو میں منتقل کر دیا (ص ۶۵-۸۸) خط کے آخر میں مترجم نے ایک تحتی نوٹ دیا ہے، جس میں وہ سید حامد حسین اور اشپرینگر کے علمی مراسم پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

''بزمانہ قیام لکھنؤ جناب مولانا علامہ السید حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے نہایت محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور بزمانہ قیام کلکتہ ہمیشہ علامہ ممدوح سے خط کتابت رہتی تھی اور طرفین سے کتب نایاب کے نقول آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب موصوف اشعار عربی زمانہ جاہلیت کے جناب مولانا ممدوح کے پاس بغرض حل و شرح بھیجا کرتے تھے۔''

مغربی برلین کے کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات کا جو ذخیرہ محفوظ ہے، اس میں ان اہم خطوط کے علاوہ معمولی سے معمولی رسیدیں تک پڑی ہوئی ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ان کاغذات میں سید حامد حسین کی اشپرینگر کے نام کوئی تحریر موجود نہیں۔

سید حامد حسین کے تفصیلی حالات زندگی اور ان کی علمی خدمات کے لیے رک: تذکرۂ بے بہا، ص ۱۳۳-۱۳۷۔ نزہۃ الخواطر ۸ (طبع عکسی، کراچی ۱۹۷۶ء) ۹۹-۱۰۰۔ میر حامد حسین تالیف محمد رضا، تہران ۱۴۰۱ھ (یہ ۱۵۹ صفحات کی کتاب ہے، لیکن حامد حسین کے حالات ص ۱۱۹ سے شروع ہوتے ہیں۔ مؤلف نے ص ۱۲۶ پر سید حامد حسین کے سوانح اور علمی آثار سے متعلق کئی مصادر سے حوالے دیئے ہیں)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۹۔ ''برہان الفتوح'' (فارسی) کے مؤلف کا نام محمد علی بن صادق حسینی نیشاپوری نجفی برہان پوری ہے۔ یہ کتاب اودھ کے صوبیدار نواب برہان الملک سید سعادت خاں کے نام معنون کی گئی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام ''برہان الفتوح'' رکھا گیا۔ سنۂ تکمیل ۱۱۴۸ھ/ ۳۵-۱۷۳۶ء۔ کئی برس بعد مؤلف نے اسے اپنے ایک اور سرپرست کے نام معنون کر دیا اور اس کا نام تبدیل کر کے ''مرآۃ الصفا'' رکھ دیا۔

اس خط میں ''برہان الفتوح'' کے جس قلمی نسخہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مشہور مؤرخ سر ہنری ایلیٹ کے لیے خریدا گیا۔ چنانچہ ایلیٹ اپنی ''تاریخ ہند'' (بزبان انگریزی) کی آٹھویں جلد میں اس نسخے کا یوں ذکر کرتا ہے (ص ۳۰)

"The *Burhanu-l Futuh* is quite unknown. I am fortunate enough to possess autograph of the author, written in the year of composition and no doubt the identical one presented to Nawab Sa'adat Khan, and stolen from the Royal Library. I procured it in a bazar at Lucknow."

ایلیٹ نے مولوی برکت علیؒ کی وساطت سے جو نسخہ لکھنؤ کے بازار سے خریدا، وہ اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (رک: ریو۳: ۸۹۳)۔ اس میوزیم میں اس تاریخ کے اقتباسات پر مبنی ایک اور قلمی نسخہ بھی ہے (ریو۳: ۱۰۵۰) جو ۱۸۵۰ء کے قریب لکھا گیا۔

اشپرینگر کے ذاتی کتب خانہ میں تین مخطوطات کا ایک مجموعہ ہے۔ ان میں ایک مخطوطہ ''برہان الفتوح'' کے اقتباسات پر مبنی ہے (فہرست اشپرینگر، ص ۱۸ شمارہ ۲۶۴)۔ بقول پرٹش یہ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا اور اس کی کتابت جدید ہے (ص ۵۶۶-۵۶۸ شمارہ ۶۰۳)۔

''برہان الفتوح'' کے بارے مین مزید تفصیل کے لیے رک: ایلیٹ ۸: ۲۵-۳۶۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۵۵ء، ص ۲۳۲ شمارہ ۲۶۔ اسٹوری ۱: ۱۳۷-۱۳۸۔

۸

''غریب پرور خداوند نعمت قدر دان سلامت (۱)

نوازش نامہ حضور کا مع دو نسخہ ''ارشاد القاصد'' (۲) کے پہنچا۔ کمال بندہ نوازی فرمائی۔ ایک نسخہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جناب سید تقی صاحب کو دیا۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب خط لکھو، ہماری طرف سے بھی بہت بہت نیاز اور شکرانہ لکھو۔ فقط۔

موافق حکم حضور کے اکثر کتابوں کی تلاش میں رہتا ہوں، چنانچہ بڑی تلاش سے دیوان نعمت اللہ ولی کا بہم پہنچایا اور سات روپے کو خرید کیا اور بایع کو روپے اوس کی قیمت کے دے دیئے، لیکن احتیاطاً میں نے اوس سے اقرار لیا ہے کہ بیس روز تک ہم کو اختیار ہے کہ ہم واپس بھی کر دیں۔ یہ نسخہ تمام و کمال ہے اور خوشخط بخط فارسی جدول شنجرف اور سیاہی سے کیا ہوا قریب ۴۸ جز ہر صفحہ ۱۸ سطر لکھا ہوا ۱۰۱۱ھ کا۔ کہیں نقصان نہیں لیکن سات ورق آخر میں پیوند لگا ہے اور اوس پیوند سے چند شعر پڑھے نہیں جاتے اور باقی صحیح و سالم، کاغذ اچھا، پس اگر حضور کو پسند ہو تو بہتر، نہیں تو بیس روز تک واپس ہو سکتا ہے (۳)۔ اور ایک دیوان اور بھی معرفت عبدالاحد (۴) کے آیا تھا اور قیمت اوس کی چار روپے ٹھہری تھی، لیکن کچھ ناقص تھا اور خط اچھا نہ تھا اور غلط تھا، اس واسطے نہ لیا۔ اگر اوس کا بھی خریدنا منظور ہو، چار روپے کو ملے گا اور وہ بھی چار روپے کو کچھ گراں نہیں۔ فقط۔

دو نسخہ اور معرفت چراغ علی (۵) کی عوض بیع میں ہیں۔ ایک ''نزہتہ القلوب'' المعروف بہ ''تقویم البلدان'' تصنیف حمد اللہ بن ناصر الدین بن حمد المستوفی القزوینی۔ یہ نسخہ پرانا لکھا ہوا تمام و کمال ہے اور بظاہر صحیح ہے۔ ۲۴۲ ورق ہر صفحہ میں ۲۵ سطر (۶) اور دوسرا ''تاریخ برہان الفتوح'' ہے اور یہ نسخہ مصنف کے ہات کا لکھا ہوا ہے۔ نام مصنف کا محمد علی ابن محمد صادق الحسینی النیشا پوری۔ تاریخ کتابت ۱۱۴۵ ہجری۔ یہ کتاب واسطے نواب برہان الملک سید سعادت خان بہادر جنگ کے لکھی گئی۔ اس میں حال ابتدائے آفرینش سے اس نواب کے زمانہ تک بطور اختصار کے لکھا ہے۔ اکثر پادشاہوں کا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت و بارش وقحط و محاربہ سخت دنیا میں واقع ہوئے، اون کی بھی تاریخ لکھی ہے۔ یہ کتاب تمام و کمال مصنف کے ہات کی لکھی ہوئی ہے۔ خط پختہ فارسی جدول طلائی، ۲۱۱ ورق، ہر صفحہ میں ۱۸ سطر (۷)۔ قیمت ان دونو کتابوں کی بائیس روپے کہتا ہے۔ اگر حضور کو ان میں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور ہو، ارشاد فرماویں۔ فقط۔

اور تین نسخہ تصوف کے عبدالاحد کی معرفت معرض بیع میں ہیں۔ ایک ''نصیحت العارفین'' معرفت میں بعبارت فارسی ہے۔ تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی۔ قریب بارہ جز، خط فارسی پرانا، قیمت دو روپے (۸)۔ اور ایک ''شرح رسالہ غوثیہ'' (۹) قیمت دو روپے اور ایک ''عین المعانی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ'' (۱۰)۔ اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الٰہی کے بیان کئے ہیں۔ عبارت فارسی میں یہ نسخہ تمام و کمال خط عربی بہت خوش خط جدول طلائی' قریب ۱۳ جز، قیمت ۶ روپے ۸ آنہ۔ فقط۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایک ایک روپیہ ''نصیحت العارفین'' اور ''شرح غوثیہ'' کا میں عبدالاحد کو دیتا تھا۔ اوس نے نہ لیا اور چونکہ ''عین المعانی'' بہت خوش خط ہے۔ تین چار روپے تک اچھی ہے، لیکن شاید حضور کے کام کی کتاب نہیں ہے۔ فقط۔

مجکو ''کتاب رجال نجاشی'' (۱۱) سے بہت شوق ہے اور سید تقی صاحب بھی آرزو اوس کے چھپنے کی کرتے ہیں۔ حضور اطلاع فرماویں کہ اس کتاب کا چھاپا شروع ہوا یا نہیں۔ فقط۔

بعض کلکتہ کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور شاید کلکتہ میں ریلیے صاحب (۱۲) کی جگہ مقرر ہوئے یا ہوں گے اور تنخواہ میں کچھ ترقی بھی ہوگی۔ خدا آپ کی ترقی کرے اور صحت اور عافیت سے خوش وخورم رکھے۔

اگرچہ میں حضور کا شکر ادا نہیں کرسکتا، لیکن ایک آرزو بھی باقی ہے۔ اگر حضور کی عنایت سے آرزو بر آوے، کمال پرورش ہوگی۔ مجکو لکھنؤ کی آب وہوا بہت ناموافق ہے۔ اگر دلّی میں تیس چالیس روپے مہینا مجکو ہات لگے تو بہت خوشی سے پچاس روپے کی نوکری چھوڑ دوں۔ میں نے سنا ہے کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے (۱۳)۔ اگر وہ عہدہ اون کے نام پر مقرر ہوگا تو ضرور ہے کہ ایک مدرس کی جگہ دلّی کے مدرسہ میں خالی ہوگی۔ اگرچہ میرا بھی اوس مدرسہ میں حق ہے، لیکن اگر حضور کے نزدیک کسی اور کا استحقاق ہو تو اتنی پرورش کیجیے کہ اوس کو میری جگہ مقرر فرمائیں اور مجکو دلّی کے مدرسہ میں بلوائیں اور یا کسی کے تقرر سے مبادلہ کروائیں اور اطلاع فرماویں کہ دیوان نعمت اللہ کا دلّی میں بھیجوں یا شملہ میں اور ڈاک میں بھیجوں یا کسی کے ہات، وزن اوس میں شاید سوا سیر ہوگا۔''

تشریحات:

۱۔ یہ واحد خط ہے جس کے آخر میں مکتوب نگار نے کچھ نہیں لکھا، حتیٰ کہ اپنا نام بھی تحریر نہیں کیا۔ اس خط کے مندرجات اور اس کا انداز تحریر وہی ہے، جو برکت علی کے دیگر خطوں کا ہے، اس لیے بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر خط مولوی برکت علی ہی کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط کے مقام تحریر اور زمانۂ تحریر کے متعلق اس کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اس وقت لکھا گیا جب مراسلہ نگار ابھی لکھنؤ میں مقیم تھا، لیکن وہ اپنے وطن جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس خط کی آخری عبارت سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب اشپرینگر کو یہ خط لکھا گیا، وہ شملہ میں مقیم تھا۔ اشپرینگر یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے دہلی پہنچا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سال لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں میں کام کرتا رہا اور وہ اس شبانہ روز محنت سے اتنا تھک چکا تھا کہ وہ چند ماہ دہلی میں ٹھہر کے شملہ چلا گیا۔ اس کے بعض نجی کاغذات سے معلوم ہوتا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے کہ وہ وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ میں مقیم رہا اور اسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ پرنسپلی پر اپنی تقرری کی اطلاع بھی یہیں ملی تھی۔ اس سے کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء سے پہلے لکھا گیا۔

اسی خط میں مرقوم ہے کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے۔ مولوی مملوک العلی نے اشپرینگر کو جو نو خطوط تحریر کیے، وہ سابقہ سطور میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں وہ خط، جس میں مولوی صاحب نے حافظ احمد کبیر مرحوم کے عہدۂ امین پر کلکتہ جانے کا ذکر کیا ہے، وہ ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ مولوی مملوک العلی نے اشپرینگر کے اصرار پر حکام بالا کو طویل رخصت کی جو درخواست بھیجی، وہ ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کی تحریر کردہ ہے۔ مولوی صاحب بعض وجوہ کے باعث کلکتہ نہ جا سکے، لیکن ان کے متذکرہ بالا خطوط کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید برکت علی نے اشپرینگر کو یہ خط جولائی یا اگست ۱۸۵۰ء میں شملہ ارسال کیا۔

۲۔ اشپرینگر نے ''فہرست طوسی'' (کلکتہ ۱۸۵۳ء) کے انگریزی دیباچے کے آخر میں لکھا ہے کہ شروع میں اس کا ارادہ تھا کہ نجاشی یا طوسی کے ہمراہ ''ارشاد القاصد'' کو شائع کیا جائے، لیکن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے ''اصابہ'' (ابن حجر عسقلانی) کو جلد شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس لیے وہ طوسی کے ساتھ ''ارشاد'' کو شامل نہ کر سکا۔ ''ارشاد'' بعد میں علیحدہ شائع ہوئی۔ (ببلوتیکا انڈیکا' شمارہ ۲۱)۔

آسٹریا کے قومی کتاب خانہ (ویانا) میں راقم کی نظر سے ایک عربی کتاب گذری، جس کا کوئی دیباچہ نہیں۔ صرف عربی متن ہے اور اس کے شروع میں یہ عنوان درج ہے:

''ھذا کتاب حدود النحو للشیخ الامام عبداللہ الفاکھی''

ابتدائی تیرہ صفحات پر ۱۴۲ حدود ہیں اور صفحہ ۱۴ پر یہ عنوان دیا گیا ہے

''ارشاد المقاصد الی اسنی المقاصد للشیخ شمس الدین محمد بن ابراھیم بن ساعد الانصاری الاکفانی السخاوی المتوفی سنہ ۷۴۹ تسع و اربعین و سبعمایة۔''

صفحہ ۹۹ پر یہ کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہوئی ہے اور یہ خیال ہے کہ [illegible] طبع ہوا تھا۔

۳۔ نعمت اللہ ولی (م ۸۲۷ھ/۱۴۲۳ء) کا فارسی دیوان۔ اشپرینگر نے اس نسخے کی قدامت کا ذکر کیا ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۴۰۷ بتائی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۲ شمارہ ۱۴۰)۔ اشپرینگر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نے اس نسخے کا حوالہ اپنی ''اودھ کیٹلاگ'' (۱۸۵۴ء) میں بھی دیا ہے (ص ۵۱۸)۔ کتاب خانۂ مغربی برلین کے فارسی مخطوطات کے فہرست ساز پرٹش کے مطابق اس قلمی نسخے کے اوراق ۳۶۸ ہیں۔ عمدہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے ''کاتب این کتاب محمود ختمی ولد خواجہ عالم شہ سہرندی ماہ محرم سنہ ۱۰۱۱'' (ص ۸۵۶-۸۵۷ شمارہ ۸۵۶)۔

اشپرینگر کے پاس اس دیوان کے دو اور قلمی نسخے بھی محفوظ تھے (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۸۲ شمارہ ۱۴۷۱-۱۴۷۲)۔ پہلے نسخے (اوراق ۲۸۹، صاف خط نستعلیق) کا سال کتابت ۱۹ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ/۱۲ اکتوبر ۱۶۰۵ء ہے اور دوسرے نسخے (اوراق ۵۷۰، خط شکستہ) کے ایک درمیانی صفحہ پر ۱۷ شوال ۱۱۷۴ھ/۲۲ مئی ۱۷۶۱ء عظیم آباد مرقوم ہے اور اس کے ساتھ لفظ ''راقم'' کی ایک مہر ثبت ہے، جس میں ''محمد علی خان نعمت اللہ الحسینی'' لکھا ہوا ہے۔ رک: پرٹش، ص ۸۵۷-۸۵۸ شمارہ ۸۵۷ و ص ۸۵۸-۸۶۰ شمارہ ۸۵۸)

۴۔ یہ لکھنؤ کا کتب فروش تھا اور پرانی کتابوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اشپرینگر کے ذاتی کاغذات میں چند ایسی رسیدیں پڑی ہوئی ہیں، جن پر اس کتاب فروش کا نام لکھا گیا ہے اور ان پر زیادہ تر مختلف کتابوں کی قیمتیں وغیرہ درج ہیں۔ ان میں ایک کاغذ پر یہ عنوان لکھا گیا ہے:

''برائے مدرسہ دہلی۔ فہرست کتب مطبوعہ لکھنؤ کہ از عبدالاحد بتاریخ بستم نومبر ۴۸ء خرید کردہ شد۔''

۵۔ یہ بھی لکھنؤ کے ایک تاجر کتب کا نام ہے اور اس کی بعض رسیدیں اب بھی اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔

۶۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی (م۔ ۷۵۰ھ......۱۳۴۹ء) کی معروف جغرافیائی تالیف۔ اشپرینگر نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ قدیم اور خوش خط ہے اور اس کے صفحات ۴۸۴ ہیں (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲ شمارہ ۱۱۸)۔ اشپرینگر کے پاس اس کتاب کا ایک اور نسخہ بھی تھا، جو صرف جغرافیائی مقامات پر مشتمل تھا (ایضاً ص ا شمارہ ۴)۔ برکت علی کا خرید کردہ یہ نسخہ اب برلین (مغربی) میں موجود ہے۔ یہ خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ چند اوراق بعد میں لگائے گئے ہیں اور ان کا خط نستعلیق ہے۔ ''نزہتہ القلوب'' کے دوسرے نسخے کا سنۂ کتابت ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء ہے۔ اس کا خط نستعلیق ہے۔ رک: پرٹش، ص ۳۶۹ شمارہ ۳۴۷ و ص ۱۷۳ شمارہ ۳۵۱۔ نیز رک: اسٹوری ۲/۱: ۱۲۹-۱۳۱۔

۷۔ دراصل اشپرینگر کے کتاب خانے میں ''برہان الفتوح'' کا مکمل نسخہ نہیں تھا، بلکہ اس کا مملوکہ نسخہ اس کتاب کے ان اقتباسات پر مشتمل تھا جو ادبی تاریخ سے متعلق تھے۔ یہ نسخہ فارسی کی ایک اور کتاب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''تحفۃ الکرام'' کے ساتھ مجلد ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۴۷ بتائی گئی ہے۔ (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۱۸ شمارہ ۲۶۴)۔ نیز رک: پرٹش، ص ۵۶۱، ۵۶۱-۵۶۹ شمارہ ۶۰۳۔ اشپرینگر کے اس خطی نسخے کی کتابت جدید ہے، لیکن مولوی برکت علی نے اس خط میں جس بخط مصنف نسخے کے کوائف دیے ہیں، اسے اشپرینگر کے بجائے ہنری ایلیٹ نے لے لیا۔ ایلیٹ نے اپنی ''تاریخ ہند'' میں اس نسخے کے بارے میں جو لکھا ہے (۸: ۳۰) وہ برکت علی کی فراہم کردہ معلومات سے مطابقت رکھتا ہے۔
رک: مکتوب برکت علی ۶ تشریحات، شمارہ ۹۔

۸۔ ''نصیحت العارفین'' کے لیے رک: برکت علی کا مکتوب ۶ تشریحات ۳۔

۹۔ اشپرینگر نے اپنے کتاب خانہ کے صوفیانہ مخطوطات کی ایک طویل فہرست دی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴۸-۶۰)، لیکن اس میں ''شرح رسالہ غوثیہ'' نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ ممکن ہے اشپرینگر نے یہ قلمی نسخہ نہ خریدا ہو۔

۱۰۔ اشپرینگر کے پاس ''اسماء اللہ الحسنیٰ'' کی عربی شروح کے متعدد نسخے تھے، جن کا حوالہ اس کی ''فہرست'' اور اہلوارٹ کی کیٹلاگ میں دیا گیا ہے، لیکن یہاں جس شرح کا ذکر کیا گیا ہے، وہ فارسی میں تھی۔ اس فارسی شرح کا ذکر نہ تو اشپرینگر نے کیا ہے اور نہ فارسی مخطوطات کے فہرست نگار پرٹش نے اس کے کوائف دیے ہیں۔ اس وقت چند اوراق کی فارسی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ کا ایک قلمی نسخہ ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۵۸۴۔ پرٹش، شمارہ ۲۴/۱۳) لیکن یہ ''عین المعانی'' کے علاوہ ہے۔ ممکن ہے اشپرینگر نے یہ نسخہ خریدنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

۱۱۔ اشپرینگر نجاشی کی یہ کتاب شائع کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا اور اس کے کتب خانہ میں اس کا ایک خطی نسخہ بھی موجود تھا، لیکن وہ اسے مکمل طور پر نہ چھپوا سکا۔ ایک جگہ وہ یوں تحریر کرتا ہے کہ ''ابتدا میں میرا ایسا ارادہ تھا کہ طوسی کی فہرست سے پہلے اسے شائع کرایا جائے اور ۱۸۴۸ء میں جب میں لکھنؤ میں تھا، میں نے اس کا ایک نسخہ تیار کرلیا اور اس کا متن ایک قدیم مخطوطے کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا تھا۔ جب اس کتاب کی طباعت شروع ہوئی تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ نسخہ اتنا معتبر نہیں کہ میں اس سے آگے بڑھ سکوں، اس لیے میں نے فی الحال اس کتاب کی طباعت ملتوی کر دی ہے۔'' (رک: مکتوب علی اکبر شمارہ ۱ تشریحات ۴)۔ نجاشی کی ''اسماء الرجال'' نامکمل ہی رہی اور اشپرینگر اسی موضوع سے متعلق دیگر کتابوں کے متون تیار کرنے اور انھیں چھپوانے میں مصروف ہو گیا۔

۱۲۔ ۱۸۴۳ء میں حکومت کے ایک حکم نامہ (بابت ۱۲ جولائی ۱۸۴۲ء) کی رو سے جب تعلیمی بنگال کمیٹی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

توڑ کر اس کی جگہ تعلیمی کونسل تشکیل دی گئی تو اس کے ساتھ ہی مدرسۂ عالیہ کی ذیلی کمیٹی بھی ختم کر دی گئی۔ اس تبدیلی کے بعد مدرسہ کا سکریٹری براہ راست تعلیمی کونسل کے ماتحت ہو گیا۔ پہلے لومسڈن سکریٹری تھا اور اس کے بعد کرنل ریلے اس عہدے پر مقرر ہوا۔ پہلے خبر یہی تھی کہ اشپرینگر کو ریلے کی جگہ مقرر کیا جائے گا، لیکن اسے وہاں سکریٹری کے بجائے پرنسپل بنا کر بھیجا گیا۔ رک: تاریخ مدرسۂ عالیہ ا: ۱۰۷۔

۱۳۔ حافظ احمد کبیر کے پاس مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا عہدۂ امینی تھا۔ ان کا ۱۸۵۰ء کے شروع میں انتقال ہو گیا اور اس وقت سے ان کا عہدہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اشپرینگر نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے اس خالی عہدے پر کسی موزوں شخص کو ملازم رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو یہ عہدہ قبول کرنے کی پیش کش کی، لیکن وہ اپنے طبعی خصائص کی بنا پر کلکتہ نہ جا سکے۔ پھر علی اکبر اس عہدے کے امیدوار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ بالآخر اس عہدے کے لیے امتحان لیا گیا اور آگرہ کالج کے مدرس مولانا سدید الدین خاں اس عہدہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان تینوں اصحاب یعنی مولانا مملوک العلی، علی اکبر اور مولانا سدید الدین کے مکتوبات سابقہ سطور میں شائع ہو چکے ہیں اور ان میں اس عہدے سے متعلق دیگر تفصیلات دی گئی ہیں۔

۹

''غریب پرور خداوند نعمت قدردان سلامت (۱)

بعد آداب عجز و نیاز و آرزوئے ملازمت کثیر الافادت عرض یہ ہے کہ بہت مدت ہوئی کہ حضور کا مرحمت نامہ متضمن اس مضمون کا کہ رسید یاقوت کی سید تقی صاحب نے اب تک نہیں بھیجی۔ تم جلدی سے حال رسید کا لکھو، صادر ہوا تھا، لیکن چونکہ سید تقی صاحب نے مجکو لکھا تھا کہ میں دو تین خط مشتمل رسید یاقوت مع روپے قیمت یاقوت کلکتہ روانہ کر چکا ہوں (۲)، اس واسطے کوئی عرضی ان ایام میں حضور کی خدمت میں روانہ نہ کی۔ بعد اوس کے اپنے وطن میں آیا اور بیمار ہو گیا اور مدت تک بیمار رہا۔ اب جو خدا نے صحت عطا کی، دل نے چاہا کہ اس عرضی کے وسیلہ سے حضور کا اعتدال مزاج عالی مع صاحبزادگان بلند اقبال دریافت کروں اور کچھ اپنی بھی حاجت لکھوں۔ پس امیدوار ہوں کہ آپ ایک نوازش نامہ کہ جس میں خوشخبری حضور کی صحت مزاج وہاج کی ہو، اپنے قلم مبارک سے لکھ کے روانہ فرما دیں کہ اس دور افتادہ کو اطمینان اور خوشی ہو۔

اور بڑی حاجت میری یہ ہے کہ حضور مجکو اپنی عنایت سے یاد رکھیں۔ آپ کی نوازش اور پرورش کا شکر میں ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے بہت چاہا کہ دہلی میں مجکو کوئی عہدہ ملے، لیکن اگر یہ میری بدقسمتی سے نہ ملا تو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

آپ کا کیا گلا۔ اب حضور سے عرض ہے کہ بسک صاحب بہادر (۳)، جو سابق میں لکھنؤ میں تھے اور علم و ادب کی تحصیل کا شوق رکھتے تھے، اب وہ انبالہ میں اسسٹنٹ ہیں اور انبالہ میرے وطن سے قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اون سے ملاقات کروں اس واسطے کہ اون کو خود بھی تحصیل علم کا شوق ہے اور کوئی عہدہ بھی اون کی سفارش سے مل سکتا ہے۔ پس اگر حضور مناسب سمجھیں ایک چٹھی سفارش اس نیاز مند کی بسک صاحب کے نام روانہ فرماویں، اور اگر حضور کچھ زیادہ نہ لکھ سکیں تو اتنا اوس چٹھی میں لکھ دیں کہ برکت علی سے اچھی طرح آپ ملاقات کریں کہ یہ شخص لائق اور مستعد ہے اور اس کے حال پر نظر عنایت کی رکھیں۔ خواہ اس چٹھی کو بسک صاحب بہادر کے پاس روانہ فرماویں اور خاکسار کو اطلاع بخشیں اور یا جو مرحمت نامہ کہ مجھ کو ارقام فرماویں، اوس میں ملفوف کر دیں اور نشان اوس مرحمت نامہ پر یہ لکھیں کہ یہ خط تھانیسر میں پہنچ کر تھانہ قصبہ پونڈری میں برکت علی کے پاس پہنچے اور یا مولوی جعفر علی کے پاس روانہ فرماویں۔ فقط۔

ان دنوں میں مجکو فرصت ہے اور جی چاہتا ہے کہ کوئی کتاب تالیف کروں یا کسی کتاب کا ترجمہ لکھوں، لیکن اگر حضور کی عنایت سے کسی کتاب کے ترجمہ یا تالیف کی اجرت بھی ملے تو خوب ہے۔ پٹنوں کے اکثر صاحب علم اخلاق میں ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' پڑھتے ہیں اور چونکہ ان کتابوں میں آیات قرآنی اور احادیث اور علم موسیقی وغیرہ کے سبب سے اشکال ہے تو اکثر صاحب مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب مختصر علم اخلاق میں، جو بہت واضح اور آسان ہو، زبان اردو میں تالیف کروں اور جو بحث کہ ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' وغیرہ میں عبث اور بے فائدہ ہیں، اون کو خارج کروں اور جو اچھی اچھی باتیں تھیں، اون کو درج کروں تا کہ سمجھنا اوس کا آسان ہو اور فائدہ اوس کا عام ہو۔ پس اس میں جو رائے حضور کی ہو، اشارہ فرماویں (۴)۔

معلوم نہیں کہ ''فہرست طوسی'' یا کوئی کتاب رجال شیعہ حضور نے چھپوائی ہے یا نہیں (۵)۔

اور اس خاکسار نے ایک چھاپہ خانہ بہ شراکت چند آدمیوں کے دہلی میں قائم کیا ہے (۶)۔ بالفعل اوس کا اہتمام حوالہ مولوی خدا بخش (۷) کے کیا ہے اور شاید ایک یا دو مہینے سے یہ خانہ [illegible] جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی کتاب اچھی حضور کے واسطے تلاش کرے گا۔

سید تقی صاحب نے مجکو لکھنؤ میں بلایا تھا، میں نہ گیا۔ شاید سردی کے موسم میں فقط ملاقات کے واسطے جاؤں۔ اور نوکری لکھنؤ کی مجکو منظور نہیں (۸) اور اگر کتاب حضور کو لکھنؤ سے طلب کرنی مطلوب ہو تو حکم فرماویں تا کہ معرفت مولوی حامد حسین صاحب یا جناب سید تقی صاحب کے حضور پاس پہنچ لی۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرضے

برکت علی

بمقام پونڈری ضلع تھانیسر''

تشریحات:

۱۔ یہ خط کب لکھا گیا، مکتوب نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا، البتہ خط کی اختتامی عبارت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خط اپنے آبائی شہر پونڈری ضلع تھانیسر سے ارسال کیا۔ سابقہ خط (بابت ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء) میں مولوی برکت علی اپنے مکتوب الیہ کو لکھنؤ سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مدرسہ سے رخصت حاصل کر لی ہے اور وہ لکھنؤ سے ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اپنے وطن روانہ ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''انشاء اللہ تعالیٰ پہلی یا دوسری یا تیسری اکتوبر کو میں دہلی میں ہوں گا اور تین چار روز دہلی میں مقام کر کے اپنے وطن کو جاؤں گا۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے مجوزہ پروگرام کے مطابق اکتوبر ۱۸۵۰ء کے پہلے ہفتے تک دہلی میں رہے۔ وہ غالباً اسی ماہ کے وسط میں اپنے وطن پہنچ گئے اور موجودہ خط اس تاریخ یعنی ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے بعد لکھا گیا۔

برکت علی وطن آئے اور یہاں بیمار پڑ گئے۔ کئی ماہ علیل رہنے کے بعد جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی، تو انھوں نے یہ خط اشپرینگر کو لکھا۔ چنانچہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ ''بعد اوس کے اپنے وطن میں آیا اور بیمار ہو گیا اور مدت تک بیمار رہا۔'' اس ''مدت'' کو اگر چہ چند ماہ ہی سمجھ لیا جائے تو اس سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ خط ۱۸۵۱ء میں لکھا گیا اور یہ موسم گرما کے کسی مہینے میں تحریر کیا گیا، کیونکہ جب سید محمد تقی صاحب نے انھیں لکھنؤ بلایا، تو وہ جانے پر راضی نہ تھے، لیکن موسم سرما میں وہ صرف ان سے ملاقات کے لیے لکھنؤ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، چنانچہ وہ خط لکھتے ہیں کہ ''شاید سردی کے موسم فقط ملاقات کے واسطے جاؤں۔''

اسی خط میں مکتوب نگار رقمطراز ہے کہ ''شاید ایک یا دو مہینے کے خاکسار بھی دہلی میں جائے گا'' مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو اس سے اگلا خط ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو تحریر کیا اور اس میں لکھا ہے کہ انھیں دہلی میں آئے ہوئے ایک ماہ گذر چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برکت علی کم از کم ستمبر ۱۸۵۱ء کے پہلے ہفتے میں اپنے وطن سے دہلی پہنچے۔ موجودہ خط کے حوالے سے وہ اس خط کی تاریخ تحریر سے ایک یا دو مہینے بعد دہلی جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مکتوب نگار نے اشپرینگر کو یہ خط جولائی ۱۸۵۱ء کو تحریر کیا۔ ان دنوں اشپرینگر کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل تھا اور اسے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہاں آئے ہوئے تقریباً ایک سال گذر چکا تھا۔

۲۔ ممتاز العلماء سید محمد تقی (م۔۱۸۷۲ء) اس مدرسہ میں صدر مدرس تھے، جہاں برکت علی معلم عربی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ قیامِ لکھنؤ کے زمانے میں وہ اشپرینگر کے قریبی احباب میں شامل تھے۔ ان کے تفصیلی حالات زندگی سابقہ سطور میں بیان ہو چکے ہیں۔ (رک: مکتوب ۳، تشریحات، شمارہ ۱۰)۔

سید محمد تقی کے سوانح نگاروں نے ان کے علمی کمالات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے، لیکن کہیں یہ نہیں لکھا کہ انہیں قیمتی جواہرات جمع کرنے کا بھی شوق تھا، البتہ ان کے والد بزرگوار سید العلماء حسین (م۔۱۸۵۶ء) کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ بڑے صاحب نظر جوہری تھے اور اس ضمن میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک بار لکھنؤ میں کوئی شخص موتی فروخت کرنے آیا۔ ان سے بھی ملا اور انہیں چھ موتی دکھائے۔ آپ نے پانی طلب کیا اور اس میں یہ موتی ڈالنے لگے۔ جوہر فروش گھبرا گیا اور چلنے لگا۔ آپ نے یہ کہہ کر اسے جانے کی اجازت دے دی کہ آئندہ اس شہر کا رخ نہ کرنا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے مصری کے موتی بنائے ہوئے تھے۔ (رک: مطلع انوار، ص ۱۹۶)۔ ممکن ہے، علمی دولت کے ساتھ ساتھ، نادر و نایاب جواہرات جمع کرنے کا شوق بھی انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا ہو۔

۳۔ یہ صاحب لکھنؤ میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے اور اس دور کے ریذیڈنٹ سلیمن کے بہت قریب تھے۔ ایک بار واجد علی شاہ اختر نے ریذیڈنٹ کو بلایا، لیکن وہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکا اور اس نے اپنی جگہ بسک کو بھیج دیا۔ یہ بسک ہی تھا جس کے مشورہ پر اختر نے اپنے تیسرے بیٹے حامد علی خاں کیواں قدر کو خلعت ولی عہدی اور نویں بیٹے ہزبر علی خاں فریدوں قدر کو خلعت جرنیلی عنایت کی۔ (رک: تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری ۵:۱۷۹)

برکت علی اور نجم الغنی نے ''بسک'' ہی لکھا ہے، ممکن ہے یہ لفظ ایڈورڈ ای ایچ پاسک E. H. Paske ہو۔ ولیم آرنلڈ نے ۱۸۵۵ء میں رخصت لی اور اس کی جگہ پاسک کو قائم مقام ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن مقرر کیا گیا۔ وہ پنجاب میں انسپکٹر آف سکولز کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ ۱۹ اگست ۱۸۵۹ء کو اس نے تعلیم سے متعلق ایک یادداشت بھی پیش کی۔ رک:

Selections from Educational Records, pt. II (1840-1859). By J. A. Richey, Calcutta 1922, p. 283.

۴۔ مولوی برکت علی ''اخلاق جلالی'' اور ''اخلاق ناصری'' کے مفید حصوں پر مشتمل ایک مختصر اور عام فہم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کتاب اردو میں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ کتاب مکمل ہوئی یا نہیں اور اگر مکمل ہوئی تو کیا یہ اشاعت پذیر بھی ہوئی یا نہیں۔ ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ گارسیں دتاسی نے اپنے خطبات (مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء) اور ''تاریخ'' (۳: ۳۷۷-۴۷۴) میں اس دور کی سیکڑوں اردو کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، لیکن ان میں برکت علی کی اس کتاب کا ذکر موجود نہیں۔ محمد عتیق صدیقی کی کتاب ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء'' میں بھی برکت علی کی کسی کتاب کا نام نہیں دیا گیا، البتہ اس میں ''اخلاق جلالی'' کے ایک اردو ترجمے کا حوالہ ضرور دیا گیا ہے، جو دہلی کالج کے مطبع العلوم میں ۱۸۵۲ء تک زیر طبع تھا (ص ۱۸۹-۱۹۱) اور ۱۸۵۳ء کی فہرست مطبوعات میں شامل ہے (ص ۱۹۲)۔

۵۔ اشپرینگر نے اپنے قیام لکھنؤ (مارچ ۱۸۴۸ء-۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء) کے دوران میں بعض اہم شیعی مصادر کو چھاپنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان میں کچھ کتابیں تو اسے شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں سے دستیاب ہو گئیں اور بقیہ کتابیں یا ان کے مستند قلمی نسخے لکھنؤ کے بعض اہل علم اصحاب نے اس کی نذر کر دیئے۔ نجاشی کی ''اسماء الرجال'' کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس کتاب کے متن کی تدوین ۱۸۴۸ء میں شروع ہوئی، لیکن دو قدیم اور معتبر نسخوں کی فراہمی کے سبب اسے فوراً شائع نہ کیا جا سکا۔ لکھنؤ سے جاتے ہوئے اپنے اس ادھورے کام اور قلمی نسخوں کو اشپرینگر اپنے ساتھ لے گیا۔ کلکتہ میں بیٹھ کر اس نے ان کے متون ترتیب دیئے اور یہ تمام وہیں سے طبع ہوئے۔ اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۱ء تک ان میں سے کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ برکت علی کے علم میں یہ بات تھی کہ اشپرینگر ان قابل استناد شیعی مآخذ کو چھپوانا چاہتا ہے اور لکھنؤ میں خود بھی ایسے کاموں میں اشپرینگر کی معاونت کرتے رہتے تھے، اس لیے وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اشپرینگر نے کلکتہ پہنچنے کے بعد ان میں سے کوئی کتاب شائع کرائی یا نہیں۔ برکت علی نے اپنے اس خط میں ''فہرست طوسی'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۵۳ء میں طبع ہوئی۔ ان شیعی مصادر اور ان کے قلمی نسخوں کے تفصیلی ذکر کے لیے رک: بذیل ذکر علی اکبر سونی پتی، مکتوب اتشریحات ۴۔

۶۔ برکت علی کے قائم کردہ اس پریس کا کیا نام تھا اور اس کے حصہ دار کون تھے۔ یہ پریس کب تک چلتا رہا اور یہاں سے کون کون سی کتابیں شائع ہوئیں؟ ان باتوں کا ذکر نہ تو مکتوب نگار نے اپنے کسی خط میں کیا ہے اور نہ گارسیں دتاسی اور محمد عتیق صدیقی نے اپنی متذکرۂ بالا کتب میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

۷۔ مولوی خدا بخش دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ جنوری ۱۸۵۰ء میں وہ کوہ کسولی کے متصل سکول لارنس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صاحب میں مدرس فارسی تھے۔(رک: سطورِ آئندہ)

۱۔ سید برکت علی لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازم تھے، لیکن وہ یہاں خوش نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ انھیں دہلی کالج یا کسی اور درس گاہ میں ملازمت مل جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ بار بار اشپرینگر کو خط لکھتے رہتے اور اس سے سفارشیں کراتے رہتے۔ ۱۸۵۰ء میں انھوں نے رخصت لی اور اپنے وطن چلے آئے۔ تقریباً ایک سال وہ لکھنؤ نہ جا سکے۔ اس دوران میں صدر مدرس سید محمد تقی انہیں بلاتے رہے، لیکن وہ ان کے بلانے پر بھی نہ گئے۔ درحقیقت انہیں لکھنؤ کی ملازمت ناپسند تھی اور وہ کسی اور مدرسے میں ملازمت کی تلاش میں تھے۔ ان کی یہ تلاش کامیاب رہی یا نہیں؟ اس سلسلے میں اشپرینگر کی سفارشی چٹھیاں کہاں تک ان کے کام آئیں اور وہ اپنی پرانی ملازمت پر لکھنؤ گئے یا نہیں؟ ان سوالوں کا فی الحال کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

۱۰

''غریب پرور خداوند نعمت! سلامت (۱)

قبل اس کے کہ ایک عرضی مع خط جناب مولوی سید محمد تقی صاحب کے حضور کی خدمت میں روانہ کی۔ اغلب ہے کہ ملاحظہ سے گذری ہوگی، لیکن معلوم نہیں کہ کوئی چٹھی درجواب خرید یاقوت کے حضور نے لکھنؤ کو روانہ فرمائی یا نہیں (۲)۔

عرصہ ایک مہینے کے لیے یہ خاکسار دلی میں آیا ہے اور حضور کے واسطے تلاش کتب چند جگہ کی ہے۔ اور ٹیلر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کا خریدنا چاہتے ہیں لیکن میری رائے میں تمام کتب خانہ کا خریدنا مناسب نہیں اور اس میں نقصان ہوگا۔ اس واسطے کہ قیمت بہت مانگتے ہیں، بلکہ جو کتابیں کہ مطلوب ہوں، اون کو خرید فرماویں۔ پس اس باب میں جو رائے ہو، حکم فرماویں (۲)۔

اور ایک جگہ کچھ اور بھی کتابیں معرض بیع میں ہیں، لیکن مالک اون کا اس وقت موجود نہیں۔ ایک مہینے میں آوے گا۔ بروقت آنے کے اغلب ہے کہ کچھ کتابیں قابل حضور کے ملیں گی۔

اور کتاب ''مصابیح'' حدیث کی بخط عرب پرانی چار روپے کو میں نے خریدی ہے۔ اگر حضور کو مطلوب ہو، روانہ کی جائے اور نہیں تو یہ خاکسار اپنے واسطے رکھے گا۔

اور آج، ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے، تو ضرور ہے کہ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا۔ اگر کوئی شخص اور اون کے قائم مقام ہوگا تو ایک عہدہ پچاس کا خالی ہوگا اور جتنے حضور

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے متوسل ہیں، سب نوکر ہو گئے اور یہ خاکسار امیدوار حضور کی پرورش کا ہے اور میں مدت سے چاہتا ہوں کہ دہلی میں مجکو نوکری ملے۔ اب بحسب اتفاق ایک عہدہ خالی ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں اور جس طرح سے مناسب ہو، میرے واسطے سفارش فرماویں (۵) اور ایک چٹھی پرنسپل کارگل صاحب بہادر کے نام تحریر فرماویں۔ اور اگر اب حضور میرے واسطے کوشش نہ فرمائیں گے تو مجکو بہت شکایت ہوگی۔ اور یہ حضور پر روشن ہے کہ اگر میں دہلی میں رہوں گا تو خرید کتب اور بجا آوری خدمات حضور میں ہر وقت مصروف رہوں گا۔ اور حضور نے وعدہ بھی فرمایا تھا کہ تیرے واسطے کلکتہ میں جا کے کوئی عہدہ تجویز کیا جائے گا (۶)۔ یہ وقت پرورش کا ہے اور جلد بدون توقف میرے واسطے سعی فرماویں اور در صورت توقف بہت سے اہل غرض اس عہدہ کے واسطے کوشش کریں گے۔ اور جواب اس عرضی کا دہلی میں مولوی جعفر علی صاحب کے پاس روانہ فرماویں۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

عرضے

برکت علی

از مقام دہلی، ۷ اکتوبر

اور حضور میری لیاقت کو جانتے ہیں اور لکھنؤ میں ایک مدت میں نے طالب علم مدرس اول کے تعلیم کیا اور بعد اون کے موقوف ہونے کے قائم مقام مدرسؔ اول ہوا اور سارٹی فکٹ کلنٹ صاحب کا بھی میرے پاس ہے۔ جس طرح سے حضور فرماویں، میں درخواست کروں۔ اور کوئی سوائے حضور کے میرے واسطے کوشش نہ کرے گا۔"

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے خط کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ مقام تحریر (دہلی) اور تاریخ تحریر (۷ اکتوبر) تو لکھ دی ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ موجودہ خط کا سنہ تحریر کیا ہے، لیکن اس کا تعین اس جملے سے بآسانی ہو جاتا ہے کہ "آج ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے۔" مولوی صاحب کے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے "سوانح محمد قاسم نانوتوی" میں اپنے والد کا سنہ وفات ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء لکھا ہے۔ (بحوالہ سوانح قاسمی ۱: ۲۹) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیر نظر خط ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر کو اطلاع ملی کہ کلکتہ میں کسی کے پاس یاقوت ہے اور وہ اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود ایسے قیمتی پتھروں کو جمع کرنے کا شوقین نہیں تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ سید محمد تقی خاندانی طور پر جوہر شناس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہیں، اس لیے اس نے فوراً سید صاحب کو یاقوت کی خبر دی۔ وہ اسے خریدنے پر آمادہ ہو گئے اور رقم بھی کلکتہ بھجوا دی۔ وہ یاقوت کو جلد حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن اشپرینگر کسی وجہ سے فوری طور پر اسے ارسال نہ کر سکا۔ انھوں نے دو تین خط اشپرینگر کو لکھے، لیکن انھیں نہ جواب ملا اور نہ یاقوت۔ چنانچہ انھوں نے برکت علی کو بھی خط لکھے تا کہ ان کے ذریعے اصل حقیقت حال کا علم ہو سکے۔ برکت علی بھی اشپرینگر کو یاددہانی کراتے رہے۔

۳۔ نواب محمد میر خاں دہلی کے علم دوست رئیسوں میں سے تھے۔ وہ ۱۳ جنوری ۱۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ نواب صاحب نے اپنے پیچھے بہت سی جائداد چھوڑی۔ ان کے اثاثوں میں نادر اور قیمتی کتابوں کا ایک ذخیرہ بھی تھا۔ چند برس نواب صاحب کے لواحقین کے مابین ملکیت کے جھگڑے چلتے رہے اور یہ کتاب خانہ بھی انھی تنازعوں کا شکار رہا۔ اشپرینگر اس کتاب خانے کے نوادرات سے واقف تھا اور وہ اسے خریدنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ برکت علی کے علاوہ اشپرینگر کے ایک اور مکتوب نگار منشی اشرف علی بھی اسے ۱۸۵۱ء ہی میں نواب صاحب کے کتب خانے کی یوں اطلاع دیتے ہیں ’’اور در رینولا نواب محمد میر خان کے ہاں تقسیم مال کا فساد برپا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اب اون کے ہاں کتابیں شاید بکیں۔‘‘ اشپرینگر کے نجی کاغذات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ نواب صاحب کا یہ کتاب خانہ فروخت ہوا یا نہیں اور اشپرینگر اپنی پسند کے مخطوطات خرید سکا یا نہیں۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل منشی اشرف علی، مکتوب ۴، تشریحات، شمارہ ۷۔

۴۔ احادیث کا مجموعہ، جسے حسین بن مسعود البغوی (م۔ ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء) نے جمع کیا۔ اشپرینگر نے ’’مصابیح‘‘ کا یہ نسخہ خرید لیا۔ یہ قدیم مخطوطہ ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۵۳۶ ہے (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۲۵ شمارہ ۵۲۲)۔ بحوالہ اہلوارٹ اس کے اوراق ۲۷۳ ہیں۔ متعدد صفحات کرم خوردہ ہیں اور جابجا حواشی بھی دیئے گئے ہیں۔ سنہ کتابت قریب ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء ہے (۲:۱۱۵)۔

۵۔ مولوی برکت علی مدرسہ لکھنؤ میں اپنی ملازمت سے غیر مطمئن تھے اور وہ مسلسل اشپرینگر کو لکھتے رہے۔ انہیں کسی نہ کسی طرح دہلی کالج میں کوئی عہدہ مل جائے۔ وہ دہلی آنے کے لیے اتنے مضطرب تھے۔ جس روز مولانا مملوک العلی کا انتقال ہوا، انھوں نے اسی دن اشپرینگر کو خط لکھا اور ایک دن بھی انتظار نہ کیا۔ وہ اس بات سے بھی شاکی نظر آتے ہیں کہ اشپرینگر کے تمام متوسلین مختلف درس گاہوں میں ملازم ہو گئے ہیں اور اب صرف وہی اکیلے رہ گئے ہیں جنھیں ابھی تک کوئی مناسب ملازمت نہیں مل سکی۔ برکت علی نے دہلی کالج میں ملازمت کے لیے جو جتن کیے، ان کی تفصیل سابقہ خطوط میں درج

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ہے۔ ان کی یہ تمام کوششیں سود مند ثابت نہ ہوسکیں اور انھیں شعبہ عربی یا فارسی کا کوئی عہدہ نہ مل سکا۔

۶۔ اشپرینگر نے کلکتہ جانے سے پہلے ایسا وعدہ ضرور کیا ہوگا، لیکن وہاں پہنچتے ہی وہ ایسے انتظامی اور تدریسی مسائل میں گھر گیا کہ وہ برکت علی کے لیے ملازمت کا فوری بندوبست نہ کرسکا۔ اسے مدرسہ عالیہ میں سب سے پہلے جو عہدہ خالی نظر آیا، وہ عہدۂ امینی تھا، جس پر حافظ احمد کبیر فائز تھے، لیکن ۱۸۵۱ء کے شروع میں حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا اور اس وقت یہ عہدہ خالی تھا۔ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ مولانا مملوک العلی یہ عہدہ قبول کرلیں لیکن وہ بعض نجی وجوہ کے باعث دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہ جا سکے۔ بالآخر مولانا سدید الدین خاں کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ اشپرینگر جتنی دیر اس مدرسہ کا سربراہ رہا، وہ برکت علی کے لیے کچھ نہ کرسکا اور یوں اس کا وعدہ پورا ہونے سے رہ گیا۔

۱۱

غریب پرور خداوند نعمت فیاضان سلامت (۱)

قبل اس کے ایک عرضی روانہ خدمت حضور کے کی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ بعد مر جانے مولوی مملوک العلی صاحب کے جلد کمیٹی ہوئی اور مولوی سید محمد بجائے مولوی مملوک العلی کے مقرر ہوئے، لیکن مولوی سید محمد کے عہدہ پر تنازع ہوا۔ مولوی حسن علی خان نے کہا میرا حق ہے اور سبحان بخش نے کہا میرا حق ہے اور مفتی صدرالدین اور سید محمد وغیرہ نے یہ چاہا کہ کوئی عہدہ اگر محمد یعقوب بیٹے مملوک العلی کو مل جائے تو اچھا ہے (۲)۔ پس یہ حکم ہوا کہ یہ تینوں شخص امتحان دیں۔ اور چونکہ استعداد محمد یعقوب کی اچھی نہ تھی تو مفتی صاحب اور سید محمد صاحب نے بپاس خاطر محمد یعقوب کے سوال بہت آسان کتابوں کے کئے کہ جس کو مبتدی اور چھوٹے لڑکے بتا سکیں، مثل منتخبات عربیہ اور شرح ملا اور قطبی کے۔ چنانچہ وہ سوالات واسطے دریافت نمبر کے حضور کی خدمت میں روانہ کئے گئے اور اس خاکسار نے بھی عرضی درخواست اس عہدہ کی وقت جلوس کمیٹی بھیج دی تھی، لیکن قبل درخواست کے کوئی ملاقات کارگل صاحب بہادر سے میں نے نہ کی تھی اور کارگل صاحب میری لیاقت سے آگاہ نہ تھے۔ اوس وقت یہ حکم ہوا کہ باہر کے آدمی کی درخواست ہم لینا نہیں چاہتے اور اب فقط ان تین شخصوں کا امتحان لیا جائے گا لیکن بعد کمیٹی کے میں نے کارگل صاحب سے ملاقات کی اور اپنا حال بیان کیا۔ کارگل صاحب بہادر میری ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور جب میں نے استحقاق دلائل سے بیان کیا تو اوس کو مانا اور فرمایا کہ اب تو صاحبان کمیٹی ان تین شخصوں کے امتحان کے واسطے حکم دے چکے ہیں۔ البتہ اگر حسن علی خان کا عہدہ خالی ہوگا تو تم اوس کی جگہ پا سکتے ہو۔ اس واسطے کہ محمد یعقوب فارسی بالکل نہیں جانتا اور یہ نہیں ہوسکتا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ جو بالکل فارسی نہ جانتا ہو اوس کو مدرس فارسی کا کیا جائے۔فقط۔

اب حضور سے عرض یہ ہے کہ اگر حسن علی خان، مولوی سید محمد یا سبحان بخش کی جگہ پر ہوگا تو حضور کی عنایت سے مجکو امید قوی ہے کہ حسن علی خان کی جگہ پر میں مقرر ہوں۔اس واسطے کہ محمد یعقوب نے اگر چہ عربی میں کچھ پڑھا ہے لیکن فارسی بالکل نہیں جانتا اور حضور از روئے منصفی کے خیال فرماویں کہ عہدہ مدرسی کا اوس شخص کو ملنا چاہیے کہ جو لیاقت رکھتا ہو اور طلبہ کو بخوبی تعلیم کرے اور اسی واسطے جب کسی مدرسہ میں کوئی عہدہ خالی ہوتا ہے تو اوس کا اشتہار دیا جاتا اور صاحبان درخواست کا امتحان لیا جاتا ہے۔جو شخص امتحان میں اچھا نکلتا ہے اوس کو وہ عہدہ ملتا ہے چنانچہ حضور نے بھی کئی دفعہ امتحان لیا اور مولوی سدید الدین خان اور ابو محسن اور مولوی علی اکبر کو مقرر فرمایا (۲) اور نہیں تو جو مدرس کہ آگرہ میں تھے اون کو وہ عہدہ ملتا۔پس اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ صاحبان کمیٹی عہدہ دوم کے واسطے میرا بھی امتحان لیتے۔اگر میں اچھا نکلتا تو مجکو مقرر کرتے، خصوصاً مدرسہ دہلی میں کہ میرا حق اس مدرسہ میں ہے کہ میں نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی۔اور اگر صاحبان کمیٹی کو محمد یعقوب کی پرورش منظور ہو تو اوس کی پرورش ہو سکتی ہے کہ اوس کی بیس روپیہ تنخواہ اسکالری میں مقرر فرماویں۔اس واسطے کہ ابھی محمد یعقوب آٹھ نو مہینے سے اسکالروں میں نوکر ہوا اور نو روپیہ اوس کے واسطے مقرر ہوئے ہیں۔وہ بھی پاس خاطر مولوی مملوک العلی صاحب کے اور جب محمد یعقوب مدرسہ میں اچھی استعداد حاصل کر چکے تو صاحبان کمیٹی اوس کو کوئی عہدہ دے سکتے ہیں۔پس اگر چہ حضور پر روشن ہے کہ یہ خاکسار قابل اس کے تھا کہ مولوی سید محمد کی جگہ مقرر ہوتا لیکن چونکہ مجکو بہت پسند ہے کہ میں دہلی میں رہوں، اس واسطے آرزو کرتا ہوں کہ اگر حضور کی عنایت سے مولوی حسن علی خان کی جگہ بھی مقرر ہو جاؤں تو بہت غنیمت ہے اور مجکو حضور کی عنایت سے توقع قوی ہے کہ اس باب میں حسب مقدور حضور میرے واسطے کوشش فرماویں گے اور جو تجویز میرے واسطے مناسب ہوگی وہ لکھیں گے۔فقط۔

اور ایک خط جناب سید محمد تقی صاحب کا میرے پاس پہنچا۔اوس میں لکھا تھا کہ صاحب بہادر نے اب تک کوئی عنایت نامہ ہمارے پاس نہیں بھیجا اور نہ درباب یاقوت کچھ تحریر فرمایا۔پس حضور سے امید ہے کہ ایک خط درجواب خط مولوی سید محمد تقی صاحب کے تحریر فرماویں اور اگر یاقوت ملا ہو روانہ فرماویں۔(۳) فقط۔

اگر چہ حضور کو میری عرضی کے مطالعہ سے تکلیف ہوتی ہوگی لیکن چونکہ میں آپ کو اپنا محسن جانتا ہوں تو جو جی میں آتا ہے خدمت عالی میں گذارش کرتا ہوں۔اور امیدوار ہوں کہ جواب میری عرضی کا مولوی جعفر علی صاحب کے پاس پہنچے۔فقط۔

اور اگر اس مدرسہ میں یہ خاکسار مقرر ہوگا تو اس میں یہ بھی فائدہ متصور ہے کہ جو لڑکے مبتدی شیعوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے ہوں گے، اون کو بھی تعلیم کروں گا۔ اس واسطے کہ مولوی جعفر علی صاحب شیعہ مذہب تمام مدرسہ میں ایک ہیں اور جو مبتدی شیعہ آتے ہیں تو مشکل ہوتی ہے۔ اور مدرس شاستری بھی دو ہیں اور سنّی بھی کئی ہیں لیکن شیعہ ایک ہے اور یہ خاکسار سنّی لڑکوں کو اور شیعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی اور باخلاق تمام تعلیم کرے گا (۵)۔ فقط۔

اور ایک جگہ شرح جامع صغیر بخط عرب معرض بیع میں ہے۔ اگر حضور کو خریدنا منظور ہو تحریر فرماویں (۶) اور واسطے کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کے بھی جو منظور ہو لکھیں۔

عرضی

برکت علی''

تشریحات:

۱۔ سابقہ خط تو اسی دن لکھا گیا، جس دن مولانا مملوک العلی نانوتوی نے وفات پائی (یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء)۔ موجودہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن اس کے مندرجات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ پچھلے خط کے کچھ روز بعد تحریر کیا گیا۔ مکتوب نگار نے جس خالی عہدے پر امیدواروں کے مابین تنازعہ کا ذکر کیا ہے، اس کی کچھ تفصیلات اشپرینگر کے ایک نوجوان رفیق کار مولوی سید علی اکبر کے ایک خط میں بھی بیان ہوئی ہیں (رک: بذیل مکتوبات علی اکبر، خط نمبر ۸)۔ علی اکبر کا یہ خط ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کا مرقومہ ہے اور اس میں صرف مولوی حسن علی خاں اور مولوی سبحان بخش شکارپوری کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو یہ عہدہ دلانے کے لیے جن کوششوں کا اس خط میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ علی اکبر کے خط میں موجود نہیں۔ ممکن ہے، اس عہدہ کے امیدواروں میں مولانا محمد یعقوب کا نام علی اکبر کے اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد شامل ہوا ہو۔ اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو یہ خط ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد تحریر کیا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خط اکتوبر ہی میں لکھا گیا۔

۲۔ اس خط میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں، ان کے مفصل حالات زندگی مکتوبات علی اکبر کے تحت دیے جا چکے ہیں۔ یعنی مکتوب تشریحات ۱۶ (برائے مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی) اور مکتوب ۸ تشریحات ۷ (برائے حسن علی خاں)۔ مولوی سبحان بخش کے سوانح حیات ان کے خط بنام اشپرینگر سمیت آئندہ سطور میں دیے جائیں گے۔ ان کے علاوہ اس خط سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی ابتدائی زندگی سے متعلق جو نئے پہلو سامنے آئے ہیں، ان کا تفصیلی ذکر سید برکت علی کے حالات زندگی کے تحت ہو چکا ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۳۔ ان تین مدرسین میں سے مولوی سدید الدین خاں اور مولوی علی اکبر کے مکاتیب ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں اور انہیں مفصل حواشی کے ساتھ سابقہ سطور میں شائع کیا جا چکا ہے۔ ان میں صرف ابومحسن ہی ایک ایسے شخص ہیں، جن کی کوئی تحریر اس ذخیرہ میں موجود نہیں۔ موجودہ خط سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں اصحاب کو اشپرینگر کی سفارش اور اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے ملازمت حاصل ہوئی۔ چونکہ ان میں سے دو اصحاب یعنی سدید الدین خاں اور علی اکبر کو آگرہ کالج کے شعبہ عربی میں عہدے تفویض ہوئے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابومحسن کو بھی اسی کالج کے عربی شعبہ میں کوئی عہدہ ملا ہوگا۔

۴۔ سابقہ دو خطوں میں بھی یاقوت کا ذکر موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر رقم ملنے کے باوجود سید محمد تقی صاحب کو یاقوت نہ بھجوا سکا اور سید صاحب کو اس تاخیر سے تشویش لاحق تھی۔ ان کی فکرمندی بجا تھی کیونکہ اشپرینگر نے رقم کی وصولی کے بعد کوئی ایسی اطلاع نہیں دی جس سے انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ یاقوت کب تک ان کے پاس پہنچے گا۔ اشپرینگر خطوں کے جواب بھجوانے میں دیر نہیں کیا کرتا تھا، لیکن معلوم نہیں اس مسئلے میں وہ اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا اور سید صاحب کے متعدد خطوط اور برکت علی کی یاددہانیوں کے باوجود وہ انھیں فی الفور مطلع نہ کر سکا۔ برکت علی کے کسی اور خط یا اشپرینگر کے نجی کاغذات اور دیگر دستاویزات سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ سید صاحب کو مطلوبہ یاقوت ملا یا نہیں۔

۵۔ ابتدا میں دہلی کالج میں سنی اور شیعہ طلبہ کی تعلیم کا علیحدہ انتظام نہیں تھا، بلکہ تمام طلبہ بلاتخصیص مسلک ایک ہی جماعت میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ نواب حامد علی خاں کے پُرزور مطالبہ پر ارباب اقتدار کو اس کالج میں ایک ''شیعہ ٹیچر'' کی اسامی نکالنا پڑی اور ۱۸۴۱ء میں اس عہدے پر قاری جعفر علی جارچوی کا تقرر ہوا (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، بحوالہ بالا)۔ موجودہ خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاری صاحب بڑی جماعتوں کے طلبہ کو پڑھاتے تھے اور شیعہ مسلک کے مبتدیوں کی تدریس کا یہاں کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ مولوی برکت علی کا خیال تھا کہ اگر انھیں دہلی کالج میں کوئی عہدہ مل گیا تو وہ ایسے مبتدیوں کو بھی ان کے عقائد کے مطابق پڑھا سکیں گے لیکن عہدے کے حصول کے لیے ان کی یہ دلیل بھی کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ شاید کالج کی مجلس انتظامیہ ایک سے زیادہ شیعہ استاد ملازم رکھنے پر رضامند نہ تھی۔

۶۔ ''الجامع الصغیر'' کے مؤلف جلال الدین السیوطی ہیں اور انھوں نے اس کتاب میں احادیث کو زمانی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے۔ اشپرینگر کے پاس اس کا ایک کامل نسخہ تھا اور دوسرے نسخے میں اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے طویل اقتباسات دیئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ اس کے کتاب خانے میں اس کتاب کا ایک ذیل بعنوان ''الزیادۃ'' بھی موجود تھا۔ تعداد صفحات ۳۵۶۔ رک: فہرست اشپرینگرص ۳۶، شمارہ ۵۳۹-۵۴۱۔ ''الزیادۃ'' کا سنہ کتابت ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء ہے (بحوالہ اہلوارٹ ۲: ۱۶۵)۔ مکتوب نگار نے ''جامع لاصغیر'' کی جس شرح کا ذکر ہے، ممکن ہے، وہ یہی ''الزیادۃ'' ہو، کیونکہ ''شرح جامع صغیر'' کے نام کی کوئی کتاب اس وقت برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔

۱۲

''غریب پرور قدردان فیضان رساں سلامت!

لکھنؤ کے خط سے معلوم ہوا (۱) کہ حضور ملک شام سے کلکتہ تشریف لائے (۲)۔ دریافت اس مژدہ سے کمال خوشی ہوئی۔ خدا تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے۔ اور کمترین کو ملاقات سے مشرف کرے۔

اب میں دو امر کا امیدوار ہوں۔ ایک تو یہ کہ حضور حال اپنی صحت مزاج کا اور صاحبزادوں کی صحت مزاج کا اور وطن میں جانے کہ جرمنی میں بھی تشریف لے گئے کہ نہیں، تحریر فرماویں۔ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ اب کلکتہ میں رہنا ہوگا یا ارادہ کسی اور جگہ کا یا خبر تبدیلی اور ترقی کی ہے کہ نہیں۔ اور دوسری یہ کہ جو کتابیں حضور ملک شام سے لائے ہیں، اون کی فہرست مرحمت ہو اور اگر حضور نے فہرست اون کی سید تقی صاحب کے پاس لکھنؤ روانہ کی ہو تو بھیجنا فہرست کا کمترین کے پاس چنداں ضروری نہیں۔ فقط۔

اور اگر کوئی کتاب حضور کو مطلوب ہو تو کمترین کے پاس فہرست کتب مطلوبہ کی ارسال فرماویں۔ اس واسطے کہ لاہور میں بھی ایران اور کشمیر سے کبھی کبھی کتاب اچھی مل جاتی ہے اور اگر کوئی اور خدمت جو کمترین کے لائق ہو بلا تکلف حکم کریں کہ کمترین اوس کی بجا آوری میں کوشش کرے گا۔

اور کمترین فضل خدا سے بہت خوش ہے اور عہدہ مدرس اول مدرسہ لاہور پر ممتاز ہے۔ اب اس جگہ آرنلڈ صاحب بہادر (۳) ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم حاکم مدارس ہیں اور کار مکتب قریات بھی اونہیں سے متعلق ہے لیکن یہ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک پنجاب ہیں اور ریڈ صاحب ڈائرکٹر اضلاع مغربی اور آرنلڈ صاحب بہادر ابھی چند ماہ سے ملک پنجاب میں مقرر ہوئے۔ کمترین کو سابق میں یہ بھی امید تھی کہ حضور ڈائرکٹر ممالک پنجاب ہوں کہ ممالک پنجاب بہ نسبت بنگالہ کے بہت سرد ہے لیکن ہماری کم قسمتی سے حضور اس ملک میں مقرر نہ ہوئے۔ فقط۔

اگر جواب اس عرضی کا تحریر فرماویں، لفافہ پر یہ نشان لکھیں۔ لاہور میں پاس سید برکت علی مدرس۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اول مدرسہ تعلیم المعلمین (۴) کے پہنچے۔ فقط۔

عرضے

کمترین سید برکت علی، مدرس اول مدرسہ لاہور

کہ درزمان سابق مدرس مدرسہ لکھنؤ بود

مورخہ ۲۲ فروری ۱۸۵۶ء''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار کو اشپرینگر کے کلکتہ واپس پہنچنے کی خبر لکھنؤ سے ملی اور ظاہر ہے، انھیں یہ اطلاع دینے والا سید محمد تقی کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔

۲۔ اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں تقریباً دو سال مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کی۔ اس طویل سفر کا ایک مقصد تو ان ممالک کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لینا تھا اور دوسرا مقصد اہم مخطوطات کی تلاش تھا۔ اس کا یہ دورہ خاصا کامیاب رہا اور اس نے ان ممالک سے بہت سے قلمی نسخے جمع کر لیے۔ وہ یہ خطی نسخے اپنے ساتھ ہندوستان نہیں لایا، بلکہ اس نے اپنے دورے کے اختتام پر انھیں بڑے بڑے صندوقوں میں بند کر کے وہیں سے جرمنی بھجوا دیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو پہلے ہی جرمنی بھیج چکا تھا۔ اب اس کے واپس ہندوستان آنے کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اس نے یہاں سے جو قلمی نسخے اور مطبوعہ کتابیں جمع کی تھیں، انھیں وہ حفاظت سے جرمنی بھجوا سکے۔ وہ غالباً جنوری ۱۸۵۶ء میں واپس کلکتہ پہنچا اور اسی سال یورپ چلا گیا اور وہاں جاتے ہی اس نے اپنے اس نادر ذخیرے کو اچھی قیمت پر فروخت کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اشپرینگر مشرق وسطیٰ کے اس سفر پر ۱۸۵۴ء میں روانہ ہوا اور تقریباً دو سال مختلف ممالک مثلاً عراق، شام، مصر، ترکی، لبنان، یمن اور سعودی عرب میں گھومتا پھرتا رہا۔ [illegible] مختلف جرائد کو مضامین بھیجتا اور اپنے احباب کو خط بھی لکھتا رہتا۔ ایسے کئی خطوط [illegible] ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور جرمن اورینٹل سوسائٹی کے جرائد میں شائع [illegible] نے اپنے ایک خط بنام مولوی چراغ علی (بابت ۸ مئی ۱۸۶۴ء) میں بھی اپنی اس [illegible] ہے۔ ([illegible])

اشپرینگر کے اس دورے کا اس کی علمی زندگی پر بڑا اثر ہوا لیکن حیرت ہے کہ اس کے [illegible] نے اس سفر کا ذکر تک نہیں کیا۔ برلین (مغربی) سے کتاب نما نے میں اس کے [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دستاویزات پر مشتمل جو بڑے سائز کے ڈبے پڑے ہوئے ہیں، ان میں ڈبہ نمبر ۵ میں بہت سے ایسے کاغذات محفوظ ہیں، جن پر اس نے اپنے اس سفر کی یادداشتیں اور دیگر تفصیلات قلمبند کی ہیں۔ ان کی مدد سے اشپرینگر کے مشرق وسطیٰ کے ان ممالک کی مکمل روداد تحریر کی جا سکتی ہے۔

۳۔ William Delafield Arnold (۱۸۲۸ء-۱۸۵۹ء)۔ ۱۸۴۸ء میں ہندوستان آیا اور جلد ہی پنجاب کا کمشنر مقرر ہو گیا۔ ۱۸۵۶ء میں سر جان لارنس نے اسے اشاعت علوم پنجاب کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا (بحوالہ کوہ نور، بابت ۵ فروری ۱۸۵۶ء، ص ۹۱)۔ اس نے ''پنجابی'' کے قلمی نام سے ایک انگریزی ناول بھی لکھا، جو ۱۸۵۳ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ سنہ وفات ۹ اپریل ۱۸۵۹ء۔ برائے تفصیل رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ - ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی از بک لینڈ، ص ۱۷-۱۸۔

آرنلڈ نے پنجاب میں مغربی تعلیم کی ابتدا کے حوالے سے ایک رپورٹ بھی مرتب کی تھی، جو اب بھی اس موضوع پر ایک اہم اور بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رپورٹ کا عنوان درج ذیل ہے:

Beginnings of Western Education in the Punjab, Mr. Arnold's Report on Public Instruction for the year 1856-57.

آرنلڈ کی پہلی (بابت ۶ جولائی ۱۸۵۷ء) اور دوسری (بابت ۲۵ جون ۱۸۵۸ء) تعلیمی رپورٹ کے اقتباسات کے لیے رک:

Selections from Educational Records, pt. II (1840-1859) by J. A. Richey. Calcutta 1922, pp. 288-306.

۴۔ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء) کے بعد انگریزوں نے سیاسی اور انتظامی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ شعبہ تعلیم میں بھی کئی اصطلاحات کیں۔ پہلے سے موجود درس گاہوں کے نصاب اور امور انتظامیہ کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ تعلیم عامہ کا شعبہ قائم ہوا اور دور دراز علاقوں تک تعلیم کی روشنی پھیلانے کے لیے اسکول کھولے جانے لگے۔ جب ان تعلیمی پالیسیوں کے مثبت اور حوصلہ افزا نتائج سامنے آنے لگے، تو اساتذہ کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا بھی احساس ہوا۔ چنانچہ ایسے مدارس کھولنے کی تجویز پیش ہوئی، جہاں اساتذہ کی تربیت ہو سکے اور پھر یہ تربیت یافتہ استاد دور افتادہ علاقوں کے اسکولوں میں پڑھا سکیں۔ ان معلمین کی تربیت کے لیے ایسے مدارس کا نام نارمل اسکول

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تجویز کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء-۱۸۵۲ء کی ایک انتظامی رپورٹ کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

"Some special seminaries for the training of schoolmasters, such as Normal schools, should be established". (Extract from Administration Report Panjab, 1851-52. cf. G.W. Leitner's *History of Indigenous Education*, op. cit., pt. I, p. 161.

لاہور میں جو پہلا نارمل اسکول قائم ہوا، اس کو تعلیم المعلمین بھی کہا جاتا تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

''..... نورمل سکول یعنی تعلیم المعلمین کے جہاں معلم دیہاتی وقصباتی آ کر تعلیم و تکمیل پاتے تھے۔''

(تاریخ مخزن پنجاب، مطبع نامی منشی نولکشور لکھنو، ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء، ص ۱۵۵)

کنہیالال ہندی اس مدرسہ کا یوں ذکر کرتا ہے:

''نارمل سکول: یہ مدرسہ بھی لاہور کے عمدہ مدارس میں سے ہے۔ تعلیم المعلمین بھی اس کو کہتے ہیں۔ اس مدرسہ میں وہ معلم تعلیم پاتے ہیں جو شہر کے باہر بڑے بڑے دیہات وقصبوں وتحصیلی مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ علوم مروجہ کی تعلیم ان کو بخوبی دی جاتی ہے۔ جب پاس کر لیتے ہیں تو پھر مدارس میں بھیجے جاتے ہیں۔ تعلیم کے زمانے میں ان کو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔''

(تاریخ لاہور، مطبع وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۸۸۴ء، ص ۴۳۔ طبع جدید مرتبہ کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۶۵)

لاہور کا یہ نارمل اسکول اندرون شہر موتی بازار کی ایک بڑی حویلی میں قائم کیا گیا۔ یہ حویلی راجہ لال سنگھ کا توشہ خانہ کہلاتی تھی۔ اس پہلے نارمل اسکول یا مدرسہ تعلیم المعلمین کا سنگ بنیاد ۱۸۵۶ء میں رکھا گیا۔ شروع میں یہ تمام ورنیکلر مدرسوں کے لیے اساتذہ کی تربیت کے لیے مختص تھا لیکن جب ۱۸۸۱ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج قائم کیا گیا تو اس کا دائرہ کار صرف ورنیکلر پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی تربیت تک محدود ہو گیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کا انتظام و انصرام سنٹرل ٹریننگ کالج کے پرنسپل کے سپرد تھا۔ ان دنوں یہاں کے زیر تعلیم اساتذہ حضوری باغ کے حجروں میں رہتے تھے۔ رک:

Lahore: Its History, Architectural Remains and Antiquities, by

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Syed Muhammad Latif. Ed. Jürgen W. Frembgen. Bonn: Holos Verlag, 1995.

نیز رک: نقوش (لاہور نمبر)، ص۶۹۲۔

سید محمد لطیف نے لاہور کے پہلے نارمل اسکول یا مدرسہ تعلیم المعلمین کا سنہ آغاز ۱۸۵۶ء لکھا ہے اور برکت علی کا یہ خط بھی اسی سال کے شروع میں تحریر کیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ مدرسہ قائم ہوتے ہی سید برکت علی کا یہاں تقرر ہو گیا اور وہ اس مدرسہ کے پہلے مدرس اول کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

منشی اشرف علی واسطی

دہلی کالج کے آغاز (۱۸۲۵ء) سے اس کی بندش (۱۸۵۷ء) تک جتنے انتظامی سربراہ یا پرنسپل مقرر ہوئے، ان میں کوئی بھی علمی اعتبار سے اشپرینگر کا ہم پلہ نہیں تھا۔ دیگر سربراہان بھی بہترین منصرم، منتظم اور ماہر تعلیم تھے۔ نیز وہ اس کالج کی تشکیل کے بنیادی مقصد سے بھی بخوبی واقف تھے، جس کے تحت یہاں کے تشنگان علم ودانش کو مغربی علوم اور افکار وخیالات سے روشناس کرانا تھا۔ وہ اپنے اس فرض کو خوش اسلوبی سے نبھاتے اور ہندوستانی ذہنوں پر مغرب کی علمی اور فکری برتری کی دھاک بٹھاتے رہے۔

جب اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل مقرر ہوا تو وہ بھی اسی راہ پر گامزن رہا، لیکن اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس نے اس پہیے کو ذرا سا الٹے رخ گھما دیا، یعنی اس نے اردو تراجم کے ذریعہ مغرب کی سائنسی اور علمی ترقیوں سے اہل ہندوستان کو متعارف ضرور کرایا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اعلیٰ علمی روایتوں اور کارناموں کی ایک جھلک بھی اہل مغرب کو دکھادی۔ ویسے بھی علمی سطح پر مشرق ومغرب کا اتصال اس کا مقصد حیات تھا اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس کی زندگی کے تمام تصنیفی سرمایے میں یہی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ جب بتیس سال کی عمر میں (۱۸۴۵ء) اشپرینگر نے دہلی کالج کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اس کے لیے یہ سنہری موقع تھا کہ وہ عہد جوانی کے عزم کو پورا کرسکے۔ چنانچہ اس نے یہاں آتے ہی کئی ایسے اقدامات کیے جو اس کے اسی طبعی میلان کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ خود اسکالر تھا اور علما وفضلا کی پہچان کی صلاحیت رکھتا تھا، اس لیے اس نے تھوڑی مدت میں اپنے گرد کالج اور دہلی شہر کے ایسے چیدہ چیدہ اہل قلم ونظر اکٹھا کر لیے جن کے دم سے علمی دنیا آباد تھی۔ یہ لوگ علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور جب انھیں اشپرینگر جیسے باذوق اور [illegible] شخص کی قدر افزائی نصیب ہوئی تو ان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آگئیں اور وہ اپنے پیچھے ایسے تصنیفی آثار چھوڑ گئے جن سے آج بھی ان کا نام زندہ ہے۔ اشپرینگر کے انھی رفیقوں میں ایک اشرف علی بھی ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کتاب لکھنا ایک مرحلہ ہے اور اس کا چھپوانا دوسرا، اور یہ دوسرا مرحلہ فنی مہارت اور تجربہ کاری کے پیش نظر کچھ کم دشوار نہیں۔ پہلے مرحلے میں تو اشپرینگر کے بہت سے ساتھی تھے، جنھوں نے اس کی فرمائش یا اشتراک سے متنوع موضوعات پر کتابوں کی تالیف و ترجمہ کا کام شروع کر دیا اور دیکھتے دیکھتے ایسی کتابوں اور ترجموں کی بڑی تعداد طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی۔ جہاں تک ان تصنیفات کی طباعت کا تعلق تھا، تو اس شعبے میں صرف ایک ہی شخص سرگرم عمل تھا اور وہ تھا اشرف علی۔ جب دہلی کالج میں ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا تو بہت سے لوگ تالیف و ترجمہ میں مصروف ہو گئے اور خاصی تعداد میں مسودات تیار ہونے لگے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان مسودات کو چھپوانے کا بھی بندوبست کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک مطبع قائم کیا گیا۔ یہ مطبع کالج سے ملحق تھا اور اس سے صرف انھی مسودات کو طبع کیا جاتا تھا، جو مذکورہ سوسائٹی تیار کرتی تھی۔ اس کے علاوہ کالج سے متعلقہ چیزیں مثلاً رجسٹر وغیرہ اور اس کالج سے جاری ہونے والے جرائد بھی اسی پریس میں چھپتے تھے۔ اس مطبع کے مہتمم اشرف علی تھے۔ ان کی انتھک محنت، جانفشانی اور طباعتی امور میں ان کے وسیع تجربہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس شعبے میں اکیلے تھے اور اس مطبع سے سیکڑوں کتابیں اور دیگر چیزیں انھی کی نگرانی میں طبع ہوتی تھیں۔ اس قدر کتابوں کی طباعت کا انتظام و انصرام اشرف علی کا معمولی کارنامہ نہیں اور ان کا یہی کام اردو مطابع کی تاریخ میں ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

اشرف علی مطبع کے مہتمم تھے۔ ان کا بیشتر وقت کتابوں وغیرہ کی طباعت میں گذر جاتا تھا، لیکن وہ صرف طباعتی امور کے ماہر ہی نہیں تھے، بلکہ خاصے پڑھے لکھے شخص تھے۔ مختلف علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی اور فارسی و اردو پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اشپرینگر کو ان کی اس خوبی کا بھی علم تھا، چنانچہ اس کی تحریک پر انھوں نے چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ گو اشرف علی کی ان تالیفات کی تعداد زیادہ نہیں، پھر بھی ان کے عالمانہ ذوق کی داد دینا پڑتی ہے کہ انھوں نے اپنی طباعتی مصروفیات کے باوجود تالیف و ترجمہ کے لیے وقت نکالا۔

دیگر مکتوب نگاروں کی طرح اشرف علی کے بھی اشپرینگر سے گہرے مراسم تھے۔ اشپرینگر نادر و نایاب مخطوطات جمع کرنے کا شوقین تھا۔ اس کے رفقائے کار میں چند ایسے اشخاص بھی تھے جو اس کی مخطوطہ شناسی سے واقف تھے اور جگہ جگہ سے اس کے لیے عربی، فارسی اور اردو مخطوطات اور نادر کتب جمع کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ ان زبانوں سے کماحقہٗ واقف تھے اور خطی نسخوں کی اہمیت اور ان کی پرکھ کے مختلف معیاروں کا پورا علم رکھتے تھے۔ اشرف علی بھی اشپرینگر کے انھی مخطوطہ شناس ساتھیوں میں شامل تھے۔ مختلف کتب فروشوں سے ان کا رابطہ تھا اور جب بھی انہیں کسی قیمتی قلمی نسخے کی اطلاع ملتی، وہ فوراً اشپرینگر کو لکھتے اور اس کی اجازت سے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اسے خرید لیتے۔ اسی طرح دہلی کے اہم نجی کتاب خانوں پر بھی ان کی نظر تھی اور جب یہ اپنے مالک کی وفات کے بعد فروخت ہوتے، تو وہ ان میں سے خاص خاص قلمی نسخے خرید لیتے۔ اشپرینگر کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جو اہم مخطوطہ وہ کسی وجہ سے نہ خرید سکتا، اس کو مستعار لے کر اس کی نقل تیار کرا لیتا تھا۔ یہ نقلیں دہلی کے خوشنویس کرتے اور ان کی تیاری اشرف علی کے ذمہ ہوتی۔ وہ نقول کی تیاری کے بعد اصل نسخے سے موازنہ بھی کرتے اور اگر کہیں سہو کتابت ہوتا تو اسے بھی درست کرتے اور یوں ان نقول کو ہر طرح سے مکمل کر کے اشپرینگر کو بھیجتے۔ اشرف علی کی ایسی تیار کردہ کچھ نقول آج بھی برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں اور ان کے ابتدائی یا آخری صفحات پر اشرف علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارتیں موجود ہیں۔ اشپرینگر کے نام اشرف علی کے جو خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں، ان سے اشرف علی کی زندگی کے اس پہلو سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

دہلی کالج سے متعلق اس دور کے بیشتر اساتذہ اور علماء کی طرح اشرف علی کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں۔ ان کے نوجوان ساتھی اور ہمعصر مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (دہلی، ۱۸۴۸ء) میں ان کے حالات، اوصاف اور تراجم کا اختصار سے ذکر کیا ہے (ص ۴۶۵) اور یہی مختصر معلومات مولوی عبدالحق (مرحوم دہلی کالج) اور مولانا امداد صابری نے اپنی تحریروں میں من و عن پیش کر دی ہیں۔ قاسم علی سجن لعل کے مقالہ (مشمولہ در: دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء) اور محمد عتیق صدیقی کی کتب (ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں اور صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات) کے بعض حصوں سے اشرف علی کی صحافتی زندگی کے متعلق کچھ روشنی پڑتی ہے۔ گارسیں دتاسی نے بھی اپنی ''تاریخ'' میں اشرف علی اور ان کی چند تالیفات کا ذکر کیا ہے، لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اس بنیادی ماخذ سے ابھی استفادہ نہیں کیا گیا۔ زیر نظر خطوط کی بعض عبارتیں اشرف علی کی زندگی کے بارے میں بعض اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان سب متذکرہ ماخذ سے اشرف علی کی زندگی کی جو ادھوری سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اور ان کے علمی کاموں کی جو تفصیل دستیاب ہوتی ہے، وہ سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

اشرف علی کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اشپرینگر کے نام اپنے ایک خط (سنہ تحریر ۱۸۵۱ء) میں وہ لکھتے ہیں کہ ''اب میں ضعیف ہو گیا ہوں۔'' اگر اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے قریب سمجھ لی جائے، تو قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۷۹۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ وہ اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے، چنانچہ کریم الدین ''طبقات'' میں لکھتے ہیں کہ ''قوم سے سید زیدی واسطی بڑے خاندان کا آدمی ہے'' (ص ۴۶۵)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابتدا سے ۱۸۴۵ء تک ان کے حالات زندگی پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ممکن ہے، وہ بھی دہلی کالج ہی کے فارغ التحصیل ہوں۔ لکھنے پڑھنے میں اپنا وقت گذارتے ہوں یا دہلی کے کسی مطبع میں ملازم ہوں۔ گارسیں دتاسی اپنی ''تاریخ'' میں اشرف علی کے ذکر کے تحت لکھتا ہے کہ وہ قدرت اللہ قاسم کے شاگرد تھے (رک: مجموعۂ نغز، ۱: ۲۴۳)۔ قاسم کے ایک دوست یا شاگرد حافظ غلام اشرف تھے، جو اشرف تخلص کرتے تھے (رک: مجموعہ نغز، ۱: ۶۳۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۵۳۔ یادگار شعراء از اشپرینگر، ترجمہ طفیل احمد، الہ آباد ۱۹۴۳ء، ص ۲۵) اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ درحقیقت گارسیں دتاسی کو اشرف تخلص کی مماثلت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی بناء پر اشرف علی کو قاسم کے تلامذہ میں شامل کر دیا ہے۔ ناموں اور تخلصوں کی ایسی مماثلتوں نے گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' میں عجب گل کھلائے ہیں۔ اس نے اشرف علی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نائب سرجن تھے اور آگرہ کے طبی کالج میں استاد تھے، اپنے اس پیشے کی مناسبت سے اشرف علی نے دایا گیری پر ایک کتابچہ (اردو یا انگریزی؟) بھی تحریر کیا تھا۔ اشرف علی جتنا عرصہ دہلی کالج میں ملازم رہے یا مطبع العلوم کو چلاتے رہے، اس سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ علم طب میں اتنی مہارت رکھتے تھے۔ مزید یہ کہ اگر انھیں اس علم پر اتنی دسترس حاصل تھی، تو وہ اشپرینگر کے نام اپنے ان خطوط میں اس بات کا ضرور ذکر کرتے۔ جبکہ وہ اتنا جانتے تھے کہ ان کا مکتوب الیہ طب سے علمی اور عملی تعلق رکھتا ہے اور وہ بحیثیت طبی ماہر ہندوستان ملازم ہو کر آیا ہے۔ دراصل گارسیں دتاسی سے یہاں بھی فروگذاشت ہوئی ہے اور اس نے اشرف نامی کسی طبی ماہر اور استاد کو بھی اشرف علی سمجھ لیا ہے۔ (۱)

دہلی کالج میں اشرف علی کا تقرر بطور منشی ہوا۔ ممکن ہے، انھیں یہ ملازمت اس وقت ملی ہو، جب تھامسن رپورٹ کے مطابق اس کالج کے انتظامی اور تدریسی ڈھانچے میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس کالج کے پہلے پرنسپل فیلکس بوترو نے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا (۱۸۴۳ء) اور اس کے تحت مختلف موضوعات پر کتابیں اور ترجمے شائع کرنے کا وسیع پروگرام بنایا گیا، ممکن ہے اس وقت انھیں کسی ایسے شخص کی ضرورت پڑی ہو، جو طباعت اور نشر و اشاعت کا وسیع تجربہ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ نئے پرنسپل کو کالج کے مختلف النوع دفتری کاموں کے لیے بھی کسی موزوں شخص کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو شاید اشرف علی نے

۱۔ گارسیں دتاسی نے ''شرافت'' کے تحت بھی اشرف علی کا ذکر کیا ہے اور ان کی ''تاریخ کشمیر'' کے اردو ترجمہ اور علم ریاضی کے رسالے کو اس تخلص کے شاعر سے منسوب کیا ہے (۳: ۱۱۲-۱۱۳)۔ یہ تخلص مرزا اشرف علی لکھنوی کا تھا، جو ۱۸۴۷ء میں بقید حیات تھے۔ وہ نظام الدین ممنون کے تلامذہ میں تھے (رک: مجموعۂ نغز، ۱: ۳۴۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۴۳)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پورا کیا اور وہ اس مدرسہ کے منشی یا موجودہ اصطلاح میں آفس سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اشپرینگر نے یہاں آتے ہی سوسائٹی کی رفتار کار اور مطبوعات کے کام کو تیزی سے آگے بڑھانے کے لیے ان کی خدمات حاصل کی ہوں۔

ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے جو کتابیں تیار کی جاتی تھیں، ان کو دہلی کالج ہی میں طبع کیا جاتا تھا۔ غالباً ان کتب کی طباعت اس کالج کے منشی ہی کی ذمہ داری تھی۔ جس پریس سے یہ کتابیں طبع ہوتی تھیں، وہ کالج ہی میں نصب تھا اور اس کا کوئی الگ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ جب ۱۸۴۵ء میں اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل مقرر ہوا، اس وقت بھی سوسائٹی کی کتابیں سابقہ طریقے سے چھپتی رہیں۔ اس نے یہاں آنے کے ایک سال بعد یعنی ۱۸۴۶ء میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے مسعودی کی "مروج الذہب" کا جو خلاصہ بعنوان "کتاب المختار فی الاخبار والآثار" شائع کرایا، اس کے سرورق پر کسی پریس کا نام نہیں لکھا گیا بلکہ "طبع فی المدرسۃ الدھلویہ" مرقوم ہے[1]۔ اشپرینگر نے اپنے دور پرنسپلی میں جو انقلابی قدم اٹھائے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس نے اس پریس کا نام "مطبع العلوم" رکھا اور منشی اشرف علی کو اس کا مہتمم مقرر کیا تاکہ کتابیں تیز رفتاری اور سلیقہ مندی سے شائع ہوں۔ اس نے اس پریس کو ایک لمیٹڈ کمپنی بنانے کی بھی کوشش کی۔ کالج کے بیشتر اساتذہ کو اس میں شریک کیا اور انھوں نے اپنی مالی حیثیت کے مطابق اس کے حصص خریدے۔ غالباً یہ سب کچھ ۱۸۴۷ء میں ہوا، کیونکہ اس سال جو کتابیں چھپیں، ان کے سرورق پر مطبع العلوم کا نام موجود ہے۔ جبکہ اس سے پہلے کسی کتاب پر یہ نام نظر نہیں آتا۔ جتنی مدت اشپرینگر اس کالج کا سربراہ رہا، یہ پریس بڑی خوبی سے کام کرتا رہا۔ چونکہ کتابیں زیادہ طبع ہوتی تھیں اور وہ بیشتر طلبہ کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں، اس لیے وہ جلد ہی فروخت ہو جاتی تھیں اور اس کا اثر پریس کی کارکردگی پر بھی پڑتا۔ کتابوں کی فروخت سے منافع ہوتا اور یوں اس کے شراکت داروں کو بھی مالی فائدہ ہوتا۔ اشپرینگر نے اس پریس کو لمیٹڈ کمپنی اس مقصد کے لیے بنایا تھا کہ مدرسے کے اساتذہ اس میں شریک ہوں اور یوں ان کی مالی حالت مستحکم ہو جائے۔ لیکن بعض لوگ اشپرینگر کے اس نئے طریق کار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس کمپنی کا کاروبار اسی وقت تک چلا، جب تک اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل رہا۔ ۶ ستمبر ۱۸۴۷ء کو حکومت نے اسے یہاں سے [illegible] بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کی جگہ ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس تبدیلی سے [illegible] خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ نئے پرنسپل نے آتے ہی ایک [illegible] ۱۸۴۹ [illegible]

۱۔ "تاریخ کشمیر" (مترجمہ اشرف علی) کے سرورق پر "دہلی کالج پریس" [illegible]
مطبع العلوم ۱۸۴۴ء میں قائم ہوا (رسالہ اورینٹل پریس ان دور لنڈ [illegible])

فیصلہ دیا کہ چونکہ مطبع العلوم براہ راست کالج کی ملکیت نہیں، اسے نہ پریس کے امورِ انتظامیہ میں دخل حاصل ہے اور نہ وہ اس کے طباعتی کاموں کی نگہداشت ہی کرسکتا ہے۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ اس مطبع کو جلد کالج کی حدود سے باہر منتقل کردیا جائے[1]۔ چنانچہ اسی سال مطبع العلوم کالج کی عمارت سے باہر منتقل ہوگیا۔ ان دنوں دہلی کالج کشمیری دروازہ کے قریب کتب خانۂ داراشکوہ کی تاریخی عمارت میں واقع تھا اور پریس کے لیے نزدیک ہی جگہ منتخب کی گئی۔ اس منتقلی کے بعد مطبع دارالعلوم میں جو کتابیں طبع ہوئیں، ان کے سرورق پر پریس کے نام کے ساتھ ''گذر کشمیری دروازہ'' لکھا ہوا ہے۔ جگہ کی تبدیلی اور اشپرینگر کی لکھنؤ روانگی کا اثر اس پریس کے کاروبار پر بھی پڑا۔ کالج کی کتابیں کم چھپنے لگیں۔ نئے لوگ طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے دہلی میں کئی اور پریس چل پڑے اور انھوں نے نرخ بھی کم کردیے۔ ان تمام عوامل کا اثر مطبع العلوم پر بھی پڑا اور رفتہ رفتہ اس کا کاروبار مندا پڑ گیا۔ منافع کم ہوا تو حصہ داروں کو بھی تشویش ہوئی اور وہ اپنے حصص اونے پونے بیچنے لگے۔ منشی اشرف علی ابتداء ہی سے اس پریس کے مہتمم تھے۔ انھوں نے پریس کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی بہت کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ بالآخر ۱۸۵۲ء میں وہ اس سے الگ ہوگئے اور ان کی جگہ کریم بخش مہتمم مقرر ہوئے[2]۔ محمد عتیق صدیقی نے ۵۳ کتابوں کی فہرست دی ہے، جو ۱۸۴۹ء-۱۸۵۱ء

۱۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء)۔ مرتبہ محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۶

۲۔ رک: سلیکشنز فرام دی ریکارڈز آف گورنمنٹ، این ڈبلیو پی۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۴ء۔ ''دہلی اردو اخبار'' (جلد ۱۵ شمارہ ۳۲، بابت ۷ اگست ۱۸۵۳ء) میں اطلاع دی گئی ہے کہ مطبع العلوم (مدرسہ دہلی) کے مہتمم سید اشرف علی نے عامۃ الناس اور اپنے شراکت داروں کو پریس کے حساب کتاب کی تفصیلات بتائیں۔ اس کے کہنے کے مطابق اس شعبہ میں مسابقت بڑھ گئی ہے، اس لیے آمدنی خاصی کم ہوگئی ہے۔ تاہم گیارہ اور انیس روپے کے شیئر کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود حصہ داروں نے ایک اور شیئر کا مطالبہ کیا، جو دگرگوں حالات کے باعث ممکن نہیں۔ اشرف علی مزید بتاتا ہے کہ مدرسہ آگرہ کا پریس مطبع العلوم سے پرانا ہے لیکن اب تک کسی حصہ دار کو ایک پائی کی ادائی بھی نہیں ہوئی۔ اس نے پریس کی آمدنی اور اخراجات کا گوشوارہ پیش کیا۔ اب تک جن حصہ داروں نے اپنے شیئرز کی رقم وصول کرلی ہے، ان میں مولوی مملوک العلی، پروفیسر رام چندر اور مولوی سبحان بخش شامل ہیں۔ جولائی ۱۸۵۲ء تک ۱۰/۷/۵۳۴ روپے مالیت کا اسٹاک موجود ہے۔ اب تک جن اصحاب نے پریس کو واجبات ادا نہیں کیے ان میں حاجی مصطفیٰ، مولوی سید جعفر علی، میر سید، پرنسپل مدرسہ آگرہ، پروفیسر رام چندر، وزیر خاں، مولوی قادر علی، ذوالفقار علی وغیرہ شامل ہیں۔ آخر میں وہ مطبوعات کے عنوان، (جاری)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے مابین مطبع العلوم سے شائع ہوئی تھیں یا زیر طبع تھیں[۱]۔ تین سالوں میں اتنی کتابوں کی طباعت اشرف علی کی اعلیٰ کارکردگی کا بیّن ثبوت ہے۔[۲]

اشپرینگر ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور اسی سال اس نے ''قران السعدین'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار دراصل اشپرینگر کی دیرینہ خواہش کا عملی اظہار تھا۔ وہ اس کی ترتیب اور طباعت پر خصوصی توجہ دیتا تھا۔ اسے اپنی اس کاوش پر فخر تھا، چنانچہ اس نے سیرت پر جو تین جلدوں میں بزبان جرمن کتاب لکھی، اس کی پہلی جلد (برلین ۱۸۶۱ء) کے دیباچے میں اس اخبار کا خصوصی ذکر کیا۔ منشی اشرف علی ۱۸۵۰ء میں اس اخبار کے مدیر مقرر ہوئے اور ایک سال ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اشپرینگر کی عدم موجودگی کے باعث یہ اخبار روبہ زوال تھا۔ اشرف علی کے دورِ ادارت میں اس کے خریدار انیس تھے اور ان میں دس یورپین تھے۔ کل اکتیس کاپیاں چھپتی تھیں[۳]۔ اتنی کم اشاعت میں ایک اخبار کہاں تک چل سکتا ہے، چنانچہ چند سال بعد ''قران السعدین'' بند ہو گیا۔

اشرف علی دہلی کالج کے منشی، ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' کے مدیر اور مطبع العلوم کے مہتمم تھے اور ان کے مختصر حالات انھی حوالوں سے دستیاب ہیں۔ معلومہ مآخذ سے ان کے متعلق یہ آخری اطلاع ملتی ہے کہ وہ ۱۸۵۱ء کے اختتام تک مطبع کے مہتمم رہے۔ اس کے بعد وہ کہاں گئے اور کیا کرتے رہے؟ ان سوالوں کا کوئی تشفی بخش جواب موجود نہیں۔ ۱۸۵۰ء میں متذکرہ تینوں عہدے ان کے پاس تھے۔ یقیناً ۱۸۵۱ء کے آخر تک نہ وہ اخبار کے مدیر رہے اور نہ مطبع کے مہتمم بلکہ صرف کالج کے منشی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود ایک خط میں لکھا ہے کہ وہ کام کرتے کرتے تھک چکے ہیں اور بوڑھے بھی ہو چکے ہیں۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ بطور منشی کالج میں چند برس اور کام کرتے رہے اور ۱۸۵۷ء سے قبل ہی وفات پا گئے۔

منشی اشرف علی ان لوگوں میں ہیں، جو اپنی محنت کے بل بوتے پر ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ان کے سپرد جو کام بھی کیا گیا، اسے انھوں نے بڑی ذمہ داری اور مستعدی سے انجام دیا۔ جس وقت ان کے

تعداد کتب اور فروخت شدہ کتب اور [illegible] کی تفصیل دی گئی ہے۔ ([illegible]
اہمیت'' (انگریزی) از [illegible] (رسالہ [illegible]) [illegible] ۱۹۵۰ء، ص ۶۳)

۱۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۱۹۱-۱۹۲

۲۔ اشرف علی نے اشپرینگر کے نام اپنے خط میں مطبع العلوم کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔

۳۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ۴۱، ۱۱۰، ۱۱۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پاس متذکرہ تینوں عہدے تھے، ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ صبح سے سہ پہر تک وہ کالج میں کام کرتے، یہاں سے فراغت ہوتی تو اخبار ''قران السعدین'' کی ترتیب اور طباعت میں مصروف ہو جاتے۔ ساتھ ساتھ مطبع دارالعلوم کی بھی نگرانی کرتے رہتے۔ چند سال قبل کام کی زیادتی کی وجہ سے اس مطبع کے تین مہتمم تھے، لیکن اب صرف وہی اکیلے رہ گئے، لیکن وہ تنہا اس مطبع کو چلاتے رہے۔ وہ لوگوں کو خطوط لکھتے اور مختلف کتابوں کا موازنہ بھی خود ہی کرتے۔ پھر مطبع کے حساب کتاب کا بھی خیال رکھتے۔ چونکہ اس میں بہت سے لوگ حصے دار تھے، اس لیے حساب فہمی میں بڑی احتیاط برتنا پڑتی تھی۔ یہ بھی کام اشرف علی خود ہی کرتے۔ ان دنوں وہ عمر کے آخری حصے میں تھے، لیکن ان کی ہمت اور حوصلہ ابھی جوان تھا۔ وہ شب و روز محنت کرتے رہے اور یہ ان کی لگن اور بلند ہمتی ہی کا نتیجہ تھا کہ انھیں جو بھی کام سونپا گیا، اسے احساسِ ذمہ داری سے پورا کیا۔

مولوی کریم الدین پانی پتی انھیں قریب سے جانتے تھے اور غالباً ان کے نوجوان احباب میں شامل تھے۔ وہ اشرف علی کے متعلق لکھتے ہیں ''بہت ذہین اور ذکی آدمی ہے۔ اردو زبان بہت پاک وصاف اور اچھی مہارت فارسی کی اون کو حاصل ہے...... یہ شخص بہت خلیق اور متواضع، کشادہ پیشانی، ہنستی صورت، ظریف و ادیب اور عقل مند آدمی ہے۔ دوستی میں بھی صاف اور بے لگاؤ ہے۔ یار وفادار اور بامروت ہے۔''[1]

منشی اشرف علی عالم شخص تھے۔ اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ عربی اور فارسی مخطوطات کی پہچان کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو پر عالمانہ دسترس حاصل تھی۔ علمی کاموں کی مکمل استعداد کے مالک تھے، لیکن ان کی انتظامی مصروفیات اور طباعتی سرگرمیوں نے انھیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ تصنیف و تالیف کی جانب زیادہ توجہ دے سکتے۔ اس وقت ان کی تالیفات میں چند تراجم کے نام ملتے ہیں، ذکر سطور ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ تاریخ کشمیر (یا ''واقعات کشمیر''):

یہ تاریخ فارسی میں لکھی گئی۔ مؤلف کا نام خواجہ محمد اعظم دیدہ مری بن خیر الزمان خان کشمیری مجددی[2] (ولادت اندازاً ۱۱۰۱ھ یا ۱۱۰۲ھ، وفات ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) ہے۔ اس کا دوسرا نام ''تاریخ اعظمی'' ہے۔ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں یہ تاریخ مکمل ہوئی۔ اس میں کشمیر کی تاریخ (ابتداء سے ۱۱۶۰ھ تک) بیان کی گئی

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۲۔ رک: خزینۃ الاصفیا: ۶۸۲۔ تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی)، فارسی متن، ص ۱۸۰۔ ریو: ۳۰۰، ۱۰۸۴-۱۰۸۵۔ تذکرہ شعرائے کشمیر مرتبہ سید حسام الدین راشدی، تکملہ، جلد اول، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۹۱-۹۸۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہے اور ساتھ ہی اس علاقہ کے صوفیا، شعراء اور علماء کے حالات دیے گئے ہیں [۱]۔ اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ دانش گاہ پنجاب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے [۲] اور ایک نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتاب خانے میں بھی موجود تھا۔ [۳]

منشی اشرف علی نے محمد اعظم کی اس فارسی تاریخ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے یہ ترجمہ اشپرینگر کی فرمائش پر کیا۔ یہ ترجمہ پہلی بار دہلی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ اشپرینگر نے مشہور انگریز تاریخ دان ہنری ایلیٹ کی وفات کے بعد اس کی مملوکہ کتب اور مخطوطات کی ایک فہرست تیار کی تھی، جس میں ''تاریخ کشمیر'' کے اس اردو ترجمہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اشپرینگر کے بیان کردہ کوائف کے مطابق اس ترجمہ کے کل صفحات ۳۵۷ اور ۸۵ بیت (غالباً فی صفحہ) ہیں [۴]۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشرف علی نے منظوم ترجمہ کیا تھا [۵]۔ اس ترجمے کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

''چونکہ در ینولا صوبہ کشمیر جنت نظیر عنایت قادر قدیر سے''۔

اس طبع اول کے بارے میں کریم الدین لکھتے ہیں:

''ایک تاریخ کشمیر کی، جو فارسی میں تالیف کی ہوئی محمد اعظم کی تھی، بموجب حکم صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی کے اردو میں انھوں نے ترجمہ اوس کا کیا ہے۔ بہت اچھا ترجمہ ہے۔'' [۶]

منشی اشرف علی کا یہ ترجمہ اس قدر مقبول ہوا کہ تین سال بعد یعنی ۱۸۴۹ء میں اسے دوسری بار شائع کیا گیا [۷]۔ اس کا ایک نسخہ اشپرینگر اپنے ساتھ جرمنی لے گیا اور وہاں جاتے ہی اس نے اپنے کتاب خانے کی جو فہرست مرتب کی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء)، اس میں اس ترجمے کو بھی شامل کیا۔'' [۸] ''قران

۱۔ اسٹوری ۱:۱ (طبع عکسی، ۱۹۷۰ء)، ص ۲۶۳-۲۸۴۔ مارشل، ص ۳۰۸، شمارہ ۱۱۲۵ (مع دیگر مآخذ)

۲۔ فہرست مخطوطات شیرانی مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، جلد سوم، لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۳۔ مکتوبہ محی الدین، بتاریخ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء۔ مطبوعہ لاہور بعنوان ''تاریخ کشمیر اعظمی'' ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء۔

۳۔ مکتوبہ ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء۔ رک: فہرست مخطوطات شفیع، تالیف ڈاکٹر محمد بشیر حسین، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۵۹-۶۰ (مع دیگر مآخذ)

۴۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۳، شمارہ ۳ (۱۸۵۴ء)، ص ۲۵۳، شمارہ ۵۵

۵۔ گارسیں دتاسی ۱:۲۴۴

۶۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۷۔ گارسیں دتاسی ۱:۲۴۴

۸۔ ص ۱۷، شمارہ ۲۴۰۔ طبع اول کی طرح اس ایڈیشن کے بھی ۳۵۷ صفحات تھے، لیکن یہاں سہواً ۳ چھپ گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

السعد ین'' کے ایک شمارے میں '' حال تاریخ کشمیر'' کے تحت اس ترجمے (طبع اول) کے متعلق یہ تفصیلی نوٹ بطور اشتہار دیا گیا ہے:

'' تاریخ کشمیر، جس کا حال لکھا جاتا ہے، پہلے زبان فارسی میں تھی اور اس کو محمد عظیم [۱] نے تالیف کیا تھا۔ اس کتاب کو بموجب حکم جناب سپرنجر صاحب سکتر سوسائٹی علوم کے منشی اشرف علی صاحب، کہ زبان اردو اور فارسی سے اچھی آگاہی رکھتے ہیں، زبان اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے تین سوچھپن صفحہ ہیں اور ہر صفحہ میں پندرہ سطریں [۲]۔ اس کتاب کا کاغذ سرام پوری ہے اور خط کاتب کا رسمی نستعلیق۔ مؤلف نے اس کتاب کو ایک مقدمہ، تین قسم اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں اجمالاً حال کشمیر کا ہے۔ اول میں حال اوس عملداری کا ہے، جو پہلے غلبۂ اسلام سے تھی۔ قسم دوم میں حال اون سلاطینوں کا ہے جو بعد فروغ سلطنت اہل اسلام کے کشمیر میں مشہور ہوئے۔ قسم سوم میں حال غلبہ چغتائیہ تیموریہ کا بیان ہے اور خاتمہ میں عجایب وغرایب شہر کشمیر کا ذکر ہے۔ اور روئیدگی وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ یہاں کا بیان صاف صاف ہے اور زبان مترجم کی بہت سلیس الا ایک آدھ جگہ بُو ترجمہ کی پائی جاتی ہے...... قسم اول یہاں کا ترجمہ بہت اچھا ہے اور طرز تحریر بہت شگفتہ اور محاورات اردو بہت موقع پر کام آئے ہیں۔ واسطے تصدیق اس امر کی ہم کئی فقرہ کتاب سے نقل کرتے ہیں...... غرضیکہ یہ کتاب بہت اچھی ہے اور قابل سیر ہے اور اس کی تین روپیہ قیمت ہے۔ یہ کتاب اس مطبع میں طبع ہوئی ہے۔ جس کسی صاحب کو اس کے لینے کی ضرورت ہو، اپنی درخواست مہتمم اخبار ہٰذا کے پاس مع قیمت کے بھیج دے۔'' [۳]

۲۔ رسالہ اصول حساب: یہ رسالہ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر آگسٹس ڈی مورگن (Augustus de Morgan) کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ دراصل یہ ترجمہ لالہ ہردیو سنگھ خلف بسنتی رام نے کیا تھا۔ مترجم دہلی کالج میں منشی گری انگریزی پر مامور تھا (۴) اور ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر

۱۔ اصل نام محمد اعظم ہے۔ اسنوری نے اس اردو ترجمہ (طبع اول) کے سرورق کی جو انگریزی عبارت دی ہے اس میں بھی محمد عظیم ہی مرقوم ہے (حوالہ مذکور، ص ۶۸۴)

۲۔ اشپرینگر نے صفحات کی تعداد ۳۵۷ لکھی ہے۔ یہاں فی صفحہ سطور درج ہیں لیکن اشپرینگر نے ۸۵ بیت (فی صفحہ) لکھا ہے (بحوالہ مذکور) مولوی کریم الدین کے تذکرہ اور اس اقتباس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ منظوم نہیں، بلکہ نثر میں تھا۔

۳۔ قران السعدین، جلد ۲، نمبر ۲، بابت ۱۱ جنوری ۱۸۴۷ء، ص ۱۹-۲۰۔ (مخزونہ قومی کتاب خانہ، برلین)

۴۔ غالباً دہلی کالج میں بیک وقت دو منشی ہوا کرتے تھے، ایک شعبہ انگریزی میں اور دوسرا شعبہ علوم شرقیہ میں۔ (جاری)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اٹھائیس برس تھی[۱]۔ منشی اشرف علی نے اس ترجمہ میں ہردیو سنگھ کی مدد کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشرف علی انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے تھے اور انھیں علم حساب کی مبادیات کا بھی علم تھا۔ یہ ترجمہ مطبع العلوم ہی سے پہلی بار ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا[۲]۔ ۱۸۴۷ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا[۳]۔ کریم الدین اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں ''اور رسالہ اصول حساب میں بابو ہردیو سنگھ کی مدد دی ہے۔''[۴] اور ہردیو سنگھ کے تحت وہ رقم طراز ہیں کہ ''ایک رسالہ اصول حساب میں ڈیمورگن صاحب کا بھی اوس کی تالیف سے ہے، مگر اس رسالہ کی اصلاح اردو اور تصحیح میں منشی اشرف علی منشی مدرسہ نے کوشش کی ہے۔''[۵]

۳۔ کریم الدین اپنے تذکرہ میں اشرف علی کے ذکر کے تحت لکھتے ہیں کہ ''بریف سروے ہسٹری کے ترجمہ میں بھی اونہوں نے تصحیح اور اصلاح جاری کی ہے۔''[۶] انگریزی میں یہ کتاب کس نے لکھی۔ اس کا ترجمہ کس نے کیا اور یہ ترجمہ کب اور کہاں سے شائع ہوا؟ ان سوالوں کے متعلق محولہ بالا مآخذ کوئی جواب نہیں دیتے۔

۴۔ تاریخ افغانستان: اس کا مؤلف یا مترجم موتی لال دہلی کالج کے شعبۂ انگریزی کا ذہین طالب علم تھا۔ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر انیس سال تھی[۷]۔ وہ اشپرینگر کے ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' کا مدیر بھی

اشرف علی دوسرے شعبہ میں منشی گری کرتے تھے۔

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۲۔ گارسیں دتاسی ۱: ۴۷۵

۲۔ فہرست تالیفات، ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی در: جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ ۲، بابت ۱۸۴۵ء، ص ۷۸ (رومن)

۳۔ بقول گارسیں دتاسی اس ترجمہ میں ہردیو سنگھ کی اعانت منشی اشرف علی کے علاوہ اجودھیا پرشاد نے بھی کی تھی۔ اس کے خیال میں یہ وہی رسالہ ہے، جس کا ذکر ایچ ایس ریڈ نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۴ء، ص ۵۵ (''تاریخ'' ۱: ۵۷۵)۔ محمد عتیق صدیقی نے ایک کتاب ''اصول علم الحساب'' (نظر ثانی شدہ) کا حوالہ دیا ہے، جو بریلی کے مطبع عمدۃ الاخبار سے ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی تھی۔ (صوبہ شمالی مغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۲۸)

۴۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۵۔ ایضاً، ص ۴۶۲

۶۔ ایضاً، ص ۴۶۵

۷۔ ایضاً، ص ۴۶۷

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

رہا۔ گارسیں دتاسی نے اس تاریخ کا ذکر اشرف علی کے تحت کیا ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے اس کتاب کی تالیف یا ترجمے میں کیا مدد کی[1]۔ ایک اور جگہ موتی لال کے حالات کے ضمن میں اشرف علی کا نام اس تاریخ کے ناشر کے طور پر لکھا ہے۔[2]

۵۔ ہدایت المبتدی: گارسیں دتاسی نے اسے بھی اشرف علی کی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب اردو سیکھنے والوں کے لیے لکھی گئی، بنارس سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی (صفحات ۸۰)۔ اس کے بعد بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔[3]

۶۔ ایک مجموعۂ واسوخت میں اشرف علی کے چند واسوخت شامل ہیں اور ایک کتاب ''گلزار نشاط'' کے اختتام پر ان کی کہی ہوئی دو تاریخیں موجود ہیں[4]۔ ممکن ہے، یہ واسوخت اور تاریخیں اشرف تخلص کے کسی اور شاعر کی ہوں، جنہیں گارسیں دتاسی نے حسب عادت منشی اشرف علی سے منسوب کر دیا ہے۔

اس مجموعۂ مکاتیب میں اشپرینگر کے نام تحریر کردہ اشرف علی کے چھے خطوط ہیں۔ یہ تمام بلا تاریخ ہیں، لیکن اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۲ء کے مابین لکھے گئے۔ مکتوبات معہ تشریحات درج ذیل ہیں:

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے، حضور کا سرفراز نامہ درباب نقل حال رجال ''روضۃ الطاہرین'' (۲) سے نیاز مند کے پاس پہنچا۔ چنانچہ کتاب مذکور معرفت جناب ٹیلر (۳) صاحب بہادر کی منگوا کر خواجہ شمس الدین (۴) سے جس قدر حال اوس میں دستیاب ہوا، لکھا کر اوس کو حضور میں بھیجتا ہوں، ملاحظہ سے گذرے گا۔

اور ایک دو ورقہ ''صحیح ترمذی'' (۵) کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں

۱۔ گارسیں دتاسی ۱: ۲۴۳۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس تاریخ کا نیا ایڈیشن ۱۸۵۱ء میں زیر طبع تھا۔

۲۔ ایضاً، ۲: ۳۴۱

۳۔ ۱: ۲۴۴۔ محمد عتیق صدیقی نے بھی اسی عنوان کی درسی کتاب کا ذکر کیا ہے، جو ۱۸۵۰ء میں بنارس کے مطبع باغ و بہار سے طبع ہوئی (صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۷۲)

۴۔ گارسیں دتاسی ۱: ۲۴۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ یہ کیسی چھپتی ہے۔ جناب عالی! دلّی میں کاتب خوشنویس نہیں بہم پہنچتا۔ والّا نہ اہل لکھنؤ ایسا کیا کرتے ہیں جو حضور کے اقبال سے ہم نہ کر سکیں۔ اور اب بھی اقبال خاوندی سے اس کی چھپائی سوداگر بہت پسند کرتے ہیں۔ اور حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں ''تحفۃ المومنین'' (۶)، ''صحیح ترمذی''، ''الفاظ الادویہ'' (۷)، ''تاریخ روم'' (۸)، ''کتاب ہیئت'' (۹) اور کاغذ اخبار (۱۰) وغیرہ۔ اب تک تو عنایت ایزدی سے کار مطبع کا رونق پر ہے اور کیوں نہ رونق پر ہو جب آپ جیسے مربی اس کا خیال رکھتے ہوں اور مسٹر ٹیلر صاحب بہادر اس کی درستی میں کوشش فرماتے ہوں۔

عریضہ

نیازمند اشرف علی''

اس خط کی دوسری جانب یہ دو سطریں لکھی ہوئی ہیں:

''دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر (۱۱) کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی (۱۲) بابت قیمت سنگ پاش کے اون سے طلب کریں۔ وہ اپنے پاس (سے) دے کر مجھ کو اطلاع دیں۔ یہاں میں علی اصغر (۱۳) کو دے دوں گا۔''

تشریحات:

۱۔ اس خط پر سنہ تحریر درج نہیں، لیکن اس میں درج چند باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۴۸ء میں لکھا گیا۔ شواہد درج ذیل ہیں:

الف۔ اس خط میں دو بار ٹیلر کا اس انداز سے ذکر ہوا ہے کہ وہ ان دنوں دہلی کالج کا نگران اور مطبع کا بہی خواہ تھا۔ دراصل اس وقت ٹیلر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل تھا۔ قبل ازیں وہ برسوں اس کالج کے معاملات میں دخیل رہا اور بطور سربراہ اس کالج کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ جب کالج کے لیے پرنسپل مقرر کرنے کی تجویز پیش ہوئی تو اسے ہٹا کر بوترو کو پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۵ء میں اسپرنگر عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہوا۔ جب وہ ۱۸۴۷ء کے اوائل میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی حیثیت سے لکھنؤ چلا گیا تو ٹیلر کو اس کی جگہ قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ اسپرنگر ۱۸۵۰ء کے شروع میں لکھنؤ سے اپنا کام ختم کر کے دہلی واپس آیا تو ٹیلر کی قائم مقامی کا دور ختم ہو گیا۔ اسی سال کے وسط میں اسپرنگر کی خدمات بنگال منتقل کر دی گئیں تو دہلی کالج کے پرنسپل کے لیے کارگل کو منتخب کیا گیا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو ٹیلر اتنی دیر تک دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل رہا جب تک اسپرنگر لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کرتا رہا۔ اسپرنگر کو یہ کام ۲۶ مئی ۱۸۴۷ء کو دیا گیا۔ ۳۰ مارچ ۱۸۴۹ء ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پہنچا اور وہاں سے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو واپس دہلی روانہ ہوا۔ یوں اشپرینگر دہلی سے تقریباً پونے دو سال غیر حاضر رہا اور اتنی مدت کے لیے ٹیلر دہلی کالج کا سربراہ رہا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ خط ۱۸۴۸ء یا ۱۸۴۹ء میں لکھا گیا، لیکن ۱۸۴۸ء (مارچ کے بعد) زیادہ قرین قیاس ہے۔

ب۔ اشپرینگر نے لکھنؤ میں عمدہ خط میں چھپی ہوئی کچھ کتابیں دیکھیں، تو اس کی تعریف بذریعہ خط اشرف علی سے کی۔ اشرف علی نے جواباً لکھا کہ اگر دہلی میں ماہر خوش نویس ہوں، تو یہاں اس سے بھی اچھی کتابیں شائع کی جا سکتی ہیں۔ خط کی اس عبارت سے کہ ''اہل لکھنؤ ایسا کیا کرتے ہیں جو حضور کے اقبال سے ہم نہ کر سکیں۔'' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب اشرف علی نے یہ خط لکھا، اشپرینگر لکھنؤ میں تھا۔ سطور بالا میں اشپرینگر کے قیام لکھنؤ (۳ مارچ ۱۸۴۸ء تا یکم جنوری ۱۸۵۰ء) کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ یہ خط بھی اسی دوران میں تحریر کیا گیا۔

ج۔ جب یہ خط لکھا گیا، مطبع العلوم سے ''صحیح ترمذی'' طبع ہو رہی تھی۔ اشرف علی اس خط میں لکھتے ہیں کہ ''ایک دو ورقہ ''صحیح ترمذی'' کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں کہ یہ کیسے چھپتی ہے۔'' یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں زیر طبع تھی، چنانچہ مولانا مملوک العلی نانوتوی اپنے ایک مکتوب (بابت ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء) میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں کہ ''ترمذی انشاء اللہ تعالیٰ تین مہینے میں یا کچھ زیادہ میں تمام ہوگی۔ دو ورق روز چھپتے ہیں۔'' (مکتوبات مملوک العلی، حوالہ مذکور، مراسلہ نمبر ۲، تشریحات)۔ ان تصریحات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۴۸ء میں لکھا گیا۔

۲۔ ''روضۃ الطاہرین'' کا دوسرا نام ''تاریخ طاہری'' بھی ہے۔ یہ تاریخ فارسی زبان میں لکھی گئی اور اس میں ابتدائے آفرینش سے ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء تک کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مؤلف کا نام طاہر محمد بن عماد الدین حسن بن سلطان علی بن حاجی محمد حسین سبزواری ہے اور یہ دربار اکبری سے منسلک تھا۔ رک: ایلیٹ: تاریخ ہند، ۶: ۱۹۵-۲۰۹۔ ریو ا: ۱۱۹-۱۲۱ (مع دیگر مآخذ)۔ استوری ۱/۱ (طبع عکسی، ۱۹۷۰ء)، ص ۱۲۲-۱۲۳۔

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ اب بھی ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ ہے۔ اوراق ۴۸۹، عمدہ خط شکستہ۔ یہ دراصل مختلف قلمی نسخوں کا مجموعہ ہے، جس میں ایک نسخہ ''روضۃ الطاہرین'' کا بھی ہے۔ یہ نسخہ مکمل نہیں، بلکہ یہ قسم اول (اس تاریخ کی کل پچاس اقسام یعنی باب ہیں) کا ایک حصہ ہے۔ یہ ناقص الطرفین ہے اور بحالت موجودہ سکندر اعظم کے حالات پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے رک: فہرست کتابخانہ اشپرینگر (گیسن، ۱۸۵۷ء)۔ پرنٹش، ص ۴۰۶، شمارہ ۴۱۵۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۳۔ فریڈرک ٹیلر۔ ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کا سربراہ مقرر ہوا تھا۔ چند سال بعد اُسے ہیڈ ماسٹر کا عہدہ تفویض ہوا (۱۱۶ اگست ۱۸۲۹ء، تنخواہ چار سو روپے)۔ جب ۱۸۳۹ء میں جنرل کمیٹی نے یہ سفارش پیش کی کہ کالج کا ایک مستقل پرنسپل مقرر کیا جائے، تو اسے ہٹا کر فیلکس بوترو کو پہلا پرنسپل بنایا گیا (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء)۔ مارچ ۱۸۴۸ء میں اشپرینگر لکھنؤ چلا گیا، تو ٹیلر کو اس کی عدم موجودگی میں کالج کا قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ اشپرینگر کی واپسی (ابتداء ۱۸۵۰ء) تک وہ اسی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اسی سال کے وسط میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور دہلی کالج کے عہدۂ پرنسپلی پر جے۔ کارگل کا تقرر ہوا۔ ۱۸۵۴ء میں کارگل کے جانے کے بعد پھر ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا اور اس کے بعد ۱۸۵۷ء تک وہی اس حیثیت سے کام کرتا رہا۔ وہ اسی سال کے ہنگاموں میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے ڈرامائی واقعہ کی تفاصیل محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے حالات کے تحت ملتی ہیں۔ رک: راقم کا مقالہ بعنوان "آزاد اور ان کے والد" در: مطالعۂ آزاد، حوالہ مذکور)

۴۔ یہ کوئی خوشنویس معلوم ہوتے ہیں، جن سے اشرف علی نے "روضۃ الطاہرین" نقل کروائی۔ گارسیں نے شمس الدین نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے، جس نے "لٹھ شریعت" کے عنوان سے ایک مختصر سا کتابچہ لکھا تھا، مطبوعہ دہلی، ۱۸۶۸ء (۳: ۱۰۹)۔ دہلی کالج کے طلبہ کے ایک رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) میں مملوک العلی نانوتوی کی جماعت اول (عربی) میں شمس الدین نام کا طالب علم موجود تھا، جس کی عمر پچیس سال تھی اور وہ ساڑھے چھ سال سے یہاں زیر تعلیم تھا۔

۵۔ یہ ۱۸۴۸ء میں مطبع العلوم سے چھپنا شروع ہوئی اور ۱۸۵۲ء میں مکمل ہوئی۔ رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، مکتوب نمبر ۲، مع تشریحات نمبر ۷۔

۶۔ یہ محمد مومن خاں حسینی کی طبی کتاب ہے، جس کا موضوع مخزن ادویہ ہے۔ سنہ تالیف ۱۶۹۹ء۔ اس کی طباعت ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی (صفحات ۶۶۸)۔ رک: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۸ مع تحقیقی نوٹ۔ فہرست اشپرینگر میں مطبوعہ نسخے کے علاوہ ایک مخطوطہ بھی مذکور ہے (ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۲)۔ نیز اس کتاب پر اشپرینگر کا نوٹ بذیل "لٹریری انٹیلی جنس"، جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۰، شمارہ نمبر ۷، بابت ۱۸۵۱ء، ص ۶۲۔

۷۔ اس کی طباعت ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی (صفحات ۲۸۹)۔ اس کے حاشیے پر محمد اکمل خاں کی "تالیف شریف" چھاپی گئی، جو ہندوؤں کے علم طب سے متعلق تھی (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۱)۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اپنے ایک مکتوب بنام اشپرینگر (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لکھتے ہیں" الفاظ الادویہ کے مقدمہ میں یہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب نے بشرکت کسی اور صاحب کے چھپوائی تھی اور سب کی سب حاجی رستم علی سوداگر کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ لیکن بازار میں تلاش سے مل سکتی ہے۔ انشاء اللہ ایک نسخہ حضور کے واسطے خرید کر کے اور جلد بندھوا کر ہمراہ رکھوں گا۔"

(مکتوبات مملوک العلی شمارہ ۵، تشریحات شمارہ ۶)۔

"الفاظ الادویہ" کے کل دو سو نسخے چھپے تھے۔ قیمت فی نسخہ دو روپے تھی اور جس سال یہ کتاب طبع ہوئی (۱۸۴۹ء)، اسی سال اس کے ڈیڑھ سو نسخے فروخت ہو گئے۔

(رک: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۸)۔

۸۔ مولوی عبدالحق نے "مرحوم دہلی کالج" میں ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے تراجم و تالیفات کی ایک جامع فہرست دی ہے (ص ۱۳۹-۱۴۵)۔ اس کے شمارہ ۱۴ پر "تاریخ روما" کا عنوان لکھا گیا ہے۔ شاید یہ وہی تاریخ ہو۔ اگر عنوان کے ساتھ مؤلف یا مترجم کا نام ہوتا، تو مزید معلومات حاصل کرنے میں مدد ملتی۔ محمد عتیق صدیقی نے مطبع العلوم کی مطبوعات (مابین ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) کی طویل فہرست نقل کی ہے (صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۶-۱۹۲)، لیکن اس میں "تاریخ روم" نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ بہر حال اشرف علی کے اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۸۴۸ء میں مطبع العلوم ہی سے طبع ہو رہی تھی۔

۹۔ مولوی عبدالحق اور محمد عتیق صدیقی کی متذکرہ بالا کتابوں میں اس کا حوالہ موجود نہیں۔ دہلی کالج کے استاد اور مشہور ریاضی دان، ماسٹر رام چندر نے ایک رسالہ بعنوان "اصول علم ہیئت" لکھا تھا، جو دہلی سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ رک: نمونۂ منثورات (تاریخ نثر اردو) مرتبہ احسن مارہروی، علی گڑھ ۱۹۳۰ء، ص ۱۳۵۔ ماسٹر رام چندر مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ جعفر، حیدرآباد دکن ۱۹۶۰ء، ص ۲۶ (صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنی کتاب "ماسٹر رام چندر" مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۱ء میں اس رسالے کا حوالہ نہیں دیا)۔ شاید "کتاب ہیئت" ماسٹر رام چندر کے اس رسالہ کی طبع ثانی ہو۔

۱۰۔ مراد "قران السعدین"، جو ہفتہ وار اخبار تھا اور دہلی کالج کے دیگر اخباروں کی طرح مطبع العلوم ہی سے شائع ہوتا تھا۔

۱۱۔ اشپرینگر کے خاص رفیق کار، مدرسہ آگرہ کے مدرس اول (عربی)۔ وفات ۲۵ جون ۱۸۵۲ء۔ ان کے مکتوبات بنام اشپرینگر مع حالات آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۱۲۔ حکیم محمد اکبر نے طب پر ایک فارسی کتاب بعنوان "میزان الطب" تالیف کی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حسین علی نے کیا تھا، جو مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں طبع ہوا تھا (صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)۔ شاید یہ وہی مترجم ہوں۔

۱۳۔ علی اکبر کا چھوٹا بھائی تھا۔ دونو بھائی مولانا مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ ۱۸۴۷ء میں علی اصغر مولانا کی جماعت اول عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔

۲

''غریب پرور سلامت (۱)

والا نامہ حضور کا پہنچا۔ موجب ہزاروں شکر کا ہوا۔ در ینولا چار کتابیں میرے پاس اس تفصیل سے پہنچی ہیں۔ ''مروج الذہب'' مصنفہ مسعود [ی] بخط عرب، چنانچہ عبارت اول جلد کے آخر کی اس کاغذ پر ثبت کی ہے (۲)۔ ''مختار نامہ'' (۳) و ''سفینۃ الاولیاء'' (۴)، ''در یک جلد'' ''تذکرہ حسینی'' (۵) ناتمام مجلد بخط فارسی۔ ''تاریخِ دُرِ بے بہا'' خط فارسی۔ قیمت ''مروج الذہب'' کی پچیس روپے، قیمت ''مختار نامہ'' و ''سفینۃ الاولیاء'' دس روپے ''تذکرہ حسینی'' تین روپے، ''تاریخ دُرِ بے بہا'' (۶) تین روپے۔ ان میں سے جون سی کتاب حضور کو منظور [ہو]، اوس سے مطلع فرمائیں، تا کہ میں خرید لوں۔

اور یہ نیاز مند اکثر اوقات حضور کی یاد میں رہتا ہے۔ اور حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی، کیونکہ حضور کی خواہش کے موافق ہوا (۷)، مگر حضور کی مفارقت کا البتہ رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے آپ کو خوش رکھے کیونکہ آپ کی ذات ہم غریبوں کی پشت پناہ ہے۔ بخدمت میم صاحبہ آداب و صاحبزادہ ہا (۸) دعا میگویم

فدوی اشرف علی''

اس خط کے دائیں جانب ''نقل صفحۂ آخر مروج الذہب'' درج ہے۔ ''و وجدت فی بعض الکتب التواریخ فی اخبار الحسن ثم بعدلسید الوصین فجر اللہ تلک المصہ ... اللہ'' اور نیچے خط میں مذکورہ مخطوطات کے اوراق اور فی صفحہ سطور لکھی گئی ہیں۔ ''مختار نامہ'' (۲۱۱ ورق، سطور فی صفحہ ۱۰، حروف فی سطر تخمیناً ۴۸)، سفینۃ الاولیا (۱۳۰ ورق، سطور فی صفحہ ۱۹، حروف فی سطر ۵۲ تخمیناً)۔ یہ دونوں قلمی نسخے ایک ہی جلد میں ہیں۔ ''تذکرہ حسینی'' (۱۰۹ ورق، سطور ۱۷، حروف ۴۶)، تواریخ دُرِ بے بہا'' (۲۰۹ ورق، سطر ۱۱، حروف ۳۹)۔ اس خط کی دوسری جانب بخط اشرف علی

''اور ایک قطعہ چٹھی درباب ''تاریخ یمینی'' (۹) کے میرے نام پر ہوا اوس کو حضور سے ملاحظہ سے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

واسطے بھیجتا ہوں۔ جو اس باب میں حکم ہو، عمل میں لاؤں۔"

اس کے مقابل یہ دوسطری فارسی عبارت:

"بخدمت مولوی سید علی اکبر صاحب بعد از سلام ودعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم (۱۰) حسب الایماء الصاحب بوطن اند وا ینجا بہمہ وجوہ بخانہ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب (۱۱) عازم وطن شدہ اند و بامر خیریت است۔" (۱۲)

تشریحات:

۱۔ یہ خط ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔ ۴ جولائی کا علم اگلے خط کی ابتدائی عبارت سے ہوتا ہے، جو اس کے بعض مندرجات کی یاد دہانی کے طور پر لکھا گیا۔ ۱۸۵۰ء کا تعین زیر نظر خط کے اس جملے سے ہوتا ہے۔ "حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی۔" مئی ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور "ترقی مرتبہ" کا اشارہ اسی تقرری کی جانب ہے۔

۲۔ مسعودی (م۔ ۳۴۵ھ/۹۵۶ء) کی "مروج الذہب" سے اشپرینگر کو خاص لگاؤ تھا۔ اس نے ہندوستان آنے سے قبل اس کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا، جس کی پہلی جلد لندن سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اشپرینگر اپنی دیگر مصروفیات اور ہندوستان روانگی کے سبب یہ ترجمہ مکمل نہ کر سکا۔ ہندوستان آنے کے بعد اس کی "مروج الذہب" سے دل چسپی کم نہ ہوئی اور اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے اس کی تلخیص بعنوان "کتاب المختار فی الاخبار والآثار" (مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء) شائع کرائی۔ (رک: بذیل تالیفات مملوک العلی، ص ۴۰-۴۱)۔

جب اشپرینگر ہندوستان سے روانہ ہوا، تو "مروج الذہب" کے دو قلمی نسخے اس کی ذاتی ملکیت تھے۔ ان میں سے ایک محمد یوسف بن مرتضیٰ قلی افشار کا مکتوبہ تھا۔ سنہ کتابت شوال ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۸ء۔ اوراق کی تعداد ۴۶۵۔ دبیز کاغذ لیکن کہیں کہیں سے کرم خوردہ۔ مخطوطے کی مجموعی حالت اچھی تھی۔ بعض صفحات کے حواشی پر متن کی تصحیح بھی کی گئی تھی۔ تفصیلات کے لیے رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴، شمارہ ۴۶۔ اہلوارٹ ۹ (۱۸۹۷ء): ص ۴۱، شمارہ ۹۴۲۸۔ لیکن اس خط میں "مروج الذہب" کے جس قلمی نسخے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دو جلدوں میں تھا اور ہر اعتبار سے مکمل تھا۔ پہلی جلد کے ۵۴ اوراق تھے۔ فی صفحہ ۳۳ سطور۔ جگہ جگہ سے کرم خوردہ۔ ابتدائی صفحہ پر "کتاب مروج الذہب المسعودی" مرقوم ہے۔ سنۂ کتابت اندازاً اواخر سترھویں صدی عیسوی۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴، شمارہ ۴۷۔ اہلوارٹ ۹: ص ۴۱، شمارہ ۹۴۲۹۔ جلد دوم کے صفحات کی تعداد ۸۷۹ ہے۔ ۲۱ سطور فی صفحہ۔ پہلے صفحہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پر ''الجزء الثانی من مروج الذہب وعقود الجوہر'' منقول ہے۔ یہ جلد معاویہ بن ابوسفیان کے زمانہ خلافت سے شروع ہوتی ہے۔ سنہ کتابت جمادی الثانی ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴: شمارہ ۴۸۔ اہلوارٹ، محولہ بالا۔ سیتز گن ۱: ۳۴۴۔

۳۔ اس کا دوسرا نام ''قصہ مختار'' (فارسی) ہے۔ یہ ذخیرۂ اشپرینگر کے ایک مجموعۂ مخطوطات میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں تین قلمی نسخے ہیں اور ''مختار نامہ'' ان میں سب سے پہلے کتابت ہوا ہے (مکتوبہ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اس مجموعہ کے اوراق ۳۴۲ ہیں۔ خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ''مختار نامہ'' کی ابتدائی عبارت یہ ہے:

''الحمد للّٰہ رب العالمین و العاقبت (کذا) للمتقین و صلی اللّٰہ علی محمد و الہ اجمعین امابعد تسلی دل مومنین وراحت جان مجروحان۔ ملخص قصہ مختار است''۔

اور آخری عبارت یوں ہے:

الحمد للہ کہ مختار نامہ بتاریخ بیست و پنجم رجب سنہ ۴ جلوس محمد اکبر پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ تمام شد۔

رک: فہرست اشپر بنگ ص ۱۱، شمارہ ۱۶۱۔ پرٹش ص ۵۴۵-۵۴۷، شمارہ ۵۷۶۔ استوری ۱: ۲۲۰، شمارہ ۳۱۔

۴۔ داراشکوہ (م۔ ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کی مشہور کتاب۔ یہ قلمی نسخہ اسی مجموعہ میں شامل ہے، جس میں ''مختار نامہ'' موجود ہے۔ رک: متذکرہ و بالا ماخذ و استوری ۱/۲ (۱۹۵۳ء): ۹۹۹۔

۵۔ میر حسین دوست بن سید ابوطالب سنبھلی اس کے مؤلف ہیں۔ سنہ تکمیل ۱۱۶۳ھ [illegible] اس میں تقریباً دو سو قدیم اور جدید شعراء اور کچھ صوفیائے کرام اور شہزادوں کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ (مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۵ء)۔

اشپرینگر کا یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اوراق کی تعداد ۱۰۲۔ خط نستعلیق ایک مہر ''محمد رضا'' [illegible] ''میرزا حاجی محمد بن میرزا عالیجاہ'' کے نام کی ثبت ہیں۔ اشپرینگر نے ''فہرست [illegible]'' اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں اس کتاب کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے۔ [illegible] ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا ایک خطی نسخہ اس کے ذاتی کتاب خانہ میں بھی محفوظ ہے (ص ۱۳۵)۔ اشپرینگر کی ملکیت میں جو نسخہ تھا، وہ حرف ''س'' پر ختم ہو جاتا ہے۔ رک: فہرست اشپرینگر [illegible] ۳۳۴۔ برٹش، ص ۶۲۰-۶۲۱، شمارہ ۶۵۴۔ استوری ۱/۲: ۸۳۳۔ تذکرہ نویسی فارسی [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نگارش دکتر سید علی رضا نقوی، تہران ۱۹۶۴ء، ص ۳۱۷-۳۲۲۔

۶۔ مؤلف کا نام محمد واسع ہے، جو محمد اکبر شاہ ثانی کے دور حکومت (۱۲۲۱ھ-۱۲۵۳ھ/ ۱۸۰۶ء-۱۸۳۷ء میں موجود تھا۔ اس کتاب میں حضور اکرمؐ اور پہلے دو خلفائے راشدین کے حالات وواقعات بیان کیے گئے ہیں۔

اسٹوری نے اس تاریخ کے صرف ایک ہی قلمی نسخے کی نشاندہی کی ہے، جو اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے (۲۰۲:۱/۱) اوراق کی تعداد ۲۲۸۔ فی صفحہ ۱۱ سطریں: خوشخط نستعلیق۔ کاتب کے علاوہ کسی اور شخص نے ''دُرِ بے بہا'' اور ''تواریخِ بے بہا'' کے عنوانات بھی لکھ دیئے ہیں۔ کتاب کا نام اس شعر میں بتایا گیا ہے۔

بتصنیف ایں نسخہ پرداختم مسمّی دُرِ بے بہا ساختم

ترقیمہ یہ ہے: تمام شد ایں نسخہ در بے بہا بتاریخ دوز دہم (کذا) شہر جمادی الاول در عہد بادشاہ ملا یک سپاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ مطابق ہجری مقدسہ ۱۲۳۰ وسن (کذا) جلوس ۱۰ معلیٰ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۷، شمارہ ۹۲۔ پرٹش، ص ۵۳۴-۵۳۵۔

۷۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کے عہدہ میں جو ترقی ہوئی، وہ اس کی خواہش کے مطابق تھی۔ اشپرینگر کو ۱۸۵۰ء کے وسط میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور ''ترقی مرتبہ'' سے اس کے اسی تقرر کی جانب اشارہ ہے۔ اشپرینگر اور دہلی کالج کے سابقہ سربراہ فریڈرک ٹیلر کے مابین کچھ اختلافات تھے اور کبھی کبھار ان کا کھل کر اظہار بھی ہوتا تھا۔ (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، حوالہ مذکور)، لیکن اشپرینگر کا یہ تبادلہ کسی شخصی اختلاف یا سازش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس کی منشا کے مطابق ہوا۔

۸۔ اس صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کے ایک سے زیادہ بیٹے تھے اور ان کی ولادت زیر نظر خط کے سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء سے قبل ہوئی تھی۔ اشپرینگر کے خاندانی کاغذات ودستاویزات کی جو فائل برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں موجود ہے اس میں اشپرینگر کے صرف دو بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ یہ دونو اس کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد بھی زندہ رہے۔ ان میں سے ایک کا نام ڈانیل اشپرینگر تھا اور دوسرے کا نام انٹونی اشپرینگر۔ یہ دونو بیٹے اپنے باپ کے نقش قدم پر نہ چل سکے، البتہ انھیں اپنے والد کے بیش بہا ذخیرۂ کتب اور دیگر دستاویزات کی اہمیت کا علم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں اپنے والد کی تمام نجی کاغذات اور مطبوعات کو اس کتاب خانہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے سپرد کر دیا۔

۔ اس کا تفصیلی ذکر مولانا مملوک العلی نانوتوی کے تحت ہو چکا ہے۔

۔ دہلی کالج کے رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) کے مطابق مولوی سید محمد کی جماعت دوم (عربی) میں ایک طالب علم کا نام محمد ہاشم تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۷ برس تھی اور پانچ سال سے یہاں زیر تعلیم تھا۔

۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی (صدر مدرس دار العلوم دیوبند، خلف مولانا مملوک العلی نانوتوی) کی یہ پہلی شادی تھی، جو شعبان ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو شیخ کرامت حسین دیوبندی کی دختر نیک اختر عمدۃ النساء سے ہوئی۔ رک: سیرت یعقوب و مملوک، ص ۳۸-۳۹۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۱۹۷۔ بیاض یعقوبی بحوالہ سیرت یعقوب و مملوک۔

۔ اس فارسی عبارت کا قلم منشی اشرف علی کے قلم سے مختلف ہے۔

۳

''غریب پرور سلامت (۱)

چوتھی جولائی کو ایک عرضی متضمن حال کتب کے میں نے لکھ کر بھیجی ہے مگر اب تک اوس کا جواب نہ آیا۔ احتیاطاً پھر لکھتا ہوں۔ ''مختار نامہ''، ''سفینۃ الاولیاء'' در یک جلد، ''تاریخ دُرِ بے بہا''، ''مروج الذہب'' در دو جلد۔ اور ''اغانی'' کا ٹکڑا عبدالرزاق کاتب لکھتا ہے (۲) عنقریب تمام کر دے گا۔

اور حضور نے مولوی مملوک العلی صاحب کے خط میں لکھا تھا کہ ''الفاظ الادویہ'' میرے واسطے بھیجی گئی یا نہیں (۳)۔ بندہ نواز جب وہ چھپ چکی تھی، میں نے ایک نقل اوس کی لکھنؤ میں بھیج دی تھی۔ ایسی کوئی کتاب طب کی نہیں جو یہاں چھپی اور آپ کے واسطے میں نے نہ بھیجی ہو۔

اگر چہ حضور کی ترقی سے دل بہت خوش ہوا لیکن رنج اس امر کا ہوا کہ سایہ حضور کا ہمارے سر پر نہ رہا۔ اگر چہ مجھ کو بھروسا حضور کا بہت ہے۔ خدا حضور کو خوش رکھے۔

اور در باب ''تاریخ یمینی'' کے ایک چٹھی ولایت سے اس مضمون کی آئی تھی کہ میرے پاس تمہاری ۲۵ جلدوں میں سے ایک بھی نہیں پہنچی، چنانچہ اوس کی نقل بھی میں حضور کے پاس اوسی عرضی کے ساتھ بھیج چکا ہوں۔ اس باب میں جیسا حضور کو منظور ہو ویسا فرمائیں۔ کیونکہ ۲۵ جلدیں ہیں اور یہ جلدیں ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو معرفت اشٹل صاحب کے ولایت کو گئی تھیں (۴)۔

اور ان کتابوں میں جون جون سی حضور کو لینی منظور ہوں، اون سے مطلع فرمائیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مروج الذہب بخط عرب	مختار نامہ	
در دو جلد	۳۱۱ ورق سطور فی صفحہ ۱۵	تاریخ دُرِ بے بہا
	فی سطر ۴۸ خط فارسی	۲۰۹ ورق، فی صفحہ
	خوش خط۔	سطر ۱۱ حروف ۳۹
سفینۃ الاولیاء	تذکرہ حسینی	شرح صراط المستقیم
۱۳۰ ورق فی صفحہ ۱۹ سطر	۱۰۹ ورق فی صفحہ سطر ۱۷	شیخ عبدالحق دہلوی (۵)
حروف فی سطر ۵۲ در یک جلد		

عرضی

نیاز مند اشرف علی''

تشریحات:

سابقہ خط کی طرح منشی اشرف علی نے اس خط میں بھی اشپرینگر کی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ سطور بالا میں لکھا گیا ہے کہ اس ترقی سے مراد اس کی مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ پرنسپلی پر تقرری ہے۔ اس عہدہ پر اشپرینگر کا تقرر وسط ۱۸۵۰ء میں ہوا۔ اس اعتبار سے یہ خط بھی اسی سال کا تحریر کردہ ہے۔ پچھلا خط ۴ جولائی کو لکھا گیا اور غالباً یہ خط بھی اسی ماہ کے آخری ہفتے میں ارسال کیا گیا۔ اشرف علی حسب معمول اشپرینگر کے لیے ''کتاب الأغانی'' کے ایک جزو کی کتابت کرا رہے تھے۔ اشپرینگر کتابت کے معیار اور رفتار کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو لکھا کہ وہ اشرف علی سے معلوم کر کے کتابت کی صحیح صورت حال سے اسے مطلع کریں۔ انھوں نے اشرف علی سے پوچھ کر اشپرینگر کو بذریعہ خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) یہ اطلاع دی:

''منشی اشرف علی صاحب سے حال نقل کروانے ''کتاب الأغانی'' کا پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہتی ہے۔ چندروز میں تمام ہو جائے گی''

(رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵)

مولانا مملوک العلی کے اس خط کے فوراً بعد اشرف علی نے بھی اشپرینگر کو ''کتاب الأغانی'' کی کتابت کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان دونو مکتوب نگاروں کی اطلاعات میں اتنی مماثلت ہے کہ ان کے ایام تحریر میں زیادہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اسی سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اشرف علی کا یہ خط مولانا مملوک العلی نانوتوی کے خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) کے تھوڑے دنوں بعد ہی بھیجا گیا۔ اس

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کی تصدیق اس تاریخ سے بھی ہوتی ہے، جو''اَغانی'' کے اس جزو کے آخر میں درج ہے، یعنی شوال ۱۲۶۶ھ جو اگست ۱۸۵۰ء کے مطابق ہے۔ جب اشرف علی نے یہ خط لکھا تو اس جزو کی کتابت قریب الاختتام تھی۔

۱۔ ''کتاب الأغانی'' کا یہ ٹکڑا اور اصل اس کا جزء ثالث ہے اور اسے کاتب عبدالرزاق بن محمد سالم دہلوی نے شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مکمل کیا۔ اوراق کی تعداد ۳۲۰ ہے۔ یہ جزا شپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود تھا۔ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۳، شمارہ ۱۱۸۰) اور اب برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ (اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۸)۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵، تشریحات ۵۔

۲۔ ''الفاظ الادویہ'' کا ایک نسخہ فوری بھجوانے کے لیے اشپرینگر نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو جو خط لکھا، اس کا جواب انھوں نے ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو دیا (رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵ مع تشریحات، شمارہ ۶) اور ایک نسخہ خرید کر بھجوانے کا وعدہ کیا۔

۳۔ ''تاریخ یمینی'' اشپرینگر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے مرتب ہوئی تھی اور اسے اشرف علی نے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع کرایا تھا۔ اشپرینگر اس کتاب کو یورپ کے علمی حلقوں میں بھی متعارف کرانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے مطبع کے مہتمم اشرف علی کو اس کے پچیس نسخے یورپ بھجوانے کا حکم دیا۔ یہ نسخے کسی انگریز اسٹل صاحب کی معرفت ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو ارسال کیے گئے۔ ان کتابوں کے مرسل الیہ کا نام معلوم نہیں۔ سال ڈیڑھ سال گذر گیا، لیکن ان کتب کے ملنے یا نہ ملنے کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔ بالآخر اشرف علی نے نامعلوم مرسل الیہ کو خط لکھا، تو پتا چلا کہ وہ جلدیں ابھی تک اس شخص کو نہیں پہنچیں۔ اشرف علی نے اصل خط اشپرینگر کو بھیج دیا، تاکہ وہ ان کتابوں کی گمشدگی کا پتا چلائے۔ اشرف علی کے کسی اور خط سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ''تاریخ یمینی'' کے یہ نسخے دستیاب ہوئے یا نہیں۔

۴۔ صاحب ''قاموس'' شیخ مجدالدین فیروزآبادی (م۔ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء) کی ایک کتاب ''سفر السعادت'' ہے جس میں رسول اکرمؐ کی عبادات اور احوال و معاش سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''صراط مستقیم'' بھی ہے۔ اس کے شارح عبدالحق محدث دہلوی خود لکھتے ہیں کہ:

''نام این کتاب دراصل سفر السعادت است و مشہور میان مردم بصراط مستقیم شدہ۔''

بعض فہرست سازوں نے بھی اس کا یہی عنوان یعنی ''صراط مستقیم'' دیا ہے۔ (رک: فہرست

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مخطوطات عربی، فارسی وترکی در کتاب خانہ شاہی، ویانا۔ مرتبہ فلیوگل، جلد سوم ۱۸۶۷ء، ص ۴۴۹)۔

عبدالحق محدث دہلوی (م۔ ۱۰۵۲ھ) نے اس کتاب کی فارسی شرح لکھی تھی۔ اشرف علی کے اس خط سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے دیگر مخطوطات کی طرح یہ شرح بھی خرید کر اشپرینگر کو بھیج دی ہوگی، لیکن اس کی اپنی فہرست اور برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں یہ شرح موجود نہیں۔ اسٹوری نے اس شرح کے متعدد قلمی نسخوں کے حوالے دیئے ہیں۔ (۱/۱: ۱۸۰-۱۸۱) ان میں ایک نسخہ کلکتہ مدرسہ کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔ (شمارہ ۱۱۰، ص ۶۳، مکتوبہ ۱۱۹۴ھ) ان دنوں اشپرینگر اس مدرسہ کا پرنسپل تھا، ممکن ہے، اس نے یہ نسخہ خود نہ لیا ہو اور اسے اپنے مدرسہ کے کتاب خانے کے لیے خرید لیا ہو۔

عبدالحق محدث دہلوی کی اس شرح کے لیے رک: مرآۃ الحقائق از منشی برکت علی، رامپور: مطبع عزیزی، ۱۳۲۲ھ، ص ۵۶۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۱۷۲-۱۷۵۔

اس شرح کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع مرحوم کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود تھا (رک: فہرست مخطوطات شفیع، تالیف ڈکتر محمد بشیر حسین۔ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۴۱۷-۴۱۸، مع دیگر مآخذ)

۴

"آقائے نامدار سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے، حضور کا والا نامہ در باب خرید لینے "ربیع الابرار" (۲) اور ایک جلد "سکندر نامہ" (۳) صحیح و خوشخط و محشی کے پہنچا۔ اس نیاز مند کو سربلند کیا۔

جناب عالی! "ربیع الابرار" میں بعد تمام دیکھنے کتاب کے ایک نقصان نکلا اور وہ نقصان یہ ہے کہ پینتالیس ورق اخیر میں اوپر کی طرف کونے میں یعنی حاشیہ کی طرف کی سطور میں نقصان اتنے اتنے حروف کا تخمیناً ہے۔ سطر اول میں ۴۸ حروف، سطر دوم میں ۵۱، سوم میں ۵۸، چہارم میں ۵۹، پنجم میں ۵۷ حروف کا ہے۔ مگر ۱۶ ورق اخیر میں نو سطر کا نقصان دیکھا لیکن کاریگر نے جوڑ ایسا خوبصورتی سے کاغذ ہمرنگ کا لگایا ہے اور جدول طلائی بھی بدستور کر دی ہے۔ الا محتاجگی دوسری کتاب کی ضرور پڑی تا کہ وہ درست ہو۔ اس سبب سے میں نے اوس کو نہیں لیا اور بیچنے والے سے کہا اگر تو پانچ روپیہ چھوڑ دے تو میں لیتا ہوں اور نہیں تو نہیں لیتا، مگر وہ راضی نہیں ہوتا۔ بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب مجھ کو ساٹھ میں سید ابراہیم (۴) نے لگا دی ہے۔ مگر دو روپیہ چھوڑ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوں گا۔ سو اگر حکم حضور کا ہو تو میں لے لوں، مگر اوس کی درستی پر تین چار روپیہ سے کم نہیں صرف ہوگا۔

اور ''سکندر نامہ'' میرے پاس کئی آئے لیکن اکثر جاء سے غلط پائے اور پرانے بھی کم تھے، لیکن اکثر دلالوں سے کہہ رکھا ہے۔ عنقریب انشاءاللہ تعالیٰ بھیجوں گا۔

اور حضور نے ارشاد کیا تھا کہ ایک صاحب بطریق سیر دہلی آتے ہیں۔ وہ صاحب ہماری کتابیں لائیں گے۔ سو آج تک نہیں آئے۔ کیونکہ حضور کی کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔

اور لالہ رادہ کشن (۵) بعد آداب کے عرض کرتے ہیں کہ حضور کی میرے حال پر پرورش ہوگی کہ مولوی سدیدالدین خان صاحب کی طرف دوسو چالیس روپیہ مع اصل اور سود کے ہیں۔ حضور کی ادنیٰ توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں۔ (۶) اور مجھ کو امید ہے کہ ''تاریخ یمینی'' کا بھی حضور کو خیال ہوگا (۷)۔

اور در ینولا نواب محمد میر خان (۸) کے ہاں تقسیم مال کا فساد برپا ہے۔ اغلب ہے کہ اب اون کے ہاں کی کتابیں شاید بکیں۔ مگر یہ نیاز مند ہمیشہ خیال میں رہتا ہے کہ کوئی پرانی کتاب تاریخ کی مجھ کو ملے اور حضور کے واسطے خرید لوں، لیکن مجھ کو امید ہے کہ ایک فہرست اون کتابوں کی، جو کہ حضور کو لینی منظور ہیں، میرے پاس بھیج دیں زیادہ حد ادب۔

بخدمت خداوند نعمت جناب میم صاحبہ مخدومہ کے آداب اور صاحبزادوں کو دعا دیتا ہوں۔

جناب عالی! ایک پرچہ مکند لعل (۹) کے نام کا عرضی کے سات ہے۔ از راہ خاوندی کے اون کو عنایت کر دیجیے گا۔''

تشریحات:

۱۔ اشرف علی کے دیگر مکاتیب کی طرح یہ خط بھی بلا تاریخ ہے، بلکہ اس کے آخر میں مراسلہ نویس نے اپنا نام تک نہیں لکھا۔ اشرف علی نے اس خط کی ابتدا ہی اپنے نام سے کی ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ان کا لکھا ہوا ہے۔

اس خط میں اشرف علی نے مولانا سدیدالدین خاں کا ذکر کیا ہے اور اشپرینگر سے سفارش کی ہے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے مولانا سے ۲۴۰ روپے (مع اصل اور سود) کی رقم وصول کرا دے۔ سدیدالدین خاں دہلی کالج کے پرانے طالب علم اور استاد تھے۔ اشپرینگر کی ذاتی کوشش سے انھیں آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی ملازمت حاصل ہوئی اور وہ چند سال یہاں پڑھاتے رہے۔ جب اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اس نے عہدۂ امنی کے لیے سدیدالدین خاں کو منتخب کر لیا (۹ جنوری ۱۸۵۱ء) اور وہ فوراً آگرہ کی ملازمت چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے (مولانا کے تفصیلی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حالات معہ خطوط سطور بالا میں درج کیے جا چکے ہیں)۔ غالباً یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب سدید الدین خاں مدرسۂ عالیہ میں ملازم ہو چکے تھے۔ چونکہ وہاں اشپرینگر ہی کے ماتحت کام کر رہے تھے اسی لیے مکتوب نگار نے رقم کی وصولی کے لیے اس سے رجوع کیا۔ اس بناء پر یہ بات قرین قیاس ہے کہ زیر نظر خط اسی سال یعنی ۱۸۵۱ء میں لکھا گیا۔

- زمخشری کی کتاب ہے۔ اس قلمی نسخہ کے ۳۵۱ ورق ہیں اور یہ بارھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص۷۳، شمارہ ۱۱۸۷۔ اہلوارٹ ۷ (۱۸۹۵ء): ص ۳۳۳-۳۳۷، شمارہ ۸۲۵۱۔
- نظامی گنجوی کی مشہور کتاب۔ اشپرینگر کے قیام ہندوستان کے دوران میں اس کتاب کے جتنے ایڈیشن کلکتہ (۱۸۱۲ء مع شرح بدر علی و ۱۸۵۲ء) لکھنؤ (۱۸۴۹ء) اور بمبئی (۱۸۴۵ء مع شرح) سے شائع ہوئے تھے، وہ سب اس کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھے (رک: فہرست اشپرینگر، ص۸۲، شمارہ ۱۴۷۷-۱۴۸۰)۔

''سکندر نامہ'' کا دوسرا اور تیسرا حصہ ''سکندر نامۂ بحری'' کہلاتا ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے ذخیرۂ اشپرینگر میں موجود تھے۔ (رک: فہرست اشپرینگر، ص۸۲، شمارہ ۱۴۸۳-۱۴۸۴)۔ اشپرینگر نے ''خرد نامہ اسکندری مسمیٰ بہ سکندر نامۂ بحری'' آغا محمد شوستری کے اشتراک سے ترتیب دیا۔ اس کا پہلا حصہ کلکتہ سے ۱۸۵۲ء میں طبع ہوا۔ غالباً دوسرے حصے کی اشاعت کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حصہ اول کے متعلق ایک اہم اقتباس درج ذیل ہے:

"The *Sikandernama* has been printed to the extent of nearly one-half, the other half will fill about one fasciculus. The mss. available for this portion are correct, and as soon as Dr. Sprenger has compared them with a printed copy lately brought by him from Baghdad, it should be carried through the press under the superintendence of a competent Mawlawi."

(Report of the Philological Sub-Committee to the Council of the Asiatic Society, in: *JASB, Proceed.*, Vol. XXV (1856), p. 463)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۴۔ رادھا کشن دہلی کالج کا طالب علم تھا۔ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں اشپرینگر کے جو ذاتی کاغذات و مسودات پڑے ہوئے ہیں، ان میں بڑی تقطیع کا ایک رجسٹر بھی موجود ہے۔ اس رجسٹر میں ان تمام طلبہ کے نام درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء میں زیر تعلیم تھے (اس رجسٹر کا تفصیلی ذکر مکتوبات مملوک العلی کے تحت ہو چکا ہے)۔ اس رجسٹر میں رادھا کشن کا اندراج ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر ۲۱ سال تھی اور اسے دہلی کالج میں پڑھتے ہوئے ساڑھے چھ سال گذر چکے تھے۔ وہ اس سال جماعت دوم (عربی) کا طالب علم تھا اور اس کے استاد مولوی سید محمد تھے۔ اس رجسٹر میں رادھا کشن کے نام کے ساتھ یہ نوٹ درج ہے ''صرف علم ریاضی سیکھا۔ روڑکی بھیجا جاوے گا۔'' اسے روڑکی بھیجا گیا یا نہیں، اس کے متعلق ہم عصر مآخذ خاموش ہیں۔ علم ریاضی سے اسے خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ یہی شوق اسے دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر کے قریب لے آیا اور اسی مضمون کے حوالے سے ان دونو میں استاد اور شاگرد کا تعلق استوار ہو گیا۔ ان دونو نے مل کر واند کے علم ریاضی پر ایک انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، جو مطبع دہلی اردو اخبار سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمہ کا عنوان ''ہندسہ بالجبر'' ہے'' (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۳۔ اس کتاب کے مؤلف نے ''رادھا کرشن'' نام لکھا ہے)۔ صدیق الرحمٰن قدوائی نے بھی اس ترجمہ کو ماسٹر رام چندر کی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ حیدر آباد دکن کی اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہے۔ سرورق غائب ہے، اس لیے مترجمین کے نام معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ صفحہ اول پر ''رام چندر'' مرقوم ہے (رک: ماسٹر رام چندر، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۸۲-۸۳)۔ محمد عتیق صدیقی نے ایک کتاب ''علم عادات'' کا حوالہ دیا ہے، جو ۱۸۵۱ء میں مطبع العلوم سے رادھا کشن کے لیے چھاپی جا رہی تھی (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)۔

منشی دیبی پرشاد بشاش نے رادھا کشن نام کے دو اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک کا تخلص حاضر ہے۔ خلف منشی برج لعل، قوم کائستھ، ساکن پرگنہ نواب گنج (کانپور)۔ اردو شعر گوئی کا ذوق تھا (تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، دہلی، ۱۸۸۵ء، ص ۴۸)۔ دوسرے کا تخلص مشہور تھا اور وہ حافظ قطب الدین مشیر کا شاگرد تھا (ایضاً، ص ۱۲۱)۔

۵۔ اشرف علی مطبع العلوم کے مہتمم اور لالہ رادھا کشن اس کے خزانچی تھے۔ یہ مطبع ایک لمیٹڈ کمپنی کی طرز پر چل رہا تھا اور دہلی کالج کے بیشتر اساتذہ اور ملازمین اس کے حصہ دار تھے۔ ان میں ایک مولانا سدید الدین خاں بھی تھے۔ اسی شراکت داری کے حوالے سے مولانا کے ذمہ کچھ رقم نکلتی تھی، جس کی وصولی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کے لیے رادھا کشن تقاضا کرتا رہتا تھا۔ بالآخر اس نے منشی اشرف علی کی وساطت سے اشپرینگر کو کہلوایا کہ وہ اس رقم کی وصولی کے لیے اس کی مدد کرے۔

٦۔ سابقہ خط میں اشرف علی نے اس تاریخ کے پچیس نسخوں کا ذکر کیا تھا، جو اشپرینگر کے حکم کے مطابق انھوں نے ۱۸۴۸ء میں یورپ بھجوائے تھے، لیکن دو سال گذرنے کے باوجود ان کی وصولیابی کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ یہاں پھر مکتوب نگار نے اشپرینگر کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرائی ہے۔

٧۔ دہلی کے رؤسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳ جنوری ۱۸۴۸ء کو ہوا۔ ایک ہمعصر اخبار میں ان کی وفات کی خبر یوں چھپی:

''نواب محمد میر خان، کہ ایک بڑے نامی رئیس دہلی تھے، اس دار فانی سے تیرہویں تاریخ ماہ حال کو رحلت کر گئے۔ اوصاف حمیدہ اس بزرگ کے ایسے تھے کہ زبان قلم اون کے بیان سے عاجز ہے۔''

(قران السعدین، جلد ۳ نمبر ۳، بابت ۲۰ جنوری ۱۸۴۸ء، ص ۳۴۔ مخزونہ مغربی برلین)

دہلی میں ان کے نام پر ایک بازار بھی تھا، جس میں زیادہ تر چمڑے کا کاروبار ہوتا تھا۔

(آثار الصنادید، طبع کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۴)

بشیر الدین احمد نے ''واقعات دار الحکومت دہلی'' کی جلد دوم میں ایک بڑی تقطیع کا نقشہ دہلی دیا ہے، اس میں حویلی میر خان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے (مطبوعہ دہلی، ۱۹۱۹ء)

اشرف علی کے اس خط سے پتا چلتا ہے کہ نواب میر خاں کا ایک ذاتی کتاب خانہ بھی تھا، جس میں نادر قلمی نسخے جمع کیے گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مال ومتاع کی تقسیم پر جھگڑے شروع ہو گئے اور یہ کتب خانہ بھی انھی تنازعات کی نذر ہو گیا۔ اس خط کے سال تحریر یعنی ۱۸۵۱ء تک یہ کتب خانہ منتشر نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اس پر کیا گذری، کچھ معلوم نہیں۔

٨۔ یہ بھی دہلی کالج کے اساتذہ میں شامل تھا۔ متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق ۱۸۴۷ء میں یہ جماعت دہم کو پڑھاتا تھا اور اس جماعت کے طالب علموں کی تعداد چالیس تھی۔

۵

''آقائے نامدار من سلامت (۱)

جناب عالی حسب الارشاد کے ''احیاء العلوم'' (۲) کو مولوی جعفر علی (۳) صاحب کو دکھلایا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے دیکھ کر بہت پسند کیا اور کہنے لگے کہ کیا کروں میرے پاس استار و پیہ نہیں کہ اس کتاب کو لے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لوں۔ اور ایسا ہی شوق مولوی سید محمد صاحب (۴) نے بیان کیا، بلکہ وہ تو یہ کہنے لگے کہ بڑا تعجب ہے کہ اب اس قیمت کو یہ کتاب بکی، کیونکہ اس کتاب کی قیمت تو ہم ہمیشہ دوسو روپیہ سنا کرتے تھے۔ اور حق ہے کہ اس کتاب کا جواب اس شہر میں نہیں۔ جب اس نیاز مند نے واسطے کمی قیمت کے چودھری بختاور سنگھ (۵) صاحب کو معرفت لالہ رادہ کشن صاحب (۶) کے بیچ میں ڈالا، مالک کتاب نے نہ مانا اور جواب دیا کہ والد ماجد نے اس کتاب کو دوسو روپیہ کو خریدا تھا، مجھ کو تو آدھی قیمت بھی اس کی نہ ملی۔ ناچار ہو کر لالہ رادھا کشن سے نو روپیہ دلوا کر کتاب لے لی۔

اور ''حبیب السیر'' (۷) کا یہ حال ہے کہ اب جو حضور نے سرخیاں لکھیں تو معلوم ہوا کہ وہ جزو ثالث اور مجلد ثالث کی ہیں نہ کہ جزو ثانی کی۔ اور یہ نیاز مند موافق لکھنے حضور کے جزو ثانی میں تلاش کرتا تھا اور بار بار دیکھتا تھا اور کہیں ٹھکانا نہ لگتا تھا۔ احتیاطاً میں نے خیال کیا کہ جزو ثالث کو بھی دیکھوں۔ جب جزو ثالث کو دیکھا تو سب سرخیاں اور ٹھکانا مل گیا۔ تو اب میں نے حساب کر کے کاتب سے دریافت کیا، چنانچہ کاتب اس بات پر راضی ہوا ہے کہ بارہ روپیہ میں تمام کتاب تک لکھ دوں گا اور دو روپیہ میں شنجرف اور کاغذ کا خرچ ہو جا[ئے] گا۔ تو اس صورت میں چودہ روپیہ اصل کتاب کی تیاری میں صرف ہوں گے۔ اگر ارشاد ہو تو لکھوا دوں اور کاغذ بانس ہو گا۔

اور تذکرہ حکیم عزت اللہ خان کا یہ حال ہے کہ مولوی سید محمد نے کہا کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت آداب لکھنا اور یہ عرض کرنا کہ جناب عالی! وہ تذکرہ حکیم عزت اللہ خان کا نہیں ہے۔ حکیم قدرت اللہ خان (۸) کا ہے، جو عزت اللہ خان (۹) کے والد تھے اور اوس کی نقلیں شہر میں اس قدر نہیں کہ معرض بیع میں ہوں۔ مگر اون کے ہاں سے لے کر نقل تو کروا دی جائے گی۔ اس باب میں جیسا حکم ہو عمل میں لاؤں۔

اور ''ربیع الابرار'' اب تک مجکو دوسری نہیں ملی کہ اوس کی ترمیم ہو۔ سو جناب عالی! ایک نسخہ ''ربیع الابرار'' کا مولوی مؤید الدین، جو کہ مولوی سدید الدین خان کے بھائی ہیں، اون کے ہاں میں نے [illegible] ہے۔ تو اب یہ عرض ہے کہ حضور ایک خط مولوی سدید الدین کا اون کے نام اس عرضی کے جواب کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ اوس کی درستی کروں۔ زیادہ حد ادب۔ عرضی مولوی جعفر علی صاحب کی بھی حضور میں پہنچی ہے۔

عرضی

نیاز مند اشرف علی''

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تشریحات:

۱۔ اس خط میں ایک بار پھر مولانا سدید الدین خاں کا نام آیا ہے اور سابقہ خط کی طرح اسی حوالے سے موجودہ خط کے سنہ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ منشی اشرف علی نے اشپرینگر کے لیے زمخشری کی ''ربیع الابرار'' کا قلمی نسخہ حاصل کیا، لیکن وہ جگہ جگہ سے ناقص نکلا۔ اس نقص کی تفصیل پچھلے خط میں لکھی جا چکی ہے۔ اشرف علی اس کتاب کے کسی دوسرے نسخے کی تلاش میں تھے، تاکہ اس سے خرید کر وہ نسخے کی تصحیح کر لی جائے۔ بالآخر انھیں پتا چلا کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سدید الدین کے بھائی مؤید الدین کی ذاتی ملکیت ہے۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ مولانا سدید الدین سے اپنے بھائی کو خط لکھوائیں تاکہ وہ ان دونو خطی نسخوں کا مقابلہ کر کے اپنے مخطوطہ کے ناقص حصوں کی تصحیح کر سکیں۔ ان دنوں مولانا سدید الدین مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں عہدۂ امینی پر فائز تھے۔ انھیں یہ ملازمت اوائل ۱۸۵۱ء میں حاصل ہوئی تھی۔ غالباً یہ خط بھی اسی سال کا تحریر کردہ ہے۔

۲۔ امام غزالی کی ''احیاء العلوم'' کا یہ قیمتی خطی نسخہ دہلی کے کسی رئیس کے کتاب خانے کا معلوم ہوتا تھا۔ بائع خود کہتا ہے کہ اس کے والد نے یہ نسخہ دو سو روپے میں خریدا تھا۔ ظاہر ہے، اتنی زیادہ قیمت پر مخطوطہ خریدنے والا شخص اس زمانے کا کوئی رئیس یا نواب ہی ہو سکتا ہے۔ سابقہ خط میں دہلی کے نواب محمد میر خاں کے اثاثوں کی تقسیم کا حال لکھا گیا ہے اور اس خدشے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ شاید یہ جمع کردہ کتب فروخت ہوں۔ ممکن ہے، ''احیاء العلوم'' کا یہ نسخہ اسی کتاب خانہ کا ہو، اور تقسیم جائداد کے بعد ان کے بیٹے نے اس کے بیش بہا قلمی نسخوں کو فروخت کرنا شروع کر دیا ہو۔

اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں ''احیاء العلوم'' کے مختلف حصوں کے پانچ قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان میں ہر ایک کے صفحہ اول پر ''المہلکات من احیاء العلوم'' درج ہے۔ ہر جلد کی تفصیل یہ ہے:

الف۔ ورق ۳۵۰، مشتمل بر فصل ۲۱ تا ۳۰۔ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۸، شمارہ ۴۹۷۔ اہلوارٹ ۴ (۱۸۸۹ء) ص ۳۰۶، شمارہ ۱۶۸۲)

ب۔ ورق ۵۷۹، مشتمل بر فصل ۳۱ تا ۴۰۔ بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں کتابت ہوئی۔ (ایضاً ص ۴۸، شمارہ ۵۰۷۔ ایضاً ص ۳۰۷۔ ۳۰۸، شمارہ ۱۶۸۵)

ج۔ ورق ۱۱۷، مشتمل بر فصل ۲۶ تا ۲۹۔ مکتوبہ ۱۰۷۲ھ۔ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۵۱۷۔ ایضاً، ص ۳۰۹۔ ۳۱۰ شمارہ ۱۶۹۳)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

د۔ ورق ۱۵۵، مشتمل بر فصل ۳۰ تا ۳۲۔ بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کا مکتوبہ۔ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۷۵۲۔ ایضاً ص ۳۱۰، شمارہ ۱۶۹۵)

ھ۔ ورق ۶۰، صرف فصل ۳۶۔ نویں صدی ہجری کا مکتوبہ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۷۵۳۔ ایضاً، ص ۳۱۱، شمارہ ۱۷۰۰)

ان کے علاوہ اشپرینگر کے پاس ''منتخب احیاء العلوم'' کا بھی ایک نسخہ تھا۔ اسے شرف الدین بن برہان الدین البخاری نے ۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء میں لکھا تھا۔ اوراق ۱۷۱ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۸، شمارہ ۷۵۴۔ اہلوارٹ ۲: ص ۳۱۴، شمارہ ۱۷۰۹)۔ اسی کتاب کا ایک خلاصہ بھی اس کی ملکیت تھا۔ اوراق ۱۸۷ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۷۵۵۔ ایضاً، ص ۳۱۵، شمارہ ۱۷۱۲)

یقین سے یہ کہنا مشکل ہے کہ ''احیاء العلوم'' کے ان تمام نسخوں میں وہ کون سا نسخہ ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کی گئی اور پھر اسے اتنے مہنگے داموں خریدا گیا۔ اس قلمی نسخے کا دہلی کے علمی حلقوں میں چرچا تھا۔ وہ اسے خریدنا تو چاہتے تھے، لیکن قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ ان کی قوت خرید سے باہر تھا۔ ممکن ہے، یہ نسخہ پانچ حصوں میں ہو اور ان سب کو اکٹھے فروخت کیا گیا ہو۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست میں ان پانچوں جلدوں کا ذکر ایک ہی عنوان کے تحت کیا ہے۔

۳۔ قاری جعفر علی جارچوی، جو دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے استاد تھے۔ ان کے سوانح حیات اور محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے مابین مذہبی تنازعہ کی تفصیلات کے لیے رک: راقم الحروف کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، بحوالہ مذکور)

۴۔ دہلی کالج میں عربی کے مدرس دوم تھے۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ عربی کی جماعت دوم کو پڑھاتے تھے۔ مولوی رشید الدین خاں کے شاگرد تھے۔ ''مجموعۂ نغز'' کے مؤلف حکیم قدرت اللہ قاسم کے قریبی اعزہ میں تھے۔ ۱۸۵۴ء میں بعمر ۵۷ سال فوت ہوئے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا تخلص تعشق تھا۔ رک: دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۱-۹۱ ''دہلی کے چند شاعر''۔

۵۔ یہ دہلی کی کوئی بااثر شخصیت معلوم ہوتی ہے، جس سے لالہ رادھا کشن کی جان پہچان تھی۔ ''احیاء العلوم'' کے نسخے کو خریدنے کے لیے اس کی کوششیں بھی بارآور ثابت نہ ہوئیں۔

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں راؤ بختاور سنگھ کا ذکر کیا ہے، جس کی ''تاریخ بداوں'' ۱۸۶۹ء میں الٰہ آباد اور بداوں سے شائع ہوئی تھی (۱: ۲۸۷)۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دیبی پرشاد بشاش نے ''تذکرہ آثار الشعرائے ہنود'' میں منشی بختاور سنگھ فائز خلف دھرم داس، متوطن دہلی، سررشتہ فوجداری فرخ آباد کا ذکر کیا ہے (مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۵ء، ص ۱۰۸)

۶۔ دہلی کالج کے طالب علم لالہ رادھا کشن کا مفصل ذکر سابقہ خط کی تشریحات (شمارہ ۴) کے تحت کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے اس کے متعلق ایک اور بات کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنی کم عمری کے باوجود دہلی کے پڑھے لکھے اور بامروت افراد سے اس کی خاصی جان پہچان تھی۔ مزید یہ کہ اس نے اس اہم قلمی نسخے کی قیمت (نو روپے) خود ادا کی، جو بعد میں اس نے اشپرینگر سے وصول کر لی ہوگی۔ ان دنوں رادھا کشن مطبع العلوم کا خزانچی تھا۔ ممکن ہے، اس نے یہ رقم اسی مطبع کے فنڈ سے ادا کی ہو اور پھر اشپرینگر سے لے کر اس مطبع کے مہتمم منشی اشرف علی کو لوٹا دی ہو۔

۷۔ خوندمیر کی معروف تاریخی کتاب۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے مخطوطے کی تین جلدیں اس کے کتاب خانہ میں موجود ہیں اور تیسری جلد کے دو نسخے الگ ہیں۔ (ص ۵، شمارہ ۷۴-۷۷)۔

بحالت موجودہ یہ مخطوطہ حضرت علیؓ کی وفات تک ہے۔ جلد اول کے اوراق ۲۸۸ ہیں اور اس کا سنۂ کتابت ۱۰ صفر ۱۱۵۰ھ/ ۹ جولائی ۱۷۲۵ء ہے۔ جلد دوم کے اوراق ۴۰۴ اور جلد سوم کے ۳۹۸ ہیں۔ جلد سوم کے دوسرے نسخے کے اوراق کی تعداد ۲۹۴ ہے۔ رک: برٹش، ص ۳۹۹-۴۰۱، شمارہ ۴۰۰، ۴۰۴، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۷۔ استوری ۱/۱: ۱۰۶۔

۸۔ حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ متخلص بہ قاسم (م-۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء) کے تذکرہ شعرائے اردو بعنوان ''مجموعۂ نغز'' (تاریخ اختتام ۱۲۲۱ھ) کی جانب اشارہ ہے۔ اشپرینگر قاسم کے بیٹے حکیم عزت اللہ خاں کو اس تذکرے کا مؤلف سمجھتا تھا، جس کی تصحیح مولوی سید محمد نے کر دی۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم عزت اللہ کے پاس اپنے باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود تھا۔ اس تذکرے کو پہلی بار حافظ محمود شیرانی نے مرتب کر کے لاہور سے ۱۹۳۳ء میں چھپوایا تھا (طبع عکسی، دہلی ۱۹۷۳ء)۔ اس کا متن محمد حسین آزاد کے قلمی نسخے پر مبنی ہے، جو اس وقت دانش گاہ پنجاب (لاہور) میں موجود ہے۔ غیر واضح عبارتوں کی تصحیح کے لیے مرتب نے انڈیا آفس کے نسخہ کو بھی استعمال کیا۔ ان دو کے علاوہ مرتب نے کسی اور قلمی نسخے سے استفادہ نہیں کیا۔ مرتب نے جس نسخے پر مطبوعہ متن کی بنیاد رکھی، اس میں جا بجا درستی اور اضافے کیے گئے ہیں۔ ان کی بنا پر مرتب نے دیباچے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ مصنف کا خودنوشتہ نسخہ ہے۔ ممکن ہے، یہ وہی نسخہ ہو، جو قاسم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کے بیٹے کے پاس تھا اور وہ کسی طرح محمد حسین آزاد کے ہاتھ لگ گیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔

اشپرینگر کو اشرف علی کی وساطت سے ''مجموعۂ نغز'' کا نسخہ بخط مصنف مستعار مل گیا۔ اس نے فوراً اس کی نقل تیار کرالی۔ اس سے قبل اسی نسخے کی ایک نقل تذکروں کے انگریز شائق جناب بال نے بھی حاصل کرلی تھی۔ (رک: فہرست شاہان اودھ، ۱۸۵۴ء، ص ۱۸۶)۔ بال کی نقل کے صفحات تقریباً آٹھ سو ہیں اور اس میں پندرہ سطریں فی صفحہ ہیں۔ اشپرینگر کی نقل کے اوراق ۲۰۸ ہیں۔ خط نستعلیق اور فی صفحہ ۲۳ سطور ہیں۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲۴، شمارہ ۳۴۶۔ برٹش، ص ۶۷۴، شمارہ ۶۶۹۔ اسٹوری ۱/۲: ۸۸۲-۸۸۳۔

۹۔ یہ شاعر بھی تھے اور عشق تخلص کرتے تھے۔ قاسم نے اپنے بیٹے کا ذکر ''مجموعۂ نغز'' میں یوں کیا ہے:

''برخوردار کامگار فرزند سعادۃ نشان دلبند راحت رسان محب اہل اللہ میر عزت اللہ مد عمرہ و زاد قدرہ۔ وے جوانے است صالح خدایاد نیک طبیعت درویش نہاد عقبیٰ دوست دنیا دشمن پاکیزہ جان عاشق تن فتوۃ منش محبت التیام مروۃ روش شیریں کلام سلیم الطبع مستقیم مزاج سراسر سرور سر بسر ابتہاج حافظ قرآن شریف صاحب طبع ظریف۔ در فن طبابت ید طولی دارد بمعالجہ مرضیٰ مسیحائی بابروے کار آرد از علوم ضروریہ بقدر کفائت فائدہ یاب و بہرہ اندوز است و بر تجوید و جودہ قرأۃ کلام الٰہی تعالیٰ شانہ منصور و فیروز بصحبت اہل اللہ و صاحب دل بسیار متوجہ و مائل است و از ہم نشینی متمولاں و اہل دول خیلے متنفر و بے دل خدا شاہد است و کفی باللہ شہیدا کہ قلم حقائق رقم ہر چہ از پارسائیش برنگارد در دیدۂ اہل انصاف بسیار کم نماید و زبان حقیقت ترجمان ہر قدر کہ از تقویٰ شعاریش بیان نماید بگوش نصفت نیوش منصفان یکے از ہزار و اند کے از بسیار در آید رجا ز ارحم الراحمین جل جلالہ و غفور المذنبین عم نوالہ۔ عصیان این عاصی نامہ تباہ را بوے بخشد و از جرم این مجرم مو سفید رو سیاہ بفاتحہ خوانیش درگذرد ... زور شاعری وے از اشعارش آبدارش پیدا است و قوت سخنوری وے از کلام صحت نظامش ہویدا یک صد ... شعر ... شطرے است از اشعار آبدارش و مشتے است از انبار لآلی شاہوار نتائج طبع گوہر بارش ... شید شد'' (۱: ۳۸۵-۳۸۶)

اس کے بعد عشق کا اردو کلام درج کیا گیا ہے (ص ۳۸۶-۳۹۸)۔ گارسیں دتاسی کے مطابق عشق کا انتقال ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ ہوا (۳۹.۲) اور کریم الدین پانی پتی اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ، ۱۸۴۸ء) میں لکھتے ہیں کہ عشق ''قریب پانچ یا سات برس سے ... وفات

ہوئے۔'' (ص ۳۷۶)۔

۶

''آقائے نامدار سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے کہ تذکرہ ابوالقاسم حکیم قدرت اللہ خان (۲) کا قریب الاختتام ہے یعنی بائیس جزو تو اوس کے کاتب لکھ چکا ہے اور گیارہ جزو کا مقابلہ اس نیاز مند نے باوجود عدم فرصت کے کیا ہے۔ اور میری عدم فرصتی کا حال حضور پر بخوبی روشن ہے کیونکہ مطبع کا کام فقط میں ہی کرتا ہوں (۳) اور مدرسہ میں بھی دس بجے سے چار بجے تک حاضر رہتا ہوں (۴)۔ انشاء اللہ تعالیٰ باقی اجزا کا بھی بہت جلد مقابلہ کر کے اور جلد بندھوا کر حضور میں روانہ کروں گا۔

خداوندا میں نے درینولا بشراکت احمد علی سوداگر (۵) کے کتاب ''بہار عجم''، جو کہ اصطلاحات زبان عجم میں ہے، چھپوانا شروع کیا ہے۔ امید ہے کہ باقبال حضور وہ اختتام کو پہنچے گی۔ جناب عالی! یہ بہت بڑی کتاب ہے یعنی ''تفسیر عزیزی'' (۶) سے زیادہ ہے۔ اور یہ وہ ''بہار عجم'' ہے، جو کہ خاص مسودہ ٹیک چند بہار سے صاف ہوئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بروقت تیاری کے ایک نقل حضور میں روانہ کروں گا۔ امید رکھتا ہوں کہ حضور از راہ بندہ پروری کے اس کا ذکر شایقین زبان فارسی سے فرمائیں گے (۷)۔

اور جناب عالی! مرزا محمد علی منصف فتح پور (۸) نے اس نیاز مند کو واسطے ''احیاء العلوم'' اور ''فتوحات مکیہ'' (۱۰) کے لکھا ہے، چنانچہ نیاز مند نے اون کو یہ جواب لکھا کہ اس شہر دہلی میں فقط ایک نقل نواب محمد امیر خان کے کتب خانہ میں تھی۔ اوس کو میں نے اپنے خداوند نعمت جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے واسطے نو روپیہ کو خرید لیا اور صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دیا۔ اب میں صاحب ممدوح کی خدمت میں عرضی لکھوں گا۔ اگر صاحب کو منظور ہوگا تو اوس کو علیحدہ کریں گے اور تو کہیں اوس کا نشان مجھ کو معلوم نہیں ہوتا۔ سو اس واسطے حضور میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور کو منظور ہو تو میں منصف مذکور کو لکھوں اور بعد اوس کے حضور میں عرض کروں۔

اور جناب عالی! ایک ''مجموعہ بہادر خانی'' (۱۱) اس نیاز مند کو درکار ہے۔ اگر حضور کے اقبال سے مقام کلکتہ سے دستیاب ہو، تو اوس کی قیمت حضور میں بھیج دوں۔

اور جناب عالی (۱۲)! جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے تو شرکائے مطبع نے مثل مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش (۱۳) اور مولوی امام بخش (۱۴) اور میر سید محمد خوشنویس (۱۵)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس حصوں کے بعض نے پورے پر اور بعض نے کچھ کم پر بیچ دیئے۔ درصورت لاچاری واسطے جاری رکھنے چھاپہ خانے کے اس نیاز مند نے قریب تیس حصوں کے اور قریب بیس حصوں کے لالہ رادہ کشن خزانچی نے خرید لیے (۱۶)۔ [کاغذ کا دایاں کونا الگ ہو کر گر گیا ہے]۔ حصہ داروں کو ادا کر دیا۔ اب جناب عالی! اس شہر میں بیس چھاپہ خانہ (۱۷) [دایاں کونا موجود نہیں] اس چھاپہ خانہ کی اور پرانے چھاپے خانوں کی رونق گھٹ گئی اور باہر کی چھپائی اور سوسیٹی کی چھپائی، کہ جس کے سبب سے بڑی آبادی تھی، وہ بسبب نہ تشریف رکھنے حضور کے مطلق نہیں ہوتی۔ ناچار قرض وام کر کے چھاپہ خانہ ہی کی کتابیں چھاپنی شروع کیں۔ تو اب یہ چھاپہ خانہ دو ہزار روپیہ کا قرض دار ہو گیا ہے اور آئندہ کو امید نفع کی بسبب کثرت چھاپہ خانوں کے نہیں معلوم ہوتی۔ اس صورت میں باقی شرکاء کی یہ رائے ہے کہ جو روپیہ اور شریکوں کا باقی ہے، وہ بھی یہ نیاز مند ادا کر دے اور کل قرض بھی اپنے ذمہ قبول کرے یعنی پانچ ہزار روپیہ کو خرید کرے۔ سو جناب عالی! یہ آپ کا نیاز مند بہت گھبراتا ہے کیونکہ میں نے ساری عمر میں قریب ڈھائی ہزار کے روپیہ جمع کیا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں تو ایک گوشہ میں بیٹھ رہوں، لیکن اب یہ صورت ہے، سو اس واسطے یہ نیاز مند آپ کے حضور میں عرض کرتا ہے کہ مجھ سے چھ سو روپیہ سوسیٹی کا اور ڈیڑھ سو روپیہ حضور کا یعنی سات سو پچاس روپیہ لیا جاوے، جیسا کہ پہلے شرکا لے چکے ہیں، تو اس نیاز مند پر حضور کا بڑا احسان ہوگا اور مجھ کو آپ کی فیاضی سے امید ہے کہ یہ میری عرضی حضور قبول کر کے ٹیلر (۲۰) صاحب کو لکھ بھیجیں گے کہ اشرف علی سے سات سو پچاس روپیہ بابت حصص سوسیٹی اور ہمارے کے لیا جاوے۔ اور جناب عالی! اگر سوسیٹی اس کارخانہ کو خرید لیوے تو بڑی ہی بندہ پروری ہے۔ کیونکہ یہ نیاز مند کام کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ حضور پر روشن ہے کہ اس چھاپہ خانہ میں تین مہتمم تھے (۲۱) اور اب میں فقط اکیلا ہوں۔ اہتمام اخبار کا اور تمام کتابوں کا مقابلہ اور خطوط کا لکھنا اور سارے کارخانہ کا حساب لکھنا میرے ہی ذمہ پر ہے۔ بسبب تنہائی کے اور بھی گھبراتا ہوں (۲۲)۔ زیادہ حد ادب۔ آفتاب دولت کا روشن رہے۔

نیاز مند

اشرف علی"

تشریحات:

۱۔ یہ خط اشرف علی کے ان خطوں میں سب سے طویل ہے اور سب سے اہم بھی۔ اس میں انھوں نے اپنی نجی زندگی کے متعلق بعض ایسے مفید اشارے کیے ہیں، جن کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دہلی کالج میں بطور منشی اور مطبع العلوم میں بحیثیت مہتمم ان کی مصروفیات کیا تھیں؟ اور وہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود آپ

۲

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فرائض کو کتنی محنت اور ذمہ داری سے نپٹاتے تھے؟ ان باتوں کا اندازہ بھی زیرِ نظر خط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں مثلاً ''بہارِ عجم'' کی اشاعت اور اس کے مسودے کے بارے میں نئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مکتوب نگار نے مطبع العلوم کے مہتمم کی حیثیت سے اس پریس کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اس کی جو وجوہ بیان کی ہیں، ان سے اردو مطابع کی ابتدائی تاریخ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

اشرف علی کے دیگر پانچ خطوط کی طرح ان کا اشپرینگر کے نام یہ آخری خط بھی بلا تاریخ ہے۔ اس کے حتمی سنہ تحریر کا تعین تو نہیں کیا جا سکتا، البتہ بعض اندرونی شہادتوں کی بنا پر یہ امر قرین قیاس ہے کہ یہ خط اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد یا ۱۸۵۲ء کے کسی مہینے میں لکھا گیا۔ ان دو سنین میں اول الذکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس سنہ کے تخمینی تعین کے لیے یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ زیرِ نظر خط میں مطبع العلوم کے شراکت داروں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کے نام کے ساتھ ''مرحوم'' لکھا گیا ہے۔ مولانا کا انتقال ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو ہوا تھا۔ رک: بذیل مکتوبات مملوک العلی۔

۲۔ قاسم کا تذکرہ شعرائے اردو بعنوان ''مجموعۂ نغز'' (رک: گذشتہ خط، تشریحات، شمارہ ۸)۔ پچھلے خط میں مکتوب نگار نے اشپرینگر سے اس تذکرے کی نقل تیار کرانے کی اجازت مانگی تھی۔ اجازت ملنے پر اشرف علی نے اس تذکرہ کے مخطوطہ (بخط مصنف) کی نقل شروع کرادی، جو اس خط کے سنہ تحریر تک قریب الاختتام تھی۔ اشرف علی اشپرینگر کو مختلف قلمی نسخوں کی نقول فراہم کرنے میں کس قدر احتیاط برتتے تھے، اس کا اندازہ موجودہ خط سے ہو جاتا ہے۔

۳۔ مطبع العلوم جب شروع ہوا تھا، تو اس کے تین مہتمم تھے اور ان میں ایک اشرف علی بھی تھے۔ جب مطابع کی کثرت کی وجہ سے اس مطبع کا کام مندا پڑ گیا اور نفع کے بجائے نقصان ہونے لگا، تو پھر دو مہتمم فارغ کر دیئے گئے اور اکیلے اشرف علی ہی اس کا انتظام چلاتے رہے۔

۴۔ اشرف علی دہلی کالج میں منشی تھے، استاد نہیں تھے، جیسا کہ مولوی عبدالحق (مرحوم دہلی کالج، ص ۱۵۴) اور مولانا امداد صابری (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۵۹) نے لکھا ہے۔ کالج میں ان کے منشیانہ فرائض کی تفصیل نہیں ملتی۔ ممکن ہے، وہ یہاں مراسلہ نویسی اور دفتری نوعیت کے انتظامی کاموں کے نگران ہوں۔ بہرحال وہ روزانہ یہاں آتے اور چھ گھنٹے مسلسل کام کرتے تھے۔

۵۔ یہ دہلی کے کوئی تاجر تھے۔ اسی نام کے ایک صاحب دہلی کالج میں فارسی کے استاد تھے اور دوسرے اس دور کے معروف عالم احمد علی محدث سہارنپوری ہیں۔ یہ صاحب ان دونو سے الگ کوئی شخص ہیں، جو مطبع

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

العلوم کی بعض کتابوں کی طباعت میں شریک تھے۔

''تفسیر عزیزی'' یا ''فتح العزیز'' از شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ-لکھنؤ ۱۲۶۸ھ-مطبوعہ ۱۲۵۹ھ، مقام اشاعت نامعلوم۔ اس تفسیر کے ایک جزء کا قلمی نسخہ برلین میں موجود ہے (رک: اسٹوری ۱/۱: ۲۴)۔ اشرف علی کے زیر اہتمام مطبع العلوم سے اس تفسیر کی جلد اول ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے تین سو نسخے طبع ہوئے تھے اور فی نسخہ دو روپے قیمت تھی۔ جلد دوم کے بارے میں معلوم نہیں، کہ وہ کب اس مطبع سے شائع ہوئی۔ (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)

فارسی کی مشہور اور ضخیم لغت، جسے ٹیک چند بہار نے ترتیب دیا۔ بہار کا سنۂ وفات ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء ہے، لیکن اشپرینگر ایک جگہ لکھتا ہے کہ ۱۸۵۴ء میں اس کی ملاقات بہار کے پوتے سے ہوئی تھی اور اس نے بتایا کہ بہار کا انتقال تقریباً چالیس سال قبل ہوا تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۵)۔ اس فرہنگ کی تاریخ اتمام ۱۱۶۲ھ ہے۔

''بہار عجم'' پہلی بار اشرف علی کے زیر اہتمام چھپنا شروع ہوئی۔ طباعت کے لیے مرتب فرہنگ یعنی ٹیک چند بہار کے خودنوشت نسخہ کو بنیاد بنایا گیا۔ منشی دیبی پرشاد نے اس لغت کے ایک قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۱۸۲ھ) کا حوالہ دیا ہے، جو بہار کے شاگرد اندرمن نے تیار کیا تھا اور اس کا دیباچہ خود مرتب نے تحریر کیا تھا (رک: تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، دہلی ۱۸۸۵ء، ص ۲۲-۲۳)، لیکن اشرف علی نے طباعت کے لیے جو نسخہ استعمال کیا، وہ اس مخطوطہ سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔

طباعت سے قبل بھی یہ فرہنگ مقبول خاص و عام تھی اور فارسی کے اساتذہ اور علماء اس سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مشہور فارسی داں اور دہلی کالج کے استاد (شعبہ فارسی) امام بخش صہبائی نے بھی اس لغت کے مشکل الفاظ کی ایک شرح لکھی تھی۔ اس کے متعلق مولوی کریم الدین پانی پتی رقم طراز ہیں کہ ''ایک شرح الفاظ مشکلہ ٹیک چند بہار کی بھی اون کی تالیف سے درمیان اس سال یعنی ۱۲۰۰ کے چھپی ہے'' (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۵)۔ ممکن ہے یہ شرح بھی مطبع العلوم ہی سے چھپی ہو۔

مطبع العلوم سے ''بہار عجم'' کی پہلی جلد ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔ اس کے صفحات ۷۱ تھے اور فی صفحہ ۲۸ سطور تھیں۔ اس کی طباعت کی خبر دہلی کالج کے ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' (مہتمم کریم بخش) میں شائع ہوئی (بحوالہ گارسیں دتاسی ۱: ۲۸۲)۔ اشرف علی نے اس خط میں اشپرینگر سے وعدہ کیا تھا کہ اس لغت کی اشاعت کے فوراً بعد اس کا ایک نسخہ اسے بھیجا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے جلد اول کی ایک

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کاپی اسے ارسال کردی۔ان دنوں اشپرینگر کلکتہ میں تھا اور وہاں کی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے انگریزی مجلہ میں ''لٹریری انٹیلی جنس'' کے زیر عنوان تازہ مطبوعات پر تبصرہ لکھتا تھا۔ یہ جلد موصول ہوتے ہی اس نے اس پر بھی ایک تبصرہ لکھا، جو اسی رسالہ میں شائع ہوا (جرنل، جلد ۲۲، شمارہ ۴، بابت اپریل ۱۸۵۳ء، ص ۴۰۴-۴۰۵)۔سطور ذیل میں یہ تبصرہ پیش کیا جاتا ہے:

"The *Qiran alsa'dayn*, a Dilly periodical in Hindustany, announces the publication at Dilly, of the first volume of a Persian Dictionary which has the title مصطلحات بہارِ عجم ; it comprises 817 pages of 28 lines. The author of this important work is Tek Chand, whose takhalluc was Bahar - a Khatry of Dilly. He flourished in the second half of the last century, after he had completed the first copy of his work, continued his lexicographical labours and made numerous additions and improvements, and found himself compelled to write out a second copy, and even here his lexicographical researches did not stop. He made successively seven copies or editions of his work, of which the last is of course the most perfect. At the time of his death the autograph of the seventh edition was in the hands of one of his pupils, whose name is Inderman, and he made an abridgment of it, and it is this abridgment which is now generally known to India as the *Bahare 'ajam*, and is considered the best Persian Dictionary that exists. Ye it is only the shadow of the work of which now the first volume has been published. Tek Chand had critically studied the whole Persian literature, and had travelled in

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

Persia in order to make himself fully master of the Persian language and its dialects. The spoken language of Persia is simple enough, and so are some of their prose writers. To understand these writers, or the *'urf* of the language, almost any dictionary is sufficient, but in their great poets there occur many verses which are perfectly unintelligible, and though the copies of their works agree generally very well, you find almost in every copy a different reading. We have very few ancient commentaries on Persian poets (the only very valuable books on this subject are the کشف الاسرار by A'dzory, and Abu-l-Hasan's commentary on Anwary, a few other commentaries known in India have much critical volume), and it is therefore only by very extensive and critical reading that these difficulties can be cleared up. They consist, sometimes in allusions which have become hackneyed among poets, like نعل در آتش sometimes in the use of rare and absolute words, and sometimes in the use of strange idioms. All doubt on these subjects can only be removed when we have critical editions of the principal Persian authors: in the meantime however the Bahar Dictionary is, by far, the most valuable book of reference on these points, because, as the term مصطلحات in the title implies, it is expressly designed to meet these difficulties, and his immense reading and intercourse with the most learned Persian scholars both in

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

India and Persia, enabled hiim to collect and make bear on the difficulties a number of passages from classical Persian authors. For a European lexicographer this Dictionary will not only be valuable in furnishing him with explanations which he finds nowhere else, but, what is much more valuable, it enables him to strike out many absurd meanings, which are given to words in Richardson and even in the *Burhane Qati,* and which rest on misunderstood passages of poets."

(*JASB*, vol. XXII, No. 4, 1853, pp. 404-05, "Literary Intelligence")

''بہار عجم'' کی طباعت اشرف علی نے شروع کی اور اس کی پہلی جلد انھیں کے زیر انتظام شائع ہوئی۔ ۱۸۵۲ء کے آخر میں ان کی جگہ کریم بخش کو مطبع العلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا اور اس لغت کی دوسری جلد نئے مہتمم نے ۱۸۵۳ء میں شائع کرائی۔ اس کے دو سو نسخے شائع ہوئے اور یہ اسی سال فروخت ہو گئے (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۲)۔ یہ دونو حصے ایک ہی جلد میں مجلد تھے اور یہ ''مصطلحات بہار عجم'' کے عنوان کے تحت شائع ہوئے تھے۔ بقول گارسیں دتاسی اس فرہنگ کے ایک اور ایڈیشن (صفحات ۱۲۳۰، فی صفحہ ۲۴ سطور) کا اشتہار ''اخبار عالم'' (میرٹھ، بابت ۵ دسمبر ۱۸۶۷ء) میں بھی شائع ہوا تھا (۱: ۲۸۲)۔

ٹیک چند بہار اور اس کی لغت ''بہار عجم'' کے متعلق مزید تفصیلات ان مآخذ سے حاصل کی جا سکتی ہیں:

فہرست شاہان اودھ (۱۸۵۴ء)، ص ۲۱۱۔ فہرست اشپرینگر، ص ۸۵، شمارہ ۱۵۳۷-۱۵۳۸۔ گارسیں دتاسی ۱: ۲۸۱-۲۸۲۔ ریو ۲: ۵۰۲-۵۰۳۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ مؤلفہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، دہلی ۱۹۴۲ء، ص ۱۶۴-۱۷۰۔ ہندوؤں میں اردو از سید رفیق مارہروی، حصہ اول (نظم)، لکھنؤ ۱۹۵۸ء (؟)، ص ۱۱۹-۱۲۲۔ فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان تالیف دکتر شہریار نقوی، تہران ۱۳۴۱ / ش، ص ۱۵۲-۱۵۷۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۸۔ شاید یہ بھی کوئی نادر قلمی نسخوں کو جمع کرنے کے شوقین تھے، جنھوں نے ''احیاء العلوم'' اور فتوحات مکیہ'' جیسی کتابوں کو خریدنے کے لیے اشرف علی سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونو کتابوں کے خطی نسخے دہلی کے نواب محمد امیر خان کی نجی ملکیت تھے اور اشرف علی انہیں اشپرینگر کے لیے حاصل کر چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کی تحریر کے وقت یہ نسخے ابھی دہلی میں ان کے پاس تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر اشپرینگر اس قیمت (نوے روپے) پر خریدنے پر رضامند نہ ہو، تو وہ انہیں منصف محمد علی کو بھیج دے، لیکن اشپرینگر نے ان نسخوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور فوراً کلکتہ منگوا لیا اور اب یہ اسی کے ذخیرہ میں برلین (مغربی) کے کتاب خانہ کی زینت ہیں۔

۹۔ تفصیل کے لیے رک: گذشتہ خط کی تشریحات، شمارہ ۲۔

۱۰۔ ابن العربی کی معروف زمانہ کتاب، جس کا کچھ سال پہلے ایک قدیم ترین نسخہ، جس پر ابن العربی کے دستخط بھی موجود ہیں، دریافت ہوا۔ اس نسخے کو ابراہیم مدکور اور عثمان یحیٰی نے ترتیب دیا اور اب یہ حکومت مصر کے مالی اشتراک سے شائع ہو گیا ہے۔ (رک: راقم کا مقالہ ''فتوحات مکیہ'' در: معاصر (لاہور)، ۱۹۸۰ء، ۳۳۷-۳۸۱)۔

اشپرینگر نے لکھا ہے کہ ''فتوحات مکیہ'' کا جو قلمی نسخہ اس کے پاس ہے، وہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے کل صفحات ۲۵۰۰ ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے مختلف ابواب پر مشتمل دو اور قلمی نسخے بھی اس کی ملکیت میں تھے۔ (رک: فہرست اشپرینگر ص ۵۰، شمارہ ۷۷-۷۸۲)۔

''فتوحات مکیہ'' کے ان نسخوں (مخزونہ قومی کتاب خانہ، برلین) کے مختصر کوائف یہ ہیں:

جلد اول: اوراق ۲۵۴، فی صفحہ ۲۲ تا ۲۳ سطور۔ صفحہ اول پر ''الجزء الاول من فتوحات المکیۃ'' مرقوم ہے۔ عمدہ خط، قدرے جلی قلم۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ حواشی پر تصحیحات اور اختلافات نسخ دیے گئے ہیں۔

جلد دوم: اوراق ۳۴۱، سنۂ کتابت رمضان ۱۰۰۷ھ۔ کاتب کا نام محمد بن محمد بن محمود بن محمد بن علی بن یوسف الحنفی ہے۔

جلد سوم: اوراق ۲۲۰، فی صفحہ ۲۹ سطور، بارھویں صدی ہجری کے نصف ... مکتوبہ۔

جلد چہارم: اوراق ۳۸۰۔

نسخۂ دیگر: اوراق ۱۴۴، فی صفحہ ۱۷ سطور۔ پہلے صفحے کے کونے میں ''من الفتوحات المکیۃ'' بطور عنوان لکھا گیا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ایضاً: اوراق ۳۵۶، فی صفحہ ۳۳ سطور، مکتوبہ قریب ۱۱۵۰ھ/ ۳۷-۱۷۳۶ء۔ بعض اضافوں کے تحت ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء لکھا گیا ہے۔ اس نسخے کی اختتامی عبارت یہ ہے:

غیر ضالین و لامضلین قال الشیخ رہ انتھی الباب بحمد اللّٰہ بانتھا الکتاب علی ما امکن من الایجاز والاختصار و ھذا ھو الاصل بخطی فانی لا اعمل التصنیف من تصانیفی مسودۃ اصلا والحمد للّٰہ رب العالمین۔

(رک: اہلوارٹ ۳ (۱۸۹۱ء): ص ۲۶-۲۸، ۳۰-۳۱، شمارہ ۲۸۵۶۔ ۲۸۵۷، ۲۸۶۴، ۲۸۶۶-۲۸، ۲۸۶۹۔

''فتوحات مکیہ'' کے ان مخطوطات کے علاوہ بھی ذخیرۂ اشپرینگر میں اس کتاب کے مختلف اجزاء پر مشتمل متعدد نسخے موجود ہیں۔

رک: اہلوارٹ ۳: ص ۳۲-۳۳، ۱۵۸-۱۵۹، شمارہ ۲۸۷۲-۲۸۷۳، ۲۸۷۴، ۳۳۱۹۔ عثمان یحییٰ کی مرتبہ تالیفاتِ ابن العربی پر فرانسیسی کتاب (مطبوعہ دمشق، دوجلد، ۱۹۶۴ء)

۱۱۔ اسی کتاب کا اصل عنوان ''جامع بہادر خانی'' ہے، جس کے مؤلف کا نام ابوالقاسم المشتہر بہ غلام حسین بن فتح محمد کربلائی جونپوری ہے۔ اس کا سنۂ آغاز ۱۵ صفر ۱۲۳۸ھ/ ۱۴ جون ۱۸۳۲ء اور سنۂ تکمیل ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۸۳۳ء ہے۔ فارسی زبان میں علم ہندسہ، علم الابصار، علم حساب، علم ہیئت، اجرام علویہ و بسائط صفلیہ وغیرہ پر ایک جامع کتاب ہے (صفحات ۷۲۰)

'جامع بہادر خانی'' کلکتہ سے ۱۸۳۵ء میں طبع ہوئی اور منشی اشرف علی کو اسی مطبوعہ ایڈیشن کے ایک نسخے کی ضرورت تھی۔

اس کتاب کی اشاعت کے دو سال بعد ایک انگریز جان ٹائیلر نے اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا، جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوا۔ (جلد ۴ بابت ۱۸۳۷ء، ص ۲۵۴-۲۷۲)۔

نیز رک: فہرست مخطوطات فارسی مخزونہ کرزن کلیکشن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (بزبان انگریزی) مرتبہ ڈبلیو، ایوانوف، کلکتہ ۱۹۲۶ء، ص ۴۰۲-۴۰۳، شمارہ ۵۸۰۔ اسٹوری ۲/۱ (۱۹۵۸ء): ۱۹-۲۰۔

۱۲۔ اشرف علی نے اس کے بعد مطبع العلوم کی زوال پذیری کا جو حال بیان کیا ہے، اس کی تصدیق ان کے ایک اور خط (بابت دسمبر ۱۸۵۲ء) سے بھی ہوتی ہے۔ یہ خط دراصل ایک اپیل ہے، جو انھوں نے مطبع کے باقیماندہ شرکاء سے کی۔ غالباً ان کی یہ استدعا منظور ہوگئی اور اسی مہینے ان کی جگہ کریم بخش کو اس پریس کا مہتمم بنا دیا گیا۔ اشرف علی کی یہ اپیل موجودہ خط کے اندراجات سے خاصی ملتی جلتی ہے، چنانچہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس کا مکمل متن مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

''یہ نیاز مند اشرف علی مہتمم مطبع العلوم کا سب شرکاء کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اب اس شہر میں کثرت چھاپہ خانوں کی ایسی ہوئی ہے کہ جو کتاب ایک روپے میں تیار ہوتی تھی اس کو دوسرے چھاپے خانے والے چار آنے میں بدون مآل اندیشی کے کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اگر چہ انجام ان کا بخیر نہیں ہوتا اور آخر کار پشیمانی اٹھاتے ہیں، لیکن اس صورت میں بہت نقصان مطابع قدیم کا ہوتا ہے کیونکہ جو نرخ ان مطابع میں مقرر تھا، اب تاجروں کے نزدیک بہت گراں معلوم ہوتا ہے۔ تو اس سبب سے کوئی تاجر بیرونی اس مطبع میں نہیں چھپواتا اور صورت ناچاری قرض دوام کر کے کتب ملکیت مطبع سے چھپوائی جاتی ہیں۔ اور ان کتب کو بضرورت اجراء کار تاجروں کو بوعدہ برس روز کے دی جاتی ہیں۔ اور ان سے بڑی دقت سے کچھ وصول ہوتا ہے اور کچھ ڈوبتا ہے۔ اور یہاں بیاج بھرتے بھرتے دم ناک میں آتا ہے۔ اور جو صاحب کہ کچھ چھپواتے ہیں، اس کی چھپائی برسوں تک نہیں دیتے اور لیت و لعل میں گذارتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجز نقصان کے کوئی صورت نفع کی معلوم نہیں ہوتی۔ اور شرکاء کہتے ہیں کہ ہر ششماہی ہر سال پر نفع بانٹا کرو۔ اور تقسیم نفع کے واسطے مجھ کو تنگ کرتے ہیں۔ اگر چہ اس مطبع مدرسۂ دہلی میں دو دفعہ نفع نقصان تقسیم ہو چکا ہے، یعنی فی حصہ گیارہ گیارہ روپیہ پہنچ چکا ہے۔ اور اب فی صد انیس انیس روپیہ لگتا رہا ہے۔ اور مطبع مدرسہ آگرہ میں، جو کہ اس سے پہلے کا ہے، آج تک ایک دفعہ بھی نفع تقسیم نہیں ہوا ہے اور بلکہ شرکاء ہی سے مدد چاہی جاتی ہے اور یہی حال چھاپہ خانہ مدرسہ بریلی کا ہے کہ واں جس روز سے مقرر ہوا ہے، ایک خرمہرہ بھی شرکاء نفع کے نام سے نہیں جانتے لیکن یہاں جو دو دفعہ ہو چکا ہے، اس واسطے مجھ کو زیادہ تنگ کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے اکثر شرکاء نے اپنے حصے یعنی مولوی مملوک العلی صاحب مرحوم نے، ماسٹر رام چندر نے، مولوی سبحان بخش، میر سید محمد خوشنویس اور اکثر طلبا اکاون باون حصہ کے بعض نے برابر پر اور بعض نے کچھ کم پر بھی بیچ دیے اور روپیہ اپنے اپنے حصوں کا لے لیا۔ تو اب سب صاحبوں کی خدمت میں، جو کہ حصہ دار باقی ہیں، عرض کرتا ہوں کہ بعد ملاحظہ حساب مطبع کے جس صاحب یعنی شریک کو منظور ہو وہ صاحب بعد ادا کرنے قرض واجب الادا اور زر حصص کے اس مطبع کو مع اشیا موجودہ کے اپنے قبضے میں کر لے۔''

(دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، ''قدیم دلی کالج کے کچھ حالات'' از قاسم علی سجن لال)۔

نیز رک: ہندوستانی اخبار نویسی از محمد عتیق صدیقی، ص ۲۳۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۵۹-۶۱ (مولانا امداد صابری نے اس خط کو بلا حوالہ اپنی کتاب میں شامل کیا ہے)۔

منشی اشرف علی نے اشپرینگر کے نام اپنے اس خط میں مطبع العلوم کے حصہ داروں میں ماسٹر رام چندر کو شامل نہیں کیا، جبکہ اس اپیل میں ان کا نام دیا گیا ہے۔ رام چندر کے معتبر سوانح نگاروں مثلاً ڈاکٹر سیدہ جعفر (ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں ان کا حصہ، حیدر آباد دکن ۱۹۶۰ء) اور صدیق الرحمٰن قدوائی (ماسٹر رام چندر، قدیم دہلی کالج کی ایک اہم شخصیت، دہلی ۱۹۶۱ء) میں ماسٹر صاحب کی اس شراکت داری کا ذکر نہیں کیا۔

۱۳۔ دہلی کالج میں جماعت سوم (عربی) کے استاد تھے (بحوالہ رجسٹر، متذکرہ بالا، بابت ۱۸۴۷ء)۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس تھی (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۶)۔ ''محاورات ہند'' ان کی مشہور کتاب ہے اس مجموعۂ مکاتیب میں ان کا ایک اردو خط بنام اشپرینگر محفوظ ہے۔

۱۴۔ مولوی امام بخش صہبائی (م۔ ۱۸۵۷ء)۔ ۱۲۶۱ھ میں ان کی عمر قریب چالیس برس تھی اور ۱۸۴۰ء میں وہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس اول مقرر ہوئے تھے (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۵)۔ اس وقت ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار تھی، لیکن جنرل کمیٹی نے اپنے خط بنام گورنر جنرل (مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۰ء) میں سفارش کی کہ یہ تنخواہ دگنی کر دی جائے، لیکن اس میں صرف دس روپے اضافہ کیا گیا اور امام بخش صہبائی برسوں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر کام کرتے رہے۔ (رک: جی ڈبلیو لائٹنر کی دیسی تعلیم پر انگریزی کتاب، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۲ء، ضمیمہ سوم)۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال بھی شعبۂ فارسی کے مدرس اول تھے۔ اس وقت ان کی جماعت کے فریق اول میں چھ طلبہ اور فریق دوم میں ۱۵ طلبہ پڑھتے تھے اور صہبائی انہیں فارسی (شاہنامہ، مینا بازار اور پنج رقعہ) کے علاوہ اقلیدس، جبر و مقابلہ اور تاریخ کے مضامین پڑھاتے تھے۔

امام بخش صہبائی نے فارسی قواعد پر ''رسالہ علم نحو'' قلم بند کیا، جو ۱۸۴۹ء میں مطبع مہاراجا ہلکر (اندور) سے شائع ہوا تھا۔ ان کے ''رسالہ قواعد اردو'' کا پہلا ایڈیشن سید محمد خاں، مالک سید الاخبار (دہلی)، کے مطبع سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۹ء میں اشرف علی کے زیر اہتمام طبع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

''باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم واقع دہلی گذر کشمیری دروازہ میں چھپا۔''

صہبائی فارسی کے مدرس، مصنف اور شاعر تھے، لیکن کبھی کبھار اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ''بحر الفصاحت'' میں نجم الغنی رامپوری نے ان کے دو اردو شعر نقل کیے ہیں (بحوالہ دہلی کی یادگار ہستیاں از

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

امداد صابری، ص ۹۸-۹۹)۔

تفصیل کے لیے رک: طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۳-۴۱۶۔ گارسیں دتاسی ۳: ۲۲-۲۶۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۶۴، ۱۸۶ مع تحتی نوٹ۔

۱۵۔ دہلی کالج میں ایک خوشنویس کی بھی اسامی تھی، جو طلبہ کو خوشخطی سکھاتا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں خوشنویس کی تنخواہ بیس روپے ماہوار تھی اور جنرل کمیٹی نے اس میں چار روپے تخفیف کی سفارش کی۔ ۱۸۴۲ء کی رپورٹ کے مطابق ''رائٹنگ ماسٹر'' کے طور پر سید محمد کا نام ملتا ہے۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس روپے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والی کمیٹی نے تنخواہ میں کمی کی تجویز کو منظور نہیں کیا۔

(رک: جی ڈبلیو لائٹنر کی مذکورہ بالا انگریزی کتاب کا ضمیمہ سوم)

میر سید محمد شاعر بھی تھے اور غافل تخلص کرتے تھے۔ وہ خوشنویسی سکھانے کے علاوہ طلبہ کو ناگری بھی پڑھاتے تھے۔ دہلی سوسائٹی کے سرگرم رکن تھے۔ اس کے اجلاسوں میں مضامین پڑھتے تھے۔ ۲۸ جون ۱۸۷۲ء کے جلسے میں ایک مضمون ''حاکم و محکوم کی موانست'' پڑھا۔ ۴ اگست ۱۸۷۴ء کے جلسے میں ایک نظم ''صفت سرما'' پڑھی۔ حل لغات ناگری میں ایک مبسوط کتاب ''مفتاح اللغات'' لکھی اور علم حساب میں لیلاوتی کا اردو ترجمہ کیا۔ (رک: دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۸۹-۹۰: ''دہلی کالج کے چند شاعر'')۔ مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں ان کے لیے ایک ہندی لغت چھاپی گئی (رک: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)۔

سر سید احمد خاں ان کے محاسن خوش قلمی کو یوں داد تحسین دیتے ہیں:

''یہ جناب سادات کبار سے ہیں۔ خط نستعلیق کو اس جزو زماں میں آپ کی قلم کی صدائے صریر نے مثل صور مانی کے دوبارہ زندہ کیا۔ ہر دائرہ حروف کا ان کے اوصاف حمیدہ کے ذکر میں سراپا دہان اور مدات الفاظ کی ان کے محامد حمیدہ کے بیان میں سراسر زبان ان کی خوش نویسی سے دور تک یہ مضمون خوش قلمی پر اعتماد نہیں رہا اور ان کی صانعی کے زمانہ میں آغا رشید بندہ ہو گیا۔ باوجود ... بلیغی میں کوئی ان کا نظیر نہیں جس پر ہاتھ ان کا ایسا سبک ہے کہ قلم والے آن میں ... اس خوبی کے ساتھ کچھ گراں نہیں۔''

(آثار الصنادید، طبع کراچی، ص ۳۶۲)

''عزیز آبادی کی حویلی کے مقابل اور شیدی فولاد خاں کے بنگلے کے متصل جانب دست راست سید محمد امیر خوشنویس کا مکان ہے اور اوس پر بہت خوشخط ''عاقبت بخیر آباد'' لکھا ہوا ہے اور اس کے پاس تھانہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بھوجلا پہاڑی ہے''۔

(ایضاً، ص ۱۷۰۔ نیز واقعات دارالحکومت دہلی، مصنفہ بشیر الدین احمد، حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء، ص ۱۸۹)۔

''قران السعدین'' کے ایک شمارے میں ''اظہار'' عنوان کے تحت یہ عبارت درج ہے:

''واضح ہو کہ چند ہفتہ سے دو قطعے متضمن بسال ورود جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے نتائج فکر میر سید محمد خوش نویس مدرسہ سے، کہ جو طبع رسا اور ذہن اعلیٰ رکھتے ہیں اور جن کو خوش نویسی انگریزی اور ناگری اور نستعلیق میں خوب ہی دست قدرت ہے اور علاوہ ازیں زبان فارسی اور انگریزی سے بھی آگاہ ہیں، ہمارے پاس آئے ہوئے تھے مگر بسبب قلت جگہ اور کثرت مضامین علمی اور ملکی کے، کہ جن کا مندرج ہونا اہم اور ضرور تھا، درج اخبار نہیں ہوئے۔ اب واسطے انشراح خاطر ناظرین اخبار کے درج ہوتے ہیں۔ قطعہ اول سے سال ورود جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا دہلی میں معلوم ہوتا ہے اور دوسرے قطعہ سے پانچویں تاریخ ماہ فروری کی اور ۱۸۴۸ عیسوی کے واضح ہوتی ہے۔

قطعہ تاریخ

کیوں نہ دہلی سے اوڑے طائر اندوہ وملال — کیا لفٹنٹ گورنر نے نزول اجلال
عیسوی سے ہو عیاں ماہ و سال ورود — کر فزوں مصرع ثانی پہ صدو شصت وسہ سال

کیوں نہ دہلی سے اوڑے طائر اندوہ و ملال — کیا لفٹنٹ گورنر نے نزول اجلال
دوسرے مصرع سے تاریخ عیاں ہووے اگر — سی وشش یوم پہ افزوں ہو صدوشصت وسہ سال

(قران السعدین، جلد ۳ نمبر ۹، بابت ۸ فروری ۱۸۴۸ء، ص ۱۰۴، مخزونہ برلین)

۱۶۔ لالہ رادھا کشن کے بارے میں کچھ تفصیلات سابقہ خطوط کی تشریحات میں درج ہو چکی ہیں۔ اشرف علی کے صرف اسی خط سے یہ نئی اطلاع ملتی ہے کہ رادھا کشن مطبع العلوم کا خازن تھا۔

۱۷۔ اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۱ء (یا ۱۸۵۲ء) میں دہلی میں بیس چھاپہ خانے تھے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء)'' میں دہلی کے صرف چھ مطابع کا ذکر کیا ہے (ص ۱۸۱-۱۹۹)۔ باقی چودہ مطابع کے نام کیا تھے اور وہاں سے کیا کیا کچھ طبع ہوتا تھا؟ اس کے متعلق فی الحال معلومات دستیاب نہیں۔

۱۸۔ مراد ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی، جس کی کتابیں مطبع العلوم سے طبع ہوتی تھیں۔ ۱۸۴۸ء میں مطبع کو دہلی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کالج سے علیحدہ کر دیا گیا اور یہ کالج کی حدود سے باہر منتقل ہو گیا۔ اس منتقلی کے باوجود سوسائٹی کی کتب اسی پریس سے شائع ہوتی تھیں۔ یہ مطبع سوسائٹی کا مقروض تھا اور اس میں یہ قرض اتارنے کی سکت نہیں تھی، چنانچہ اشرف علی نے ایک یہ بھی تجویز پیش کی کہ پیشتر اس کے کہ مطبع مستقلاً بند ہو جائے، سوسائٹی اسے خرید لے اور نئی انتظامیہ کے تحت اسے چلائے۔ یہ تجویز نامنظور ہوئی اور اشرف علی خود ہی اس سے الگ ہو گئے۔

۱۹۔ یہ رقم وہ تھی، جو اشپرینگر نے اشرف علی کو پیشگی ادا کر رکھی تھی۔ اس کا یہ طریق کار تھا کہ وہ اشرف علی جیسے مخطوطہ شناس رفیقوں کے پاس پیشگی رقمیں محفوظ کرا دیتا تھا، تاکہ جب انھیں کہیں سے کوئی اہم قلمی نسخہ دستیاب ہو، وہ اس کی اجازت حاصل کرتے ہی اسے خرید لیں اور یوں لین دین میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ یہ رفقاء پائی پائی کا حساب رکھتے تھے اور بعد میں اشپرینگر کو رسیدیں بھیج دیتے تھے۔ اس کے ذاتی کاغذات میں ایسی بہت سی رسیدیں موجود ہیں، جن پر قلمی نسخوں اور مطبوعہ کتابوں کی قیمتیں اور میزان درج ہیں۔

۲۰۔ ٹیلر ۱۸۵۰ء کے وسط تک دہلی کالج کا قائمقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا اور وہ ۱۸۵۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ اشرف علی نے جب یہ خط لکھا، اس وقت ٹیلر پرنسپل نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود رقم کی وصولی کے لیے اس کا نام تجویز کیا گیا۔ ممکن ہے، ٹیلر اس وقت بھی کم از کم سوسائٹی کے معاملات میں دخیل ہو یا مطبع العلوم سے کسی طرح کا تعلق رکھتا ہو۔ اگر اس مسئلہ کے حل کے لیے پرنسپل کی مداخلت ضروری ہوتی، تو پھر مراسلہ نویس ٹیلر کے بجائے کارگل کا نام تجویز کرتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ٹیلر کے دہلی کالج سے تعلق کا ایک اور رخ سامنے آتا ہے۔

۲۱۔ یہ مطبع العلوم کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ اشرف علی کے ہمراہ دوسرے دو مہتمم کون تھے؟ ان کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔

۲۲۔ ان دنوں اشرف علی مطبع میں اکیلے تھے۔ شاید یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے، وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اکیلے ہوں یا اگر وہ عیال دار تھے، تو ان کے بیوی بچے دہلی کے بجائے کسی اور شہر میں مقیم ہوں اور وہ روزگار کے لیے یہاں اکیلے رہائش پذیر ہوں۔ چونکہ ان کے حالات گوشۂ گمنامی میں ہیں، اس لیے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس صورت میں صرف قیاسات کے سہارے پہیلیاں ملانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی

ڈاکٹر اشپرینگر خود عالم تھا اور اہل علم اصحاب کا قدردان بھی تھا۔ وہ علمی جوہر کی پہچان رکھتا تھا اور جس کسی میں اس جوہر کی جھلک اسے نظر آتی، وہ اسے جلا دینے میں کوشاں رہتا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ جن دنوں وہ ہندوستان میں مقیم تھا، اس وقت یہاں کے برطانوی ارباب بست وکشاد میں کوئی ایسا علم دوست شخص نظر نہیں آتا، جو علوم اسلامیہ پر اشپرینگر جیسی گہری نظر رکھتا ہو یا جو خلوص نیت سے ان علوم کی ترقی کا خواہاں ہو۔ اس دور میں جن چند نمایاں ناموں کا ذکر ملتا ہے، وہ یا تو تاریخ دان ہیں یا ماہرین لسانیات، یا پھر شعبۂ تعلیم کے وہ مقتدر لوگ، جن کا ان علوم سے سطحی تعلق تھا۔ ان کے برعکس اشپرینگر یورپ کی معروف علمی دانش گاہوں اور اداروں سے اکتساب علم کر چکا تھا اور اس دور کی مشہور علمی ہستیوں کا تربیت یافتہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مختلف طریقوں سے دائرۂ علم کو وسیع کرتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو بھی تلاش کرتا رہا جو اس راہ علم پر گامزن تھے۔ جب اشپرینگر کو ۱۸۴۵ء میں دہلی کے قدیم اسلامی مدرسہ دہلی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور اس حوالے سے شمالی ہند کی بعض دوسری درسگاہوں کے انتظام و انصرام میں اس کا عمل دخل بڑھ گیا، تو ایسے علم دوست اصحاب کی کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہو گئی۔ ان اصحاب میں اہل ذوق، شرفاء، ادباء، علماء اور شعراء، نیز دہلی کالج کے اساتذہ اور ذہین طلبہ شامل تھے۔ اس کے ان احباب، مقربین اور متوسلین میں ایک نام منشی محمد ابوالحسن کا بھی ملتا ہے، جو اپنی علمی ترقی کو اشپرینگر کے ''فیض تربیت'' کا ثمر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کا ''دربردہ'' اور ''آوردہ'' گردانتے ہیں۔ سطور ذیل میں اشپرینگر کے اس نوجوان تربیت یافتہ شخص کے حالات اور علمی آثار کی تفصیل درج ہو گی اور اس کے بعد ان کے دو اردو مراسلات بنام اشپرینگر مع تشریحات پیش کیے جائیں گے۔

اشپرینگر کے اس مکتوب نویس یعنی منشی محمد ابوالحسن کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں اور جو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ملتے ہیں، ان کا واحد ماخذ مرزا قادر بخش صابر دہلوی کا تذکرہ "گلستان سخن"[1] ہے۔ عہد حاضر میں اردو صحافت کے مورخین امداد صابری اور محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتابوں میں ان کے متعلق جو معلومات اختصار سے قلمبند کی ہیں، وہ اسی تذکرے سے اخذ شدہ ہیں۔ ذیل میں اس مراسلہ نگار کے جو سوانح دیے گئے ہیں، ان کا بڑا ماخذ بھی یہی تذکرہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ان کے زیر نظر دو اردو مکتوبات اور بعض دیگر کتابوں سے معلومہ حالات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

منشی محمد ابوالحسن[2] کی ولادت فرید آباد میں ہوئی۔ کب پیدا ہوئے؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا

۱۔ آغاز تالیف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء اور اختتام ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء۔ مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی، لاہور، ۲ جلد، ۱۹۶۶ء۔ متعلقہ صفحات ۲: ۸۸-۹۲۔ اس تذکرے میں محمد ابوالحسن کے جو حالات درج ہیں، وہ مستند ہیں، کیونکہ تذکرہ نگار اور یہ مکتوب نویس ایک ہی استاد یعنی مولوی امام بخش صہبائی کے تلامذہ میں شامل تھے اور اس تعلق سے دو ایک دوسرے کو بڑے قریب سے جانتے تھے۔

۲۔ اس دور میں ایک اور ایسی علمی ہستی بھی موجود تھی، جس کا یہی نام تھا اور جن کا تخلص بھی وہی تھا، جو [illegible] اس مراسلہ نگار نے شروع میں رکھا، لیکن بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی حسن۔ انیسویں صدی عیسوی کی یہ [illegible] شخصیت تھی مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی۔ یہ ان دونوں کے اسمی التباس اور ایک جیسے تخلص کا نتیجہ ہے [illegible] کاندھلوی کے خاندان کے ایک فرد جناب نورالحسن راشد کاندھلوی نے ان کے جو احوال تحریر کیے ہیں، ان میں منشی ابوالحسن فرید آبادی کے حالات بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان کی چند تصنیفات کو انھوں نے اپنے خاندانی بزرگ کے آثار علمی میں شامل کر دیا ہے۔ (رک: ضمیمہ امداد المشتاق مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی، مرتبہ [illegible] نثار احمد فاروقی، دہلی: مکتبہ برہان، ۱۹۸۱ء، "حضرت حاجی امداد اللہ کے اساتذہ" متعلقہ صفحات ۳۴۲-۳۵۱)۔

مولانا ابوالحسن کاندھلوی دینی عالم اور قادر الکلام شاعر ہیں، جن کا ذکر مولوی رحیم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ "طبقات شعرائے ہند" (طبع علمی لکھنؤ ۱۹۸۳ء) میں کیا ہے (ص ۳۳۳-۳۳۴) [illegible] اون کی درمیان ۱۸۴۷ء کے تخمیناً ساٹھ برس سے ہوگی۔" (ص ۳۳۳)۔ وہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے [illegible] اور سرسید احمد خاں کے استاد مولانا نورالحسن (م ۱۸۶۹ء) کے والد تھے۔ وہ [illegible] ۱۲۰۰ھ [illegible] پیدا ہوئے اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ/۲ مارچ ۱۸۵۳ء کو کاندھلہ میں وفات پائی۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور پھر میرٹھ میں منصب [illegible] مقرر رہے۔ ملازمت ترک کر کے کاندھلہ آ گئے اور [illegible] شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ، چند عارفانہ مثنویاں، چند قصائد اور ایک [illegible] جہادیہ ان کی یادگار ہے۔ ان کے حالات کے لیے راشد کاندھلوی کے متذکرہ بالا مضمون اور اس میں [illegible] (جاری)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مشکل ہے۔ قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۲۰ء اور ۱۸۲۵ء کے مابین پیدا ہوئے۔ اس قیاسی استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ ابوالحسن کے حالات کے معتبر راوی صابر نے اپنے تذکرہ ''گلستان سخن'' میں ان کے آغاز شباب اور جوانی کا بار بار ذکر کیا ہے مثلاً ''باوجود سن شباب کے جزو ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے۔'' (ص ۸۹) اور ''اس آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں.....'' (ص ۸۹)۔ یہ تذکرہ ۱۸۵۴ء میں اختتام پذیر ہوا۔ اگر اس وقت ابوالحسن کی عمر پچیس تیس برس مان لی جائے، تو اس سے تخمیناً اسی سال ولادت کا استخراج کیا جا سکتا ہے، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ابوالحسن نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر فرید آباد ہی میں حاصل کی اور ابھی ان کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ دہلی چلے گئے۔ اس نقل مکانی کی کوئی وجہ تو معلوم نہیں۔ ممکن ہے انھوں نے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے یا اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یہ سفر کیا ہو۔ دہلی پہنچے تو فارسی ادبیات کے ماہر مولانا امام بخش صہبائی (م۔ ۱۸۵۷ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ بقول صابر دہلوی ''......شاہ جہان آباد میں وارد ہو کر علم فارسی اور عروض و قافیہ کو مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں بالاستیعاب حاصل کیا۔'' (ص ۸۹)، کیونکہ مولوی کریم الدین پانی پتی لکھتے ہیں کہ ''عروض اور زبان فارسی اور قافیہ میں اون کو کمال ہے۔''[1] ان دنوں صہبائی امرائے دہلی کے بچوں کو پڑھا کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ اس مصروفیت سے جو وقت بچ جاتا، وہ ابوالحسن جیسے تہی دست اور غریب الدیار طالب علموں کو پڑھانے میں صرف ہو جاتا۔ اس کے علاوہ وہ ضرورت پڑنے پر ایسے نادار طلبہ کی مالی اعانت بھی کرتے رہتے تھے۔[2]

مصادر کے علاوہ رک: گلشنِ بے خار از شیفتہ (طبع عکسی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء)، ص ۵۹-۶۰۔ یادگار شعراء از اشپرینگر ترجمہ طفیل احمد (الہ آباد ۱۹۴۴ء، ص ۲۷)۔ گلستان بے خزاں از باطن (طبع عکسی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء، ص ۴۷)۔ عمدۂ منتخبہ از سرور (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۵)۔ سخن شعراء از نساخ (لکھنؤ ۱۸۷۴ء، ص ۱۲۹)۔ شمیم سخن از سید علی حسن خاں (آگرہ ۱۸۸۱ء، ص ۱۴۱)۔ گلشن ہمیشہ بہار از نصر اللہ خاں خویشگی (کول ۱۸۵۳ء)۔ نزہتہ الخواطر از عبدالحئی (حیدر آباد دکن، جلد ۷، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰-۱۱)۔ حالات مشائخ کاندھلہ از محمد احتشام الحسن کاندھلوی (نئی دہلی ۱۹۵۷ء، ص ۱۳۴-۱۴۴)۔ نور الحسن راشد کاندھلوی: مختصر تذکرہ بحر العلوم، خاتم مثنوی مولانا روم، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (مطبوعہ کاندھلہ، ۸۶ صفحات)۔ ایضاً: مولانا مملوک العلی نانوتوی، متذکرۂ بالا، ص ۱۰۹-۱۱۳۔

۱۔ طبقات شعرائے ہند۔ محولہ بالا، ص ۴۱۳۔

۲۔ خواجہ محمد حامد: امام بخش صہبائی (در: نوائے ادب، بابت جنوری ۱۹۶۳ء، ص ۱۴-۳۲)۔ محمد انصار اللہ: صہبائی: ایک تعارف، علی گڑھ ۱۹۸۶ء۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

انھی دنوں صہبائی کے مستقل روزگار کی صورت پیدا ہوگئی اور وہ یوں کہ لفٹیننٹ گورنر ٹامسن کے ایماء پر دہلی کالج میں مدرس اول (فارسی) کی اسامی نکلی۔ اس کو پُر کرنے کے لیے صدر الدین آزردہ نے مرزا غالب اور مومن سے رجوع کیا۔ جب وہ رضامند نہ ہوئے تو مولانا صہبائی کو یہ پیشکش کی گئی۔ انھوں نے فوراً اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر وہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس اول مقرر ہوئے۔[1] بعض شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جونہی مولانا صہبائی کی اس کالج میں تقرری ہوئی، انھوں نے اپنے چند ذہین اور ہونہار شاگردوں کو بھی فارسی جماعت میں داخلہ دلوا دیا۔ ان طالب علموں مین ایک منشی ابوالحسن بھی تھے۔ اس طرح ان کا اپنے استاد سے رشتہ منقطع نہیں ہوا اور اب وہ گھر کے بجائے کالج کے باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے ان سے کسب فیض کرتے رہے۔

ان دنوں کالج کے تمام طلبہ کو مختلف مالیت کے وظائف دیئے جاتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ غریب اور بے وسائل لیکن ذہین نوجوان کسی مالی فکرمندی کے بغیر اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔ منشی ابوالحسن بھی ان وظیفہ خواروں مین سے ایک تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے وظیفے کی رقم کتنی تھی۔ صابر دہلوی تو یہی بتاتے ہیں کہ "چند مدت مدرسہ شاہ جہان آباد میں وظیفہ یاباں سرکار انگریزی کی سلک میں منسلک ہو کر علم ہندسہ اور ریاضی میں رشک امثال واقران ہوا۔"[2] جب ابوالحسن اس کالج میں زیر تعلیم تھے اس وقت یہاں کا شعبۂ فارسی تین جماعتوں میں منقسم تھا۔ ہر جماعت کے استاد الگ تھے اور ان میں پڑھائے جانے والے مضامین بھی مختلف تھے۔ دہلی کالج کے جس رجسٹر بعنوان "مجموعہ فہرست ہائے طلبہ مدرسہ عربی و فارسی" (۱۸۴۷ء) کا متذکرہ بالا سطور میں حوالہ دیا گیا ہے، اس کے مطابق فارسی کی جماعت سوم کے استاد مولوی احمد علی تھے اور اس میں صرف دستور الصبیان اور حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مولوی حسن علی خاں جماعت دوم کو درس دیتے تھے اور مضامین میں یوسف زلیخا (نصف اخیر)، جغرافیہ اور حساب شامل تھے۔ جماعت اول مولانا امام بخش صہبائی پڑھاتے تھے اور اس کے دو فریق تھے۔ پہلے فریق کے مضامین میں شاہنامہ، مینا بازار، تاریخ تیموری، اقلیدس، جبر و مقابلہ اور تاریخ شامل تھے، جبکہ دوسرے فریق میں شاہنامہ، مینا بازار، تاریخ تیموری، سکندر نامہ اور بہار دانش پڑھائی جاتی تھیں اور جبر و مقابلہ کی جگہ جغرافیہ نصاب میں شامل تھا۔ فریق دوم میں تاریخ نصاب سے خارج تھا۔ منشی ابوالحسن بحیثیت طالب علم فارسی کی ان تمام جماعتوں میں کامیاب ہوتے رہے اور یوں ان کے اساتذہ میں مولانا صہبائی کے علاوہ مولوی احمد علی اور مولوی حسن علی خاں بھی شامل ہیں۔

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۳۔

۲۔ گلستان سخن ۲: ۸۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سکتا ہے۔ انھوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ عربی مین بھی کمال حاصل کرلیا۔ آگرہ کالج میں اپنی تقرری کے لیے جو امتحان دیا تھا، اس میں عربی کا امتحان بھی شامل تھا۔ اس کے بعد جب وہ اس کالج میں تعینات ہو گئے، تو وہ شعبہ عربی کے ایک استاد کی عدم موجودگی میں چار مہینوں تک درجہ اول (عربی) کے طالب علموں کو درس دیتے رہے۔

دہلی کالج میں ابوالحسن تقریباً پانچ برس متعلم رہے اور غالباً ۱۸۴۶ء میں یہاں سے فارغ ہوئے، کیونکہ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر میں فارسی جماعتوں کے طلبہ میں ان کا نام شامل نہیں۔ بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اس وقت یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے، جب اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہو چکا تھا۔ اشپرینگر ۱۹ مارچ ۱۸۴۵ء کو اس درس گاہ کا پرنسپل مقرر ہوا اور اوائل دسمبر ۱۸۴۸ء تک وہ اس عہدے پر فائز رہا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ مولانا صہبائی کی وساطت سے اشپرینگر کو اس ہونہار طالب علم کی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا علم ہوا ہوگا اور یوں انھیں اس معارف پرور سربراہ مدرسہ کے قریب آنے کا موقع ملا ہوگا۔ ان کے درمیان قریبی تعلقات کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ابوالحسن کو آگرہ کالج میں ملازمت دلوانے میں اشپرینگر نے بڑی مدد کی اور اس کی اعانت کا اعتراف انھوں نے اپنے ان خطوط میں کیا ہے چنانچہ وہ اپنے دوسرے خط کے شروع میں رقم طراز ہیں ''......جس درجہ پر، کہ حضور کی عنایت سے نصیب ہوا تھا، اوس کی ترقی میں مصروف رہتا ہوں۔'' اسی خط میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ''بدون ذریعہ کے کوئی شخص اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا اور میرا ذریعہ سوا ذات حضور کے اور کوئی نہیں کہ ابتدائے حال سے آج تک جو ترقی اور بہبود، کہ مجھے حاصل ہوئی، صرف عنایت اور پرورش حضور سے ہوئی۔''

ابھی محمد ابوالحسن نے دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی کہ آگرہ کالج میں فارسی کے مدرس اول کی اسامی نکلی۔ ان دنوں کسی استاد کی تقرری سے قبل تحریری امتحان لیا جاتا تھا اور جو امیدوار سب سے زیادہ نمبر حاصل کرتا تھا، اسی کو ملازمت ملتی تھی۔ ایسے امیدواروں کے ممتحنوں میں اشپرینگر کا نام ضرور شامل ہوتا تھا، بلکہ کسی استاد کے انتخاب میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ آگرہ کالج کی اس اسامی کے ابوالحسن بھی امیدوار تھے۔ انھوں نے امتحان دیا اور کچھ اپنی ذہانت و قابلیت اور کچھ اشپرینگر جیسے ممتحن کی عنایت سے انہیں یہ عہدہ حاصل ہو گیا اور غالباً ۱۸۴۷ء کے اوائل میں وہ آگرہ کالج میں مدرس اول (فارسی) کی حیثیت سے پڑھانے لگے۔ ان کی تنخواہ ساٹھ ستر روپے تھی، چنانچہ صابر دہلوی لکھتے ہیں کہ ''مہین داور مدرسہ نے علوم مذکورہ میں بے مثل اور فن فارسی میں یگانہ دیکھ کر مدرسہ اکبر آباد کا مدرس مقرر اور ساٹھ ستر روپے کا مشاہرہ معین کیا۔'' (ص ۸۹)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ابوالحسن فارسی اور عربی زبان وادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علوم جدیدہ سے بھی واقف تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے علمی اور ادبی ذوق کو نکھارنے میں مولانا صہبائی کی تربیت اور خصوصی توجہ کا بڑا عمل دخل تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے تدریسی فرائض سے بڑی محنت اور احساس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے تھے اور ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے طلبہ امتحان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کریں اور یوں انھیں افسران بالا کی خوشنودی حاصل ہو۔ ان دنوں آگرہ کالج کا پرنسپل مڈلینن تھا۔ وہ ابوالحسن کی معلمانہ اہلیت کا معترف تھا۔ دیگر اساتذہ بھی ان کی قابلیت اور ذہانت کے مداح تھے۔ آگرہ کے "اسعد الاخبار" (بابت ۱۸ اگست ۱۸۴۸ء) کا مندرجہ ذیل اقتباس اس بات کا شاہد ہے کہ ابوالحسن ان اساتذہ میں سے تھے، جن پر درس گاہ کو فخر تھا۔ متعلقہ عبارت یہ ہے:

"مدرسہ سرکاری امتحان شش ماہی تمام ہوا۔ صاحبان کمیٹی نے از راہ قدردانی و جوہر شناسی کے منشی محمد مصلح الدین صاحب فتح پوری مدرس اول درجہ اردو کے مشاہرہ معینہ سابقہ پر دس روپیہ اضافہ کیا۔ الحق منشی صاحب ممدوح کی جتنی قدر و منزلت بڑھائی جائے، لائق و بجا ہے کہ از روئے استعداد علمی اور اخلاق حسنہ کے اپنے اقران و امثال سے سبقت لے گئے ہیں۔ مدرسہ کو انہیں دو تین صاحب کے وجود افادات امور سے بڑی رونق اور علم کو ترقی حاصل ہے۔ مولوی سدید الدین خاں صاحب دہلوی، منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول و میر منشی درجہ اول فارسی، منشی محمد مصلح الدین صاحب موقوف کمالات و ہی وکیسہ ان صاحبوں پر ختم ہے۔"[1]

آگرہ کالج میں ابوالحسن کا تقرر بحیثیت مدرس اول (فارسی) ہی ہوا تھا، لیکن ان کی انتھک محنت اور تندہی کے پیش نظر انہیں اسی شعبے کا میر منشی بھی بنا دیا گیا۔ کالج کے نامور اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ شہر کی ایک معزز علمی شخصیت بھی تسلیم کیے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۸۵۰ء کو معززین شہر کا ایک وفد لفٹیننٹ گورنر سے ملنے گیا اور اس وفد میں ابوالحسن بھی شامل تھے۔ "اسعد الاخبار" (بابت ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء) لکھتا ہے:

"خبر دربار نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر: جناب معظم الیہ کا دربار ہوا اور اشخاص مفصلہ ذیل باریاب ہوئے۔ مولوی مفتی حافظ محمد ریاض الدین خاں صاحب مفتی عدالت آگرہ، شیخ محمد شفیع صاحب ... صدر، راجہ بلوان سنگھ، مرزا بہادر بیگ وکیل راجہ پٹیالہ، مولوی محمد ... احمد خاں صاحب ... مولوی سدید الدین خاں صاحب مدرس عربی، منشی ابوالحسن صاحب مدرس فارسی، پنڈت ... مدرس ہندی، قاضی باقر علی خاں صاحب قاضی شہر"[2]

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۳۴۴-۳۴۵

۲۔ تاریخ صحافت اردو، ص ۳۴۵

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ابوالحسن شعبۂ فارسی سے متعلق تھے، لیکن ایک بار انھیں چھے ماہ کے لیے عربی جماعت کے طالب علموں کو بھی پڑھانا پڑا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس زمانے میں اس کالج کے صدر مدرس (عربی) مولوی سدید الدین خاں تھے۔ جب اشپرینگر نے ۱۸۵۰ء کے وسط میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا، تو اس نے مولوی صاحب کو کلکتہ آنے کی پیش کش کر دی۔ اس وقت حافظ احمد کبیر کی وفات (ابتدا ۱۸۵۰ء) کے باعث اس مدرسے میں عہدۂ امینی خالی پڑا ہوا تھا اور اشپرینگر کی یہ خواہش تھی کہ مولوی صاحب اس عہدے کو آ کر سنبھالیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے یہ پیش کش قبول کر لی اور وہ ۱۸۵۱ء کے شروع میں آگرہ کالج کو چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہو گئے۔[1] ان کے جانے کے بعد کسی اور کو مدرس اول (عربی) نامزد نہ کیا گیا، بلکہ اس کالج کی انتظامی کمیٹی کے ارکان نے یہ تجویز پیش کر دی کہ یہ عہدہ ختم کر دیا جائے اور عربی جماعت کے طلبہ کو فارسی کے مدرس اول پڑھایا کریں اور اس زائد کام کی وجہ سے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا جائے۔ کمیٹی کی یہ تجویز دو ماہ تک افسران بالا کے زیر غور رہی، لیکن اس دوران میں ابوالحسن جماعت فارسی کے ساتھ ساتھ جماعت عربی کے طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے۔ بالآخر کمیٹی کی متذکرہ سفارش نامنظور ہوگئی اور مدرس اول (عربی) کی خالی جگہ پر مولوی علی اکبر کا تقرر ہو گیا۔ یہ بھی اشپرینگر کے مقربین میں سے تھے اور ان کی تقرری میں بھی اشپرینگر ہی کا ہاتھ تھا۔ علی اکبر نوجوان تھے، لیکن آگرہ آتے ہی ان کی طبیعت بگڑنے لگی۔ جب کچھ افاقہ نظر نہ آیا تو انھوں نے رخصت لی اور واپس دہلی چلے گئے۔ وہیں ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔[2] انتقال سے قبل وہ چار ماہ رخصت پر رہے اور ان کی غیر حاضری میں عربی جماعت کے طالب علموں کو حسب سابق ابوالحسن ہی پڑھاتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ علی اکبر کی وفات سے جو عہدہ خالی ہوا، اس کے دو اور امیدواروں (مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا کریم الدین پانی پتی) کے علاوہ وہ بھی اس عہدے کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اپنا استحقاق بھی جتاتے رہے کہ وہ پہلے سے اس جماعت کے استاد رہے ہیں، اس لیے انھیں یہ عہدہ ملنا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ اشپرینگر کو بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لائے اور انھیں یہ عہدہ دلانے میں حسب سابق مدد دے۔ مدرس اول (فارسی) ہونے کے باوجود مدرس اول (عربی) کے عہدے کو حاصل کرنے میں ابوالحسن نے جو تگ و دو کی، اس کی بظاہر یہی وجہ نظر آتی ہے کہ اس سے انھیں کوئی مالی فائدہ پہنچنے کی توقع ہوگی۔ ان تینوں امیدواروں یعنی مولانا محمد احسن نانوتوی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور محمد ابوالحسن مین سے کون اس عہدے پر فائز ہوا، اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا، البتہ اس مجموعۂ

۱۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات مولوی سدید الدین خاں۔ سطور بالا۔

۲۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات علی اکبر، سطور بالا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مکاتیب کے بعض خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگرہ کالج میں خالی ہونے والی اس اسامی پر ان تینوں امیدواروں میں سے کوئی بھی نامزد نہ ہو سکا۔ محمد احسن نانوتوی بنارس اور پھر بریلی چلے گئے۔ مولوی کریم الدین پانی پتی آگرہ کالج ہی کے شعبۂ اردو سے منسلک رہے اور ابوالحسن بھی اپنے ہی کالج میں شعبۂ فارسی کے طلبہ کو درس دیتے رہے۔ ان کے قریبی دوست تذکرہ نگار صابر دہلوی کے تحریر کردہ حالات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس تذکرہ یعنی ''گلستان سخن'' کے سنۂ اختتام ۱۸۵۴ء تک آگرہ کالج میں مدرس اول (فارسی) کے عہدے پر فائز تھے۔ اس تذکرے کی متعلقہ عبارت یہ ہے ''عنایت الٰہی سے اب تک اسی شہر میں اسی عہدے پر ماموراور نہایت خوش اوقاتی و بلند نامی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔'' (ص ۸۹-۹۰)

اس کے بعد ابوالحسن اسی کالج سے منسلک رہے، چنانچہ منشی نولکشور نے ان کی کتاب بعنوان ''تحفۃ العراقین'' کے بارے میں اشتہار لاہور کے ایک اخبار ''کوہِ نور'' میں شائع کرایا تھا (بابت ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء) جس میں مؤلف کے نام کے ساتھ ''مدرس اول فارسی آگرہ کالج'' کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے بعد ابوالحسن کے حالات پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ مزید کتنے سال اس کالج میں پڑھاتے رہے۔ کب یہاں سے ریٹائر ہوئے اور کون سے سنہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے واحد سوانحی ماخذ ''گلستان سخن'' میں جو تفصیلات درج ہیں، ان کے مطابق وہ اس تذکرے کے سنہ تالیف (۱۸۵۳ء-۱۸۵۴ء) کے وقت نوجوان تھے۔ اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے بعد برسوں آگرہ کالج میں فارسی کی تعلیم دیتے رہے ہوں گے اور غالباً ان کی وفات بھی انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں ہوئی ہوگی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ منشی ابوالحسن کے ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات کسی تذکرے وغیرہ میں دستیاب نہیں۔ اس لیے [illegible] تعین ممکن نہیں۔

ابوالحسن آگرے کی جانی پہچانی علمی شخصیات میں سے تھے۔ آگرہ کالج میں طلبہ اور ان کے رفقائے کار ان کی بڑی عزت و تکریم کرتے تھے، بلکہ کالج کا پرنسپل مڈلٹن بھی ان کی علمی صلاحیتوں کا معترف تھا۔ کالج کے باہر بھی علماء، ادباء اور اعلیٰ منتظمین شہر ان کی قدر کرتے تھے اور وہ علمی و ادبی ذوق کے باعث شہر کے حلقوں میں بھی مقبول تھے۔ اس ''بلند نامی'' میں ان کے علم و فضل کے ساتھ ساتھ پسندیدہ [illegible] کا بڑا عمل دخل تھا۔ ان کے ایسے طبعی خصائص کا صابر دہلوی یوں ذکر کرتا ہے: ''اس یگانہ زمانہ کے اخلاق پسندیدہ کے اوصاف حد بیان اور اندازۂ بیان سے خارج ہیں۔ حلم اور خلق اس مرتبے میں ہیں کہ باوجود شباب کے عنصر ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے'' (ص ۸۸-۸۹)۔

انھی دنوں ابوالحسن کی ملاقات ایک باعمل صوفی بزرگ سے ہوئی، جو آگرہ کے نواح میں مقیم تھے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس بزرگ کی ذات اور بات میں کچھ ایسی کشش تھی کہ وہ اُدھر کو کھچتے ہی چلے گئے۔ بالآخر انھوں نے اس درویش کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور عملاً سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ ان پر ''اسرار غیب'' اور ''رموز خفیہ'' منکشف ہونے لگے۔ صوفیانہ تعلقات کو یوں اپنے عمل میں ڈھالنے سے ان کے حلم اور خلق میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔ متانت اور نیک اطواری بڑھتی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی کم عمری کے باوجود اس راہ سلوک میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ بہت سے عمر رسیدہ راہ روانِ طریقت کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کے صوفیانہ مقام کا ذکر صابر دہلوی یوں کرتے ہیں:

''ہنوز اس گل زمین (آگرہ) میں اچھی طرح جائے گرم نہیں کی تھی کہ ناگہاں مژدۂ اقبال ابدی پہنچا اور نوید سعادت سرمدی سامعہ نواز ہوئی، یعنی اسی نواح میں ایک درویش صافی ضمیر اور روشن دل آفتاب تنویر کی خدمت سراسر افادت میں نیاز حاصل اور اس بزرگ کے جذبہ باطن سے دل دوام ملازمت کی طرف مائل ہوا۔ ایک دو صحبت کے بعد اعتقاد راسخ کی تحریک سے شرف بیعت سرمایۂ تحصیل کمال ہوا اور اوہام باطلہ کا موجب زوال، فی الواقع صحبت اہل اللہ اکسیر سے کم نہیں۔ چند روز میں ضمیر اعتقاد تخمیر کو ایسی صفائی بہم پہنچی کہ اسرار غیب اس آئینے میں مثل عکس ظاہر ہونے لگے اور رموز خفیہ اس جام گیتی نما میں باہر۔ اس آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں جو اس گروہ ارباب سعادت کو حاصل ہے، شاذ و نادر رہے۔'' (ص ۸۹)

منشی ابوالحسن فارسی کے صرف معلم ہی نہیں تھے، بلکہ اس زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ پہلے ان کا تخلص حسن تھا، لیکن پھر اسے تبدیل کر کے شیدائی تخلص رکھ لیا۔ شاید اس تبدیلی کی وجہ یہ ہو کہ ان کے معاصر ہم نام فارسی شاعر اور مترجم مولانا ابوالحسن کاندھلوی بھی یہی تخلص (یعنی حسن) کرتے تھے۔ منشی ابوالحسن اپنے دور کے معروف شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ انھوں نے آگرہ میں پندرہ روزہ مجالس شعری منعقد کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا، جس میں شہر اور نواح شہر کے سبھی نامور فارسی اور اردو کے شاعر آتے اور اپنا کلام سناتے۔ بعد میں وہ اس کلام کو اپنے جاری کردہ گلدستہ ''معیار الشعراء'' میں شائع کر دیا کرتے تھے۔ اس رسالے میں وہ بالالتزام فن عروض پر مختصر مضامین بھی لکھتے رہتے تھے، جس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں فن شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے اب تک جو اشعار دستیاب ہوئے ہیں، وہ سب فارسی میں ہیں، حتیٰ کہ ان کے متعلق واحد مستند ماخذ ''گلستان سخن'' کے مؤلف صابر دہلوی نے بھی ان کے فارسی اشعار ہی نقل کیے ہیں اور وہ بھی حافظے کی بنیاد پر۔ تذکرہ نگار نے ان کی شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''اشعار فارسی کا فکر بیش تر دامن گیر شوق اور تہذیب کلام دری کی توجہ اکثر رہبر ذوق ہے۔ خوبی مضامین اور متانت عبارت اور چستی تراکیب اور تازگی طرز کی توصیف دائرہ امکان سے خارج ہے۔'' (ص ۸۹)

ابوالحسن کی فارسی شاعری کا دیوان یا کوئی مستقل شعری تصنیف نہیں ملتی۔ ان کے اب تک جو اشعار دستیاب ہیں، وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۸۴۸ء میں لفٹیننٹ گورنر آگرہ کالج کے دورے پر آیا۔ اس کی آمد پر کالج میں جو استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی، اس میں ابوالحسن نے ایک قصیدہ کہا تھا، جو دہلی کالج کے رسالے ''قران السعدین'' (بابت ۵ جون ۱۸۴۸ء) میں [illegible] اس قصیدے کے یہ پانچ شعر نقل کیے جاتے ہیں:

غم گساران مژدہ کاخر وقت شادی در رسیدہ
جانب [illegible] شرف شاہنشہ خاور [illegible]

[illegible] اخضر از دم ماہی بجست
[illegible] در [illegible] برہ سوئے آخور رسید

[illegible] نقطہ زر [illegible]
در [illegible] لاجوردی ہاں گل [illegible]

[illegible] زر برکف نہاد
[illegible] بزم چمن [illegible]

[illegible]
[illegible] جاہد [illegible] (۱)

تذکرۂ ''گلستان سخن'' [illegible] (۶۰-۹۲) یہ ہے:

[illegible] در [illegible] برکف
[illegible] بال [illegible] نوجوانی [illegible]

[illegible] ایں طفل اشک [illegible] خلق [illegible]
در دل ہر آں چہ بود ز شفقت نہاں مرا

ساقی کفایت است ز چشم تو [illegible]
دیگر میازمای بہ رطل گراں مرا

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو از امداد صابری ۱: ۳۴۶-۳۴۷؛ گلدستہ صحافت از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۶

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

زاں ہد ایاے کہ در پاے عزیزاں افگند
جز سرے بر کف نہ باشد تحفہ مقدور ما

نیست ایں سر لایق پایش یقیں دارم حسن
می برد پاے ملخ پیش سلیماں مور ما

بہ ہجر خون جگر می خور و غذا مطلب
ز نعمت دو جہاں درد امتلا مطلب

اگر تو معتکف کعبہ دلی ، زنہار
بہ طوف کعبہ مرو وز صفا صفا مطلب

نیاز مند مسیحا مشو بہ عشق بتاں
بہ ذوق لذت غم جاں دہ و دوا مطلب

بہ ہجر عشق تلاطم گرت ز جا ببرد
تنت سپار بہ طوفان و ناخدا مطلب

صاحب نظراں را نہ کشد دل بہ سوئے خلد
روے تو در جنت و ابروت کلید است

ہند است بہشتے کہ گرو بردا ز طوبا
آں سرو بلندے کہ ازیں باغ دمید است

گر ز تاب عکس رویت آب دریا آتش است
از تف داغ دل من خاک صحرا آتش است

عکس روئے دوست افتاد است ورنگش می زند
بر غلط بستند یاراں ایں کہ صہبا آتش است

فیض جنت اہل عشرت را چو دوزخ می گزد
نونہالان چمن را باد سرما آتش است

ایں قدر فہمیدہ ام از بحث کفر و دیں حسن
روئے خوباں جنت است و خوئے آں ہا آتش است

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ے دیگرم با چشمہ زمزم چہ کار
من کہ از سرچشمہ چشم وضو ست
یک نگہ کردی و کردی بسملم
یار دیگر یک نگاہم آرزو ست
ے نے غم راحت مرا نے بیم رنج
ہرچہ بر من می رسد شادم کزوست
ے گم کردگان راہ بہ منزل رسیدہ اند
شور در است باطل و بانگ جرس عبث
گر ہندو است خال تو ہر زاست خوف دزد
در شب رواست زلف تو پاس عس عبث
ے رفتم بہ زیر خاک و زدم در کفن صبوح
زاں رو کہ خوش تر است بہ صبح وطن صبوح
عمرے تلف بہ کعبہ نمودیم بعد ازیں
مائیم و برکف بتک برہمن صبوح
ے یا رب آناں کہ نہ دارند بہ عشقت معذور
رگ جان شاں بزند نشتر مژگانے چند
نیم باز است ہمہ نرگس خاکم کہ شدم
کشتۂ نرگس دزدیدہ نگابانے چند
قدر سرمستی لعل تو حسن می داند
جرعہ چند بہ کارم کن و احسانے چند
ے یاد آں زماں کاندر غمت سرداشت سودائے دگر
ویں دیدۂ خوں بار من از اشک دریائے دگر
رفتم بہ طوف کعبہ و افتادم اندر مے کدہ
شوق تو از جائے مرا آورد در جائے دگر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سوز ہا گل کرد و آخر در سراپایم گرفت
من کہ در طفلی بہ دل از عشق اخگر داشتم

صحبت یاران رنگیں طبع مارا زندہ کرد
ورنہ شیدائی دل پژمردہ در برداشتم

ابوالحسن کی شاعری کی طرح ان کی نثری تالیفات بھی بہت کم دستیاب ہیں اور جو ہیں، ان کا زیادہ تر تعلق فارسی طلبہ کی درسی ضرورتوں سے ہے۔ ان کی جن چند کتابوں کے نام ملتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ شرح قصائد و قطعات انوری:

اس شرح کے لکھنے کا خیال انھیں اس وقت آیا، جب ۱۸۴۹ء میں انوری کے قصائد کو آگرہ کالج کی جماعت اول (فارسی) کی نصابی کتابوں میں شامل کیا گیا۔ نصاب میں شامل ہونے کی وجہ سے طلبہ کو اس کتاب کے معانی و مفاہیم جاننے کی ضرورت پڑتی تھی، چنانچہ انھوں نے اس ضرورت کے پیش نظر بعض شروح کے ساتھ اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ کا فیصلہ کیا۔ اوائل ۱۸۵۰ء میں انھوں نے یہ کام شروع کیا اور چند ماہ میں ان کی یہ شرح طبع ہوگئی۔ آگرہ کے ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں اس کا یہ اشتہار شائع ہوا:

> ''اہل علم و ہنر سب جانتے ہیں کہ حکیم اوحد الدین انوری زبان فارسی کا ایک بڑا مشہور شاعر ہے اور کلام اس کا بہت متین اور لطیف مگر نہ ایسا کہ ہر شخص اس کو حاشیہ یا شرح بدون سمجھ سکے۔ لہٰذا جناب منشی محمد ابوالحسن صاحب مدرس اول درجہ فارسی مدرسہ آگرہ کے نے شرح اس کے قصائد اور قطعات کی تالیف کی، مگر اس نہج سے کہ جہاں جہاں چاہیے، حل مقامات کیا ہے...... ایسی شرح مفید کثیر الحجم کے صرف تین روپے فی جلد مقرر ہوئے ہیں۔''(۱)

۲۔ تحفۃ العراقین:

یہ حکیم افضل الدین خاقانی کی کتاب ہے، جو منشی ابوالحسن کی تصحیح کے ساتھ مطبع مدرسہ اکبرآباد سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی تھی (۲)۔ اس کے حاشیہ پر شیخ عبدالسلام بن شیخ کبیر کی شرح دی گئی تھی۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ مطبع سفیر آگرہ کے مہتمم منشی نولکشور کو بھیجا گیا، جن کا اس کتاب کے متعلق ایک اشتہار لاہور کے ''کوہ نور'' میں شائع ہوا۔ اس اشتہار سے ''تحفۃ العراقین'' کے متعلق مزید کوائف کا علم ہوتا ہے۔ مکمل اشتہار

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو ا:۳۵۶

۲۔ بعد میں اس کتاب کا ایک ایڈیشن کانپور سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم مرتبہ ایڈورڈ ایڈورڈز، لندن ۱۹۲۲ء، کالم ۲۸۲

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

درج ذیل ہے:

''کتاب تحفۃ العراقین خوش تقطیع خوش خط محشی، جس پر شرح شیخ عبدالسلام بن شیخ کبیر کی چڑھی ہوئی ہے، اور جناب منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول فارسی آگرہ کالج کی تصحیح سے چھاپی گئی ہے اور اس کے گرد متن کے تہیری جدول اور حاشیہ کے گرد اکہری جدول کھینچی گئی ہے، مہتمم مطبع سفیر آگرہ کے پاس موجود ہے۔ صفحہ اوس کے ۲۲۲ اور چند صفحہ اوس کے آخر میں تتمہ حاشیہ کے ہیں۔ قیمت اوس کی فی جلد ڈھائی روپے۔ جن صاحبوں کو شوق اوس کی خریداری کا ہو، قیمت اوس کی معہ ایک آنہ محصول ڈاک فی جلد کے بذریعہ خط پوسٹ پیڈ مہتمم مذکور کے پاس روانہ فرماویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب مذکورہ اون کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

الراقم نول کشور مہتمم مطبع سفیر آگرہ''[1]

۳۔ سوانح حیات مظفر علی شاہ اللّٰہی:

ابوالحسن نے جس شخصیت کی یہ سوانح قلمبند کی، وہ آگرہ ہی کے رہنے والے تھے۔ یہ سوانح حیات لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں طبع ہوئی[2]۔ صفحات ۱۲۲۔ برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔[3]

۴۔ تاریخ روس:

یہ تاریخ انگریزی میں لکھی گئی۔ مؤرخ کا نام Sir D. Mackenzie Wallace تھا جو وائسرائے ہند اور گورنر جنرل کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ انگریزی تاریخ کا فارسی ترجمہ مولوی ابوالحسن نے کیا جو منشی نولکشور کے مطبع نامی (لکھنؤ) سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ وثوق سے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ [illegible] کے مدرس فارسی منشی ابوالحسن ہی ہیں، کیونکہ اس ترجمے میں مترجم مولوی ابوالحسن کے نام کے ساتھ [illegible] تحصیلدار'' مرقوم ہے۔ منشی ابوالحسن کے متعلق یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۵۶ء تک [illegible] پڑھاتے رہے۔ ممکن ہے ان کی ملازمت ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی نذر ہو گئی ہو [illegible] تحصیلداری جیسی انتظامی ملازمت اختیار کر لی ہو۔ اس ترجمہ کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''حسب ایمائے منشی نولکشور پروپرائٹر مطبع مولوی ابوالحسن پنشنر تحصیلدار [illegible]

۱۔ کوہ نور (لاہور)، بابت ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء، ص ۳۱۰

۲۔ بحوالہ اسٹوری ۱: ۲: ۱۱۸۴ (۳۵)

۳۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم، کالم ۴۴۴

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

فارسی ترجمہ فرمودند۔"

نولکشور نے اس ترجمہ کی اجازت مؤلف سے طلب کی اور اس کے لیے انھوں نے ایک انگریزی خط تحریر کیا۔ میکنزی نے اپنے جوابی خط (بابت ۱۴ جولائی ۱۸۸۶ء، بمقام شملہ) میں اس ترجمے کی اجازت دے دی اور اس کے بعد نولکشور نے مولوی ابوالحسن کو ترجمے کا کام سونپ دیا۔ نولکشور اور میکنزی کے یہ دونو انگریزی خطوط اس فارسی ترجمے میں شامل کیے گئے ہیں۔ نولکشور کے مکتوب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مولوی ابوالحسن مکتوب نگار کے "اودھ اخبار" سے منسلک تھے۔ اس خط کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"When I first formed the project of bringing out a translation of this book, I was in some doubt as to who would be the best person to be employed as a translator. I finally decided on entrusting the task to Moulvi Abul Hasan connected with the "Oudh Akhbar" and I am glad to find that his translation has been approved by competent judges."

۵۔ مثنوی تحفۂ طہران:

اس مثنوی کے مؤلف کا نام منشی محمد ابوالحسن ہے اور یہ بھی حکومت برطانیہ میں تحصیلدار کے عہدے پر فائز رہے۔ صفحات ۸۰۔ یہ مثنوی لکھنؤ سے ۱۸۹۳ء میں طبع ہوئی۔ (۱)

۶۔ مثنوی خنجر عشق:

سعادت یار خاں رنگین کی ایک مثنوی "چار باغ" ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں دہلی کے مطبع مصطفائی سے شائع ہوئی (صفحات ۸)۔ اس کے حاشیے پر مولوی ابوالحسن کی یہ مثنوی یعنی "خنجر عشق" چھپی تھی۔ ان دونوں کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

"تصنیف سعادت یار خاں رنگین مسمی بہ چار باغ و دیگر مثنوی طبع زاد مولوی ابوالحسن صاحب معروف بہ خنجر عشق حسب فرمایش...... حافظ محمد نظام الدین سوداگر، ساکن کول، در مطبع مصطفائی۔ محمد حسین خاں طبع نمود ۱۲۶۸ھ۔"

مولوی ابوالحسن کی یہ مثنوی اردو میں ہے، حالانکہ ان کی بہت کم تحریریں اس زبان میں ملتی ہیں۔ مجـ

۱۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم۔ کالم ۴۴۳

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عتیق صدیقی نے مثنوی ''خنجر عشق'' کو مدیر ''معیار الشعراء'' یعنی منشی ابوالحسن مدرس فارسی (آگرہ کالج) کی تصنیف قرار دیا ہے[۱]، جبکہ نورالحسن راشد کاندھلوی اسے مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی کی تصنیفات میں شامل کرتے ہیں[۲]۔

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے:

پہلے ہے حمد خداوند جہاں   جس نے سب پیدا کیا کون و مکاں[۳]

۷۔ مطلع الانوار مؤلفہ امیر خسرو:

شرح بر حاشیہ از محمد ابوالحسن۔ صفحات ۲۱۷۔ شرح سمیت ''مطلع الانوار'' کا یہ ایڈیشن لکھنؤ سے ۱۸۸۴ء میں طبع ہوا تھا۔[۴]

معیار الشعراء

اردو شاعری میں مشاعرے کی روایت خاصی پرانی ہے اور یہ روایت چلتے چلتے ہماری تہذیبی زندگی کا بھی حصہ بن گئی۔ ایک زمانہ تھا، جب صاحبان ذوق کے گھروں میں طرحی اور غیر طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ ان میں شعراء اپنا تازہ کلام سناتے اور سامعین سے داد وصول کرتے۔ کچھ دیر تک یہ کلام لوگوں کی زبان پر رہتا، پھر ذہنوں میں محفوظ ہوتا، اور رفتہ رفتہ بھول جاتا۔ بعد میں اگر کسی شاعر کا دیوان یا کلیات طبع ہوتا تو اس میں مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام بھی شامل کر دیا جاتا۔ چنانچہ مشاعروں کے ایسے کلام کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے چند سال پیشتر یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے شعراء کے یک سطری تعارف کے ساتھ مختصر رسالے کی شکل میں طبع کیا جانے لگا۔ عام طور پر ایسے رسالے کو ادب کی تاریخ میں گلدستہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اس انداز کا پہلا گلدستہ جاری کرنے کا سہرا مولوی کریم الدین پانی پتی کے سر ہے۔ ان کے گلدستہ کا عنوان ''گل رعنا'' تھا، جو انہوں نے دہلی (مطبع رفاہ عام حوض قاضی) سے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں جاری کیا[۵]۔ یہ پندرہ روزہ تھا اور اس کے صفحات کی تعداد ۳۲ تھی۔ مولوی کریم الدین اپنے [illegible]

۱۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۹۹ [illegible]

۲۔ ضمیمہ امداد المشتاق، متذکرہ بالا، ص ۳۴۹

۳۔ ڈاکٹر گیان چند جین: اردو مثنوی شمالی ہند میں، علی گڑھ ۱۹۶۹ء، ص ۵۰۲

۴۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم۔ ۳۳۶

۵۔ ''گل رعنا اردو کا غالباً پہلا گلدستہ ہے جس کو مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵ء میں دہلی سے چھاپنا شروع کیا (باقی)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

محفل مشاعرہ منعقد کراتے۔ اس میں جو شعراء شریک ہوتے اور اپنی تازہ فارسی یا اردو غزلیں پیش کرتے، وہ انھیں ہر شاعر کے مختصر تعارف کے ساتھ اس گلدستہ میں شائع کر دیتے۔ ان کے ایک ایسے ہی مشاعرے پر مرزا فرحت اللہ بیگ نے ''دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ'' جیسی کتاب کی بنیاد رکھی۔ مولوی کریم الدین خرابی حالات کے باعث چار ماہ سے زیادہ یہ محفل مشاعرہ جاری نہ رکھ سکے اور اس گلدستے کے سات یا آٹھ شمارے نکالنے کے بعد اسے بند کر دیا۔ [1]

مولوی کریم الدین کے جاری کردہ ''گل رعنا'' کے بعد جو گلدستہ شائع ہوا، اس کا نام ''معیار الشعراء'' تھا۔ اس کے اجراء کنندہ یہی منشی ابوالحسن فرید آبادی، مدرس شعبہ فارسی (آگرہ کالج) تھے۔ اردو کا اولیں مجموعۂ اشعار ''گل رعنا'' اس وقت اشاعت پذیر ہوا، جب منشی ابوالحسن دہلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ممکن ہے انھیں ایسے گلدستے کی اشاعت کا خیال ''گل رعنا'' ہی سے ذہن میں آیا ہو، لیکن وہ اپنے اس خیال کو اس وقت عملی صورت دے سکے، جب آگرہ کالج میں ان کے قدم مضبوطی سے جم گئے اور وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کا نام متعارف ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے بھی مولوی کریم الدین کے تتبع میں اپنے ہاں محفل مشاعرہ منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔ یہ محفل بھی پندرہ روزہ تھی اور اس میں شہر کے تمام جانے پہچانے فارسی اور اردو شعراء شریک ہوتے اور اپنا تازہ کلام سناتے۔ یہ مشاعرے بالعموم طرحی ہوتے تھے اور ہر محفل کے اختتام پر اگلے مشاعرے کے لیے فارسی اور اردو کے طرحی مصرعے دے دیئے جاتے۔ آگرہ کے علاوہ دیگر نواحی شہروں میں جو معروف شعرائے کرام تھے، ان سے بھی اپنا کلام بھیجنے کی فرمائش کی جاتی۔ ان کی ارسال کردہ غزلیں بھی ان مشاعروں میں پڑھ کر سنائی جاتیں۔ ان مشاعروں میں موجود سامعین تو ان شعراء کے کلام سے لطف اندوز ہو سکتے تھے، لیکن جو اصحاب شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے۔ چنانچہ ان غیر موجود لوگوں تک مشاعرے میں پڑھے جانے والے کلام کو پہنچانے کے لیے منشی ابوالحسن نے اس گلدستے کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

ابوالحسن نے اس طرح کی پہلی محفل مشاعرہ آگرہ میں اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی اور اس میں جو فارسی اور اردو غزلیں پڑھی گئیں، انھیں ''معیار الشعراء'' کے پہلے شمارے میں شائع کر دیا۔ ابھی تک تاریخ صحافت اردو کے محققین اس گلدستے کے پہلے شمارے کے سنۂ اجرا کا تعین نہیں کر سکے۔ ابوالحسن اسے ا...

جاری ضرور کیا۔'' (رک: ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۲۸۷)۔

۱۔ رک: گلدستۂ صحافت (۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۸ء تک کے کچھ گلدستوں کے حالات اور ان کے سیکڑوں شعراء کی غزلوں کے منتخب اشعار اس کتاب میں درج ہیں) از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۹۴-۱۱۷

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نومبر ۱۸۴۸ء کو شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ گلدستہ پہلی بار ۲۱ نومبر کے بجائے ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء بروز یکشنبہ جاری ہوا۔ اس سے قبل ابوالحسن گلدستہ کا نام، اس کے مندرجات، اس کی قیمت اور اس کے مطبع کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے متعلق چند معاصر اخبارات میں اس کا اشتہار بھی دے چکے تھے۔ دہلی کالج کے اخبار ''فوائد الناظرین'' (بابت ۱۷ نومبر ۱۸۴۸ء) میں جو اشتہار طبع ہوا، وہ درج ذیل ہے:

''واضح ہو کہ تفریح طبائع کے واسطے پندرویں روز مجلس مشاعرہ راقم کے مکان میں منعقد ہوتی ہے، چونکہ سب اضلاع کے رئیس اس سے حظ حاصل نہیں کر سکتے، لہٰذا راقم کو یہ منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورقہ [پر] مثل اخبارات کے طبع ہوا کریں۔ اور چونکہ بعض شعراء علم عروض و قافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں، اس لحاظ سے نصف اخیر صفحے میں اس کا بیان ہے [تا] کہ خریدار علم عروض و قافیہ سے واقف ہو جاویں اور رشدہ رشدہ ایک تذکرہ شعرائے حال کا، بہ سبب اس کے کہ شروع غزل میں حال مختصر شاعر کا مندرج ہوگا، تیار ہو جائے گا اور بہ نظر رفاہ عام چار آنے ماہواری جو کہ صرف کاغذ اور چھپائی کے واسطے تھا، قیمت اس کی مقرر کی۔ ہاں اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور پرچہ اس قدر بڑھ جاوے کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ ہو، تو فی ورق کچھ مناسب قیمت زیادہ کرنی پڑے گی اور مصرع طرح مشاعرہ آئندہ کا اس کے اخیر میں طبع ہوگا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو اس پرچہ موسوم بہ ''معیار الشعراء'' کا خریدنا منظور ہو تو درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ آگرہ میں ارسال فرماویں اور محصول ذمہ خریدار ہوگا۔ یہ پرچہ بتاریخ ۲۱ نومبر بروز سہ شنبہ سے طبع ہوگا۔ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۴۸ء۔ فقط۔ العبد ابوالحسن مدرس فارسی مدرسہ آگرہ۔''(۱)

اس اشتہار کے نیچے ''فوائد الناظرین'' کے مہتمم ماسٹر رام چندر نے زیر عنوان ''رائے مہتمم'' یوں اظہار خیال کیا ہے:

''حقیقت میں یہ پرچہ مسمی معیار الشعراء، جو مولوی صاحب کی کوشش سے جاری ہوگا، نہایت خوب ہوگا۔ اور اس علم کے درباب میں اب تک کوئی پرچہ نہیں نکلا تھا۔ اور قیمت بھی انہوں نے نہایت مقرر کی ہے..... حقیقت یہ ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب مہتمم اس پرچہ کے بہت عاقل اور سنجیدہ آدمی ہیں... صاحب کو اس پرچہ کی خریداری منظور ہو تو ایک درخواست بنام مولوی صاحب مدوح... یا اس نیازمند کے پاس بھیج دیں۔ فقط الراقم مہتمم فوائد الناظرین۔''(۲)

آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے یہ گلدستہ طبع ہوتا تھا۔ ''اسعد الاخبار'' میں بھی متذکرہ بالا اشتہار

۱۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۲۹۔ تحتی نوٹ

۲۔ ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، مذکورہ بالا، ص ۲۸۹

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سے ملتا جلتا اشتہار شائع ہوا (بابت ۱۸ نومبر ۱۸۴۸ء)، جو درج ذیل ہے:

''خلاصۂ اشتہار

مرسلہ جناب منشی محمد ابوالحسن میر منشی مدرسۂ اکبرآباد، مدرس اول درجہ فارسی۔

واضح ہو کہ ایک مجلس مشاعرہ کی پندرہویں روز راقم کے مکان پر ہوتی ہے اور اکثر غزلیں شعراء کی، اور اضلاع سے بھی مشاعرہ میں آتی ہیں۔ راقم نے یہ تجویز کیا کہ وہ نتائج وافکار تازہ شعرا جو مشاعرے میں پڑھے جاتے ہیں، قالب طبع میں بھی آیا کریں، تاکہ سخن سنجان امصار و دیار اوس کے ملاحظہ سے محظوظ ہوا کریں اور ہر ایک شاعر کی طباعی کا حال ہر کہ ومہ کو معلوم ہو۔ اور چونکہ بعضے شاعر علم عروض و قافیہ سے کم واقف ہوتے ہیں، اس نظر سے اوس کے اخیر صفحہ کے آخر میں اوس کا بھی بیان ہو۔ اور چار آنہ ماہواری اوس کی قیمت صرف کاغذ اور چھاپہ کے لئے مقرر کی۔ آیندہ اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور اس دو ورقہ جو بالفعل مطبوع ہو کر تقسیم ہوا کرے گا، اون کی گنجائش نہ ہوگی تو پرچہ کا حجم زیادہ کیا جائے گا اور اوراق زائدہ کی بابت فی ورق کچھ قیمت بڑھادی جائے گی۔ اور مصرع طرح مشاعرۂ آئندہ کا اوس کے آخر میں چھاپا جائے گا کہ ناظرین اور خریدار بے تکلف اوس سے اطلاع پا کر اوس زمین میں غزل کہہ کر بھیج دیا کریں۔ اور غزل وخط بھیجنے میں طریقہ پوسٹ پیڈ بھیجنے کا مسلوک رکھیں، ورنہ راقم کو ہر بزرگوار کے خط وغزل کا محصول دینے میں بڑی زیر باری ہوگی اور اس کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو خریدنا اوس پرچہ موسوم بہ ''معیار الشعراء'' کا منظور ہو، درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ اکبرآباد میں ارسال کریں۔ اور محصول اوس پرچہ کا خریدار کے ذمہ ہوگا۔ اور وہ پرچہ لطافت آمیز مطبع اسعد الاخبار میں چھپا کرے گا۔

العبد محمد ابوالحسن مدرس اول فارسی مدرسہ اکبرآباد''[1]

منشی ابوالحسن نے ''معیار الشعراء'' کے پہلے شمارے میں جو غزلیں شامل کیں، وہ اس محفل مشاعرہ میں پڑھی گئیں، جو انھوں نے اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی روداد ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء) میں یوں بیان ہوئی ہے:

''۱۹ نومبر کو وقت شب منشی سید ابوالحسن صاحب مدرس اول درجہ فارسی مدرسہ آگرہ کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ آگرہ کے اکثر اہل سخن عالی طبع جمع ہوئے اور سب نے اپنا کلام سنا کر اہل محفل کو محظوظ کیا۔ ایک عجیب جلسہ جانفزا تھا اور کلام شعرا نہایت دلربا۔ پرچہ ''معیار الشعراء'' جو ہفتہ آئندہ میں طبع ہوگا، اس کے ملاحظہ سے ہر سخن فہم حظ وافر اٹھائے گا۔ فقط''[2]

۱۔ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۷۰۔ تحتی نوٹ

۲۔ تاریخ صحافت اردو ۱: ۳۴۔ مؤلف ''تاریخ'' نے ''اسعد الاخبار'' کے ساتھ ۱۱ نومبر اور اقتباس میں ۹ نومبر کی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء کو منظرِ عام پر آیا اور اس کے ایک دن بعد یعنی ۲۷ نومبر کو ''اسعد الاخبار'' میں اس کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی:

''مطبع اسعد الاخبار: مجموعہ اشعار موسوم بہ معیار الشعراء جو منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول مدرسہ سرکاری نے واسطے ترقی شوق نظم و نثر کے جاری فرمایا ہے، کل کے دن ۲۶ نومبر کو اس مطبع سے بہ اجازت منشی صاحب موصوف چھاپا گیا۔ یہ ایک عجیب مجموعہ سرور افزا ہے۔ جو دیکھتا ہے، بڑا حظ اٹھاتا ہے۔ فقط۔''[1]

اردو صحافت کے محققین اور مورخین بالخصوص مولانا امداد صابری صاحب[2] اور محمد عتیق صدیقی[3] نے ''معیار الشعراء'' کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ ثانوی مآخذ پر مبنی ہیں، یعنی انہیں ہم عصر اخبارات (فوائد الناظرین، قران السعدین اور اسعد الاخبار) یا اس دور کی سرکاری رپورٹوں سے جو تفصیلات حاصل ہوئیں، ان کی بنیاد پر انھوں نے اس گلدستے کے متعلق چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ انھیں باوجود کوشش کے اس گلدستے کا کوئی بھی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا، چنانچہ مولانا امداد صابری صاحب خود بھی اس کا یوں اقرار کرتے ہیں:

''۱۸۴۸ء میں آگرہ سے ایک دوسرا گلدستہ ''معیار الشعراء'' کے نام سے ظہور پذیر ہوا جو مہینے میں دو بار نکلتا تھا۔ میرا یہ کہنا اصول تحقیق کے مطابق نہیں ہے کہ ''معیار الشعراء'' آگرہ کا دوسرا گلدستہ ہے۔ ممکن ہے کہ ''گل رعنا'' کے بعد ۱۸۴۷ء تک ملک کے کسی حصہ میں گلدستہ نکلا ہو۔ ''معیار الشعراء'' گلدستہ کی بھی صورت ہم نے نہیں دیکھی۔''[4]

راقم کو اپنے اولیں سفر یورپ (۱۹۸۲ء) کے دوران میں قدیم فارسی اور اردو اخبارات (قبل

تاریخیں لکھی ہیں۔ یہ دونو تاریخیں محل نظر ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ابوالحسن نے اپنے گھر پہلی محفل مشاعرہ ۱۹ نومبر کو منعقد کرائی تھی اور ظاہر ہے اس کی روداد ۲۰ نومبر کے ''اسعد الاخبار'' میں شائع ہوئی ہوگی۔ ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء کا ''اسعد الاخبار'' پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی نظر سے گذرا تھا۔ (رک ہندوستانی اخبار نویسی محولہ بالا، ص ۲۸۷)

۱۔ ایضاً: ۳۴۰-۳۴۱

۲۔ تاریخ صحافت اردو، ۱: ۳۳۹-۳۴۴۔ روح صحافت، دہلی ۱۹۶۸، ص ۵۰-۵۱۔ ظہور تاریخ صحافت، ص ۱۱۰-۱۲۰

۳۔ ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں، ص ۲۸۹-۲۹۰۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۶۹-۷۱

۴۔ گلدستہ صحافت، ص ۱۹، بذیل ''سبب تالیف''۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۱۸۵۷ء) کا ایک نادر ذخیرہ دستیاب ہوا تھا۔ اس مجموعے میں ''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ (بابت ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء) بھی شامل ہے۔ اس پہلے شمارہ کے کچھ کوائف قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ شمارہ دو ورق یعنی چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دائیں بائیں ''نمبر اول، دیوان اول'' درج ہے۔ اس کے ساتھ سنہ اجرا یعنی ''مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء روز یکشنبہ'' مرقوم ہے اور اس کے نیچے یہ صراحت کی گئی ہے کہ ''یہ پرچہ مہینے میں دو بار چھپتا ہے، قیمت اوس کی چار آنہ ماہواری اور محصول ڈاک بذمہ خریدار''۔ ابتدا میں زیر عنوان ''اظہار'' یہ عبارت درج ہے:

''واضح ہو کہ تقدیم و تاخیر شعرا کے کلام کی باعتبار حروف تہجی اون کے تخلصوں کے معتبر کی گئی۔ اس واسطے کہ اگر اون کے کلام کے رتبہ پر نظر کی جاتی تو ترتیب میں ہر ایک کی گفتگو باقی رہتی۔ جو صاحب کہ فہیم اور ذکی الطبع ہیں، ہر ایک کے مرتبہ شاعری کو اوس کے کلام سے دریافت کر لیں گے اور اس پرچہ میں غزل غیر طرح مطبوع نہ ہوگی۔ مگر جب کہ کوئی ضرورت خاص اہل کمیٹی اور مہتمم کی رائے میں متصور ہو''

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس گلدستے کی ادارتی ذمہ داریاں تو ابوالحسن ہی کے پاس تھیں، لیکن اس کے انتظام و انصرام، مختلف شعراء سے کلام کے حصول اور اس کی ترتیب جیسے امور کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے کون کون سے ارکان تھے، اس کے متعلق موجودہ شمارے سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

اس کے بعد ان فارسی اور اردو شعراء کی غزلیں درج ہیں، جو ۱۹ نومبر کے اس مشاعرے میں شریک ہوئے، جو ابوالحسن نے اپنے گھر پر کرایا تھا یا جن شعراء نے ابوالحسن کی فرمائش پر اپنا کلام بھیجا تھا۔ فارسی شعراء میں سید جعفر علی بیتاب اکبرآبادی طالب علم مدرسہ آگرہ، رائے ہرگوپال تفتہ متوطن سکندرآباد، مرزا محمد اکبر خاور سیستانی' سید سعادت علی سعید اکبرآبادی، حافظ رحیم اللہ صبا اکبرآبادی، چرنجی لال طالع فرخ آبادی منشی اردو آگرہ کا، قمر الدین خاں قمر اکبرآبادی مہتمم اسعد الاخبار، منشی پچھی چند مدہوش بریلوی وکیل صدر دیوانی، رائے درگا پرشاد نشاط سکندرآبادی اور منشی سہائے وقفی متوطن میرٹھ وکیل صدر دیوانی شامل ہیں، جبکہ اردو شاعروں میں مرزا احمد علی بیگ اعظم الہ آبادی محرر صدر دیوانی، عبدالرحمن انصاف اکبرآبادی ملازم راجہ بنارس، بیتاب، حافظ بلاقی زرا اکبرآبادی سادہ کار، سعید، طالع، مشتاق حسین مشتاق شاگرد و مرید حضور والائے دہلی، مرزا احمد علی بیگ مشفق اکبرآبادی، امین الدین مشکل اکبرآبادی ملازم مدرسہ آگرہ اور مرزا کلب حسین خاں نادر الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر اٹاوہ کے نام شامل ہیں۔ فارسی غزلیات کے حصے میں ابوالحسن نے ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ اپنی یہ فارسی غزل بھی درج کی ہے:

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''شیدائی، ابوالحسن متوطن فریدآباد ضلع دہلی۔

کوفتہ بہ سینۂ کز تیغ عشقش چاک نیست — خونچکاں بہ دیدۂ کو در غمش نمناک نیست
گو سر خود گیر و غیر از عشق بازی پیشہ جو — ہر کہ در میدان عشقش ہمچو گو چالاک نیست
می طپد در سینہ ام دل تاچرا چون دیگراں — از کشاد تیر مژگانش طپاں بر خاک نیست
عاشقاں را میدہد فتراک قاتل آبرو — خاک بادآں سر کہ آب درویش از فتراک نیست
خرقہ ام از بادہ گر آلودہ شد عیبم مکن — قدسیاں را نیز در میخانہ دامن پاک نیست
گر نیابی بوسہ از دشنام تلخش روستاں — زہر او اندر مذاق ما کم از تریاک نیست
تیغ خونریز اجل گو ہست مشہور جہاں — ہمچو ترک غمزہ ات مردم کش و بیباک نیست
مے پرستی بود شیدائی کہ از دنیا گذشت — زانکہ بر خاک مزارش سبزۂ جز خاک نیست[1]

اردو غزلیات کے خاتمے پر یہ نوٹ تحریر کیا گیا ہے:

''محفل مشاعرہ ہذا ۱۹ نومبر بروز یکشنبہ کو منعقد ہوئی تھی اور مشاعرہ آئندہ نویں ماہ دسمبر کی شام کو ہوگا۔ اور ضرورت ایک ہفتہ زیادہ کرنے کی روز معین سے اس واسطے ہوئی کہ روز مشاعرہ عشرہ محرم الحرام میں داخل تھا۔''

اس کے ساتھ ہی اگلے مشاعرہ کے لیے فارسی اور اردو کے یہ طرحی مصرعے دیے گئے:

ع — رزق زمیں کند ستم آسماں مرا

ع — ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں

منشی ابوالحسن نے معاصر اخبارات میں ''معیارالشعراء'' کا جو اشتہار چھپوایا تھا اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی تھی کہ ہر شمارے کے آخری صفحے کے نصف حصے پر علم عروض وقافیے کے بارے میں بنیادی معلومات درج کی جائیں گی۔ اس پہلے شمارے میں ''علم عروض'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے تحت اس ضمن کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سطور ذیل میں منقول ہے۔ ظاہر ہے، یہ مضمون مہتمم یعنی منشی ابوالحسن کا تحریر کردہ ہے اور اسے ان کی ایک نایاب اردو تحریر کی حیثیت سے ضمناً یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

''شعر منطقیین کے نزدیک کلام مخیل موزوں ہوتا ہے اور جمہور شعراء کی اصطلاح میں شعر کلام موزوں مقفیٰ کو کہتے ہیں اور کلام اون الفاظ کو کہتے ہیں کہ حروف سے مرکب ہوں اور باعتبار وضع کے معانی مقصودہ پر

---

[1] یہ غزل اس کلام میں شامل نہیں، جو صابر دہلوی نے اپنے تذکرہ ''گلستان سخن'' میں نقل کیا ہے اور جو ماقبل صفحات میں درج کیا جا چکا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دلالت کرتے ہوں اور شعر کو بغیر الفاظ کے تصور نہیں کر سکتے اور اگر کوئی تکلف سے غیر ملفوظ فعل کو (جیسے حرکت ہاتھ یا آنکھ کی مثلاً) جزء شعر کا گردانے تو اوس فعل کا حکم ایسا ہی ہوگا جس طرح کہ حکم الفاظ کا اس سبب سے کہ اوس فعل سے آواز پیدا ہوتی ہے یا خیال اوس کا ہوتا ہے۔ جس سے کچھ مراد سمجھی جاتی ہے اور اسی طرح الفاظ بے معنی کو، اگرچہ وزن وقافیہ رکھتے ہوں، شعر کی قبیل سے نہیں جانتے۔ اور وہ بیہودہ کلام اہل ہزل کا کہ الفاظ مہمل کے ساتھ اوس کو نظم کرتے ہیں، الفاظ با معنی کے حکم میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ اون کی مراد الفاظ مذکورہ سے موافق قصد کے ہوتی ہے۔ پس کلام شعر اور غیر شعر کے واسطے بجائے جنس کے ہے اور تخیل تاثیر سخن کو کہتے ہیں، جو دل میں پیدا ہوتی ہے خواہ کسی طرح کی ہو۔ مثلاً خوشی یا رنج یا قبض یا بسط۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ غرض شعر سے تخیل ہوتی ہے کہ دل میں اوس کا حصول کسی فعل کے سرزد ہونے کا موجب ہووے مثلاً ایک کام پر آمادہ ہونا یا اس سے باز رہنے یا کسی ہیئت کے ظاہر ہونے کا وہ سبب ہووے جیسے رضامندی یا غصہ یا کسی قسم کی لذت اور لطف کہ مطلوب ہو۔ مگر حکمائے یونان نے تخیل کو ماہیت شعر کے اجزا میں شمار کیا ہے۔ اور شعرا عربی اور فارسی کے اوس کو اسباب جودت اور خوبی شعر سے گنتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ موافق قول یونانیوں کے تخیل شعر کی فصول سے ہوگی اور ان شعرا کے نزدیک اغراض اور غایت کی قبیل سے۔ فقط۔ باقی پرچہ آئندہ میں۔''

اس کے بعد اختتامیہ عبارت یہ ہے:

''باہتمام تصحیح و ترتیب منشی ابوالحسن مدرس اول مدرسہ فارسی آگرہ مطبع ''اسعد الاخبار'' میں قمر الدین خان نے چھاپا۔''

چند ماہ تک ''معیار الشعراء'' زیر ادارت منشی ابوالحسن شائع ہوتا رہا۔ اس عرصے میں ان کے مکان پر محافل مشاعرہ برپا ہوتی رہیں اور ان میں پڑھا جانے والا کلام اس پرچے میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ابوالحسن اس گلدستے کے اجرا کنندہ ضرور تھے، لیکن وہ زیادہ دیر تک اس گلدستے کے مہتمم نہ رہ سکے اور غالباً وسط ۱۸۴۹ء میں ان کی جگہ سید مدد علی تپش اکبر آبادی[1] کو اس کا مدیر مقرر کر دیا گیا۔ بظاہر اس تبدیلی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے، منشی ابوالحسن کی مدرسانہ مصروفیات اس راہ میں حائل ہو گئی ہوں یا مالی دشواریوں کے باعث وہ اس سے الگ ہو گئے ہوں۔ ''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے طبع ہوا تھا۔ اس مطبع کے مالک قمر الدین خاں قمر اکبر آبادی تھے۔ اس پرچے کی ادارت میں جو تبدیلی ہوئی، اس کے

۱۔ گارسیں دتاسی نے دہلوی لکھا ہے (رک: تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی، بزبان فرانسیسی، طبع جدید، نیویارک ۱۹۶۸ء (۱۸۷۰ء)، جلد سوم، ص ۲۲۱)۔ تپش کے حالات اور کلام کے لیے رک: تاریخ صحافت اردو ۱: ۲۴۷-۲۴۹

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بعد بھی یہ اسی مطبع سے چھپتا رہا۔ شاید قمر اکبر آبادی نے یہ پرچہ منشی ابوالحسن سے لے لیا ہو اور انھوں نے نئے مدیر کی نگرانی میں اسے جاری رکھا۔ ''معیار الشعراء'' میں اس تبدیلی کی اطلاع ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۵ جون ۱۸۴۹ء) کے اس اقتباس سے ملتی ہے:

''پرسوں شب کو مشاعرہ ہوا۔ اکثر شعراء اکبر آباد اور بعض سخنوران عجم تشریف لائے۔ ہر ایک کے کلام فصیح سے حاضرین بزم مشاعرہ محظوظ ہوئے۔ وے شایقان سخن جو مشاعرے میں تشریف نہ رکھتے تھے، بہ ملاحظہ معیار الشعرا، جو اس مطبع میں چھپتا ہے اور سید مدد علی تپش اس کی تہذیب و ترتیب کا انتظام کرتے ہیں، محظوظ ہوں گے۔ مشاعرہ بڑی زیب و زینت کا ہوتا ہے اور پرچہ معیار الشعرا عجب لطف خیز مطبوع ہوتا ہے۔ ہر شاعر کی غزل منتخب ہو کر لکھی جاتی ہے اور قیمت اس کی چار آنہ ماہواری اس کے لطف و خوبی کے آگے بہت کم ہے۔ اس کے خریدار بکمال شوق اسے خریدتے ہیں اور اس قیمت پر بہت ارزاں جانتے ہیں۔ جن صاحب کو اس کے ملاحظہ و مطالعہ کا شوق ہو، سید مدد علی تپش کے پاس بہ محلہ زین خان یا بہ مطبع ہذا درخواست بھیج دیں۔''(۱)

بعض شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء کے بعد ''معیار الشعراء'' کی مقبولیت کم ہوتی گئی اور اس کا اثر اس کی تعداد اشاعت پر بھی پڑنے لگا۔ اس دور کی سرکاری رپورٹوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں اس رسالہ میں جدید شعراء کے ساتھ ساتھ قدیم شعراء کا کلام بھی شامل ہوتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پندرہ روزہ مجالس مشاعرہ بند ہو گئی ہوں اور مدیر اس کمی کو پورا کرنے کے لیے پرانے شاعروں کی غزلیں منتخب کر کے اس میں چھاپ دیتے ہوں۔ ۱۸۵۱ء کی سرکاری رپورٹ بتاتی ہے کہ یہ پرچہ اب بھی پندرہ روزہ ہے۔ اشاعت انتہائی محدود ہے۔ صرف پندرہ پرچے چھپتے ہیں۔ خریداروں کی تعداد تین رہ گئی ہے۔ ان تین کے علاوہ باقی بارہ پرچے مفت تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ۱۸۵۲ء کی رپورٹ بھی چھاپی ہی ہے اور ۱۸۵۳ء کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچے میں پرانے شعراء کا کلام چھاپا جاتا ہے۔ کبھی کبھار ایسے جدید شعراء کی غزلیں بھی شائع کر دی جاتی ہیں، جو شاعر کہلانے کے خواہش مند ہوتے ہیں(۲)۔ اس کے بعد گارسیں دتاسی نے اپنے پانچویں خطبے (بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء) میں ''معیار الشعراء'' کا مختصر ذکر کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تپش بھی اس کے مہتمم نہیں رہے، بلکہ یہ مطبع اسعد الاخبار کے مالک منشی قمر الدین قمر اور غالب خان نشتہ کی تحویل میں چلا گیا ہے۔ گارسیں دتاسی کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:

''معیار الشعراء قدیم و جدید شعرا کا کلام ہے، جو آگرے سے منشی قمر الدین قمر، غالب خان نشتہ میں

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو ۱: ۲۴۱

۲۔ رک: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۶۹-۷۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دو بار شائع کرتے ہیں۔''(۱)

غالباً ان دونو اصحاب کی زیر نگرانی یہ پرچہ ۱۸۵۶ء تک جاری رہا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء کے ہولناک ہنگاموں کے باعث تباہی و بربادی کی ایسی لہریں اٹھیں کہ بہت سے تہذیبی آثار کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ اس طوفان خیزی میں ایسے بہت سے رسالے اور اخبارات ختم ہو گئے۔ جن مطابع سے یہ شائع ہوتے تھے، وہ بھی تباہ ہو گئے اور ان کے مالکان ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوئے۔ متعدد اخبارات و جرائد ایسے معدوم ہوئے کہ پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، لیکن بعض رسائل ایسے سخت جان ثابت ہوئے کہ ایک دو برس غائب رہنے کے بعد پھر جاری ہونے لگے۔ انھی سخت جان پرچوں میں ایک ''معیار الشعراء'' بھی تھا، لیکن اب اس کا مطبع اور مالک دونو تبدیل ہو چکے تھے۔ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک یہ گلدستہ منشی قمر الدین قمر ہی کے مطبع اسعد الاخبار سے چھپتا رہا۔ تقریباً نو برس کے اس عرصے میں مہتمم تبدلتے رہے، لیکن پریس وہی رہا۔ اب یہ آگرہ کے ایک اور مطبع مفید الخلائق سے چھپنا شروع ہوا۔ شاید مطبع اسعد الاخبار جنگ آزادی کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا اور قمر اکبر آبادی میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اسے دوبارہ شروع کر سکیں۔ مطبع مفید الخلائق کے مالک کا نام منشی شیو نرائن آرام تھا۔ اسی مطبع سے ایک رسالہ ''تاریخ بغاوت ہند'' بھی شائع ہوتا تھا، جس کے ایک شمارے (بابت جولائی ۱۸۵۹ء) میں ''معیار الشعراء'' کا یہ اشتہار دیا گیا:

''مخفی نہ رہے کہ اس مطبع سے ایک پرچۂ اشعار پندرہویں روز جاری ہوتا ہے۔ اس میں غزل ہائے طرح مشاعرہ جو آگرہ میں ہوتا ہے اور غرطرح اور استادان حال و قدیم کی طبع ہوتی ہیں۔ قیمت اس کی چار آنہ ماہواری ہے اور خریداران مفید الخلائق کو نصف قیمت پر ملتا ہے۔ جو صاحب شوق خریداری رکھتے ہوں، اپنی درخواست مطبع مفید الخلائق میں روانہ کریں۔''(۲)

منشی شیو نرائن آگرہ کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے اور انھیں مرزا غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے ''معیار الشعراء'' غالب کے پاس پہنچتا تھا۔ اس میں کبھی کبھار غالب کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ غالب نے اپنے دو مراسلات (بابت ۱۲ جون ۱۸۵۹ء، ۱۷ اگست ۱۸۵۹ء) میں اس گلدستے کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اردو کا یہ دوسرا گلدستہ ''معیار الشعراء'' نومبر ۱۸۴۸ء میں جاری ہوا اور ۱۸۵۹ء کے بعد تک شائع ہوتا رہا۔ اس کا اجرا منشی ابوالحسن جیسے ذی علم شخص کے ہاتھوں ہوا۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کے چند ماہ ہی مہتمم

۱۔ خطبات گارسیں دتاسی، مطبوعہ اورنگ آباد ۱۹۳۵ء، ص ۱۱۳

۲۔ تاریخ صحافت اردو ا: ۳۴۳

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

رہے، لیکن اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے ایک ایسا معیار قائم کر دیا کہ برسوں بعد بھی وہ اسی پر قائم رہا۔ اس کی ضخامت، قیمت، قدیم و جدید استادان فن کا منتخبہ کلام، مشمولہ شعراء کے بارے میں مختصر نوٹ، طرحی غزلیں غرضیکہ سبھی کچھ وہی رہا، جس کا آغاز منشی ابوالحسن نے کیا تھا۔ بلا شبہ اردو کا پہلا گلدستہ ''گل رعنا'' ہے۔ جسے مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے ۱۸۴۵ء میں جاری کیا تھا، لیکن یہ چار مہینوں سے زیادہ نہ چل سکا اور ابھی اس کے سات یا آٹھ شمارے ہی نکلے تھے کہ بند ہو گیا۔ اس اعتبار سے ''معیار الشعراء'' اردو کا ایسا گلدستہ ہے، جو مدیران کی تبدیلی کے باوجود اتنے سال چھپتا رہا اور وہ بڑی پامردی سے اس راہ پر گامزن رہا، جو روز اول سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ (۱)

اس مجموعۂ مکتوبات میں اشپرینگر کے نام منشی ابوالحسن کے دو خط ملتے ہیں۔ پہلا خط تو بلا تاریخ ہے، بلکہ اس کے آخر میں مکتوب نگار کا نام بھی موجود نہیں، لیکن اس خط کے مندرجات سے یہ واضح ہے کہ یہ منشی ابوالحسن ہی کا تحریر کردہ ہے اور یہ اوائل ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو لکھا گیا۔ دوسرے خط کے آخر میں تاریخ موجود ہے، یعنی ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ اب یہ دونو مکتوبات مع ضروری حواشی سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

ا

''غریب پرور سلامت (۱)

حضور کی عنایت اور پرورش سے میں مرفہ الحال اور خوش رہتا ہوں اور آپ کی ترقی اور جان و مال کے واسطے دعا کرتا ہوں۔

امسال اقبال حضور سے فدوی کے درجہ کا امتحان بہت اچھا ہوا اور اس میں اپنی بہبود اور آپ کی نیک نامی سمجھتا ہوں۔ اور تعلیم طلبا میں دل و جان سے سعی کرتا ہوں تا کہ روز بروز ترقی اس درجہ کی ہو اور سرکار گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کروں۔

''قصاید عرفی'' اور ''توقیعات کسروی'' اور ''قصاید بدر چاچ'' وغیرہ دو سال گذشتہ میں درس دیا۔ بعد امتحان کے ایک کتاب نثر میں یعنی ''اخلاق جلالی'' اور دوسری نظم میں یعنی ''قصاید انوری'' کتب درسیہ جماعت اول فارسی میں داخل ہوئیں۔

اور بعد تلاش اور تحقیق کے معلوم ہوا کہ اس شہر اکبر آباد میں کتابوں کا قحط ہے۔ بالفعل چند نسخہ اخلاق

۱۔ مزید تفصیل کے لیے رک: انیسویں صدی میں اردو گلدستے: تاریخ و تحقیق از رفاقت علی شاہد۔ مقالہ نصوصی برائے ڈاکٹریٹ، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۳۹-۴۳، ۱۰۷-۲۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جلالی'' کے میسر آئے اور اوس کو پڑھاتاہوں اور بباعث نایاب ہونے کے ''قصاید حکیم انوری (۲)'' اب تلک شروع نہیں ہوئے اور محض اس غرض سے کہ اس کتاب کو طالب علم تحصیل کریں کیونکہ وہ بہت اچھی کتاب ہے، کلام قدما میں سے فدوی نے اہتمام اوس کی تصحیح اور تحشیہ کا بعض شروح سے اپنے ذمہ لے کر اوس کا اشتہار دیا تھا کہ بعد درخواست جمع ہونے کے اوس کو طبع کروائے۔ اور بنظر اس کے کہ اس میں سرکار گورنمنٹ بھی مدد کرے، وہ اشتہار بذریعہ چٹھی جناب ڈلیٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ کے جناب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، مگر عرصہ ہوا کہ اوس کا جواب سرکار سے حاصل نہیں۔ غالب ہے کہ اوس کے باب میں حضور سے رائے لی گئی ہو۔ جبکہ آپ اوس کتاب کو ملاحظہ فرما کر کلام کی خوبی پر نظر کریں گے، تو مجھے یقین ہے کہ اس درجہ کی تعلیم کی مناسب سمجھ کر پسند کریں گے۔ اور اوس میں اعانت کے واسطے رائے لکھیں اور فدوی کو غرض اس قدر کہ میرے درجہ کے طالب علم، جو لیاقت اور استعداد اوس کی تحصیل کی رکھتے ہیں، اوس کو پڑھیں اور متقدمین کے کلام سے بھی متمتع ہوں۔ قریب چار سو کے اوس کے صفحہ ہیں اور چونکہ محرک سلسلہ طبع کا افادہ طالبین ہے، لہٰذا چار روپے (۴) فی کتاب، جو مطبع میں دینے ضرور ہیں، قیمت اوس کی مقرر کی گئی۔

جناب پرنسپل صاحب مدرسہ آگرہ کا بہت شکر گذار ہوں کہ اپنی قدر دانی سے میرے حال پر بہت عنایت رکھتے ہیں اور اس سبب سے کہ مجھے کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال تاباں رہے۔''

تشریحات:

۱۔ اس خط پر مکتوب نگار کا نام اور سنہ تحریر درج نہیں، لیکن اس کے مندرجات کے پیش نظر بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط منشی ابوالحسن کا تحریر کردہ ہے اور یہ غالباً اشپرینگر کو اس وقت لکھا گیا، جب وہ مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالنے کلکتہ جا چکا تھا۔ اس مراسلہ کی تاریخِ تحریر کا تعین یوں ہو سکتا ہے کہ اس میں مکتوب نگار نے لکھا ہے کہ ترتیب و تحشیہ اور شرح کے ساتھ اس نے ''قصائد انوری'' کا جو مسودہ تیار کیا ہے، اس کا اشتہار دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے، یہ اشتہار متعدد اردو اخبارات میں طبع ہوا ہو، لیکن اس کے متعلق جو تعارفی نوٹ چھپا، وہ آگرہ کے ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں طبع ہوا تھا۔ یہ نوٹ سابقہ سطور میں منقول ہے۔ معاصر اخبار کی اس اطلاع سے یہ بات قرین قیاس ہے کہ زیر نظر خط ۱۸۵۰ء ہی میں لکھا گیا، لیکن ۲۱ مئی کے بعد۔

۲۔ ''قصائد و قطعات انوری'' ۱۸۴۹ء میں آگرہ کالج کی جماعت اول (فارسی) کے نصاب میں شامل

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہوئی۔ ان دنوں یہ کتاب بہت نایاب تھی، اس لیے طلبہ کو اس کے حصول میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلبہ کی اس مشکل کو حل کرنے کے لیے منشی ابوالحسن نے اس کتاب کو تصحیح، ضروری حواشی اور بعض اشعار کی شرح کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ انھوں نے یہ کام ۱۸۵۰ء کے اوائل میں شروع کیا اور چند ماہ کی شبانہ روز محنت کے بعد اس کا مسودہ تیار کرلیا۔ اس مسودے کی طباعت کے لیے ان کی خواہش تھی کہ حکومت سے کچھ رقم بطور اعانت مل جائے اور یوں وہ اس کتاب کے طباعتی اخراجات برداشت کرنے کے متحمل ہو سکیں۔ پہلے تو انھوں نے کچھ اخبارات میں اس کتاب کے بارے میں ایک اشتہار چھپوایا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے کالج کے پرنسپل مڈلیٹن کا تعاون حاصل کیا اور ان کی سفارشی چٹھی سمیت یہ اشتہار حکام بالا کو بھجوا دیا۔ ان حکام میں لازماً اشپرینگر بھی شامل ہوگا، کیونکہ ایسے معاملات میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ مراسلہ نگار نے یہ خط اس مقصد کے لیے لکھا تھا کہ اس ضمن میں اشپرینگر ان کی مدد کرے اور یوں حکومت کی مالی معاونت سے یہ کتاب شائع ہو جائے۔ یوں لگتا ہے کہ منشی ابوالحسن کی یہ تمام کوششیں بارآور ثابت نہ ہو سکیں اور وہ اس کتاب کو کسی جگہ سے بھی چھپوانے میں ناکام رہے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات'' میں آگرہ سمیت شمالی ہند کے تمام شہروں کے مطابع اور ان کی ایسی مطبوعات کی فہرستیں دی ہیں، جو ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان طبع ہو چکی تھیں یا زیرِ طبع تھیں۔ ان فہرستوں میں ''قصائد و قطعات انوری'' نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ ممکن ہے، ابوالحسن نے اس کتاب کا جو مسودہ تیار کیا تھا، وہ کسی وجہ سے زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا ہو۔

۳۔ ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں اس کتاب کے جو کوائف دیے گئے ہیں، ان میں اس کی قیمت تین روپے دی گئی ہے۔

۲

''غریب پرور سلامت

حقیقت حال اس فدوی کی یہ ہے کہ جس درجہ پر، کہ حضور کی عنایت سے نصب ہوا تھا، اوس کی ترقی میں مصروف رہتا ہوں اور نتیجہ میری محنت اور سعی کا اوس مرتبہ کو پہنچا کہ اس درجہ میں جو کتابیں، کہ دفعہ اولی پڑھتے تھے، اس دفعہ ادنیٰ تحصیل کرتے ہیں۔

اور ابتدائے ۵۱ء میں جب کہ مولوی سدید الدین خان صاحب یہاں سے کلکتہ کو تشریف لے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

گئے (۱)، صاحبان کمیٹی نے چاہا کہ درجہ عربی کو تخفیف میں لا کر چند طلبہ کو، جو باقی ہیں، اس فدوی سے متعلق کریں اور بعوض اس خدمت کے بیس روپیہ اضافہ فرمائیں، چنانچہ اسی طرح بندوبست کر کے رپورٹ اس کی سرکار دولت مدار کو کیا۔ دو مہینے تک اوس رپورٹ کا جواب نہ آیا اور اس عرصہ میں حسب الحکم سرکار فدوی درجہ عربی کو پڑھاتا رہا اور اوس کا بندوبست بوجہ احسن رکھا۔

بعد مدت دو مہینے کے معلوم ہوا کہ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ کو اس عہدہ کی تخفیف منظور نہیں۔ لہٰذا اوس عہدہ پر مولوی علی اکبر (۲) مقرر ہوئے۔ وہ یہاں آ کر اتفاقات سے گرفتار مرض رہے۔ آخر مجبور ہو کر برخصت پانچ مہینے کی دہلی کو علاج کے واسطے تشریف لے گئے اور اون کے درجہ کا پڑھانا اور انتظام سرکار دولت مدار نے پھر اس فدوی کو مفوض کیا۔ چنانچہ فیض تربیت حضور سے اس درجہ اول عربی اور اپنے درجہ اول فارسی کو چار مہینے تک نیک انتظامی سے پڑھایا گیا۔ حضور کی عنایت سے کسی طرح کا خلل اور فتور واقع نہ ہو۔ چنانچہ اس بات کو یہاں کے پرنسپل بہادر خوب جانتے ہیں۔ مجھے شکر گذاری حق تعالیٰ کی بہت واجب ہے کہ یہ دونو بڑے درجہ، جیسا کہ چاہیے، میرے ہاتھوں سے منتظم رہے اور کسی طرح کا اعتراض میرے اوپر بلکہ میرے مدرسہ دہلی اور آقائے نامدار یعنی حضور کی نسبت نہ پہنچا۔

اب قضائے الٰہی سے مولوی علی اکبر نے اوس مرض میں انتقال کیا (۳) اور وہ عہدہ خالی رہ گیا۔ ازاں جا کہ فدوی نے وقت تقرر کے سوائے فارسی کے عربی میں بھی امتحان دیا تھا اور باعتبار نمبر مدرسہ آگرہ کے بھی میں اس عہدہ کا مستحق ہوں اور یہی چھ مہینے اوس عہدہ کا کام بخوبی سرانجام دیا۔ باآں کہ یہ سب حقوق ثابت ہیں، لیکن بدون ذریعہ کے کوئی شخص اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا اور میر ذریعہ سوا ذات حضور کے اور کوئی نہیں کہ ابتداء حال سے آج تلک جو ترقی اور بہبود، کہ مجھے حاصل ہوئی، صرف عنایت اور پرورش حضور سے ہوئی۔ لہٰذا اس وقت میں کہ موقع بلکہ استحقاق میری ترقی کا ہے، حضور سے اعانت اور امداد چاہتا ہوں اور مجھے یقین واثق ہے کہ حضور اس بات پر کہ میں پروردہ اور آوردہ حضور ہی کا ہوں، نظر فرما کے اس مقدمہ میں سعی فرمائیں گے اور مجھے اس عہدہ پر مقرر کرائیں گے (۴)۔ منتظر جواب حضور کا ہوں کہ اطمینان ہو۔ فقط۔

جو واجب تھا سو عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال کا تاباں رہے۔

فدوی ابوالحسن از آگرہ کالج

۷ جولائی ۵۲ء"

تشریحات:

۱۔ جب اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا، اس وقت یہاں کا عہدۂ امینی خالی تھا۔ قبل ازیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اس عہدے پر حافظ احمد کبیر کام کر رہے تھے جو ۱۸۵۰ء کی ابتدا میں انتقال کر گئے۔ اشپرینگر کو اس عہدہ کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش تھی۔ اس سلسلہ میں مولوی مملوک العلی نانوتوی سے بھی رابطہ قائم کیا گیا، لیکن وہ اسے قبول نہ کر سکے۔ بالآخر اس عہدے کے لیے آگرہ کالج کے مدرس اول (عربی) محمد سدید الدین خاں کو منتخب کر لیا گیا اور وہ مدرسۂ عالیہ کے امین کی حیثیت سے کلکتہ چلے گئے۔ تفصیلات کے لیے رک: بذیل مکتوبات سدید الدین خاں۔

۲۔ مولوی علی اکبر سونی پتی دہلی کالج کے فارغ التحصیل اور اشپرینگر کے قریبی رفیق کار تھے۔ اشپرینگر شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات (جلد اول، کلکتہ، ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں اس کی ترتیب و تدوین میں علی اکبر کے تعاون اور اس کی صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف کرتا ہے۔ رک: بذیل مکتوبات علی اکبر۔

۳۔ علی اکبر کا انتقال ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو دہلی میں ہوا۔ اس وقت اُس کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی۔

۴۔ منشی ابوالحسن کے علاوہ اس عہدے کے دو اور بھی امیدوار تھے اور ان دونو کا تعلق بھی آگرہ کالج ہی سے تھا۔ ایک شعبہ فارسی میں مدرس تھے اور دوسرے شعبہ اردو میں۔ اول الذکر شعبہ کے استاد مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس عہدے یعنی مدرس اول (عربی) کے حصول کے لیے سب سے پہلے اشپرینگر کو خط لکھا۔ ان کے خط (بابت ۲ جولائی ۱۸۵۱ء) کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:

"تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی"
(رک: بذیل مکتوبات محمد احسن نانوتوی)۔ شعبۂ اردو کے جو استاد اس عہدے کے خواہش مند تھے، وہ مولوی کریم الدین پانی پتی تھے۔ انھوں نے بھی ۴ جولائی ۱۸۵۲ء کو اشپرینگر کو خط لکھا، جس کا ایک اقتباس یہ ہے:

"اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں فوت ہونے علی اکبر کے خالی ہوا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدے کے واسطے میں نے مدرسی نوکری اختیار کی تھی اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں۔"

(رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی)

آگرہ کالج کا یہ عہدہ یعنی مدرس اول (عربی) ان تین امیدواروں میں سے کس کو ملا، اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ عہدہ ان تینوں میں سے کسی کو نہیں ملا۔ شاید

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اس عہدے پر کوئی اور مدرس تعینات ہو گیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس عہدہ کو سرے سے ختم ہی کر دیا گیا ہو اور شعبۂ عربی کے طلبہ کو منشی ابوالحسن ہی پڑھاتے رہے ہوں۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مولوی خدا بخش

انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم کے علماء اور شعراء کے تذکروں، معروف دینی مدارس اور تعلیمی درس گاہوں کی تواریخ اور فن رجال کے ماہرین کی تحریروں میں مولوی خدا بخش کا کہیں نام تک نہیں ملتا اور اس کے حالات زندگی سے برملا لاعلمی کا اظہار کیا جاتا ہے (بحوالہ راشد کاندھلوی، مولانا مملوک العلی، محولہ بالا، ص ۵۲۶)۔ اس صورت حال میں وہ چند باتیں اہم ہیں جن کا اس نے خود ان دو خطوں میں ذکر کیا ہے مثلاً وہ دہلی کالج میں قاری جعفر علی جارچوی کی جماعت عربی کا طالب علم تھا۔ شیعی مسلک کا پیروکار تھا۔ جب قاری جعفری مناقشہ عروج پر تھا، تو اس کی ہمدردیاں اپنے استاد یعنی قاری موصوف کے ساتھ تھیں۔ نیز وہ دہلی کالج کے پرنسپل اشپرینگر کے چہیتے طالب علموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان دنوں یہ درس گاہ بھی گروہی سیاست کا شکار تھی اور اس کے سربراہوں نے اساتذہ اور طلبہ میں اپنے حمایت یافتگان کے حلقے بنا رکھے تھے۔ عربی کے بعد اس نے اسی کالج سے فارسی امتحانات میں بھی کامیابی حاصل کی۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ ''اسکول الارنس'' (متصل کوچہ سولی) میں فارسی پڑھانے لگا۔

ان دو مکتوبات کے بعد متذکرہ بالا رجسٹر (۱۸۴۷ء) بعنوان ''مجموعہ فہرست [illegible] فارسی'' میں جو کوائف درج ہیں، ان کے مطابق وہ اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں قاری جعفر علی [illegible] جماعت اول (عربی) میں زیر تعلیم تھا۔ اس وقت خدا بخش کی عمر پچیس سال تھی۔ [illegible] ۱۸۲۲ء قرار دی جا سکتی ہے۔ دہلی کالج میں مدت تحصیل سات [illegible] ۱۸۴۰ء [illegible] میں یہاں داخل ہوا۔ جنوری سے اکتوبر ۱۸۴۷ء کے عرصے میں اس کی غیر حاضریوں کی تعداد ۱۹ [illegible] پانچ دن رخصت پر رہا۔ عربی کی اس جماعت اول کے مضامین شرح [illegible]، معالم الاصول، تاریخ یمینی، دیوان حماسہ، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون شامل تھے اور ان میں اس [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حاصل کردہ نمبر بالترتیب ۵۰، ۴۶، ۵۰، ۴۰، ۳۲، ۵۰، ۵۰اور ۴۰ تھے۔

اس نادر مجموعۂ مکاتیب میں ایک مراسلہ نویس برکت علی نے اشپرینگر کے نام اپنے مکتوب (بلا تاریخ، اندازاً ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے بعد) میں خدابخش کا حوالہ دیا ہے:

''اس خاکسار نے ایک چھاپہ خانہ بہ شراکت چند آدمیوں کے دہلی میں قائم کیا ہے اور بالفعل اوس کا اہتمام حوالہ مولوی خدابخش کیا ہے۔''

(رک: مکاتیب برکت علی، سطور بالا، مکتوب نمبر ۸)

عمومی تعلیمی رپورٹ (بذیل ۳۰ اپریل ۱۸۵۰ء) کے مطابق خدابخش ایک یتیم خانہ میں بطور فارسی استاد پڑھا رہا تھا۔ رک:

General Report on Public Instruction in the North-Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1849-50. Agra 1851.

ایک تعلیمی رپورٹ سے مکتوب نگار سے متعلق یہ اطلاع ملتی ہے کہ اسے سینئر اسکالر کی حیثیت سے اٹھارہ روپے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ (یکم مارچ ۱۸۴۸ء)۔ بحوالہ عمومی رپورٹ برائے تعلیم عامہ...... بابت ۱۸۴۷ء-۱۸۴۸ء (مطبوعہ آگرہ، ۱۸۴۹ء)۔ اس کے بعد کسی اور رپورٹ میں خدابخش کا نام نہیں ملتا۔

خدابخش کے دو مکتوبات بنام اشپرینگر درج ذیل ہیں:

۱

''غریب پرور، عدل گستر، منصف دوراں ونوشیرواں زماں، دستگیر محتاجاں، سردفتر فضلاء کرام سرآمد علمائے عظام جناب اسپرنگر صاحب دام اقبالہ!

جناب عالی! جس روز سے حضور یہاں تشریف فرما ہوئے ہیں (۱)، ہم کو محمد باقر (۲) کے ہاتھ سے انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ اگر میں اون کا بیان کروں تو ایک کتاب بن جائے۔ شمۂ اون میں ایک یہ ہے کہ میرے مدرس مولوی سید جعفر علی صاحب (۳) کی بدنامی اپنے اخبار میں سترہ مہینہ سے چھاپتا ہے۔ خصوصاً برس روز سے تو نہایت تنگ کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اون کی بدنامی پرچہ میں چھاپی اور خود اس کاغذ کو لے کر مدرسہ میں آن موجود ہوا اور ہر ایک مدرس اور طالب علم کے روبرو اوس کو پڑھنا شروع کیا اور مضحکہ کیا (۴) کیونکہ وہ قایم مقام پرنسپل (۵) کے مصاحب ہیں اور عہدۂ پرنسپلی کو اپنا عہدہ جانتے ہیں اور اکثر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

زبان پر لاتا ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر تو نہیں ہیں، اب میں جو چاہوں سو کروا سکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اول تو یہ کیا کہ اپنے بیٹے (۶) کو مدرس صاحب موصوف کی جماعت سے بدلایا (۷) اور بعد اوس کے اور طالب علموں کا نکالنا چاہا، چنانچہ مشتاق علی (۸) طالب علم کو بھی بدلوایا۔ اور طالب علموں کو بہت ورغلایا مگر اس کے بہکانے میں کوئی نہ آیا۔ پھر اون کو دھمکا کر کہا کہ امتحان پر میں سب کو خارج کروا دوں گا۔

جناب عالی! حضور نے از راہ نوازش کے میرے مدرس کی جماعت کی بڑی ترقی کی تھی یعنی پندرہ طالب علم وظیفہ دار تھے اور ان طالب علموں نے ''شرح مأۃ عامل'' اور ''ہدایت النحو'' پڑھ کر ''شرح ملاّ'' میں ہر مہینہ میں مفتی صدر الدین صاحب کو امتحان دیتے رہے اور ہمیشہ مفتی نے ۴۸، ۴۵ بعضوں کو ۵۰ کا نمبر دیا اور کبھی کسی کی شکایت یا جرمانہ نہ کیا اور مسدودی وظیفہ کا حکم نہ دیا (۹)۔ اب اونہیں طالب علموں میں سے پرنسپل حال نے نو آدمی موقوف وظیفہ سے باغوائے محمد باقر کے کر دیئے، باوجودیکہ ایک کا غذ امتحان میں کسی کا نمبر ۴۸، کسی کا ۴۴، کسی کا ۴۵ ہے اور وہ طالب علم خارج ہوئے۔ غرض کہ ان جماعت کا جس کو حضور نے بنایا تھا، بالکلیہ برباد کر دیا۔ اب مدرس ہمارے نہایت تنگ ہیں اور حضور کے آنے کی دعا مانگتے ہیں تا کہ دشمن کے ہاتھ سے نجات پاویں۔

اور اس فدوی نے ہر چند قایم مقام پرنسپل صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میعاد میری ایک برس اور زیادہ ہو جاوے، جس طرح کہ شمس الدین (۱۰) طالب عم کی میعاد ایک برس زیادہ ہوگئی ہے اور اوس کو ''کتاب قاموس'' (۱۱) انعام بھی ہوئی تھی، قایم مقام صاحب نے میرے معروضہ کو قبول نہ کیا، نہ میعاد بڑھائی اور نہ کوئی کتاب ہی عنایت فرمائی۔ اب میں سرکار سے امیدوار انصاف نوشیروانی کا ہوں کہ سرکار قدر شناس ہیں۔

واجب جان کر عرض کیا۔ فقط

فدوی خدا بخش

طالب علم جماعت اول مولوی جعفر علی صاحب مدرس اول مذہب شیعہ

معروضہ ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ عیسوی

تشریحات:

۱۔ ہنری ایلیٹ کے ایماء پر اشپرینگر کو شاہان اودھ کے تین کتاب خانوں (موتی محل، توپخانہ اور فرح بخش) کے مخطوطات اور مطبوعات کی فہرست سازی کی ذمہ داری سونپی گئی اور وہ ایلیٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ کی حیثیت سے ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا۔ تقریباً دو سال کی قلیل مدت میں وہ اپنے اس فرض

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

منصبی کو نپٹا کر دہلی واپس آیا (یکم جنوری ۱۸۵۰ء)۔

۲۔ مولوی محمد باقر (قریب ۱۸۱۰ء-۱۸۵۷ء) والد محمد حسین آزادؔ۔ تفصیل کے لیے رک: راقم السطور کا مقالہ بعنوان ''آزادؔ اور ان کے والد'' (در: مطالعۂ آزاد، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۵۵-۸۷؛ ''مولوی محمد باقر'' از آغا محمد باقر (نبیرۂ آزادؔ) در: آزادؔ اور خانوادۂ آزادؔ مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۱-۲۰۱۔

۳۔ قاری جعفر علی جارچوی (۱۸۱۲ء-۱۸۹۶ء)، دہلی کالج کے ''شیعہ ٹیچر۔'' برائے تفصیل رک: آزاد اور ان کے والد'' (حوالۂ مذکور)۔

۴۔ ''پرچہ'' سے مراد مولوی محمد باقر کا اجراء کردہ ''دہلی اردو اخبار'' ہے۔ اس دور کے اردو اخبارات کے متعلق ایک قدیم رپورٹ (بلا تاریخ قبل ۱۸۵۰ء) میں اس اخبار کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''دہلی اردو اخبار ایک دریدہ دہن اخبار ہے، جو ذاتیات سے بھرا رہتا ہے۔ ذی اثر مقامی شرفا، جو اس اخبار کے اڈیٹر کے مذہبی خیالات سے اختلافات رکھتے ہیں، وہ ان کی پگڑیاں اچھالا کرتا ہے۔''

(صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) مرتبہ محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۳۵)

اسی اخبار (بابت ۱۸۴۸ء) پر رائے:

''دہلی کالج کے اول عربی مدرس جعفر علی جو شیعہ ہیں، ان کے متعلق ایک خط اس اخبار میں شائع ہوا ہے، جس میں جعفر علی کو نا اہل اور اس عہدے کے لیے نامناسب گردانا گیا ہے۔'' (ایضاً)

یہی اخبار (بابت ۱۸۵۲ء) پر تبصرہ:

''اڈیٹر اپنی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے دہلی کالج کے ایک استاد مولوی جعفر علی پر انتہائی دریدہ دنی سے ہتک آمیز حملے کرتا رہتا ہے۔ مذہبی مباحث میں بھی وہ اکثر الجھ جاتا ہے۔''

(ایضاً ص ۱۰۰)

اور اسی اخبار (بابت ۱۸۵۳ء) پر رائے:

''یہ ایک گندہ اخبار ہے جو ذاتیات سے بھرا رہتا ہے۔ مقامی باعزت شرفاء جو اڈیٹر کے مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتے ہیں یا جن سے کسی اور وجہ سے وہ ناراض ہے، ان پر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اپنے اخبار کے صفحات میں وہ براہ راست یا بالواسطہ حملے کیا کرتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۰۱)
نیز اس اخبار پر قاسم علی سجن لال کا انگریزی مقالہ، در: اسلامک کلچر، جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۴۴: قران السعدین (دہلی)، بابت ۱۵ مارچ ۱۸۴۷ء۔

۵۔ فریڈرک ٹیلر (م۔ ۱۸۵۷ء)، جو پہلے دہلی کالج میں مدرس اول اور "ہیڈ ماسٹر" کے عہدوں پر فائز تھا اور اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد اسے قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔

۶۔ مراد محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء)

۷۔ یعنی محمد حسین آزاد، جنہیں "شیعہ ٹیچر" قاری جعفر علی جارچوی کی جماعت سے بدلوا کر مولوی سید محمد، استاد سنی طلبہ کی جماعت میں بٹھا دیا گیا۔ اس باقری و جعفری مناقشہ کی تفصیل کے لیے راقم سطور کا متذکرہ صدر مقالہ "آزاد اور ان کے والد"۔ نیز رک: دہلی اردو اخبار، جلد ۱۴ شمارہ ۴۳، بابت ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۲ء۔

۸۔ بحوالہ حاضری رجسٹر متعلقہ دہلی کالج (۱۸۴۷ء) مولوی جعفر علی کی "جماعت اول عربی اہل تشیع" کے فریق سوم کا طالب علم تھا۔ درج کردہ کوائف کے مطابق اس وقت مشتاق علی کی عمر چودہ سال تھی اور یوں اس کا سال ولادت ۱۸۳۳ء قرار پاتا ہے۔ دہلی کالج میں اس کی "مدت تحصیل" دو سال دس ماہ بتائی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۴ء کے اواخر میں دہلی کالج میں داخل ہوا۔ ان دنوں اس فریق سوم میں ہدایت النحو، منتخبات عربی، جبر و مقابلہ، تحریر اقلیدس اور جغرافیہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے اور ان میں اس نے بالترتیب ۴۰، ۴۰، ۴۹، ۴۴، ۴۴ اور ۵۰ نمبر حاصل کیے تھے۔

۹۔ عمومی تعلیمی رپورٹ (بابت ۱۸۴۸ء-۱۸۴۹ء) میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کا بطور ممتحن ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

The written replies were looked over by Moofti Sudduruddin, who likewise examined the Junior Classes in their Arabic studies. The papers of the Arabic Classes were also examined by Dr. Sprenger, who considered the numbers assigned by the Moofti high and relatively correct. The Persian Classes were also examined by the Moofti, who considered their performances to be

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

exceedingly creditable......

Sixty-two out-door candidates for Scholarships in the Persian and Arabic Classes were examined on the 2nd and 4th December 1848 by Moofti..., and six of them were found qualified....

Monthly examinations of the Arabic and Persian Classes had been held by Moofti Mohammad Sudduruddin Khan, who had usually devoted two days in every month to this purpose. His self-imposed duty had been conducted with much care and intelligence, and had been productive of the best results."

۱۰۔ بحوالہ حاضری رجسٹر (مذکورہ بالا) جماعت عربی جعفر علی کا طالب علم۔ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر پندرہ سال بتائی گئی ہے۔ یوں اس کا سال ولادت ۱۸۳۲ء برآمد ہوتا ہے۔ گیارہ ماہ سے وہ دہلی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ مضامین میں منشعب اور حساب شامل تھے۔

اسی نام کا ایک اور طالب علم مولوی مملوک العلی مدرس اول کی جماعت اول عربی میں زیر تعلیم تھا۔ عمر پچیس برس (یعنی سالِ پیدائش ۱۸۲۲ء)۔ مدت تحصیل ساڑھے چھے برس۔ ۱۸۴۸ء کی عمومی تعلیمی رپورٹ کے مطابق وہ لفٹنٹ میکلاگن (روڑکی) کے منشی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

۱۱۔ القاموس المحیط (عربی لغت) تالیف فیروز آبادی (م۔ ۸۱۶ھ)، ۲ جلد، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۱۷ء (رک: فہرست اشپرینگر، ۱۸۵۷ء، ص ۴۱، شمارہ ۹۵۰-۹۵۱)۔ طبع نو، بیروت ۱۹۹۸ء۔

۲

''غریب پرور سلامت

جناب عالی! فدوی نے مدت مدید مدرسہ دہلی میں تحصیل علوم کی اور فارسی میں کتب درسیہ ابوالفضل اور ''سکندر نامہ'' اور ظہوری اور ''پنج رقعہ'' وغیرہ تک پڑھیں اور عربی میں کتب تحصیلہ ''دیوان متنبّی'' اور ''مقامات حریری'' اور ''تاریخ تیموری'' اور ''تاریخ یمینی'' اور ''دیوان حماسہ'' وغیرہ تک تحصیل کی (۱) اور کتب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فنون ریاضیہ جو کہ ۱۸۴۹ء تک انگریزی سے ترجمہ ہوئیں، سب پڑھیں (۲) اور بسبب حسن سعی اپنی کے ہمیشہ عربی اور فارسی میں عہدہ سکالری اعلیٰ پر ممتاز رہا اور اپنے ہمسروں میں وقت امتحان کے ہمیشہ اچھا رہتا تھا، چنانچہ حضور نے خود اکثر میرا امتحان لیا ہے، زبانی بھی اور لکھوا کر بھی۔ ہر امتحان میں اپنے حسن کوشش اور پرورش حضور سے اچھا بر آیا اور اسی سبب سے حضور خود خوب واقف ہیں میری استعداد سے اور چونکہ بالفعل حضور کے مدرسہ میں عہدہ مولوی احمد علی صاحب مدرس سویم فارسی کا خالی ہے اور میعاد اون کی رخصت کی منقضی ہو چکی ہے، اس واسطے امیدوار ہوں کہ فدوی کو از راہ پرورش خاوندانہ کے عہدہ مذکور پر ممتاز فرماویں (۳)۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

آفتاب دولت تاباں باد

فدوی خدا بخش

مدرس فارسی، اسکول لارنس صاحب

کہ متصل کوچہ سوئی واقع است

معروضہ ۱۹ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ یہ تمام عربی اور فارسی کتب دہلی کالج کے شعبۂ علوم مشرقیہ کے نصاب میں شامل تھیں۔ ان میں سے بیشتر کے متون اس کالج کے اساتذہ نے تیار کیے تھے اور یہ کالج ہی میں قائم کردہ مطبع العلوم سے شائع ہوئے تھے مثلاً ''تاریخ یمینی'' وغیرہ۔

۲۔ انگریزی سے یہ اردو تراجم ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ یہ سوسائٹی دہلی کالج کے پہلے پرنسپل فیلکس بوترو (Félix Boutros) نے اپنی تقرری (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء) کے فوراً بعد قائم کر دی تھی اور اس کا بنیادی مقصد مغرب کے ''علوم مفیدہ'' کو اردو میں منتقل کرنا تھا۔ طلبائے دہلی کالج سے متعلقہ رجسٹر بابت ۱۸۴۷ء (حوالہ مذکور) کے مطابق ان دنوں عربی اور فارسی طلبہ کو جزئیات وکلیات، علم ہیئت، علم مثلث، جبر و مقابلہ، علم طبیعی اور تحریر اقلیدس پڑھائے جاتے تھے۔ ان کتب کا ترجمہ دہلی کالج کے اساتذہ کی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے بالخصوص اس عمل میں ماسٹر رام چندر نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ رک: ماسٹر رام چندر از صدیق الرحمن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء۔

۳۔ اس عہدہ کے دہلی کالج کے فارغ التحصیل کچھ اور طلبہ بھی امیدوار تھے، جن کی تفصیلات ان کے مکاتیب کے ذیل میں درج ہو چکی ہیں۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دیگر مکتوب نگار

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

محمد حسین [آزاد]

محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء–۱۹۱۰ء) کے مفصل حالاتِ زندگی، تصنیفات اور دیگر متعلقہ موضوعات کے لیے راقم کی درج ذیل کتابوں سے رجوع فرمائیے:

الف) محمد حسین آزاد (نئے دریافت شدہ مآخذ کی روشنی میں)۔ تعارف، ترتیب و عکسی طباعت۔ لاہور: سنگِ میل، ۲۰۰۰ء

ب) محمد حسین آزاد اور خانوادۂ آزاد۔ لاہور: کواپرا، ۲۰۱۰ء

ج) مطالعۂ آزاد (مجموعۂ مقالات)۔ لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء

د) محمد حسین آزاد (شاگردوں، ملاقاتیوں اور معاصرین کی نظر میں)۔ لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۱ء

ہ) محمد حسین آزاد اور تنقید و تحقیق کا دبستانِ لاہور۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء

و) Muhammad Husain Azad--a reputed littérateur. Life, Works and Influence. Lahore: Co-opera, 2011

یہ تمام کتابیں آزاد کی صد سالہ برسی (۲۰۱۰ء) کے موقع پر شائع ہوئیں۔

ابھی تک محمد حسین آزاد کی قبل ۱۸۵۷ء کی تحریریں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ ایک علمی ادبی خاندان کے فرد ہونے کے ناطے ان کا قلم بچپن ہی سے چل پڑا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں وہ اساتذہ کے انتخاب کردہ موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے اور اکثر ان کی مضمون نویسی کی پذیرائی انعامات کی صورت میں کی جاتی تھی۔ یہ تمام مضامین دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئے، البتہ معاصر تعلیمی رپورٹوں میں ان کے حوالے مل جاتے ہیں۔ اس دوران میں وہ اپنے والد مولوی محمد باقر کے "دہلی اردو اخبار" میں بھی وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہوں گے، لیکن اس دور کا یہ اخبار کہیں دستیاب نہیں، اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دہلی کالج سے اپنی تعلیم

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مکمل کرنے کے بعد وہ اس اخبار سے منسلک ہو گئے اور بطور ناشر بھی ان کا نام مطبع دہلی اردو اخبار کی شائع کردہ کتابوں پر چھپنے لگا تھا، لیکن اس دور کے اخبار کی نایابی اور مطبوعات کی کمیابی کے باعث آزاد کی تحریری سرگرمیوں کا کچھ زیادہ علم نہیں ہوتا۔ اس صورت حال میں آزاد کا یہ پہلا رسیدی خط ہے، جو قبل ۱۸۵۷ء کا تحریر کردہ ہے اور یہ ان کے زمانۂ طالب علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

''ہوالعلی الاعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

میں جو محمد حسین (۱) طالب علم جماعت دوئم عربی ہوں۔

دو جلدیں کتاب ''حبیب السیر'' (۲) کی عوض میں مبلغ تیس روپیہ مشاہرہ مسٹر ڈاکٹر اسپرنگر کے ہاتھ میں میرے ہاتھوں بکیں اور مبلغ مذکور میں نے پائے۔ لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق قبض الوصول کے لکھے گئے کہ عند الحاجت بکار آوے۔ فقط

تحریر فی التاریخ ۲۳ مارچ ۱۸۵۰ء

العبد

محمد حسین عفی عنہ''

نوٹ: اس خط کے اوپر دائیں کونے میں اشپرینگر کے ہاتھ کا انگریزی نوٹ، جس میں مرقوم ہے کہ ''حبیب السیر'' کا قلمی نسخہ تیس روپے میں خریدا گیا۔

تشریحات:

۱۔ محمد حسین آزاد فروری ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کی ''جماعت عربی اہل تشیع مفوضہ مولوی جعفر علی میں داخل ہوئے۔ محولہ بالا رجسٹر برائے طلبائے دہلی کالج (بابت ۱۸۴۷ء) میں وہ اس جماعت کے فریق دوم میں زیرِ تعلیم تھے اور اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔ یوں ان کا سال ولادت ۱۸۳۳ء قرار پاتا ہے اور اس کالج میں ان کی مدت تحصیل ۲ سال ۱۰ ماہ بتائی گئی ہے۔ اسی سال ان کے والد مولوی محمد باقر اور استاد قاری جعفر علی جارچوی کے مابین تنازعہ شدت اختیار کر گیا اور اس کے نتیجے میں آزاد کے والد نے انھیں شیعی طلباء کی جماعت سے اٹھوا کر مولوی سید محمد کی سُنّی طلباء کی جماعت میں لا بٹھایا۔ جونہی اشپرینگر کا لکھنؤ تبادلہ ہوا (۶ دسمبر ۱۸۴۷ء)، اس کی جگہ ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا، تو

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ باقری جعفری مناقشہ مزید زور پکڑ گیا اور کالج کے تعلیمی ماحول اور انتظام و انصرام پر بھی اس کے اثرات پڑنے لگے، کیونکہ ٹیلر اور مولوی محمد باقر کے انتہائی قریبی مراسم تھے (رک: مولوی خدا بخش کا مراسلۂ اول، متذکرہ بالا)۔ اس دور کے "دہلی اردو اخبار" کے شمارے اس تنازعہ کی تلخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ظاہر ہے، آزاد بھی اس نزاع کی تلخیوں سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے بلکہ ممکن ہے، کچھ دیر کے لیے ان کا تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہو اور انھیں اپنی تعلیم مکمل کرنے میں ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرنا پڑا ہو۔

جب تک ٹیلر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل رہا (اوائل جنوری ۱۸۵۰ء)، مولوی محمد باقر یہاں کے تدریسی معاملات میں دخیل رہا، لیکن جونہی اشپرینگر نے لکھنؤ سے واپسی کے بعد پھر سے اس کالج کے سربراہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں (۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء)، مولوی موصوف کا اثر و رسوخ ماند پڑ گیا، لیکن چند ماہ بعد اشپرینگر خرابی صحت کے باعث شملہ چلا گیا (۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء) اور اس کے اگلے ماہ اس کو مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا (مئی ۱۸۵۰ء)۔ اس کے بعد فی الفور ہیڈ ماسٹر یعنی ٹیلر کو ایک بار پھر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا اور اضافی ذمہ داریوں کے پیش نظر اس کی تنخواہ میں ایک سو روپیہ اضافہ بھی ہو گیا۔ چند ماہ بعد جے کارگل (J. Cargill) کو مستقل پرنسپل تعینات کر دیا گیا۔ (یکم جولائی ۱۸۵۰ء)

آزاد کی یہ تحریر اشپرینگر کے دوبارہ عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد لکھی گئی۔ ان دنوں وہ جماعت عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا اور نایاب قلمی نسخوں کے حصول میں اس کی معاونت بھی کرتا تھا۔ ممکن ہے، ان دنوں باقری جعفری تنازعہ کی شدت قدرے کم ہو گئی ہو اور مولوی محمد باقر کے اشپرینگر سے تعلقات میں بہتری پیدا ہو گئی ہو۔ برلین (مغربی) میں محفوظ اشپرینگر کے نجی کاغذات میں ایک کتاب کی خریداری سے مولوی محمد باقر کی تحریر کردہ ایسی ہی ایک رسید محفوظ ہے۔ قرین قیاس ہے کہ اشپرینگر کے دیگر مکتوب الیہوں کی مانند یہ دونو باپ بیٹا بھی نادر و نایاب کتب کے حصول کرنے میں اس کی مدد کرتے ہوں۔

آزاد دہلی کالج سے ۱۸۵۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی (تقریباً سات برس) میں مضمون نویسی میں خاصا نام کمایا تھا، چنانچہ اس دور کی سالانہ عمومی تعلیمی رپورٹوں میں آزاد کا جابجا ذکر ملتا ہے، یہاں بخوف طوالت چند متعلقہ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

"Of the Essays written by the Oriental Classes Mohammed

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Husain's was considered the best. Much of the importance displayed by him was derived from other works than those studied by the Class to which he belonged. This was accounted for by his connection with the "Dehlie Oordoo Ukhbar", owing to which he had been in the habit of reading the native newspapers, and had thus put himself in possession of much useful knowledge. The fact is valuable as a proof of the benefit conferred by some of the Oordoo newspapers in diffusing correct and valuable information among the native community."

(cf. *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1847-48*. Agra 1849)

گبنز (J. Gubbins) نے سالانہ مضمون نویسی کا موضوع ''اسلامی اور برطانوی ادوار میں تصور آزادی کا فرق'' تجویز کیا۔ تحریر کردہ اردو مضامین میں آزاد کے مضمون کو سب سے بہتر قرار دیا گیا۔

(رک: ایضاً)

آئندہ برس (۱۸۵۰ء) کی رپورٹ کے مطابق آزاد کو مضمون نویسی کے مقابلہ میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے ہاتھوں تمغا حاصل ہوا:

"The Medal offered by Moftee Suduruddin, for the best Urdoo Essay on the following subject, "Truth being always one, what are the causes which prevent men from going all in the right way, and why are the opinions of men so various?" was awarded to Mohammed Husain, a pupil of the 2nd Arabic class, the Mooftee himself having examined the Essays of the competitors."

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

(Ibid....., for 1848-49. Agra 1850)

اس آخری اقتباس کی طرح آزاد کی زیرنظر تحریر میں بھی ''طالب علم جماعت دویم عربی'' ہی مرقوم ہے۔

ازخوند میر۔ اس کا ایک قلمی نسخہ (مشتملبر ۳ جلد) اور جلد دوم کی نقل الگ سے اشپرینگر کی ذاتی ملکیت تھی۔ (رک: فہرست، ۱۸۵۷ء، ص۵ نمبر۴ ۷-۷۷)۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''غریب پرور سلامت

موافق حکم حضور کے ''احیاء العلوم'' (۱) کو کئی مقام سے دیکھا تو مقامات مذکورہ کو صحیح پایا۔ چونکہ کتاب مبسوط ہے، اگر کہیں کہیں سے غلط ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور خط کتاب مذکور کے کئی ہیں، لیکن سب اچھے ہیں۔ نسخۂ مذکورہ نایاب ہے۔ اس شہر میں دستیاب ہونا ایسے نسخہ کا دشوار ہے۔''

عرضے

سید جعفر علی'' (۲)

تشریحات:

۱۔ الغزالی (م۔ ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) کی اس کتاب کے پانچ متفرق حصے (قلمی) اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ تھے (رک: فہرست، ۱۸۵۷ء، ص ۴۸، نمبر ۴۹-۷۵۳-۷)۔

۲۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قاری جعفر علی جارچوی ہیں، جو دہلی کالج کی جماعت عربی (اہل تشیع) کے مدرس اول تھے۔ خدا بخش کے متذکرہ صدر مکتوب سے تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب باقری جعفری تنازعہ زوروں پر تھا، تو بطور پرنسپل اشپرینگر کی ہمدردیاں قاری صاحب کے ساتھ تھیں۔ برلین (مغربی) میں محفوظ ذخیرۂ اشپرینگر میں اس مختصر عریضہ کے علاوہ قاری جعفر علی کی کوئی اور تحریر موجود نہیں۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''غریب پرور سلامت

بعد ملاحظہ عرضی فدوی کے حضور سے ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب کے پاس حاضر ہو۔ کمترین حسب الارشاد بجا لایا، لیکن مولوی صاحب نے کچھ کارفرمائی مجھ سے نہیں کیا(۱)۔ وظاہر ہے کہ کاتب کی ضرورت سرکار میں رہتی ہے۔ رہبری طالع سے فدوی بصد کوشش وتلاش حضور میں بار بار عرض فدوی کی یہ ہے کہ بہرکیف دامن دولت سے لگا رہوں اور جو کوئی نسخہ مختصر یا مطول لکھنے کی ہدایت ہو، بقدر استعداد اوس کی صحت عبارت وصفائے خط میں اہتمام بلیغ کروں۔ آئندہ جو مرضی مبارک ہو۔ نظر دوربین حضور کی محک امتحان جوہر قابلیت ولیاقت ہے۔ زیادہ کی حاجت نہیں۔ اللھم اوصله الی رقصی المقاصد والمرام و خلد ظلالہ علیٰ مفارق الانام الیٰ یوم القیام۔

غریب الوطن مَیکوٰعل محرر''(۲)

تشریحات:

۱۔ یہ مولوی کون تھے، جن سے اشپرینگر نے مراسلہ نگار کو ملنے کو کہا؟ یہ مکتوب بلا تاریخ ہے، اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ان مولوی صاحب کا تعلق دہلی کالج سے تھا، تو یہ مملوک العلی نانوتوی ہو سکتے ہیں، جو اشپرینگر کے لیے نایاب خطی نسخوں کی نقول تیار کراتے تھے اور اگر یہ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے اساتذہ میں شامل تھے، تو وہ مولوی سدید الدین خاں ہو سکتے ہیں، جو اشپرینگر کے لیے یہ فریضہ (یعنی کتابت وغیرہ) بطریق احسن انجام دیا کرتے تھے۔

۲۔ ان دنوں یہ ''غریب الوطن'' کاتب کسی ایسے شہر میں مقیم تھا، جو دہلی اور کلکتہ کے درمیان تھا۔ یوں اشپرینگر قیام ہندوستان کے دوران میں زیادہ تر انھی دو شہروں میں رہائش پذیر رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

’’بعد عرض بندگان عالی متعالی خداوند نعمت فا (کذا) فرمان عادل دوران دام اقبالہ وحشمتہ (۱)
عرصہ کئی مہینے کا ہوا کہ خیریت مزاج بندگان عالی سے سرفراز نہیں ہوا اور نہ کوئی پروانہ حضور کا متضمن صحت مزاج صادر ہوا۔ اس سبب سے طبیعت فدوی کی نہایت متردد ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو بہر حال خوش وخورم رکھ کر مراتب اعلیٰ پہونچاوے کہ سب طرح ترقی ہم خیر خواہی کی متصور ہے۔
اور حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ بوقت خالی ہونے کسی جگہ کے کسی ضلع میں پرورش تمہاری میں تحریک کی جائے گی، فدوی اب تک منتظر ہے۔ یقین ہے کہ حضور فدوی کی فکر سے غافل نہ ہوں گے۔ صرف واسطے یادداشت کے عرض کیا۔ آرزوئے دلی یہ ہے کہ بلاتعین روزگار حضور کی ملازمت ورفاقت میں رہے۔ اس سبب سے کہ ایسے حاکم قدردان خوبی قسمت سے ملتے ہیں۔ امیدوار خاوندی سے یہ ہے کہ ہمیشہ خیریت مزاج حضور سے سرفراز ہوں۔ آفتاب دولت واقبال کا روشن رہے۔ فقط۔

خادم شرع سید محمد ضامن علی خاں خاص پرگنہ ہنگام
ضلع فتح پور۔ معروضہ ۱۵ مارچ ۱۸۴۹ء‘‘ (۲)

مہر

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کو یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب وہ لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف تھا۔ اس نے مراسلہ نگار کو کہیں ملازمت دلانے کا وعدہ ضرور کیا تھا، لیکن ان دنوں وہ ایک اہم منصوبہ معینہ مدت میں ختم کرنے میں کوشاں تھا، اس لیے کسی درسگاہ میں کسی کو ملازم رکھوانے کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

۲۔ متذکرۂ صدر رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) میں مکتوب نویس کے نام کے کسی طالب علم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے وہ اس سے قبل دہلی کالج سے اپنی تعلیم مکمل کر کے ضلع فتح پور ہی میں کہیں ملازم ہو گیا ہو۔ اس خط کے آخر میں جو مہر ثبت ہے، اس میں مکتوب نگار کے نام کے ساتھ ’’حسینی الواسطی‘‘ بھی مرقوم ہے۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''حضور فیض معمور ین ملاز مان والاشان جناب پرنسپل صاحب دام اقبالکم کے عرض کرتا ہے کہ یہ فدوی الٰہی بخش محنت شاقہ و تکلیف سخت سے مدرس چہارم کے درس میں ایک سال تک تحصیل علوم کر کے سالانہ امتحان دیا اور ممتحن نے ''الف لیلہ'' میں محمد بشیر اللہ اور فدوی کو انعام لکھا۔ چونکہ محمد بشیر اللہ (۱) کو جا گیر مشاہرہ کی ہوئی، اس سبب انعام اس کا حسب ضابطہ ساقط ہوا۔ بعد اس کے فدوی مستحق ہے۔ اب تحقیقات سے معلوم ہوا کہ فدوی کا نام انگریزی رپورٹ میں نہیں ہے۔ عدالت پناہ! جس حالت میں کہ ممتحن کی رپورٹ میں فدوی کو انعام لکھا گیا اور ممتحن اب تک بھی اقرار کرتے ہیں اور مدرس کہ جن کے دستخط اسی رپورٹ میں ہوا ہے، موجود ہیں۔ پس ہم کو بلا وجہ ساقط کرنے کی کیا وجہ ہے، اس لئے حضور میں فریاد کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ ممتحن کی فارسی رپورٹ کو ملاحظہ فرمایا جائے تا کہ فدوی اپنے حق کو پہنچے۔ زیادہ آفتاب دولت تاباں و درخشاں رہے۔

عرضی فدوی

الٰہی بخش طلبہ متعلق مدرس دوم'' (۲)

تشریحات:

۱۔ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا طالب علم۔

۲۔ یہ بلا تاریخ مکتوب اشپر ینگر کو اس وقت لکھا گیا، جب وہ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل تھا، یعنی ۱۸۵۱ء یا اس کے بعد۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''صاحب والا مناقب مصدر فیوض نا متناہی سلامت!

بعد گذارش مراسم اشتیاق حصول ملاقات کے التماس یہ ہے کہ میں ارادہ تشریف لانے حضور کا واسطے معالجہ اس اخلاص کیش کے سن کر کمال مرہون وممنون ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو اس خوش خلقی اور اخلاص شعاری کے ساتھ زیادہ تر مراتب علیا پر فائز کرے۔

اور حال میرا یہ ہے کہ دوروز سے پھر بخار رفع ہوگیا ہے اور اب میں بخوبی آرام سے ہوں۔ سو اس جہت سے بالفعل آپ کو تکلیف دینا خلاف آدمیت اور ادب کے سمجھ کر ڈاک بٹھانے سے متوقف ہوا اور بلکہ میرا خود ارادہ ہے کہ اگر کچھ طاقت حاصل ہو جا[ئے] تو میں خود بعد چند روز کے دہلی میں آ کر اور حضور سے ملاقات کر کے مورد نوازش وکرم کا ہوں(۱)۔

اور جو کچھ کار کہ لایق اس دیار کے ہو، بلا توقف اوس سے مجھ کو مطلع فرماؤ۔ زیادہ چہ۔ فقط

بہادر جنگ خان

مورخہ ۱۵ شوال ۶۲ [۱۲] ھ

[مطابق ۱۸۴۵ء]''

تشریح:

۱۔ مکتوب نویس دہلی کے علاوہ کسی اور شہر میں مقیم تھا۔ اشپرینگر کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت بالکل مختلف تھی یعنی وہ اس کا معالج تھا۔ اشپرینگر بنیادی طور پر شعبۂ طب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے مقالۂ خصوصی کا موضوع عربوں کا علم طب تھا اور وہ ایک ڈاکٹر ہی کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ یہاں اس کی زیادہ تر مصروفیات کا تعلق علم وادب اور تعلیم وتدریس سے رہا، لیکن جب کبھی ضرورت پڑتی، وہ مریضوں کے دوا دارو یا اپریشن کا انتظام کر دیا کرتا تھا۔ قیام لکھنؤ کے دوران میں اس نے شاہی خاندان کے کئی افراد کا علاج کیا۔ اس کے اجراء کردہ اخبار ''قران السعدین'' کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''اس ہفتہ میں بھی اسپتال دہلی سرکاری میں ایک عمل جراحی باوسیلہ ایتھر کے روبرو ڈاکٹر اسپرنجر صاحب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

پرنسپل مدرسہ اور گبنس صاحب جج دہلی اور ڈاکٹر روس صاحب کے بہ کامیابی ہوا......راقم اخبار کو بھی اتفاق دیکھنے اس عمل کا ہوا۔ جو آنکھوں سے دیکھا لکھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر روس صاحب نے مریض کو ایک پھکنہ میں ایتھر ڈال کے دیا اور اوس کو کہا کہ تو اس میں کی ہوا پی۔ اور تھوڑی دیر کے اثر ہوا سے مریض پر آثار بے ہوشی کے نمودار ہوئے اور جب بالکل بے ہوشی چھا گئی تو ڈاکٹر سپر نجر صاحب نے اس کے ہاتھ میں کانٹا آہنی چبھویا، لیکن اوس نے نہ حرکت کی اور نہ آہ بھری۔"

(بابت ۱۳ دسمبر ۱۸۴۷ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

''بجناب فیض مآب فلک انتساب خدام بارگاہ نواب صاحب والا مناقب عالیجاہ مرجع علم و کمال مرکز دائرۂ ہنر و افضال دامت حشمتہم!

عرضہ ہے ظاہراً دریافت ہوا کہ عہدۂ مدرسی عربی کالج آگرہ کا خالی ہے(۱)۔ لہٰذا یہ کمترین ملتمس ہے کہ جو اس خاکسار کو علوم عربیہ اور فارسی میں مہارت حاصل اور تدریس جملہ علوم مدونہ و مروجہ کے اپنے مدرسہ واقعہ قلعہ بریلی میں کرتا ہوں، چنانچہ حال لیاقت علمی اور ریاست میرے سے مستر تریگر صاحب (۲) بہادر افسر کالج بریلی اور مسٹر فلمنٹ ولیمس صاحب (۳) بہادر کلکٹر ضلع بریلی کو بخوبی واقفیت ہے اور ذات منکا (کذا) بحضور مرجع فیض اور قدر افزائی اہل علم ہے، اس واسطے امیدوار ہوں کہ اگر توجہات عالیہ او پر حال اس خاکسار کے بہ تقرری عہدہ مذکورہ ...... انواع مقا مبذول ہووے۔ کمال ذرہ نوازی ہے فقط۔ امام اقبال روز افزوں ہو۔

کمترین مولوی محمد یعقوب علی خان
مدرس مدرسہ واقعہ قلعہ بریلی
معروضہ ۲۵ جولائی ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کے منشی مولوی علی اکبر سونی پتی کی وفات پر یہ عہدہ خالی ہوا۔

۲۔ Tregear، رک: سطور بالا

۳۔ F.W. Williams

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

''عالی متعالی صاحب عالیشان فیما فرمان (کذا) دام اقبالہ

کے بعد عرض کرتا ہے کہ شکر انعامات خداوندی حضور والا انداز حوصلہ تقریر اور تحریر سے افزوں ہے کہ ساتھ ایسی شان عالی اور مرتبہ برتر کے براہ ذرہ نوازی اور متوسل پروری کے سرفراز نامہ عنایت فرمایا، مُو بہ مُو مشکور اور ممنون ہوا۔ بعد ارسال یک جلد نسخہ ''مغازی''، (۱) ''ابن ہشام''، (۲) ''اصابہ'' (۳) چار جلد حضور میں بھیجا ہے۔ بسبب ایام بارش کے تردد ہے۔ خدا کرے بخیریت پہنچ جائے۔ بعد پہنچنے کے اور کتابیں مطلوب حضور بحضور ملازمان والا روانہ کرے گا۔ جوں پہونچے غریب خانہ کے بعد ایام صوم آ گیا، لہٰذا طیاری فہرست میں توقف ہوا۔ اب کہ فہرست کتابوں کی جو دولت خواہ کی مکسوبہ ہیں، حضور میں روانہ کرتا ہے۔ اور فہرست کتب موروثی کی اور کتابیں جو مولوی سخاوت علی (۴) کے کتب خانہ میں ہیں، معہ فہرست اون کتابوں کے جو غازی پور میں کہ زاید تین ہزار سے ہوگی، طیار کر کے بعد ازیں روانہ کرے گا اور باوجود تاکید اور کمال مبالغہ کے اب تک ''تاریخ طبری'' (۵) میرے ہاتھ نہیں آئی کہ اوس کا حال حضور میں عرض کرے اور حضور سے ارقام ہوا کہ فدوی کے بیٹے اور دوسرے اقربا سب بہت اچھے ہیں، سوائے احمد حسین کے مگر بمقابلہ دوسرے امیدواران کے یقین ہے، اون کا امتحان بالا ہوگا، خصوص زبانی تقریر میں مقام امتحان نہایت مشکل ہے اور حضور بملاحظہ پڑھنے ''ہدایہ'' کے اس کو پسند کیا تھا اور وعدہ عطائے ڈپلومہ کا اوس کو ں ہوا تھا۔ اور فدوی بہ قسم اوس کی لیاقت اور ہوشیاری پر حضور میں گواہی دیتا ہے۔ وہ کسی طرح سے بے لیاقت نہیں اور سب سے زیادہ وہ عزیز فدوی کا ہے۔ اوس کی پرورش ضرور ہے۔ زیادہ اس سے کیا عرض کرے۔

عرضی فدویان محمد شکور و محمد ظہور (۶)

معروضہ ۲۴ جون ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ الواقدی (۱۳۰ھ – ۲۰۷ھ/ ۷۴۷ء – ۸۲۳ء) سے منسوب معتقد غزوات۔ ان انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۱۱، لائیڈن ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۱ – ۱۰۲ (مقالہ از S. Leder)۔

۲۔ اشپرینگر نے ذاتی کتاب خانہ میں موجود ''سیرت ابن ہشام'' کے درج ذیل قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے:
الف۔سیرت ابن اسحٰق (م۔۱۵۱ھ) مع توضیحات ابن ہشام (م۔۲۱۳ھ) کا حصہ اول۔اس مخطوطہ کے متعلق وہ خود لکھتا ہے:

"This is the most carefully written Arabic Ms. I have ever seen."

اس کتاب کا ایک اور قدیم اور مستند خطی نسخہ

ب۔اسی ''سیرت'' کا حصۂ ثانی (مکتوبہ ۹۳۵ھ)۔اسی حصے کا ایک اور نسخہ (مکتوبہ ۵۴۸ھ)۔انتہائی صاف اور عمدہ۔

ج۔ابن ہشام کا حصۂ دوم، مع تفسیر سُہیلی کے اقتباسات (مکتوبہ ۸۳۶ھ)۔ناقص الاول

د۔تلخیص سیرت النبیؐ (سنہ تالیف ۷۰۷ھ)۔دو نسخے

(رک: فہرست مطبوعہ ۱۸۵۷ء، محولہ بالا، ص ۷)

اس ''سیرتﷺ'' اور ابن اسحٰق پر اشپرینگر کے انگریزی اور جرمن زبانوں میں تحریر کردہ یہ تین مقالات:

i) On the earliest Biography of Muhammad (*JASB*, 20 (1851), pp. 395-397)

ii) Muhammad's journey to Syria, and Prof. Fleischer's opinion thereon (with texts and translations from al-Tirmidhi and Ibn Ishaq.

(Ibid., 21(1852), pp. 556-592)

iii) Ibn Ishaq ist kein redlicher geschichtsschreiber [Ibn Ishaq is not an honest historian]

(*ZDMG* 14(1860), pp. 288-290)

۳۔ ابن حجر العسقلانی کی معروف کتاب بعنوان ''الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ''۔اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں اس کا جو مکمل قلمی نسخہ تھا، وہ چار جلدوں پر مشتمل تھا (صفحات تین ہزار)۔جلد سوم کے دو نسخے تھے۔

(رک: فہرست مذکورہ، ص ۱۹)

اشپرینگر نے محمد وجیہ اور عبدالحق کے اشتراک سے اس کو طبع کرایا۔ ۸ جلد، مطبوعہ کلکتہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۸۵۳-۱۸۸۸ء۔

۴۔ سعادت علی خان نے اشپرینگر کو فروخت کردہ کتابوں کی جو رسید (بزبان فارسی) بھجوائی تھی (بتاریخ ۱۸ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء)، وہ ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ ہے۔ آخر میں سعادت علی خان نے نام کے بجائے اپنی مہر لگادی ہے۔ اس رسید کا عکس آئندہ صفحات میں شائع کیا جارہا ہے۔

۵۔ اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ "تاریخ طبری" کے قلمی نسخے:

الف) "تاریخ طبری" کی جلد چہارم، مشتملبر احوال سیرت۔ اس کے ساتھ اسی "تاریخ" کی جلد اول کے ایک قدیم ترین مخطوطہ کے منتشر اوراق، جو اسے دہلی سے دستیاب ہوئے۔

ب) "تاریخ طبری" کی جلد نہم (آغاز ۳۲ھ سے ہوتا ہے)۔ سنہ کتابت ۴۴۷ھ۔ مع گیارہویں جلد (مکتوبہ ۷۱۹ھ) کے آخری آٹھ اوراق۔

ج) "مختصر تاریخ الطبری" (بغیر اسناد کے)۔ ۶۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ قدیم اور خوبصورت نسخہ

د) "تاریخ طبری" کا فارسی ترجمہ از بلعمی (در ۳۵۲ھ)۔ دو جلد (صفحات ۱۷۰۰)۔ غالباً اسی کا عربی ترجمہ (صفحات ۵۰۰)

(رک: فہرست مذکورہ، ص ۴)

انھی قلمی نسخوں پر اشپرینگر کے یہ انگریزی اور جرمن مقالات:

i) Bal'amy's translation of the history of Tabary, and Ghazzaly's history of the prophets.

(*JASB*, 17/ii (1848), pp. 437-471)

ii) Notice of a copy of the fourth volume of the original text of (the history of) Tabary, (with the texts of Tabary and that of Bokhary to enable the reader to compare them).

(Ibid., 19 (1850), pp. 108-135)

iii) Über zwei arabische Handschriften (al-Tabari and Ibn Wallad).

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[On the two Arabic mss.]

(*ZDMG*, 31 (1877), pp. 750-757)

۶۔ ان دونو اصحاب کے سوانحی کوائف دستیاب نہیں ہو سکے، البتہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ اشپرینگر کے لیے قدیم مخطوطات اور کتب فراہم کرتے رہتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تھی، تو اس سے سفارشیں بھی کراتے رہتے تھے۔

❖ ❖ ❖

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تصاویر و عکسی نقول

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دہلی کالج—

(تصاویر، اخبارات، حاضری رجسٹر (۱۸۴۷ء) کے چند صفحات)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ہندوستان کا دل دلّی، دلّی کا دل، دلّی کالج

مختلف نام: مدرسۂ غازی الدین، مدرسۂ دہلی، دہلی کالج، اینگلو عربک کالج اور (حال) ذاکر حسین کالج (بیرون اجمیری گیٹ)۔

۱۷۹۲ء میں اس مدرسہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے ایک فوجی عہدہ دار نواب غازی الدین فیروز خاں نے اس کا سنگ بنیاد رکھا (بیرون اجمیری گیٹ، ۱۷۰۲ء)۔ اس نواب کی وصیت کے مطابق قائم کردہ وقف سے اس مدرسہ میں بزبان فارسی علوم اسلامیہ پڑھائے جاتے رہے۔ کمیٹی برائے پبلک انسٹرکشن کی تجویز پر اسی مدرسہ کو دہلی کالج کا نام دیا گیا (یکم جون ۱۸۲۵ء)، لیکن نام کے علاوہ یہاں کے نصاب وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ لکھنؤ کے نواب اعتمادالدولہ نے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی خطیر رقم بطور عطیہ پیش کی (۱۸۲۹ء) اور یہاں انگریزی جماعت کا اجراء کیا گیا۔ صوبجات شمال مغربی کے لیفٹیننٹ گورنر جیمز تھامسن نے دہلی کالج میں بعض انتظامی تبدیلیاں تجویز کیں، جن کے مطابق اس کے سربراہ کو ہیڈ ماسٹر کے بجائے پرنسپل کہا جانے لگا (۱۸۳۹ء)۔ ڈاکٹر الوئس اشپرینگر اس کالج کا دوسرا پرنسپل مقرر ہوا، لیکن اس کے زمانہ پرنسپلی (۱۸۴۵ء-۱۸۴۷ء) میں یہ کالج بیرون اجمیری گیٹ سے کتاب خانۂ دارا شکوہ (بیرون کشمیری گیٹ) منتقل ہو گیا۔ اس کالج میں فارسی کے بعد ذریعۂ تعلیم اردو تھا (۱۸۳۹ء)، اور یہاں مشرق وغیرہ کے علوم "مفیدہ" کی اہم ترین کتابوں کو براہ راست اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی گئی (۱۸۴۳ء)۔

دیگر مدارس اور تعلیمی اداروں کی طرح دہلی کالج بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔ ۱۸۶۴ء میں اسے کھولا گیا (پرانی دہلی کے ٹاؤن ہال میں)۔ ۱۸۶۵ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۸۶۶ء میں ڈگری اور ۱۸۷۱ء میں ایم اے کی کلاسیں شروع کی گئیں۔ ۱۸۷۲ء میں چاندنی محل (عربک مڈل اسکول) میں اینگلو عربک اسکول کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اعتمادالدولہ فنڈ کا کچھ حصہ بھی اس کو منتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ کالج بند کر دیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں اینگلو عربک اسکول بحال ہوا اور کلکتہ، آگرہ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں سے اس کا الحاق کر دیا گیا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بالآخر یہ دہلی یونیورسٹی سے منسلک کر دیا گیا (۱۹۲۸ء)۔ تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد اس کالج کا نام ذاکر حسین کالج رکھ دیا گیا (۱۹۷۴ء) اور تب سے یہ کالج اسی نام سے قائم ودائم ہے۔

دہلی کالج کے پرنسپل: فیلکس بوترو، الوئس اشپرینگر، ٹیلر، جے کارگل، مرزا محمود بیگ (۱۹۴۸ء-۱۹۵۲ء)، بشیر الدین احمد (مؤرخ)، ڈاکٹر سلمان ہاشمی (۱۹۹۱ء)۔

دہلی کالج کے اساتذہ: مولوی رشید الدین خاں، مملوک العلی نانوتوی، امام بخش صہبائی، ماسٹر رامچندر، قاری جعفر علی جارچوی، مولوی سید محمد، یونس جعفری (۱۹۳۰ء-)

دہلی کالج کے طلباء: محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، پیارے لال آشوب، نند کشور، پنڈت رام کشن، کریم الدین پانی پتی، موہن لال کشمیری، پنڈت موتی لال کاٹجو، لالہ مکند لال، رائے حکم چند، ضیاء الدین خاں، جمیل الدین عالی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔

مسیحیت قبول کرنے والے: ماسٹر رام چندر، چمن لال

معروف شخصیات: محمد مجیب (وائس چانسلر، جامعہ ملیہ)۔ پروفیسر محمد حبیب (مؤرخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

ممتحن: صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی

پریس: مطبع العلوم

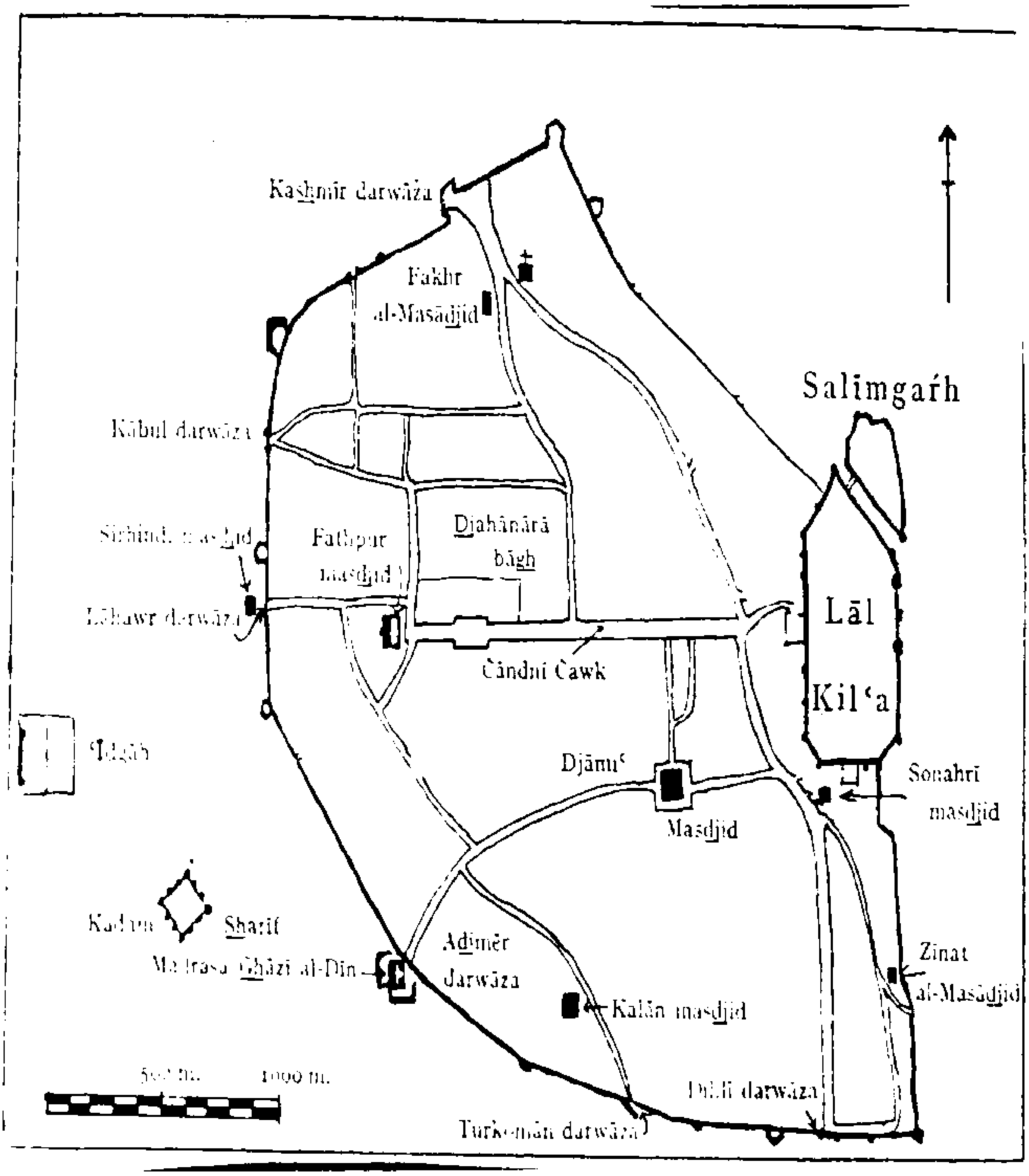
رسائل: قران السعدین، محب ہند، فوائد الناظرین، تحفۃ الحدائق، دلی کالج میگزین

دار الترجمہ: ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی

کالج کی مجلس انتظامیہ کے اراکین (قبل ۱۹۴۷ء): قائد اعظم محمد علی جناح، نواب زادہ لیاقت علی خاں وغیرہ

* * * * *

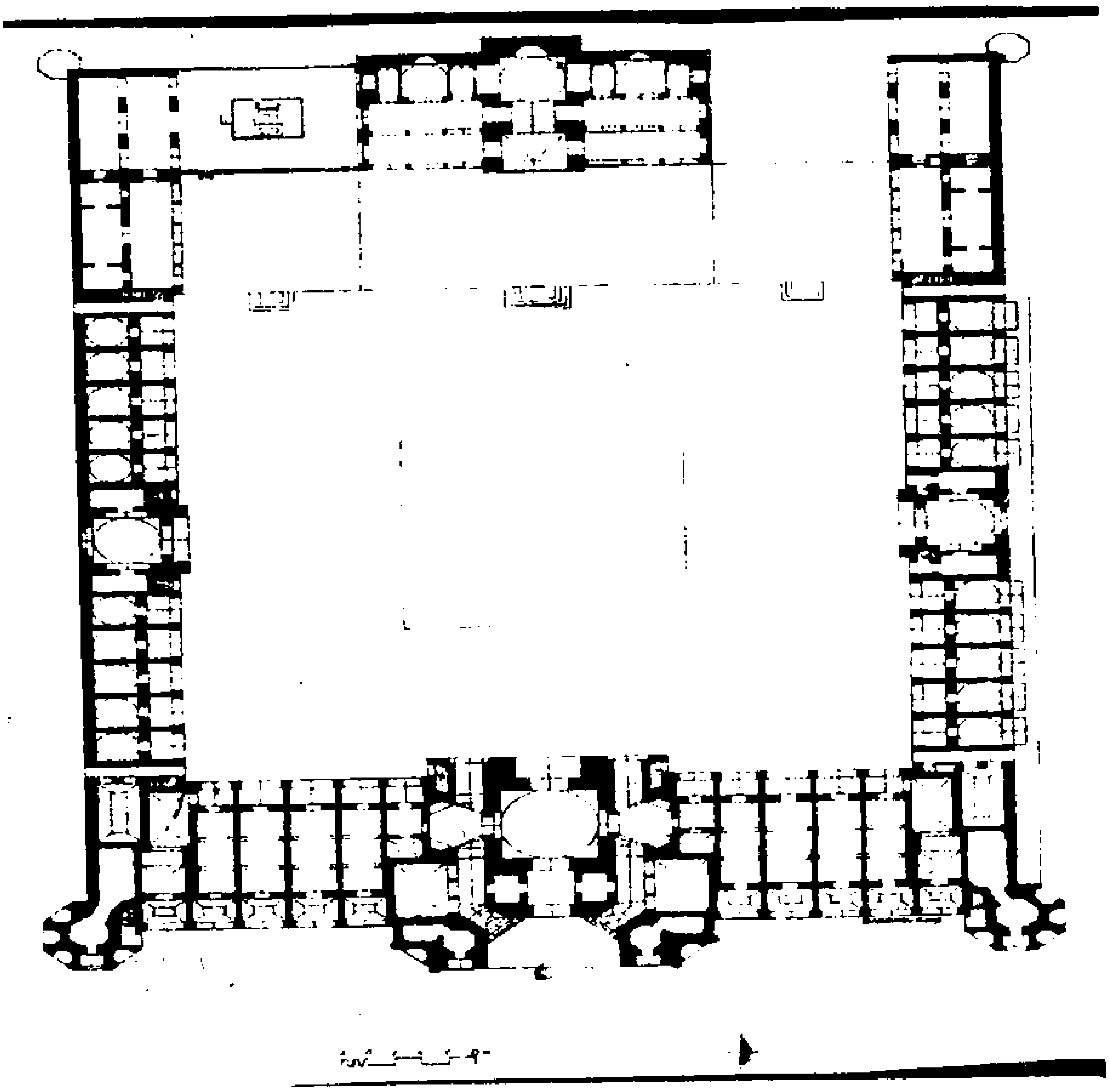
for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



شاہجہان آباد

(مدرسہ غازی الدین اور کشمیری دروازہ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



مدرسۂ غازی الدین (گراؤنڈ پلان) - ۲۰۰۵ء
(بشکریہ ایبا کوخ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوب مشرقی دروازہ

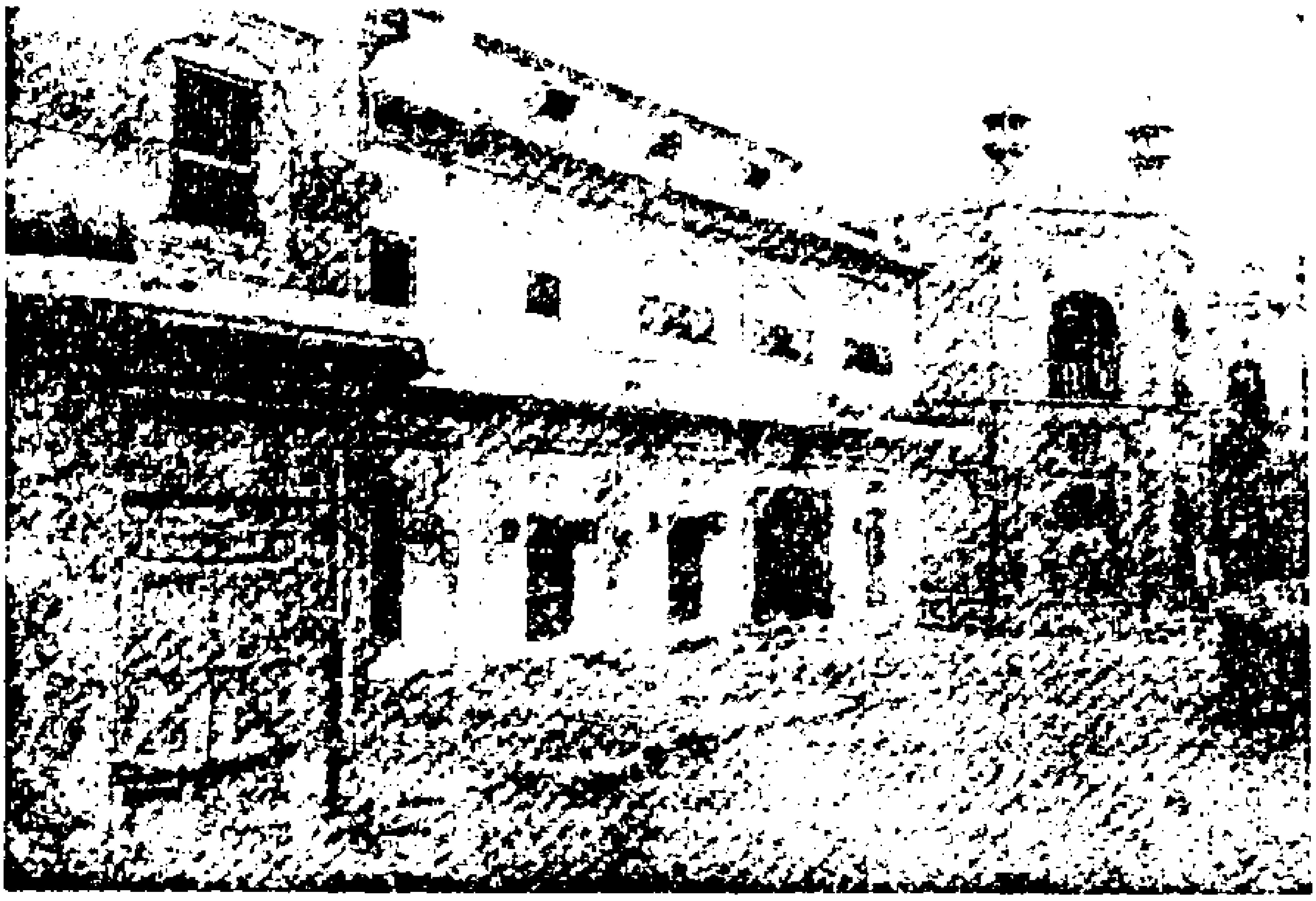
(بشکریہ ایبا کوخ Ebba Koch)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



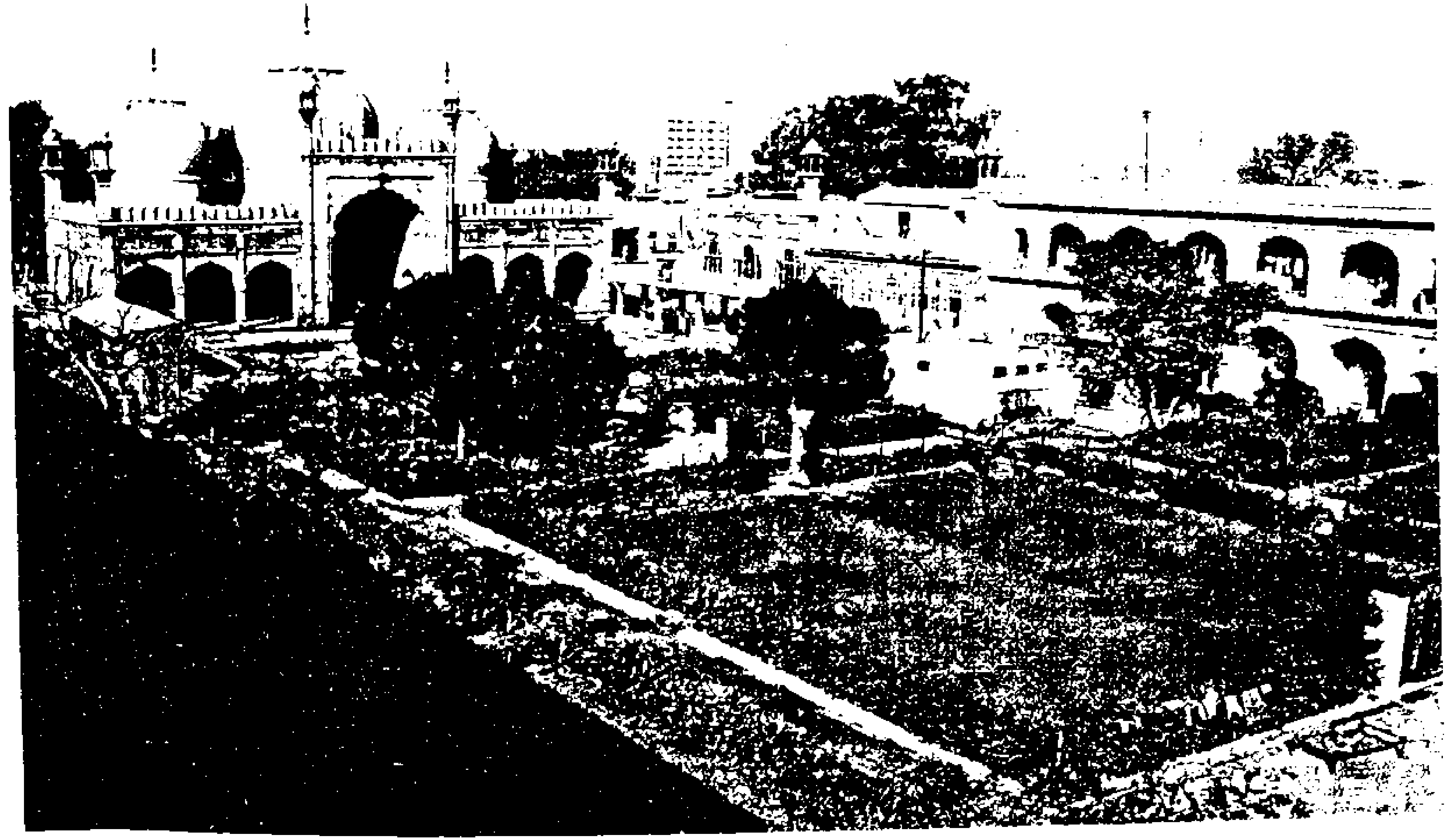
دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کے سامنے کا ایک حصہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



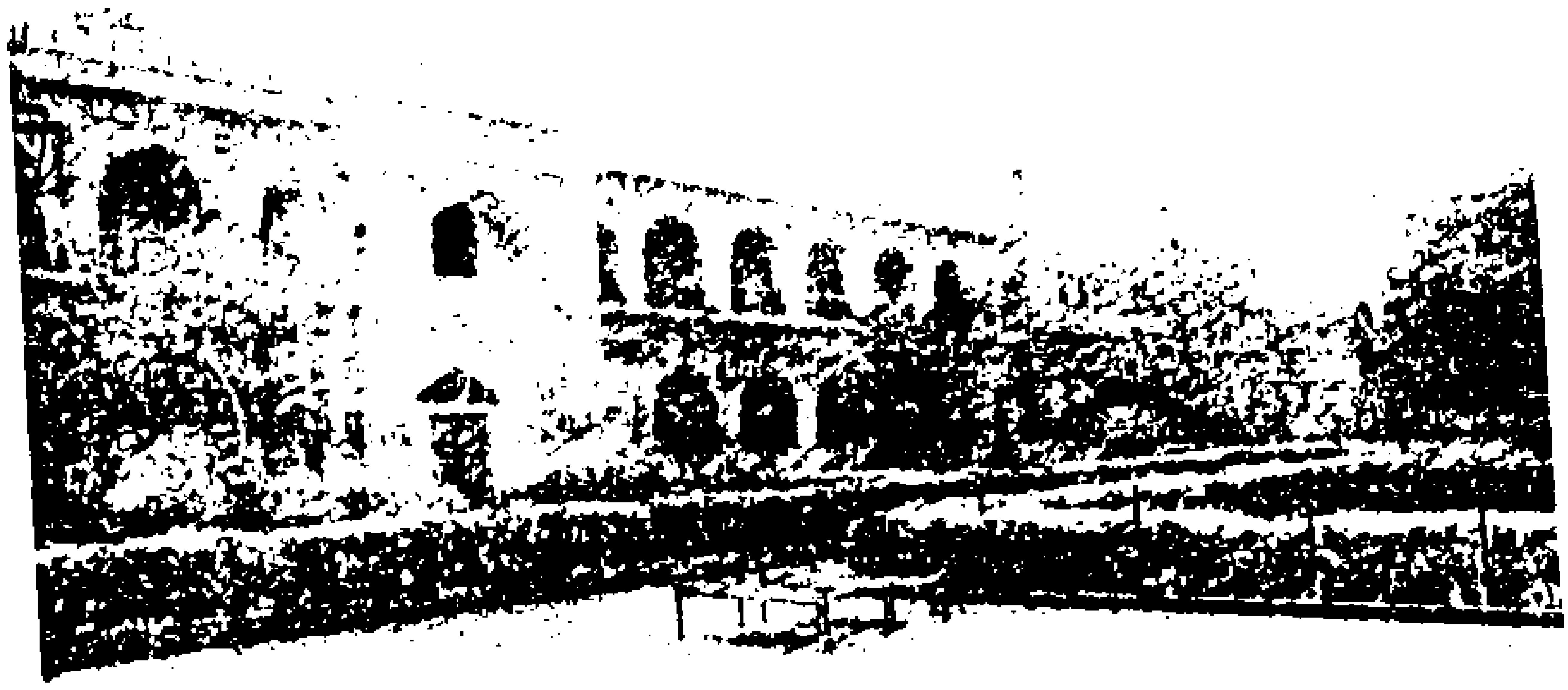
دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوب مشرقی دروازہ
(بشکریہ ایبا کوخ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



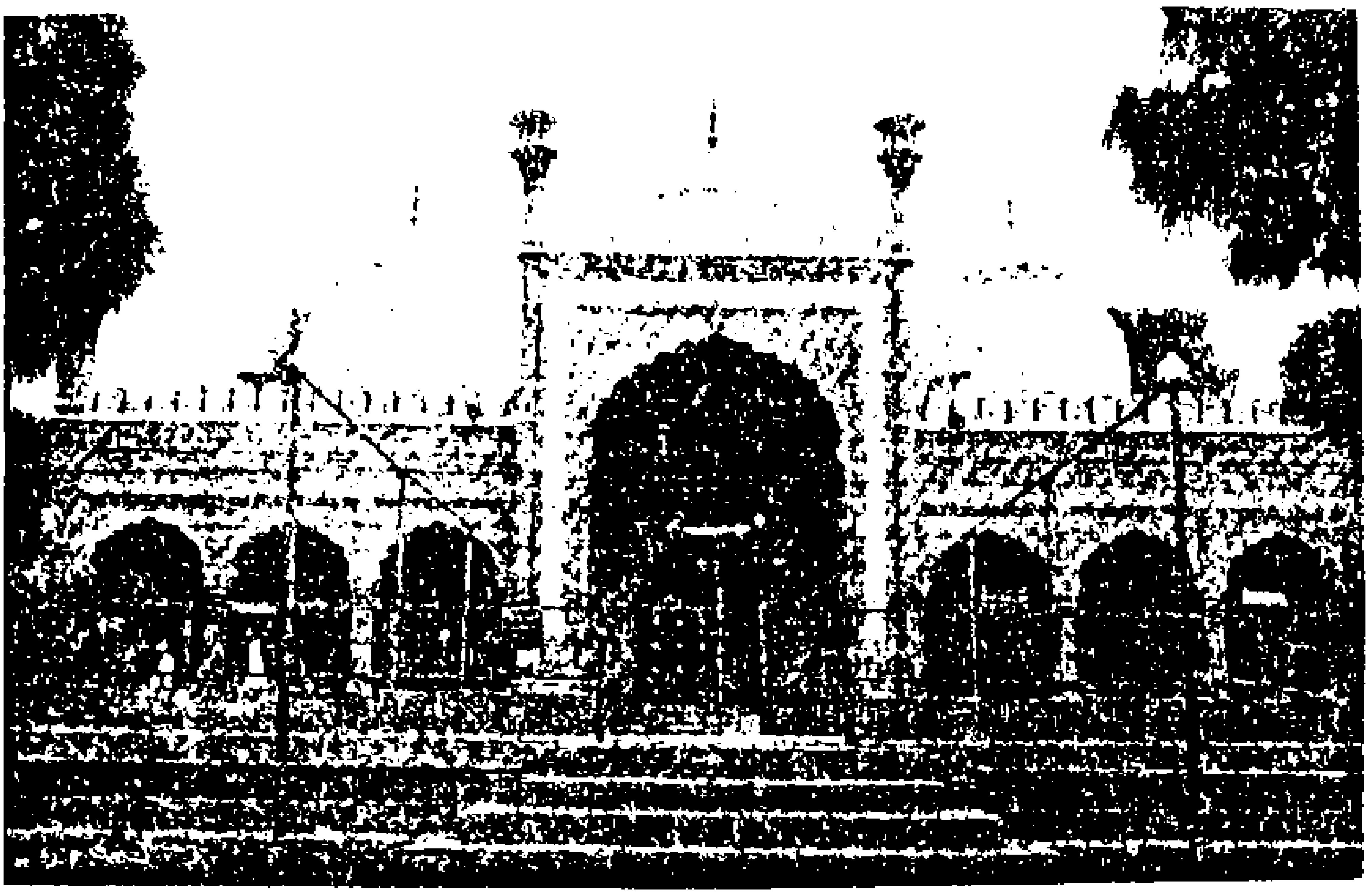
دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا اندرونی حصہ مع مسجد
(بشکریہ ایبا کوخ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوبی اور صحن کا کچھ حصہ
(بشکریہ ایبا کوخ)

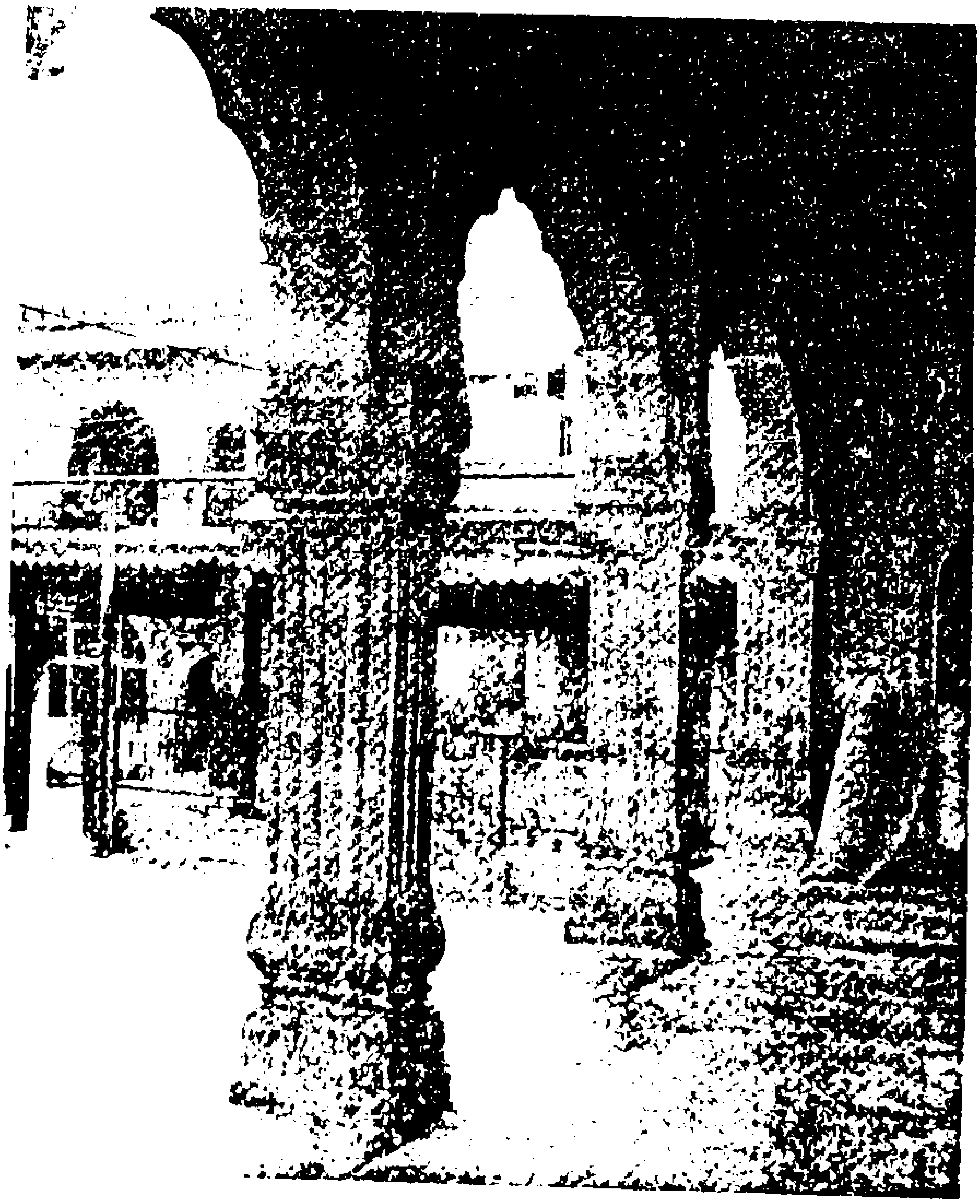
for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



مسجد دہلی کالج (بجانب مشرق)

(بشکریہ ایبا کوخ)

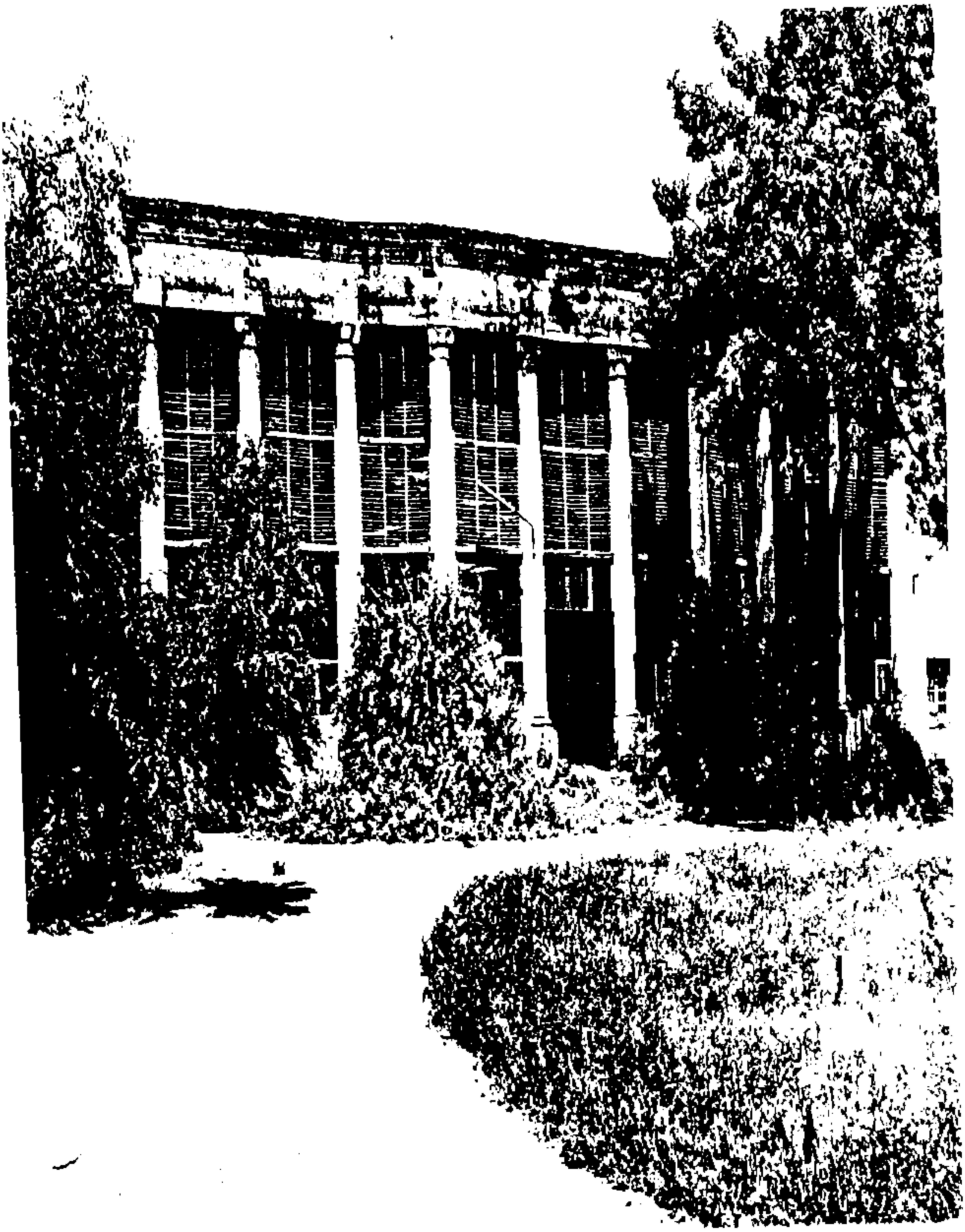
for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



مسجد دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کے اندرونی ستون

(بشکریہ ایاکون)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



دہلی کالج (دارا شکوہ لائبریری، بیرون کشمیری گیٹ)

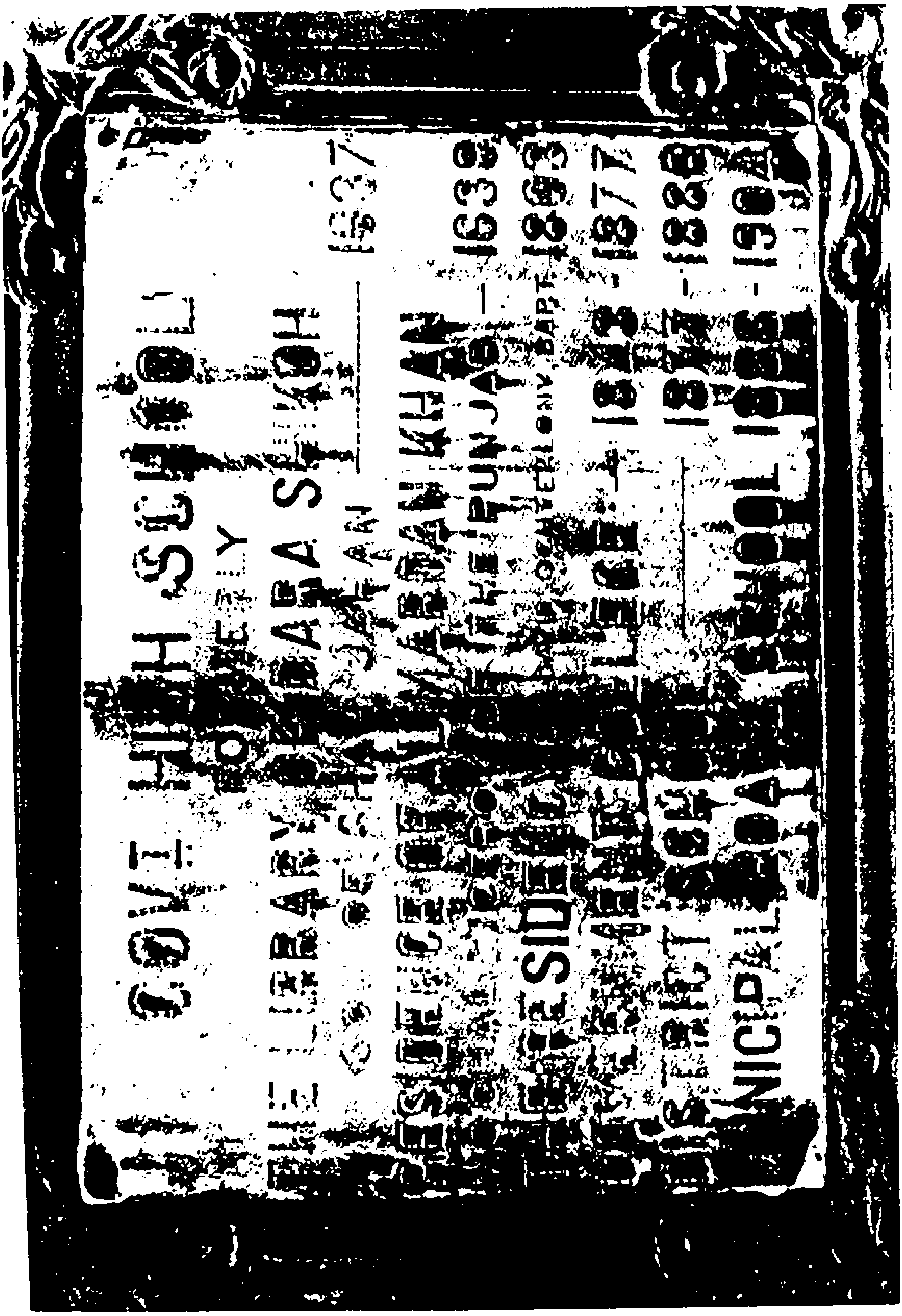
(بشکریہ ایبا کوخ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



کتب خانہ دارا شکوہ (بیرون کشمیری گیٹ)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



کتاب خانۂ دارا شکوہ (بیرون کشمیری گیٹ) کے باہر نصب شدہ کتبہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قران السعدین





جلد ۲ نمبر ۲	قیمت ماہواری دو روپیہ اور پیشگی دینے سے سالانہ	۱۱ جنوری سنہ ۱۸۴۷

واضح ہو کہ یہ نقشہ کہنہ عمارات بعلبک کا ہے جو دار السلطنت ایک ملک کا تھا جو شام کو ملک کہتے ہیں
واقع ہے یہ بخوبی معلوم ہے کہ اس کو کس نے بنایا لیکن ظاہر ہے کہ سلیمان نبی نے بنایا ہو
بلحاظ کثرت دولت کے عمارت میں مگر لیکن اب بھی ایسی عمارات اور خوش قطع ایسی ہیں
کہ مسافر ان کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے اور بے اختیار اس کی زبان سے تعریف نکلتی ہے

"قران السعدین" (دہلی ۱۱ جنوری 1847ء) کا ابتدائی صفحہ۔ تصویر میں "بعلبک" کا لفظ اشپرینگر کا لکھا ہوا ہے۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary


دہلی ماہ مارچ

جلد اکتیسوین بابت ماہ فروری ۱۸۵۰ع

۱۸۵۰ عیسوی

قیمت اس رسالہ کی ایک روپیہ جاری ہوتا ہے مہینے مین ایکبار محصول ڈاک ذمہ خریدار

Mohibi Hind or Monthly Urdoo Magazine By Ram chunder 1st Teacher of European Sciences in the Delhi College

Table of Contents

1st Travels of Yousuf Khan.

2d History of China.

3d Urdoo Poetry

فہرست مضامین رسالہ ہذا

(۱) بقیہ حال سفر یوسف خان کمبل پوش کا انگلستان مین

(۲) تاریخ ملک چین

(۳) ختم نسخہ فسانہ عشاق تصنیف مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر دام اقبالہ

رامچندر مدرس علوم انگریزی مدرسہ دہلی کی اہتمام سے مطبع العلوم دہلی مین مطبوع ہوا

دہلی کالج کا ایک مجلّہ ’’محب ہند‘‘ (فروری ۱۸۵۰ء) زیرادارت ماسٹر رام چندر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نمبر چھیالیسواں — فوایدالناظرین — جلد سویم
مطبوعہ سیزدہم ماہ نومبر ۱۸۴۹ عیسوی روز دوشنبہ
قیمت اس پرچہ کی چار آنہ ماہوار سوا جلد کے ہوتا ہی مہینے میں دو بار محصول ڈاک ذمہ خریدار

کرہ زمین کا حال

یہہ مسلم امر ہے اگلے وقت میں کہ اہل فرنگ کے تحقیقات سے یہہ بات بالکل تحقیق ہوئی ہے کہ شکل زمین کی گول مثال نارنگی کی ہی جیسی کہ کرہ زمین کی شکل دوسرے صفحہ پرچہ پر لکھی جاتی ہی اور چونکہ شکل زمین کی تصویر میں گول نہیں لکھی جا سکتی اسواسطے کرہ کو دو ٹکڑے کر کے لکھتے ہیں سطح پر کہ جیسے کہ ایک نارنگی کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیتے ہیں اہل فرنگ کے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ زمین اپنی گرد ارض لاکہ ستو لکھن ہزار چہہ سے نواسی میل گھیرے ہے اور زمین کے تین حصے کئے ہیں جنمیں سے دو حصے پانی ہیں اور ایک حصہ خشک ہے اس نقشہ زمین پر جسقدر ملک لکھے ہیں ایک سطح پر جو پانی ہو ہے اوسکو بحر کہتے ہیں اور ایک سطح زمین کو بر کہتے ہیں جس میں سمندروں کا جتنا ذکر ہے نکالے اور زمین دریا جنکا سلسلہ ملک ہو رہا ہے نقشہ کرہ زمین کو دو آدھے ادھے کر دو میں لکھنے میں ایک نقشے ہیں اور کرہ زمین پر ملک فرنگستان اور ملک ایشیا اور ملک افریقہ سے اور مغرب آدھے کرہ میں جنوبی اور شمالی امریکا ہی جسے نئی دنیا کہتے ہیں جو کہ قریب تین سو چالیس برس سے لوگوں پر ظاہر ہوئی ملک امریکا ملک فرنگستان اور افریقہ سے بحر اطلانٹس سے علیحدہ ہو گیا ہے اور یہہ بحر میں ہزار میل چوڑا ہے اور ملک ایشیا ملک امریکا بحر خاموش سے جدا ہوا ہے بعضے صاحب ملک ایشیا کو بند سمجھے اور کہ جانا جاتا ہے کہ ملک ایشیا کے

[illegible]

مراد ملک ہندوستان ایران کابل چین تاتار برہما نبت شام عرب وغیرہ ہی اور اس نقشہ کو ملاحظہ کیجیو اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہہ اکثر نام انہی جنوب میں ایشیا کی بحر ہند واقع ہی اور دو نو لفظوں پر جنوبی اور شمالی سمندر واقع میں جنوبی چھوٹے حصہ زمین کے جو کہ چاروں طرف سمندر سے گھرے ہوتے ہیں جزیرہ کہلاتے ہیں اور جنوبی ایشیا کی سمت پر جزیرہ سماترا جاوا بورنیو اور سرندیپ اور لنکا اور مدغاسکر وغیرہ اور انگلستان اور جزیرہ شرقی حصہ میں اور مغربی کرہ زمین پر ... اوسکو شمالی اور نیوزیلنڈ ... اور مغربی ہندوستان کے جزیرہ میں نقشہ ...

حال آغا محمد شاہ ایرانکا

ایران میں بڑا بادشاہ گذرا ہے اور یہہ ہی بادشاہ تھا جو کہ خوجہ تھا اور جب آغا محمد بادشاہ ایران کا ہوا تو عراق اور فارس اور کرمان اور استرآباد اور مازندران اور گیلان کا مالک ہو گیا اور لطف علی خان شاہ سابق جسکے دلمیں ہرگز نہیں آتا تھا پہلے طرف کرمان کے اور بعدہ طرف خراسان کے خیر عافیت سے چلا گیا اور آخر کار اوسنے بعد بہت سے گذرنے کے ایک گروہ نے فوجکا جمع کر کے شہر کرمان کو ملا کر کے لے لیا اور یہان آپنے پیدا ایک دو برس تک بادشاہت کا حاصل کیا لیکن تمام اوسکے لشکر اوسے نمایان لیکن یہہ امر نہ تھی آغا محمد نے

مجموعہ فہرستہای طلبہ مدرسہ عربی و فارسے

اور شاستری و انگریزی واقع دہلی کا بابت امتحان سنہ ۱۸۴۸ع

باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم مدرسہ دہلی میں چھپا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نقشہ جماعت اول عربی مفوضہ مولوی ملک العلماء صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری از عید ... اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	درجہ عربی	تاریخ یمینی	جامع التواریخ	دیوان حماسہ	مختصرات حکمیات	رسالہ ہیئت	علم شکل	جواب مضمون
علی اکبر	۲۳	۶	۶	۱۹۸	۰	۰	۳	۴۸	۴۹	۵۰	۵۰	۴۳	۲۵	۴۸	۳۵
عبدالرحمن	۲۳	۶	۶	۱۹۸	۰	۱	۳	۴۶	۴۸	۴۰	۴۴	۳۶	۰	۴۷	۳۶
شمس الدین	۲۵	۶	۶	۱۹۸	۰	۰	۳	۳۹	۴۶	۴۰	۴۵	۳۰	۲۵	۴۶	۴۰
عدد مساوی	۲۳ ۴/۱۲	۶ ۶/۱۲		۳	۰	۰	۱/۲۵	۴۴	۴۸	۴۳	۴۶	۳۶	۱۷	۴۷	۳۷
فریق دوم	۰	۰	-	-	۰	۰	۰	ہدایہ	ایضاً	ذیولاہتی	جامع التواریخ	ایضاً	〃	-	-
ریاض الدین	۲۱	۵	۳	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۴۹	۵۰	۴۸	۳۰	۲۵	۴۶	۳۴
کریم بخش	۲۰	۴	۷	۱۹۸	۰	۳	۱	۴۰	۴۲	۳۹	۴۶	۲۹	۳۰	۴۹	۳۰
علی اصغر	۲۰	۶	۶	۱۹۶	۰	۴	۱	۴۲	۴۵	۴۱	۴۱	۲۲	۲۵	۴۸	۳۶
عدد مساوی	۲۰ ۴/۱۲	۵ ۴/۱۲		۳	۰	۰	۰	۴۴	۴۵	۴۳	۴۵	۲۴	۲۷	۴۸	۳۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نقشہ جماعت اول عربی ذیل تشیع مفوضہ مولوی جعفر علی صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	کا سبب	بیمار	شرح لمعہ	معالم الاصول	تاریخ یمینی	دیوان متنبی / حماسہ	جامع التواریخ	خزینات / کلیات	[illegible]	[illegible]	جواب [illegible]
خدابخش	۴۰	۶	۶	۱۹۶	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۴۶	۵۰	۴۰	۳۲	۵۰	۵۰	۴۰
جماعت دوم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	تہذیب	جواب [illegible]
محمد حسین	۱۴	۲	۱۰	۱۹۷	۰	۰	۴	۵۰	۵۰	۴۹	۴۲	۲۷	۳۴	۴۰	۵۰	۰
محبوب علی	۱۶	۲	۷	۱۰۵	۰	۰	۲۶	۴۱	۳۵	۴۳	۴۵		۲۶	۴۰	۴۰	
منور حسین	۲۲	۲	۵	۱۸۲	۰	۰	۱۹	۴۱	۴۰	۴۳	۲۶	۲۹	۲۰	۱۹	۳۴	۲۳
عدد متوسط	[illegible]	[illegible]		[illegible]			[illegible]	۴۴	۴۲	۴۵	۳۸	۳۰	۲۷	۳۳	۴۱	۲۳
فرقۂ سوم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	جغرافیہ				
محمد جعفر	۱۷	۶	۶	۱۵۶	۰	۰	۴۵	۴۷	۵۱	۰	۴۳	۴۰				
مشتاق علی	۱۴	۲	۱۰	۲۰۰	۲	۰	۱	۴۰	۴۰	۴۹	۴۴	۵۰				
حسین بخش	۱۴	۲	۱۰	۲۰۱	۰	۰	۰	۴۹	۴۶	۴۰	۴۰	۴۶				
امیر مرزا	۱۵	۶	۶	۱۹۵	۰	۰	۶	۴۶	۴۸	۴۸	۱۸	۴۵				
اعجاز حسین	۱۵	۱	۷	۱۷۵	۰	۶	۱۹	۴۹	۵۰	۲۱	۱۲	۴۰				
میر محمد حسن	۱۳	۲		۱۹۷	۰	۰	۲۴	۳۸	۳۸	۲۹	۰	۲۰				
مرزا محمد حسن	۱۴	۲	۱۰	۱۰۵	۰	۲۰	۷۶	۲۵	۱۵	۵۰	۰	۳۰				
عدد متوسط	۱۴ [illegible]	۲ [illegible]		۶		[illegible]	[illegible]	۴۱	۴۱	۳۴	۳۱	۴۰				
فرقۂ چہارم	″	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	حساب	[illegible]				
علی نقی	۱۳	۲	۴	۱۹۷	۰	۰	۴	۵۰		۵۰	۳۶	۵۰				
محمد مرزا	۱۵	۳		۱۹۰	۰	۰	۶	۵۰		۴۲	۳۳	۴۴				
جعفر علی	۱۶	۶		۱۷۵	۰	۵	۲۱	۳۲		۲۶	۳۳	۴۴				
عنایت حسین	۱۵	۲	۱۰	۱۹۳	۰	۱	۱۶	۴۰		۲۰	۳۰	۲۸				
علی محمد	۱۲	۲	۱۰	۱۸۳	۰	۰	۱۸	۳۸		غیر حاضر	۳۰	۵				
تجمل حسین	۱۳	۲	۱۱	۱۷۴	۰	۱۰	۱۷	۵		۲۱	۲۸	۳۶				
عدد متوسط	۱۴	۲ [illegible]		[illegible]		[illegible]	[illegible]	۳۸	۳	۳۲	۳۱	۳۴				

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نقشہ جماعت دوم عربی مفوضہ مولوی سید محمد صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	شرح ملا نصف	مشکوٰۃ تمام	تفسیر نصف اخیر بسورۂ	قدوری نصف اول	علم مثلث	تاریخ	جبر و مقابلہ	مساحت	تحریر	جواب مضمون
خواجہ ضیاء	۱۹	۲	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۵۰	۴۵	۵۰	۴۵	۳۶	۴۰		۳۱
محمد تقی سعید	۱۹	۲	۷	۱۴۱	۰	۰	۳۰	۵۰	۵۰	۴۲	۴۳	۵۰	۳۴	۴۲	۳۰	۰	۲۰
محمد ہاشم	۱۷	۵		۱۹۲	۰	۰	۵	۴۸	۴۸	۴۳	۴۴	۵۰	۲۳	۲۵	۲۰		۲۳
محمد مصطفےٰ	۱۹	۲	۶	۲۰۰	۰	۰	۱	۴۰	۴۴	۴۹	۴۸	۵۰	۲	۳۰	۳۳	۴۳	۲۰
علی احمد	۱۳	۱		۲۰۰	۰	۰	۱	۴۸	۴۸	۴۸	۴۱	۰	۳۱	۳۰	جبر ۴۰	۴۹	۳۴
نذیر احمد	۱۲	۱	۳	۱۹۹	۰	۰	۲	۴۲	۴۰	۴۱	۴۱	۰	۳۰	۰	جبر ۲۰	۳۰	۲۵
رحمت شاہ	۲۰	۲	۸	۱۸۴	۰	۰	۱۷	غیر حاضر	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ
سعید الدین	۲۰	۵		۱۹۳	۰	۰	۶	نہ	۰	۰					۰	۰	۰
رادھا کشن	۲۱	۲	۶	۱۴۱	۲۳	۰	۷	مرض علم ریاضی سنبھالا و شوق کہ بیہی جا رنگا									
عدد مساوی	۱۸ $\frac{1}{12}$	۴ $\frac{1}{12}$		۱۸۹	$\frac{3}{25}$	۰	$\frac{9}{25}$	۴۶	۴۶	۴۲	۴۲	۵۰	۳۵	۳۲	۳۰	۴۰	۲۵

فریق دوم	عمر	سال	ماہ	حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	کافیہ	نحو میر	پنج گنج	الفیہ	تاریخ	جبر	[illegible]
ضیاء الدین	۱۰	۴	۶	۲۰۶	۰	۰	۱	۵۰	۵۰	۵۰	۱۵	۴۸	۴۰	۵۰
سہراب بیگ	۱۹	۶		۱۸۸		۱	۵	۲۸	۳۳	۴۰	۲۸	۴۰	۳۵	۵۰
سراج الدین	۱۷	۳		۱۹۴		۱	۶	۳۱	۳۰	۳۱	۳۰	۴۰	۲۰	۴۱
عبد الرزاق	۱۷	۱		۱۹۴		۳	۴	۴۶	۴۵	۵۰	جزاء ۲۵	۲۰	جبر ۲۰	
کریم الدین	۱۵		۷	۸۰			۱۱	۴۳	۴۱	۴۳				
حفیظ الدین	۱۶	۲	۶	۱۶۹	۰	۰	۲۳	بیمار	بیمار	۰	۰	۰	۰	۰
عدد مساوی	۱۴	۲ $\frac{1}{12}$		۱۷۵	۰	$\frac{3}{40}$	$\frac{6}{25}$	۴۳	۴۸	۴۴	۳۳	۳۷	۴۰	۴۱

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نقشہ جماعت ۱ ... مدرسہ ... اکتوبر

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری ... اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	فارسی شاہنامہ / سکندرنامہ	اقلیدس	جبر و مقابلہ	تاریخ
کدارناتھ	۱۹	۵	۱۱	۱۸۷	۰	۰	۱۴	۴۹	۵۰	۳۰	۴۵
دہرم داس	۱۸	۳	۳	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۳۰	۴۰
بہاری لال	۱۷	۲	۷	۱۶۳	۳۳	۰	۵	۵۰	۴۵	۴۰	۴۰
رام سہائے	۱۶	۲	۷	۱۳۶	۳۳	۰	۳۲	۴۷	۴۸	۳۰	۳۰
ذکی الصمد	۱۵	۲	۹	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۴۵	۵۰
[illegible]	[illegible]	۲	۱۰	۱۵۵	۰	۰	۴۶	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
عدد متوسط	۱۶ ۸/۱۲	۲ ۷/۱۲		۱۸۰ ۵/۲۵	۹/۲۵		۲/۲۵	۴۹	۴۸	۳۵	۴۱
فریق دوم	۔	۔	۔	۔	۔	۔	۔	سکندرنامہ بہاردانش	۔	جغرافیہ	
قاسم علی	۱۵	۲	۸	۱۹۹	۰	۰	۲	۴۹	۴۵	۵۰	
مرزا تہمت	۱۴	۳		۱۹۲	۰	۰	۹	۴۰	۴۹	۴۵	۳۰ ریڈر نمبر سوم
سکندر علی	۱۶	۲	۱۰	۱۸۴	۰	۰	۱۷	۴۸	۳۶	۵۰	
آغا علی	۱۶	۳	۱۱	۱۹۶	۰	۰	۵	۵۰	۴۴	۳۵	
محمد رسا	۱۶	۳	۳	۱۹۵	۰	۰	۶	۴۸	۴۰	۳۵	
کشن	۱۴	۳	۸	۱۹۱	۰	۴	۶	۳۲	۳۰	۵۰	۳۶ ریڈر نمبر سوم
حسین خان / برعلی	۱۵ / ۱۶	۳ / ۲	۶ / ۶	۲۰۱ / ۱۶۷	۰ / ۱۵	۰ / ۱۵	۰	۳۸ / ۴۵	۱۰ / ۳۸	۱۰ / ۳۶	
ملکا	۱۶	۲	۸	۱۰۴	۰	۰	۲	۴۰	غیر حاضر	۳۶	
چھوٹی لال	۱۵	۲	۷	۱۸۰	۰	۹	۱۲	۳۰	۳۳	۳۵	
صدر الدین	۱۶	۲	۱	۱۶۷	۰	۱۶	۱۵	۳۰	۴۰	۲۰	
کریم الدین	۱۶		۶	۵۹	۰	۰	۲۳	۳۸	۰	۰	
دینا ناتھ	۱۴	۲	۱۰	۱۷۱	۰	۵	۲۵	۲۵	۱۸	۱۰	
رحیم بخش	۱۵		۴	۷۳	۰	۰	۳۰	۳۲	غیر حاضر	غ	
ولی اللہ	۱۷	۳	۵	۱۸۵	۰	۰	۱۶	۱۴۰	۱۵	۳۴	
عبد الرزاق	۱۲		۲	۳۶	۰	۰۰	۰۰	۳۰			
	۱۴ ۷/۱۲	۲ ۵/۱۲		۱۶۱ ۱۱/۲۵		۷/۲۵	۲۰/۲۵	۳۶	۳۰	۳۴	

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

نقشہ جماعت سوم [illegible]

نام	عمر	مدت تحصیل مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری: حاضر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	شرح ملا [illegible] تمام	[illegible] تمام	تلخیص [illegible]	کلید [illegible]	تحریر	جبر و مقابلہ	[illegible]	حساب	
پیر [illegible]	۱۹	۴	۴	۱۰۶	۰	۱۷	۲۳	۳	۳	۳	۳	۰	۰	۱۰	۰	۰
مسیح اللہ	۱۷	۲	۱۰	۱۸۸	-	-	۱۳	۳۵	۳۵	۳۵	۱۰	۴۰	۲۰	۲۰	۳۵	
محی الدین	۱۵	۱	۱۱	۱۹۰	-	۱	۲	۴۹	۴۰	۳۵	۲۰	۴۴	۳۵	۳۰	۳۵	
رحیم بخش	۱۶	۳	۲	۱۹۳	۰	۰	۸	۴۹	۳۳	۳۰	۴۰	۵۰	۴۵	۳۰	۳۵	
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۳۴	۲۸	۳۲	۱۸	۴۴	۳۳	۲۵	۳۵	
فریق دوم								[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
اصغر علی	۱۰	۱		۱۳۷	۰	۴۶	۱۹	غیر حاضر	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ
عبدالرحمٰن	۱۸	۳	۶	۱۰۳	۰	۱۸	۳۰	۳۵	۴۰	۴۸	۴۰	۴۴	۴۰	۲۰	۳۵	
عبدالعزیز	۱۴	۱	۱۰	۱۹۵	۰	۰	۶	۳۸	۵۰	۵۰	۴۰	۴۰	۳۰	۲۰	۳۵	
غلام حیدر	۱۵	۲	۳	۱۹۷	۰	۲	۲	۳۸	۴۰	۴۵	۳۵	۴۸		۴۰	۴۰	غ
مظفر حسین	۱۵	۱	۱۰	۱۹۷	۰	۲	۲	۲۸	۲۶	۳۵	۲۵	۳۰	۹	غ	۱۰	
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	۳۵	۳۹	۴۴	۳۵	۳۸	۲۶	۲۷	۳۱	
فریق سوم								میزان	[illegible]	تحریر [illegible]	جزو [illegible]	[illegible]	[illegible]			
عبدالرحمٰن	۱۷	۲	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۴۵	۳۲	۴۰	۴۵			
عبداللہ	۱۳	۲	۶	۲۰۰	۰	۱	۰	۵۰	۴۵	۳۴	۳۶		۳۶			
نورالحسن	۱۵		۱	۱۷	۰	۰	۰	۴۸	۴۰	۴۶	۳۳		۴۲			
پیر بخش	۱۸	۶	۶	۱۹۴	۰	۰	۷	۴۰	۳۰	۳۶	۳۰	۳۵				
موہن لال	۱۷	۶	۶	۱۹۰	۰	۰	۶	۳۵	-	۴۰	۴۰	۲۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
خواجہ بخش	۱۶	۱		۱۷۹	۰	۰	۱۲	۴۸	۴۵	۳۵	۲۰		۳۵			
ابراہیم	۱۴	۱	۱۰	۱۱۷	۰	۵۸	۲۶	۱۰	۳۵							
سلطان بخش	۱۱	۱	۳	۱۳۱	۰	۳۴	۳۶	غیر حاضر								
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	۴۰	۴۱	۳۵	۳۳	۳۲	۳۷			
[illegible]								میزان [illegible]	حساب							
[illegible]	۱۵	[illegible]		۱۱	۰	۰	۰	۳۰								
[illegible]	۱۵	[illegible]		[illegible]	۰	۰	۰	۲۴	۳۵							
[illegible]	۱۵	۳		۱۰	۰	۰	۰	۲۰	۳۰	[illegible]						
عدد مساوی	۱۵	[illegible]		[illegible]				۲۰	۲۵							

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نقشہ جماعت سوم فارسی مفوضہ مولوی احمد علی صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	دستور الصبیان	حساب
مرزا علی	۱۳	۳	۰	۱۹۵	۰	۰	۶	۵۰	۴۰
علی بخش	۱۱	۱	۹	۱۹۶	۰	۰	۵	۴۸	۴۰
کالکا	۱۳	۱	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۴۴	۴۸
علی حیدر	۱۴	۱		۱۹۲	۰	۰	۹	۴۱	۴۳
جانکی	۱۳	۲	۱۱	۱۹۳	۰	۰	۸	۴۰	۳۸
نراین	۱۶	۰	۵	۷۲	۰	۰	۱۰	۴۰	۳۷
نانک چند	۱۲		۷	۱۳۱	۰	۰	۰	۴۳	۱۹
ابراہیم	۱۵	۱		۱۷۶	۰	۷	۸	۴۰	۲۴
محمد حفیظ	۱۳		۶	۱۲۱	۰	۰	۱۳	۴۴	۱۵
قادر داد خان	۱۳	۳	۸	۱۷۵	۰	۰	۲۶	۴۰	۳۰
آغا میر	۱۵	۲	۸	۱۹۹	۰	۰	۲	۳۵	۴۲
رحمت اللہ	۱۶	۴		۱۹۲	۰	۰	۹	۳۰	۴۷
رحیم بخش	۱۳	۱	۹	۱۹۲	۰	۰	۹	۳۸	غیر حاضر
دوبت	۱۳	۰	۳	۶۰	۰	۰	۱۲	۳۶	۶
نراین داس	۱۵		۳	۶۰	۰	۰	۱۲	غیر حاضر	۱۲
حبیب الحسن	۱۵		۶	۱۱۱	۰	۰	۱۸	بیمار	بیمار
لچھمن	۱۳		۸	۱۱۶	-	۱۰	۲۱	غیر حاضر	۲۶
عبد الکریم	۱۵		۶	۷۲	۳۲	۰	۳۰	غیر حاضر	غیر حاضر
عبد الرزاق	۱۵	۱		۱۱۰		۵۰	۴۰	غیر حاضر	غیر حاضر
[illegible]	[illegible]	[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱	۴۲	۳۳

نقشہ جماعت دویم فارسی مفوضہ سوکو حسن علیخاں صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں — سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک — حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	زلیخا نصف بمع ترکیب	یعقوبیہ	حساب
علی حسن	۱۴	۱		۱۶۵	۱	۱۰	۲۵	۴۵	+	۴۲
محمد یحییٰ	۱۷	۱		۱۹۱	۰	۰	۱۰	۴۶	+	-
شیوراج	۱۷	۲	۱۱	۱۹۰	۰	۰	۱۱	۳۹	۵	۴۳
درگا	۱۷	۲	۸	۱۵۹	۰	۲۰	۲۲	۴۴	۵	۳۲
نجم الدین	۱۳	۲		۱۹۶	۰	۱	۴	۳۶	+	۳۰
نرائن داس	۱۵	۳	۷	۱۴۱	۰	۵	۵۵	۳۰	۱۰	۳۵
علی بخش	۱۸		۱	۱۷	۰	۰	۰	۳۶	۰	۰
وزیر علی	۱۴	۲	۱۱	۱۷۷	۳	۰	۲۱	غ	+	۳۲
غلام رسول	۱۷		۱/۲	۸	۰	۰	۰	۴۶	۰	۰
عبدالرحمن	۱۶		۱/۲	۸	+	۱	۰	۳۶	۰	۰
عدد متوسط	۱۵ ۱۰/۱۲	۱ ۹/۱۲		۶ ۵/۲۰		۵/۲۰	۱۷/۲۰	۳۲	۷	۲۸

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مکتوب نگار
(ڈاکٹر اشپرینگر کے نام مراسلات کی عکسی نقول) :

۱۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی (سابقہ صفحات ۳۳-۷۸)

۲۔ مولانا محمد احسن نانوتوی (ایضاً، ۷۹-۹۰)

۳۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی (ایضاً، ۹۲-۱۰۲)

۴۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (ایضاً، ۱۰۳-۱۱۳)

۵۔ مولوی کریم الدین پانی پتی (ایضاً، ۱۱۴-۱۴۶)

۶۔ مولوی محمد سدید الدین خاں (ایضاً، ۱۴۷-۱۶۱)

۷۔ مولوی سید علی اکبر سونی پتی (ایضاً، ۱۶۲-۲۳۹)

۸۔ مولوی سید برکت علی (ایضاً، ۲۴۰-۳۰۴)

۹۔ منشی اشرف علی واسطی (ایضاً، ۳۰۵-۳۵۱)

۱۰۔ منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی (ایضاً، ۳۵۲-۳۸۲)

۱۱۔ مولوی خدا بخش (ایضاً، ۳۸۳-۳۸۹)

۱۲۔ متفرقات (محمد حسین آزاد وغیرہ) (ایضاً، ۳۹۰-۴۰۶)

* (الف) ان نقول کی ترتیب سابقہ صفحات کے مطابق رکھی گئی ہے (دیکھئے ص ۳۳-۴۰۶)۔

(ب) مطبوعہ متن کی طرح ان خطوط کی نقول کو بھی زمانی ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔

(ج) یہاں ہر مکتوب نگار کے نام کے ساتھ قوسین میں مطبوعہ خطوط کے صفحات نمبر لکھ دیئے گئے ہیں۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عزیز برادر سلامت

کتاب اصطلاحات مصنف کی ہاتھہ کی جسکا ذکر میں

حضور میں کیا تھا نام اوسکا کشاف اصطلاحات الفنون ہی احقر کی گمان میں

مقدار اوسکی قاموس سی کم نہیں اور وہ کتاب وطن میں مفتی صدر دستور کی

پاس ہی اگر خدا چاہی اب کی بار امتحان کی بعد جو وطن کو جاونگا

اوس کتاب کو مالک سی مستعار لیکر اپنی ہمراہ لاونگا بعد ملاحظہ کی صاحب کو

نقل اوسکی لکھوانی کا اختیار ہی واجب تھا عرض کیا فقط

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

غریب پرور سلامت

۱

پروانہ حضور کا بھی سربلند کیا مضمون اوسکا مولوی محمد منیر کو
لکہنو کا خط مولوی صاحب موصوف کا لکہا ہوا ۲۶ شوال کا آیا تہا لکہا تہا کہ بسبب کثرت
بارش کی چھپنا قاعدہ کا نہیں ہو سکتا شاید ۱۵ ذیقعدہ تک چھپنا ہو مطلب یہ کہ اب تو
قاعدہ حل لیا ہوگا لیکن اور خط نہیں آیا لکہا تہا کہ بسبب گران فروشی اور بے پروائی تاجر
کی اور نیز بسبب دوری مکان کی میں قریب ہی میں کتب کی انتظار جواب کا نکر سکا اور میں
اول دہلی میں اور بعد ازاں وطن میں اور بعد اوسکی بہار میں پہونچا خلاصہ مضمون
خط کا یہ تہا لیکن وہ خط اونکی والد بزرگ نے بھیج دیا اس سبب سے نقل اوسکی نہیں لکہی یہی بات
جو حضور نے واسطے طلب بخاری شریف اور جامع ترمذی کی حکم بھیجا تہا احقر نے جامع ترمذی
نیز صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجی تہی اور واسطے نہ دینی بخاری شریف کی عذر کیا تہا کہ اگر
کوئی لکہنو میں اسکی نقل چھاپی تو ہمارا نقصان متصور ہی صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہاں اگر
صاحب بہادر اقرار کرتی ہیں کہ ہم وہ کتاب کسی کو نہ دینگی تو پانچ سیپارہ بخاری شریف
کی بھی جسقدر چھپی ہی صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجا ہی تہی اور اپنا عذر بھی عرض کیا تہا سو
انہونے آپ کو لکہا ہوگا ترمذی انشاء اللہ تعالے تین مہینے میں یا کچھہ زیادہ میں تمام ہو گی دو دو ورق
در چھپتی ہیں اور چھپنا بخاری شریف کا ابھی ملتوی ہی بعد تمامی اس کتاب کی شروع ہوگا جب حضور
تشریف لاوینگی ملاحظہ سی گذریگا احقر کو ہر وقت خیال عنایات اور اخلاق حضور کا رہتا ہی
ورد زبان رہتا ہی اللہ تعالے جلد تر ملاقات نصیب فرماوی واجب تہا عرض کیا فقط

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

[illegible] کا [illegible] کیا مکان [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] لکھا ہے [illegible] کی [illegible]
[illegible] مکان جانب شرقی میں [illegible] الفضل [illegible]
[illegible] ایک [illegible] میں [illegible] طرف [illegible]
[illegible] مکان [illegible] میں [illegible]
[illegible] میں [illegible] ایک حجرہ ہے [illegible]
[illegible] زیارت [illegible]
[illegible] اب بھی [illegible]
[illegible] معلوم نہیں [illegible]
بالفعل [illegible] مشہور ہے [illegible] تاریخ کی کتابوں میں [illegible]
معلوم ہے [illegible] صحیح و سالم [illegible] اکثر [illegible]
حضور کا [illegible] زبان [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

[illegible] مرحضور کا بیع حط مولوی علی اکبر کی تھا [illegible]

ہوا [illegible] حسب [illegible] جدید کتب کی [illegible] محمد علی [illegible] فروش کی [illegible]

بھیجے [illegible] فہرست [illegible] حسب [illegible] تیرے [illegible]

[illegible] ان دونوں [illegible] میں [illegible] ہوا [illegible]

[illegible] بہرحال [illegible] اس [illegible] میں [illegible]

ہوا اور تاریخ [illegible] ہوگی [illegible] حضور [illegible]

میں [illegible] کہ [illegible] کلکتہ کو [illegible]

مناسب [illegible] حضور [illegible] اگر [illegible]

زمانے [illegible] صورت [illegible] مناسب [illegible]

[illegible] کلکتہ میں [illegible] بہت [illegible]

لکھا تھا کہ [illegible] طرف [illegible] لکھا [illegible] درج [illegible]

[illegible] اور [illegible] کلام حضور کی ہی اس [illegible] میں [illegible] حضور [illegible]

منظوری یا عدم منظوری [illegible] لکھا [illegible] یا [illegible]

[illegible] حکم ہو [illegible] اطلاع ہو [illegible] عرض [illegible] مناسب [illegible]

[illegible] عرض [illegible] کہ اس عرضی [illegible] حال [illegible]

اور حسب [illegible] حال [illegible] اور حسب [illegible]

[illegible] صورت [illegible] زیادہ [illegible] ملاقات [illegible] فقط

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرض یہ ہے کہ مولوی محمد مظہر صاحب پرسوں حضور کے دہلی میں موجود ہیں
اگر حضور کو انکا خیال رہیگا تو بندہ نوازی اور پرورده پروری سے بعید
ہوگا اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں کہ ... و بندہ پروری ...

غریب پرور سلامت

ارسل

عنایت نامہ حضور کا دستخطی مورخہ ... سے ہوا صاحب بہادر سکرٹری
مدارس کی میوہ ... صاحب بہادر کا بیسوین جولائی کو حضور کی پاس بھیجا معروض ... کیا حضور نے
ارشاد فرمایا اگر انکی رای میری رای کی موافق ہو تو اپنی درخواست معہ ... بھیجدی
بھیجی سو یہہ تاخیر حضور کی نزدیک بہت مناسب ہی بعد حصول جواب اس عرضی کی عشرہ آخر
اگست تک انشاء اللہ تعالی ... درخواست اپنی معہ حضور کی چٹھی کی بھیجونگا اور وہ جو ... باب
بھیجنی حضور کی اواخر اکتوبر کی اور بھیجنا اپنا اوسط نومبر میں ارقام ہوا ہی حضور کی عندیہ
میں بھیجنا حضور کا کلکتہ بعد بہم پہنچنی حضور کی مناسب تر ہی آئندہ جو حکم ہو کا عمل میں آویگا حضور
طرح سے بخیال صحت حضور کی خوش و خرم ہیں لیکن ایک امر سے جب ... طبیعت کا ہوتا ہی وہ
یہہ ہی کہ آدمی کو اپنی مزاج کا حال بیچ زمان ابتدا کی معلوم نہیں ہوتا تو خوف اس امر کا ہی کہ
مبادا بعد بھیجنی کلکتہ کی بسبب عدم موافقت آب و ہوا کی یا دوسری کسی امر کی حضور کو ... نکالنا
چھوڑنا پڑی اور اس صورت میں ... رہی کا کہ حضور کی واسطی بمنزلہ وطن ہو رہا ہی
ہاتھ سے جاتا ہی تو واسطے رفع اس خوف کی اور حصول اپنی اطمینان کی حضور کی عنایت
اور مہربانی سے امید رکھتا ہوں کہ حضور سعی اور کوشش فرماویں کہ گورنمنٹ سے حضور کے
لیے حکم ہو جاوی کہ مجھی اختیار رہی دو برس تک کہ جا ہوں پھر اپنی عہدہ پر دہلی کی
میں آ جاؤں اور چونکہ حضور نے بیشتر ... برس دہلی میں قضا کی خدمت کی ہی اور اگر
دہلی میں پنشن کا دستور ہوتا تو استحقاق پنشن کا حاصل کیا ہی تو حضور کی حق میں بجای پنشن
کی ہونا اس حکم کا کہ اس مدت میں جب چاہوں اپنی عہدہ پر آ جاؤں بعید
مناسب سے نہیں اور بدون مدت دو برس کی حال موافقت آب و ہوا کا
معلوم ہونا دشوار ہی اس لیے کہ بدون ہی ایک برس کی چوہار موسموں پر
مشتمل ہی اور ہر موسم کی ہوا کا مزاج جدا ہی موافقت آب و ہوا کی مزاج سے معلوم
نہیں ہو سکتی اور ... آنی جانی میں اور اکثر وجہہ سامان سفر وغیرہ
میں صرف ہوتا ہی تو اس لیے بدون اجازت مدت دو برس کی اطمینان طبع
حاصل نہیں اور بدون سعی و سفارش حضور کی اس شرط کی اجازت حضور کو
میسر نہیں ہو سکتی اخر امیدوار جواب اس عرضی کا ہی منشی اشرف علی صاحب سے
حال نقل کروانی کتاب اللہ خانی کا پوچھا کیا انہوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہی ہی چند
روز میں تمام ہو جاوی گی اور الفاظ الادویہ کی مقدمہ میں یہہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب
نی شرکت کسی اور صاحب کی چھپوائی تھی اور سب ... رستم علی سوداگر کی ہاتھ
بیچدی ہی لیکن بازار میں ناکس سے مل سکتی ہی انشاء اللہ ایک نسخہ حضور کی
واسطی خرید کر کی اور جلد بندھ ہو کر ہمراہ رکھونگا اور ہمراہ لیجانا مناسب ہوگا
الہ اباد تلک یا جہاں تلک ... کا حسب الحکم عمل میں آویگا ... کیا فقط

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عزیز برادر سلامت

حسب ایمای حضور کے جو مولوی علی اکبر کا خط سے معلوم ہوئی تھی عرضی
دربار رخصت ممولت مدد صاحب بہادر کی دی تھی اور صاحب بہادر نے لیٹ عرض اور ہو اضا حضور کی سفارش
بھی کی اور کچھ دلیلیں بھی لکھیں لیکن بہت افسوس ہے کہ درخواست منظور نہوئی اور صاحب بہادر
کو بھی اس امر کا افسوس ہوا لہذا اب اہل رائے اور جمیع محررستو کی عقل میں اس صورت میں کہ رخصت
ایک سال کی بھی منظور نہ ہو چھوڑنا روکے رہنے نیلی کا واسطے درخواست عہدہ کلکتہ کی مناسب نہیں اور
اعلیٰ بھی ہے انکی رائے تھی ان سب کی رائے کی موافق ہو کی اور حضور کو یہ پہنچی درخواست کی منتہا اس کے بعد در
تصور فرما دینگی اور آپ نے اپنی عنایت سے یہ میں ارقام فرمایا ہے مجھی اس امر میں سفارش کرینگے کا
اختیار نہیں ورنہ بہر اخر مکلف اس امر کا ہوتا ہے واسطے ایک ہی برس کے حضور سفارش فرماویں
تا کہ سیطح اخر ہم اپنی حضور سے محروم ہی لیکن اب سوا حسرت اور افسوس کے کیا عرض کرے واجب تھا عرض کیا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

عمر دراز و سلامت

ارشادات حضور کے زبانی ڈپٹی صاحب سالار جنگ سنے احقر نے
سب موقع اور بجا ہیں حسب الارشاد عرضی درخواست رخصت کی ما تمام ہمراہ حضور ارسال
کی معروف ہے اگر کچھ عبارت کی کمی بیشی منظور ہو تو اصلاح فرما کر مولوی علی اکبر سے
دوبارہ عرضی لکھوائیں اور احقر نے بلحاظ اس امر کی کہ شاید بسبب طول مدت کے رخصت
منظور نہ ہو ایک ہی سال کی رخصت کی درخواست لکھی ہے لیکن بدون ایک سال
کی رخصت کی حال آب و ہوا کا معلوم نہیں ہو سکتا امیدوار ہوں کہ جب حضور نے
میری پرورش کے لیے اپنی اوپر بوجہ سفارش کا اٹھایا تو واسطے رخصت
ایک سال کی سفارش کیجیے یعنی میری درخواست اسی عرضی کی بموجب منظور کروا دیجیے
شاید حضور کو گمان ہوا کہ احقر نے درخواست رخصت کے واسطے عذر کی ہے اس ضمن میں
یہ عرض کرتا ہوں کہ احقر کو عذر منظور ہوتا تو عذر اور بہت تھے آپ اگر انصاف
سے نظر فرماویں گے تو احقر کو اس امر میں معذور جانیں گے مجھ جیسے کو اگر دربار
کا چھوٹ جائے تو پھر ویسا دربار کہاں میسر ہو سکتا ہے اس جہت سے بھی چاہتا
ہوں کہ دستور جاری کا لکھ لکھنا بھی حاصل ہے اور جب تہا عرض کیا احقر کو آج ہی ارشاد
حضور کا پہنچا آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کی منظوری کے بہ ارادہ روانہ کی ہے معافی چاہتا ہوں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

سلمہ

غریب پرور سلامت

~~بسبب خالی ہونی عہدہ امینی مدرسہ کلکتہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر~~

احقر نی زبانی درخواست اوس عہدہ کی کی تہی اور مرکوز اس احقر کو یہہ تہا کہ بروقت منظوری
درخواست کی مدرسہ دہلی سی رخصت حاصل کرکی کلکتہ کو روانہ ہونگا اب جو صاحب بہادر نے
وہی مقدمہ تقرر احقر کی اس عہدہ پر ڈاکٹر مواٹ صاحب بہادر کی خدمت میں بسفارش کی
اور واسطی بہیجنی درخواست کی احقر کو لکہا تو احقر نی واسطی حصول رخصت کی معرفت شبلر صاحب بہادر
قایم مقام پرنسل مدرسہ دہلی کی درخواست اپنی کمیٹی مدرسہ دہلی میں گذرانی صاحبان کمیٹی نے
اوس درخواست کو نامنظور کیا اور احقر کو بابت حاصل کرنی رخصت کا مدرسہ دہلی سی یہہ ہی کہ
آدمی کو حال آیندہ کا معلوم نہیں اگر بعد پہونچنی کلکتہ کی آب ہوا اوس شہر کی میری مزاج کے
مخالف ہو یا اور کوئی سبب باعث ہوئی کہ مجہی ترک روزگار کلکتہ کا منظور ہو تو اس صورت میں
میں بالکل روزگار سی محروم ہو جاؤن اس لئی آپ کی عنایت اور مہربانی سی کہ اوپر سب
پڑہنی لکہنی والون کی مبذول رہتی ہی امیدوار ہون کہ آپ میری سفارش گورنمنٹ سی کرکی
اجازت اس امر کی حاصل کروا دین کہ مجہی بعد پہونچنی کی کلکتہ میں ایک برس تک اختیار رہی
اگر کسی سبب سی چاہون پہر اپنی عہدہ پر آؤن واجب تہا عرض کیا الہی کوکب اقبال کا سرسبز رہی

[illegible]

غریب پرور سلامت

الطاف نامہ حضور کا بہیجا سربلند کیا بموجب حکم کی
تین نسخہ موطا شریف کی بنام قائم مقام ڈاکٹر مورٹ صاحب کی بدستخط سرشتہ
بہادر کی جو بلحاظ تحریر حضور کی ادہنوں کردی کل کی تاریخ میں روانہ کیئی
یہہ عرضی اس نظر سی کہ حضور نی ارشاد کرکی دو نسخہ واسطی مدرسہ کی
خرید کریں اور ایک نسخہ بطور ہدیہ کی اپنی خدمت میں رکہیں پہلی سی لکہہ
بہیجی مولوی سدید الدین خان قریب الہ آباد کی پہنچی خط ان کا آیا تہا بسبب مخالفت
ہوا کی بجرہ سواری کا کم کم چلتا ہی احقر امیدوار ہی کہ گاہ بگاہ ملطف نامہ
سی بندہ کا روبار لائق اپنی کی سربلند اور سرفراز ہوتا رہی واجب تہا عرض کیا فقط
قیمت فی نسخہ پانچ روپئی مقرر ہیں واسطی اطلاع کی عرض کیا فقط

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

در جواب الطاف ... مولوی محمد ... صاحب رسید و در
وضع ... در خواست جملهٔ ... مدرسهٔ کلکته ... علیت رحمت ... مولوی حافظ محمد ... حسین
کالج ... خدمت ... فرستاده اند و ارقام فرموده اند که این عرض ... جناب ...
... را ... که جناب ممدوح عرض نموده ... خود که در ... حسن لیاقت ... کار
ارقام فرموده ... کلکته ... عرض ... را ... خدمت ... گردد امید که کلکته ...
فرموده شود و ... که ... به تحقیق ... خود الفاظ خوشنودی خود ... مولوی محمد
و حسن لیاقت ... نشوند ... برای عهدهٔ مذکوره سند ... خواهند فرمود و نمیدانم که این
این درخواست ... صاحب ... تحقیق عرض میکنم ... پیش پرنسپل کالج ...
بلاغ فرمانید و ... در ... مولوی صاحب ... و ... ممدوح ... موسم ...
تا ... روانه شده اند اگر ... روانگی خط ... روانه شده باشند ...
بر ... عنایت مزاج ... سرفراز ... فرموده باشند ...
و گلشن اقبال شگفته و ریان باد

... مدرسهٔ ...
محمد حسن ...
...

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب بہادر دام اقبالہم

تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن

مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال
افسوس ہوا چونکہ انکا عہدہ خالی ہوا اس واسطے اس احقر نے درخواست
اوسکی آگرہ میں بھیجی ہے لیکن بے توجہ حضور پرنور کی کچھہ نہیں ہو سکتا
اور ہم لوگونکو اور کوئی ذریعہ ظاہری بھی نہیں اسی واسطے امیدوار
ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے احقر کی واسطے یا مولوی محمد مظہر صاحب کی
واسطے سعی فرماویں تاکہ اپنی مراد کو پہونچکر حضور کی شکر میں رطب
اللسان رہیں اس امر میں عنایت اور شفقت ضروری ہے فقط

آفتاب دولت تابان رہے

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عریضہ دوم رسیدہ سپرنگر
جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب بہادر دام اقبالہم

جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ

آگرہ کی چٹھی سے جو اجمیر میں گئی تھی معلوم ہوا کہ بموجب حکم لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کے در
سب درخواستیں جو عہدہ آگرہ کے واسطے گذری تھیں حضور والا کی خدمت میں روانہ ہوئی
ہیں پس اگر ان درخواستوں میں درخواست مولوی ذوالفقار علی مدرس مدرسہ بریلی کی بھی ہو
تو میں کچھ عرض نہیں کرتا کیونکہ حضور والا نے سابق اونکو چٹھی رحمت فرمائی ہے لیکن
اگر اونکی درخواست نہ ہووے تو امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص کی درخواست منظور
فرماکر عہدہ آگرہ پر مقرر فرماویں اور اس شہر میں اکثر بیمار رہتا ہوں اور چاہتا ہے
کہ کسی طرح اضلاع مغربی میں تبدیلی ہو جاوے اگر حضور کی توجہ سے یہ مراد بر آوے
تو بقیہ عمر وطن کے قریب ہو کر دعا دولت ابد پیوند میں مصروف رہوں اور چند
اشعار عربی کے جو اسوقت بلاتکلف قلم برآئی تھی خدمت فیض درجت میں بھیجتا ہوں
امید ہے کہ الطاف فرمانہ فرماکر قبول کئے جاویں اور دعاگو کو ممتاز و سرفراز فرماویں
واجب تھا عرض کیا آفتاب دولت تاباں رہے

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

غریب پرور سلامت

این احقر را مدت چهار سال است که مدرس اول عربی مدرسه

بنارس بمشاهره پنجاه روپیه بسبب منظوری صدر و خوبی لیاقت خویش مقرر شده بود اواخر سنه ۱۸۴۶ع

برای استسعاد شرف استلام عتبات منیفه بیت الحرام رخصت گرفته و برادر خود را بجای خود گذاشته بعد جهد و جهد

بسیار گوهر مقصود بکف آورده مراجعت خواست در وقت فرود آمدن از جهاز و وارد شدن بمبئی رحلت گزیدن

مولوی حافظ احمد کبیر صاحب امین مدرسه کلکته از جهان فانی تاریخ صلاح شد نانوشت عرضی متضمن حوال خود

و درخواست عهده امینی مدرسه مسطوره بذریعه ڈاکٹر سپنگر صاحب بهادر پرنسپل مدرسه روانه خدمت حضور فیض گنجور

کرده بودم ازانکه در اثنا راه هستم یقین کلی فائز شدن بر عهده مذکور نبود چون جناب مستطاب

ڈاکٹر سپرنگر صاحب بهادر پرنسپل مدرسه دهلی هم از حال لیاقت و کارکردگی احقر بخوبی آگاه [illegible] درخواست [illegible]

بذریعه جناب معز الیهم ارسال خدمت فیض درجت کردم امیدوار است که بحسب انتظامات علیه و ثبوت متحقق [illegible]

پرورش احقر بر عهده مذکوره فرموده شود تا بقیه حیات بلسان [illegible] ابد پیوند مستغرق [illegible] باشم

و حوال کارکردگی و حسن لیاقت فدوی از تسطیر جناب ڈاکٹر صاحب معظم الیهم دریافت خواهند شد [illegible]

گلشن دولت سرسبز باد [illegible]

ا

غریب پرور سلامت

جناب عالی فدوی اب تک بیکار ہی اگرچہ

حضور کی سعادت پرورش بہت ہی لیکن اپنی طالع سے لاچار ہی ارادہ

مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونیکا مصمم معلوم ہوتا ہی

اسواسطے فدوی بہم تمنا رکھتا ہی کہ اگر کوئی خلاف وہاں فدوی کے واسطے بہی ممکن

ہو تو ہمراہ مولوی صاحب حضور کی خدمت عالی بدرجہ میں حاضر ہوں باقی جو حضور کے

نزدیک مناسب ہو عمل میں لاوں کتاب انسان العیون حسب الطلب ارشاد ہمراہ مولوی صاحب

حاضر روانہ کروں بالفعل دکنی بیع کا ارادہ نہیں ہی لیکن اگر بہت ضرورت

ہوئی لاچار بیع کرونگا اور حضور کو اطلاع دونگا اگر ہمراہی جریدے کے ادہر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہو تو نہایت خوشی اور آرزو بھی معطا
واجب جانکر عرض کیا اقبال دولت تا چمکتا رہے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بعد عرض [illegible] احقر [illegible]

[illegible] سو [illegible] تو بعد غور [illegible] معلوم [illegible]

[illegible] اگر [illegible] سرفراز فرمائے تو [illegible]

[illegible] نہیں تو ایک [illegible] جیسی حال اور [illegible]

[illegible] مندرج ہوئے [illegible] فرمائیگا اور [illegible]

میں بندہ [illegible] الصدور کے مقرر ہوئے میں احقر [illegible]

[illegible] کے [illegible] میں آیا ہے غالب [illegible]

[illegible] اور [illegible] کا [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کہ نام ہوگیا ہے مولوی علاء اکبر نے بسبب ایک کے دو ایک شغول قلیل یعنی ۳ روپیہ
ہیں اور محنت بہت ہے درخواست نہیں دی ۔ انسان العیون کے
باب میں کچھ سرشار نہیں ہوا اگر احقر کو وہاں طلب فرمائینگے
تو ہمراہ لیکر حاضر ہونگا نہیں تو اگر آپ حکم کریں یا داک میں
بھیج دونگا میری یہی آرزو ہے کہ میں خدمت میں رہتا مدرسہ [illegible]
[illegible] اگر ہو سکے اور مقصد مدرسہ کا وہاں حاصل
ہو یا اردو ترجمہ بخاری شریف کا وہاں پڑھایا جاوے تو بہتر
حضور ہم لوگوں کو یاد رکھینگے کا جواب اس عریضہ کا موقوف
یہ عنایت ہوگا اور جو کام احقر کے لائق ہو اوس سے ہمیشہ سرفراز
فرمایا کریں فقط آداب [illegible] تو باقی کا کیا [illegible]

[illegible]

غریب پرور سلامت

جب سے کمترین خدمت فیض درجت سے جدا ہوا ہر چند ارادہ عریضہ نگاری کا

باعث سیر و سفر حضور کے گم ہوا ہے مگر باطن اکثر اوقات بادای شکریہ الطاف و عنایات کریمانہ کے جو قدیم سے نسبت

حقیر مند دل ہوئی ہیں مصروف رہتا ہے اور حقیقت میں احسانات جناب عالی کی بندہ پر اسقدر ہیں کہ اگر عمر بھر

شکر ان کا کیا جاوے ادا نہو سکیں سے اولیتنا من فضلک المنن التی فعلت بنا فعل السحب

بالربی الحمد للہ تعالیٰ عرض یہ ہے کہ ان توجہات کے ایکو کامیاب داریں رکھے ان دنوں میں بدریافت خبر فرحت اثر تعیناتی تقرر

حضور کے اوپر عہدہ منتظمہ انتظام کل مدارس کلکتہ کی سجدات شکر درگاہ باری تعالیٰ میں کیے گئے خدا تعالیٰ ایکو اس سے

بڑی عہدہ پر سرفراز فرماوے اور ہمیشہ کام روائی اہل مطالب رکھے ایک قصیدہ عربی بطور مبارکباد مدح حضور میں

ملفوف عرضی ہے سے گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ یکم دسمبر سے امتحان طلبہ مدرسہ ہذا شروع ہوا ہے اور خبر ہے

کہ ۱۷ جنوری تک جناب نواب لفٹ گورنر بہادر رونق افروز اس شہر کے ہوں گے باقی حالات مدرسہ بدستور

اور احقر کو اشتیاق قدمبوسی حضور از بس خدا تعالیٰ کوئی تقریب پیدا کرے کہ علاوہ حاصل ہو دیدار کا

العبد خیرخواہ بندہ ... مظہر

ذو الفقار علی ...

غریب پرور سلامت

بعد گزارش تسلیمات [illegible]

[illegible]

[illegible] فہرست [illegible]

[illegible] فہرست [illegible]

[illegible] فہرست [illegible] ترتیب [illegible]

[illegible]

اور فہرست [illegible] کتاب [illegible]

فہرست [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عریضہ بندہ بخدمت

جناب مخدوم [illegible] تسلیم [illegible] تحریر یہ ہے کہ حضور کی
عنایت سے میں شروع ہو گیا ہوں اور بندہ خیر و عافیت سے ہے حضور کی صحت مزاج خیر کا
خواہاں رہتا ہوں چند روز ہوئے کہ مسٹر اشرف علی نے دوسری جلد ترجمہ [illegible]
جو حضور کی عنایت سے [illegible] کہ وہ مسٹر [illegible] کی کتاب سے اردو ترجمہ ہوا ہے
اس سبب سے حضور سے یہ عرض کرنا مناسب جانا کہ جلد از جلد حکم حضور کا اردو
ترجمہ بندہ [illegible] حضور [illegible] درست [illegible] فرمایا جاوے [illegible] بیشک صحیح ہی ہو گا دوسرے
[illegible] اپنی وعدہ کا ضرور [illegible] آگرہ میں اگر طلب کیا اور جناب [illegible] صاحب بہادر [illegible]
ایک چٹھی [illegible] ڈاکٹر [illegible] صاحب سے ملازمت [illegible] کا ارشاد کیا
[illegible] ہیں بیشک اس کتاب [illegible] دونوں [illegible] اگرچہ [illegible] صاحب عربی [illegible] مگر اردو کا
مطلب خوب سمجھتے ہیں یقین ہے کہ جس مقام پر ان کا مطلب [illegible] بیان کرو نگا
وہ بیشک صحیح کر دیں گے اگر حضور ارشاد فرماویں تو میں اس کتاب کو ڈاکٹر [illegible]
سنا دوں اور صحیح کرا دوں تا کہ وہ ترجمہ تمام ہو جاوے جو ہدایت ہو اس پر عمل کروں
امیدوار ہوں کہ حضور ہر وقت فرصت [illegible] اس [illegible] اپنی [illegible]
ہدایت فرماویں ——— ماہ گذشتہ میں جناب [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

جیسے اونھوں نے وعدہ سررشتہ داری دینے کا کیا تھا مگر وہ صاحب بھی جاتے رہے

کہ سات دن کے عرصہ میں نجات حاصل ہو [illegible]

رسالہ رکھ لیا یقین ہے [illegible] روز کا معمول [illegible] عنایت [illegible]

حضور کے جو عنایت [illegible] شکر [illegible] ادا [illegible]

یہی دعا ہر نماز کے بعد کرتا ہوں [illegible] حضور کے [illegible] میں بھیجوں ——

اگر حضور کو کوئی کتاب تذکرہ اردو [illegible] میں بھی ہو تو بندہ کو اوسکی

اطلاع فرما دیجئے گا اور حضور کے کتب خانہ میں کوئی کتاب اصطلاحات

یا ضرب الامثال یا محاورات عربیہ ہو تو فدوی کو اوسکی نام

بھی اطلاع فرما دیں [illegible] کتاب حضور کی پاس ہے یا نہیں فقط

زیادہ ادب

خدمت جناب میم صاحبہ بہت ادب سے بندہ کا عرض سلام نیاز ہے

اور باوا صاحب کو بھی سلام پہنچے فقط والعبد

کریم الدین ۱۰ [illegible]

Postpd

M. Dr. Sprenger

Lucknow

Kuremoran

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جناب کا بہت دنوں سے ارادہ کر رہا تھا کہ حضور کی خدمت

میں ایک عریضہ شکریہ کا ارسال کروں اور اپنی حال کی کیفیت لکھوں مگر حضور سفر میں تھے اور یہ سنا

تھا کہ تشریف لے گئے تھے اس سبب مجبور رہا اب سنا ہے کہ حضور کا ارادہ پھر واپسی کا ہے

ہر چند کہ حضور سے بہت دوری حاصل ہے مگر پھر بھی بلحاظ شفقت اور عنایت حضور کے

اپنے تئیں قریب ہی جانتا ہوں اور جب سے حضور سے جدا ہوا ہوں شکرگذار ہوں مستوجب

اور حضور کی عنایت سے آگرہ میں آ کر میں نے زبان سنسکرت کی تحصیل کی اور اس کی بابت شرح لغات

خوب اچھی طرح مطالعہ کرتا ہوں چنانچہ اخیر مقاموں کی شرح بہت مختصر اور بہت سے

طوالت کے سبب چھوڑ دی ہیں اگر اس بارہ زمانہ کی کیفیت از سر نو لغت سنسکرت کی شرح چھوڑ دی

اور لغت کم مشہور سب لکھے ہیں اور بعض مقام پر بیان اچھا کیا ہے مجمل چھوڑ کر مفصل لکھا ہے

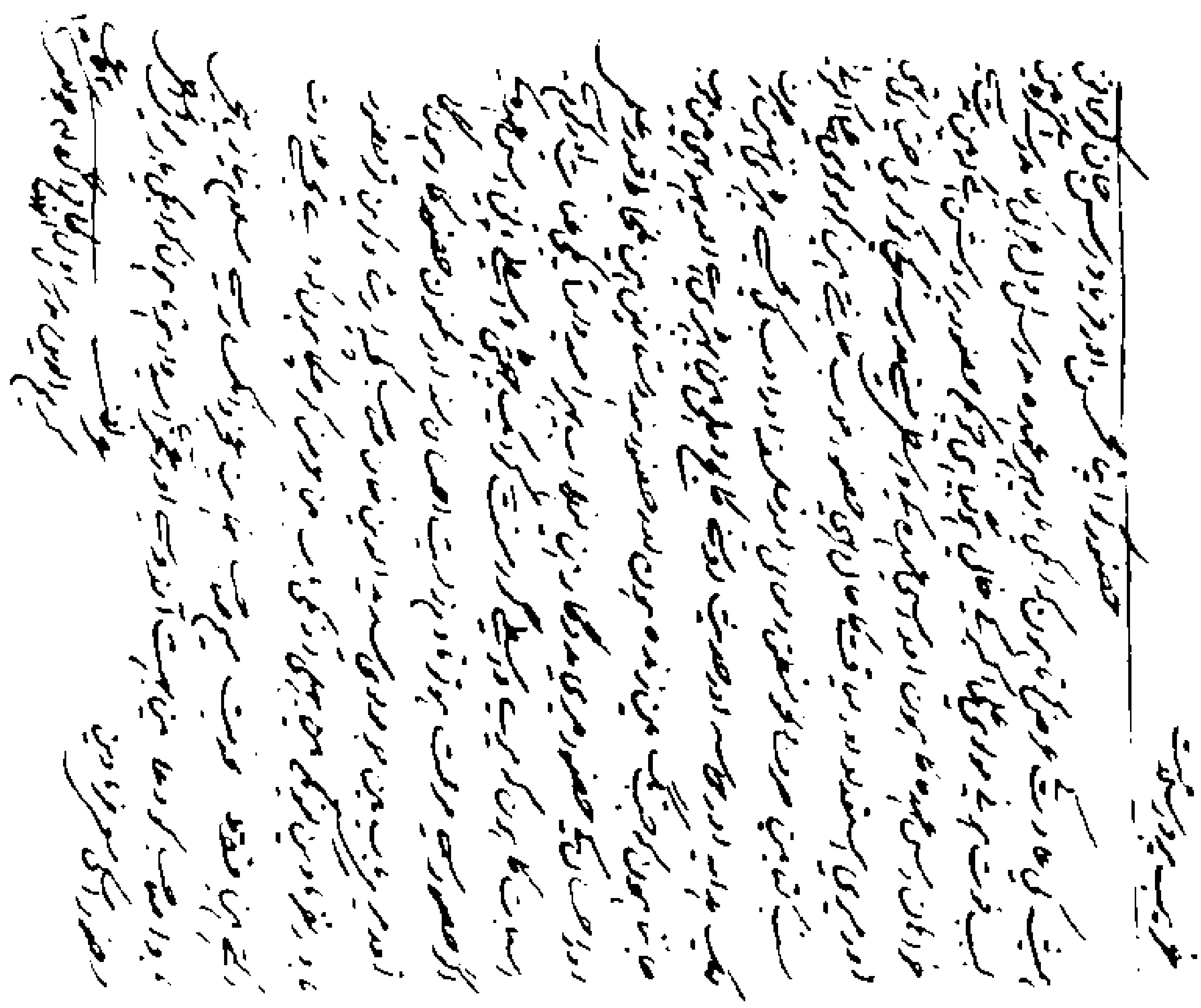
یقین ہے کہ اس کی بابت حضور ملاحظہ فرمائیں گے تو بہت خوش ہوں گے جو جو نقص حضور پاتے

درمیان ما و حضور [illegible] نکال ڈالی ہے اور اس کی [illegible]

طلب کریں [illegible] تو حضور مجھ سے [illegible] دیکھنے کو طلب فرمائیں گے تو میں عرض کروں گا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مگر جاتا ہوں اور آپکی عنایت قدیمانہ اور مہربانانہ سے امید ہے کہ گورنمنٹ بنگال میری مدد
اسکی طبع میں مثل مدد دینی سال گذشتہ گورنمنٹ آگرہ کے دیں تو منشی صدر پرورش ہوگی
اور میں بموجب آپکی وعدہ کے ایک دستہ خصوصاً درجات میں جب آپ ہندوستان
تشریف رکھتے ہیں کسی کو بہتر نہیں سمجھتا ہوں — اور ان دنوں میں بندے نے سنا ہے
مولوی سعید الدین خان کو حضور نے مولوی احمد کبیر صاحب مرحوم کی جگہ پر مقرر فرمایا ہے
چنانچہ وہ بھی سب یہی بیان کرتا پھرتا ہے سوا اس کے اگر آپ ہوں تو بندہ مستحق درجہ
عربی کالج آگرہ کا ہے حضور بندہ کو اطلاع اسکی فرما دیں تاکہ میں گورنمنٹ سے درخواست اون
کو سلطنت سعید الدین یہاں کی ملازمت سے بہار اکسٹرا کا مقرر کر چکی ہیں اور کمیٹی
کر دس بارہ روز میں سفر کرونگا — ان ایام میں بموجب حکم ریڈ صاحب جنرل وزیٹر
اضلاع گورنمنٹ آگرہ کے ایک ڈکشنری اردو اور ہندی کے اسطور پر اول خانہ
میں لفظ عربی یا فارسی جو اردو میں مستعمل ہے لکھا اور دوسرے خانہ میں اسکی معنی
ہندی بھاشا میں سیدھے طور پر لکھی ہے — اور ایک تاریخ کو بیان ہندی اور اردو کا
اسطرح پر ایک صفحہ پر اردو ہے اور جو کہ سرے اس میں ہے لکھی ہے اور دوسرے صفحہ
میں ہندی میں الفاظ مشکل کو حل کیا ہے یہ بیت بندہ نے طیار کیا اور اسکولوں میں
دونوں کتابیں بموجب حکم گورنمنٹ کے داخل ہو جاوینگی — اگر آپ بنگال میں اکثر شرح کا سہ
کو منتشر کی شیب میں چھپوا دینگے تو ان اضلاع کا ترقی ڈالوں اور ہندوستان کو





A History

of

Hindoo Poets

Chiefly Translated from

Garcin [illegible] Histoire de la

Literature [illegible] Hindoustanie

[illegible]

[illegible]

[illegible] College

1848

[illegible] Rupees

تاریخ

شعرائے اردو مترجمہ ایف فیلن صاحب بہادر [illegible] کریم الدین [illegible]

[illegible] عیسوی میں ترجمہ کیا اور [illegible] اردو [illegible]

دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کر [illegible] مندرج کیا گیا

باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم مدرسہ [illegible] چھپی

قیمت چہار روپیہ

[illegible]

''طبقات شعرائے اردو'' از مولوی کریم الدین پانی پتی (۱۸۴۸ء) باہتمام سید اشرف علی واسطی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بندہ ہائے ستانو بہ ... عدالت گستر ... زمان خاتم ... جامع کمالات المکمل لنوع الانسان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک کرداں حضور کا جو [illegible]

[illegible] حضور کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ل

بندہ کا تعالیٰ متعالی عزت پرور و معدلت گستر خداوند نعمت دام اقبالہم

مہر سامنے

بعد عرض تمکوار فدوی بہت عجز و نیاز سے آداب و تسلیمات بجالا کر عرض کرتا ہے کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا مورخہ ۴ ستمبر ۱۸۶۵ء فدوی کے پاس ۲۱ ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہونچا سرفراز اور ممتاز کیا فدوی حضور کی تفضلات اور مکارم کی شکرگذاری کیونکر کرے کہ حضور کی پرورش اور مہربانی اس قدر ہے کہ فدوی جس قدر سپاس گذاری کرے وہ تھوڑی ہے اللہ تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے فدوی صرف حضور ہی کا متوسل ہے اور ۷ تاریخ ماہ ستمبر ۱۸۶۵ء کو فدوی نے اپنی درخواست معہ چٹھی سفارش حضور کی روانہ کلکتہ کردی جبکہ فدوی کو اپنی تقرری کی اور عہدہ پر اطلاع ہوگی بہت جلد عزم روانگی کلکتہ کا فدوی کریگا اور کتاب کشاف اصطلاحات الفنون بھی مولوی کریم الدین سے لیکر اپنے ساتھ کلکتہ میں لاکر خدمت فیضدرجت حضور میں حاضر کرونگا اور تمام راہ میں بعض دوستوں سے کوئی ہی کتاب تاریخ یا کسی اور فن کی بہم پہونچی تو وہ بھی حضور کے لیے لیتا آؤنگا زیادہ حد ادب

افتاب دولت تابان باد

ل

غریب پرور معدلت گستر نوشیروان زمان حاتم دوران جناب نیکسان دام اقبالہم

بعد عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجا لا کر

فدوی عرض رسا ہے ہزار ہزار شکر ہے کہ محض حضور کی پرورش سے فدوی مدرسہ کلکتہ میں ایسے بڑے عہدہ پر
مقرر ہوا اور حضور ہی کی مہربانی سے فدوی کی یہ ترقی ہوئی رات دن دل سے حضور کی دعا میں مشغول ہوں
اور حضور کی مہربانی کا بہت شکر گذار اور احسان مند ہوں نویں تاریخ ماہ جنوری ۱۸۶۳ کو فدوی کے پاس چٹھی
درباب تقرر فدوی کی اوپر عہدہ اسسٹنٹ مدرسہ کلکتہ کی پہونچی جو بالفعل مدرسہ اکبر آباد میں بسبب امتحان کی تعطیل ہے
اور پرنسپل مدرسہ اکبر آباد واسطے سیر و شکار کی اکبر آباد سے بھرت پور کی طرف تشریف لے گئے ہیں اکیسویں تاریخ ماہ حال کو
مدرسہ کھولیگا جب صاحب پرنسپل بہادر اکبر آباد میں تشریف لاوینگے اوسوقت فدوی مدرسہ اکبر آباد کا کام اونکے سپرد کر کے
فوراً روانہ بطرف کلکتہ ہوگا اور فدوی نے بموجب ایما کے پہلے ہی سے سب سامان سفر کا طیار کر رکھا ہے روانگی میں کچھ توقف نہیں
اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی واگرنہ یہاں سب لوگ فدوی سے کہتے تھے
کہ وہ عہدہ تمکو نہیں ملیگا ناحق طیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا بالفعل جو فدوی کے پاس اوس عہدہ کی اوپر

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مقرر ہوئی کی سند ا ہوگئی وہ سب طیاری سفر کی میری جلدی روانگی کے لیئی مفید ہوئی اور بدون

جس دن یہان کا کار سپرد کرکی آگرہ سی کلکتہ کی طرف روانہ ہونگا اپنی روانگی سی ایک اراپہ سیتر

عرض اطلاعی حضور کی پاس روانہ کرونگا اور بہت جلد کلکتہ مین ہوچکا اور جو کوئی کام حضور ارشاد کرین

اوسکو بھی بجالاون اگر لہ بار مین حضور کی کتابون کا صندوق اب تک روانہ ہوا ہو تو ضروری مطلع کیجیی

کہ مبادا حفاظت سی ہونی لیکی ساتھ کلکتہ مین لادی اور حضور کی عنایت کا بہت شکریہ عرض

کرتا ہون اللہ تعالی حضور کو سلامت رکھی زیادہ حد ادب

الہی آفتاب دولت و اقبال تابان باد

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بندہ کا نہایت استعجالی و اہتمام

بموجب حضور کی ارشاد کی بندہ نے جلدی کے تعمیل کی اور جو طالب العلم

کہ مدرسہ میں آتا گیا اوسکو فورا مدرسہ سے خارج کیا مگر اس وقت سب طالب العلم

متفق ہوکر لکڑیاں ہاتہہ میں لیکر اپنی اپنی مکانوں میں سے چلی آئی اور کہتی ہیں کہ ہمکو

کوئی نہیں نکال سکتا اور نہ ہماری نکال دینا حاکم کی ایسی ہے بلا حکم کونسل کی ہمکو

نکال نہیں سکتے اب ہم نہیں نکلیں گے اگر پولیس کے آدمی ہمکو نکالیں گے تو ہم [illegible] اونکو ہی

ماریں گے مگر نکلیں گے نہیں بہت آدمی متفق ہوکر یہی بات کہتی ہیں کہ اگر پولیس کی آدمی ہمکو

نکالتی [illegible] اویں گے تو ہم فوجداری کریں گے مگر نکلیں گے نہیں بالفعل غور اور تامل میں ہے حضور جیسا

ارشاد فرمائیں اوسپر عمل کیا جاوی بندہ بعد حضور کی حکم کی فوجداری سے بہی نہیں ڈرتا

الفت رائے ناہماں رئیس



عرائض بندہ

بحضور پرنسپل صاحب بہادر مدرسہ کلکتہ دام اقبالہم

سید

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

حضور کا ایک [illegible] پروردہ میری

بیعت [illegible] سے اور [illegible] سلسلہ [illegible] بجا لا کر عرض

کرتا ہی کہ فدوی کو بہت ضروری امر حضور سے عرض کرنا ہی

اور [illegible] کا کلکتہ میں حاضر ہونا بجز جمعہ کی نہیں ممکن ہی اور حضور نے

ارشاد نہیں فرمایا تھا [illegible] مدرسہ میں [illegible] حال [illegible] تشریف فرما ہونگے

اگر حضور بالفعل [illegible] تشریف لاویں [illegible] حضور کا [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور جو کچھ حضور جواب ارشاد فرمائیں گے بہر خدا کا جواب جلد آنا چاہئے محمد حسن مرحوم کی

بیٹی کے پاس نذور کو لکھنا ہی اور بعد دریافت کریں حضور کے

یہ بات ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ وجہ تعریف کے بعد ہی ورنہ ارشاد حضور

سے محمد حسن خاں مرحوم کا بیٹا پوری میں رہتی ہیں اور وہ وہی

خط لکھنؤ میں بھیجا تھا لکھنؤ سے وہ خط واپس کانپور میں گیا

غیبت ادھر ہی پاس آنا تھا اور جواب حاصل ہوا اور حضور کے

تمام ہی عرصہ میں سے مرحوم نے لڑکی نے لکھی بخدمت حضور کو دو عرضی

سنا کر نذور ہی جواب اور اسکا لکھنا بیان سے روانہ کی

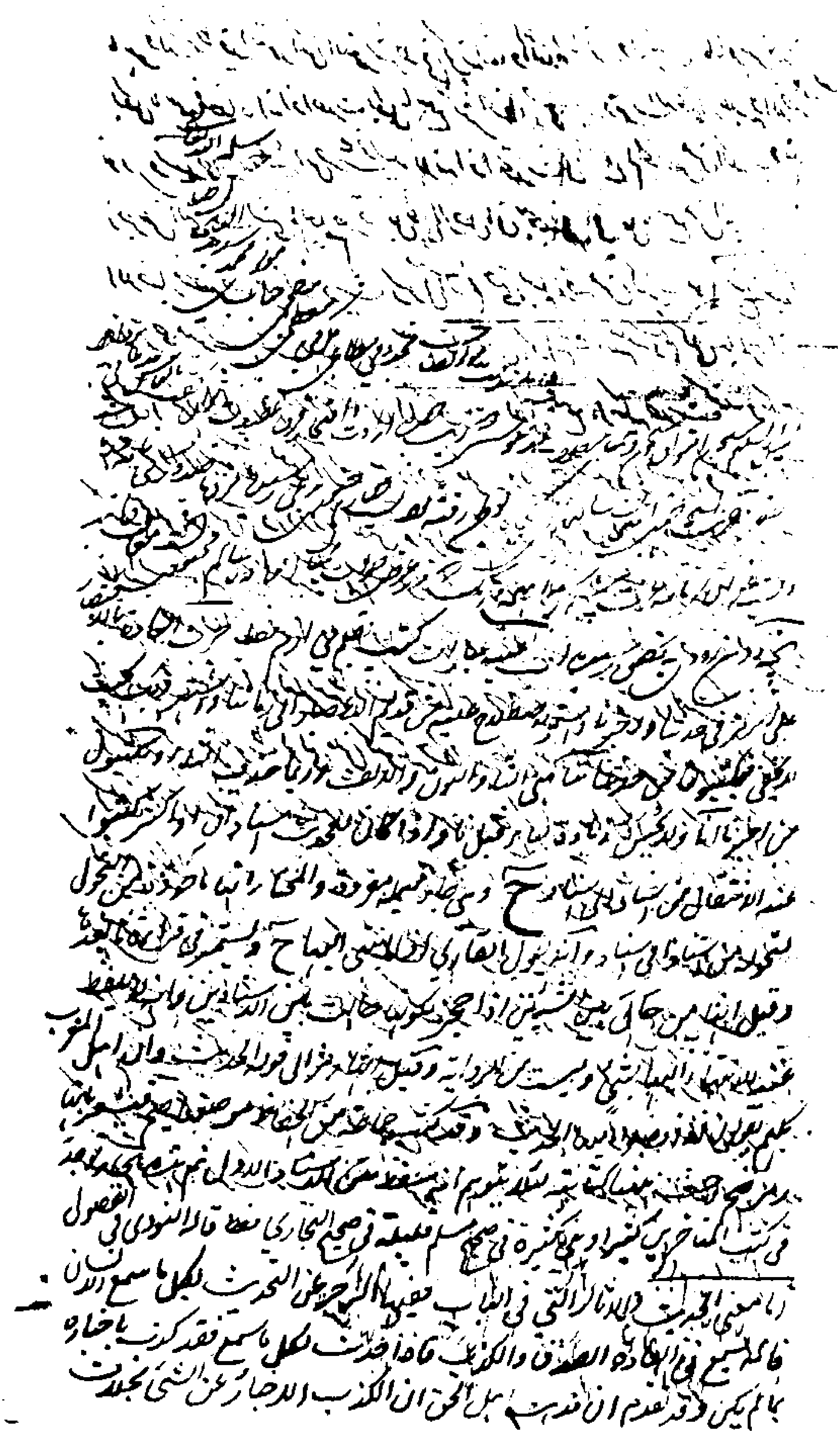
ہمدرد ہیں اگر ایسا ممکن ہے اگر حضور کو تکلیف سے بچ کر دیا جائے فوراً

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



مکتوب احمد علی سہارنپوری بنام مولوی محمد سدید الدین خاں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ما هو ولا يشترط فيه التعمد لكن التعمد شرط في كونه اثما والله اعلم اما قوله ولا يكون اماما وهو يحدث
بكل ما سمع فمعناه انه اذا حدث بكل ما سمع كثر الخطأ في روايته وترك الاعتماد عليه والاخذ عنه
هو دون ورسید حاشیه [illegible] این حدیث [illegible] لانه اذا تحدث بكل ما سمع لم يخلص من الكذب وهذا
زجر عن التحديث بشيء لم يعلم صدقه بل على الرجل ان يبحث في كل ما سمع من الحكايات و
الاخبار خصوصا من احاديث رسول اكرم صلى الله عليه وسلم حتى يعلم صدقه من كذبه ۱۲ شیخ عبد الحق
در ترجمه میفرمایند وعنه وهم از ابو هریره است قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم كفى بالمرء كذبا
بس است مرد را از روی دروغ گفتن ان يحدث بكل ما سمع اینکه حدیث کند و بگوید
هر چیز را که شنیده است یعنی اگر کسی هیچ دروغ نگوید ولیکن هر چه بشنود بی تحقیق و تفتیش روایت
کند همین قدر بس است در دروغ گفتن زیرا که هر گاه این کند البته در دروغ افتد چه
غالب آنست که همه چیز شنیده راست نخواهد بود و مقصود زجر و منع است از حدیث بی آنکه
معلوم نیست صدق آن نقل و مولوی قطب الدین صاحب بعد ترجمه [illegible] لکھتے ہیں کہ آدمی کو
جھوٹ سے بولنا [illegible] عادت رکھتا ہو [illegible] یعنی بے تحقیق روایت کر دی تو
اس صورت میں جھوٹ بولنے میں کیونکہ [illegible] البتہ جھوٹ میں گرفتار ہوگا
اسکی [illegible] سب سے [illegible] مقصود منع کرنا ہے بیان کرنے [illegible]
[illegible] مسلم [illegible] روایت [illegible]
[illegible] الافتراق [illegible]
[illegible] مسلم [illegible]
[illegible]
[illegible] مسلم [illegible]
[illegible] فنافی [illegible]
[illegible] اذا حدث [illegible] واذا [illegible] واذا [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثنا با همه ایزد پاک را   ثنا زیاده نارم پاک را

که خورشید را صورت جام ازوست   شراب شفق در خم خام ازوست

درین ایام نام انجام عجب سانحه هوش ربا حیرت افزا جان گزا

نمودار گردید که عالمی از رنجان در موج حوادث بارد بر جای خود آ قرار

از درون هنرمندان برون رفت   و کرامت اهل علم شکست

در ترتیب تر علم و هنر و فضل و کمال مفقود بلکه کان لم یکن شیئاً مذکورا بشود

چه ترقی علم و اهل هنر از ذات والا صفات اعلیحضرت بود

انحای چون آن والا جناب بولایت عقبی تشریف بردند هندوستان

برباد و ویران شد   چه متاع علم و هنر و فضل کمال دست برد غارت و نهبت جهال حقد پرست

''افضل العلما مولانا الویس ڈاکٹر اسپرنجر التیر دلی'' کی خدمت میں پیش کردہ ایڈرس

(منجانب محمد سدید الدین خاں و دیگر)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

لهذا خار خار درد و الم و تعلق و اضطراب پیرامون خاطر فاتر گشت

که الویه علوم متعارفه و فنون مروجه متداوله که از حسن سعی و مرتضی ملازمان

جناب سر بفلک کشیده بود باز سرنگون خواهند شد و تفصیل این اجمال

بدین منوال که چون از قدردانی و عرف زیری و حسن تربیت و تعلیم انوالے

جناب فاضل کامل جهبذ الحلاحل واقف رموز معقول و منقول

کاشف دقائق فروع و اصول ملاذ العلما کهف الفضلا احبر العلامه

والنبیل الفهامه عالی همم با همه نغم خورشید علم عطارد رقم

بانی قصور فنون ادبیه مشید ارکان علوم عربیه رب البراعه

وامامها عین السماحه وسماءها صاحب الحکم اللقمانیه والفصاحه السحبانیه

والمنح البرمکیه والمنح الفارسیه مهذب الاخلاق وحید العصر فی الآفاق

[illegible] الفنون فی الاقطار [illegible] العلم [illegible]

افضل [illegible] الوسیل [illegible] الی حدائق [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

حدائق علوم تحقیقیه تازه و ریان شدند و از سحاب مکارم و امطار توجه عالیه

خیابان فنون عربیه سرسبز و شاداب شدند و متاع علوم غالیه الا ما

و فصول هنر سنجیده الا ارکان شدند آوازه نیک نامی و خبر دادی

آویزه گوش اشتهار گشت و جماعه علما و فضلا رجوع بخود نمودند و بر بیت

متاع خود را در مبلغ علم را احیا نمودند بحسب لیاقت و استعداد خودها مستفیض

و کامیاب و فائز مرام است پس جمله اهل علم و ارباب کمال پرورده نعمت

این قدردان اهل فضل و کمال و غریق بحار مکارم و لجج فضل و نوال

و پابند کمند امتنان و احسان اند آری گفته اند ع

قدر اهل هنر کسی داند که هنر نامه ها بسی خواند

این اندرس مشتمل بر کوائف مکتتب صاحب ممدوح و محاسن و محامد و اقعیه

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صفات

نه آنکه از مبالغه و اغراق بعض صفات غیر واقعیه را نیز همراه

حقیقی و بعضی امورات حقیقت را بمبالغه کشند بعض اندر بس می نگارند

یا از جوش اندر ستی و صفا قلب را بلند آشفتند و یا بجهت استرضا

و استمراج احکام آنکا دنیت و ابطال راسم درج اندر بس کرده جای طرفین را

خورسند می سازند و داستان داستانها محامد و مثالب خلاف واقع را به خلق

بعید از عقل ملکمندی می سازند تا هم چنانکه این اندر بس بمثابه

آن باشد یا حرفی خلاف واقع یا بندی مبالغه و اغراق یا در این باشد

راست راست بی کم و کاست آنچه حقیقت حال است همه کردم و با

از حسن سعی اوستاد چنین کارهای نمایان که بمنصه شهود جلوه گر شدند

و از معارف صاحب ممدوح سوز و گداز و رنج و الم و حسرت و افسوس دارم

انتها.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اینجا در نظم سر زبان می آرم و حکایت سلطان تکلی خمست این حال

بر سبیل ایجاز و اختصار ثبت میکنم تا تحقیق این همه حال سبب و گریبان صد اا نشت

والتزام این معنی کرده ام که مبالغه را بوجه من الوجوه دخلی نباشد صدق

ساذج باشد اگرچه بلحاظ اینکه شنیدها بهتر از دیدها مبالغه تر بعید

و مبرّا نه اکثر احسان و امثال و موده اند که در برابر آن بقدر که شکر به قرادا

و سپاس گذاری از زبان بیان بصد زبان بیان سازم از عهده آن بر آیم

اما این حال انچه بر سر جمله اهل اسلام و مسلمانان گذرا و حسرت تحمل

و افسوس و رنج مفارقت و دریغ بر زوال دولت اسلام و حسرت که

مردمان انجا را و جمیع اهل علم را خاک و مفوض فغان

در هر کو و برزن عیان است اگر ابجمله حواله قلم می سازم و داد صداقت میدهم

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اولاً صاحب ممدوح در مدرسه دهلی و شنکه فنون مروّجه و علوم عربیه
متعارفه متداوله را که کساد بازاری شده رونق افزودند و فوراً
بمجرد ورود خود در آنجا مسیحائی کردند و احیاء اموات نمودند
که دار تحصیل را دار العلم ساختند و منبع علوم و معدن فنون و مرکز ارباب کمال
شدند در اندک زمانه از حسن تعلیم و انتظام جمیل صاحب ممدوح علوم عقلیه
و نقلیه و فنون ادب و منطق و هندسه و تاریخ و فن ادب
و ریاضی و فلسفه وغیره چنان ترقی و رونق بازار پذیرفت که محصلین
و اصاغر آنجا از اکابر علمای دیگر بلاد گوی سبقت ربودند
و طلبهٔ آنجا منشی عرشه بهمین خوبی می نوشتند که بخوبی عبارت کاملین
سابقین گشتند و در نظم عربی و قصاید عربی موجب شکر نادانا ... شدند
و نثر ها کلام ابن سیرتا ها تحلیل فصاحت و بلاغت سپرده
و بجواهر زواهر رالعت و نعت آراسته و دنیا در ظلمات

و مجمع اکابر فضلا به بانگ بلند و زمزمه های نیکو می سرودند
و آوازه تحسین و آفرین از هر چهار طرف می شنیدند و غلغله
فضل و کمال و شور علم و هنر حسب ممدوح ورد زبانها و گوشواره جان
عالمیان شد و بجوهر قدردانی ارباب فضل و کمال و مراعات
شرفا و عالی دودمان به هر یک بخوبی کفایت شد و علوم و فنون را
ترقی به درجه اعلی و به مرتبه اقصی شد و اهل علم را رفعت و عظمت چنانکه
باید و شاید به عمل در آوردند هنروران که بجهت ناقدردانیها
در زوایای خمول سر فرو برده بودند باستماع این آوازه قدردانی و کامیابی
آنها بیرون آمدند و داد هنروری ها در دادند فا بمرام دل کامیاب مطالب شدند
و سخن سنجان دوربین که آشیانه بر کاخ معنی می ساختند

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بر در دولت حاضر آمدند جنابش کامیاب شدند که اثقال آمال حصلی عموما خفیف
و کمر خدمت بسته‌اند نه مگر دیر محروم زین بارگاه چه روی سعید و چه جبین سیاه
با تحقیق اقتناص قلوب عالمیان و روان جهانیان بجز از کمند حسن اخلاق
و دوام مزید التفات و وفور مراعات متصور نیست ازین رو عالمی را
دیدم که بصدق دل و خلوص نیت تن بخدمت جناب فضائل والا
و محاسن اخلاق گرامی در کمند احسان جناب ممدوح گرفتار و حاضر و غایب
در محامد و محاسن صفات عالیات رطب اللسان و در سپاس گزاری فراوان
مکارم عذب البیان اند چندانکه اخلاق جناب ممدوح که چون شرفا و اهل علم را
می‌بینند دست بدست حمد می‌گیرند و بلطف و کرم و شگفته پیشانی
پرسان حالش می‌شوند و تعظیم و تکریم و حسن التفات خاطرش را خورسند می‌سازند
و در اوقات و اتراب پایه ایشان را از اوج بر می‌رسانند و حاضر و غایب
ظاهر و باطن بر نهج واحد مراعات احباب بخوبی ملحوظ می‌دارند

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دوام در پی ایصال نفع بهر کس سرگرم می باشند سیما با همین حسن اخلاق

و صدق و داد و مزید اتحاد احبای دیرینشان می دهند حق گو حق پسند

نیکو خصال ملاذ ارباب کمال طویل الباع در جمیع فنون فهمیده

و سنجیده سلیم الطبع اتصاف دارند جامع کمالات ممکنه لنوع الانسان

منبع محاسن بی پایان عالی دودمان والاشان رئیس بزرگ و سرکار

در عهد همایونش ریاض علوم از سر نو سرسبز و شاداب شده و گلستان ادب

و غنچه های آمال اهل فضل و کمال از هبوب نسیم قدردانی او وا شدند

سیما کتب عجیبه و غریبه در همه فنون متعدد حالی خریده و با کار اختصار و انتقاد آن پرداخته به

با اتمام دیگر مقدمات آن را طبع نموده شایع و ذایع می فرمایند که حالی حقی واقر

ازان برداشت و فنون را جان تازه در داد چه رساله های عجیب و غریب

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

از حسن سعی جمیل ممدوح نوابغ شدند و عقود مشکل بعضی با نامل
افکار او منحل شدند و کملای کاملان از همه فنون در عهد همایون او شگفته
و خندان شدند به علم ادب و فن تاریخ عربی و حدیث شریف
و تفسیر و فقه و اصول فقه و اصول حدیث و فصاحت و بلاغت
و منطق و حکمت و اسماء الرجال و سیر وغیره همه خیلی رواج
در روز بازار ترقی یافت و تحسین تعلیم و تربیت عنایت ممدوح تاریخ [illegible]
و حماسه و شروح آن و رد در باب طلبه مدرسه دهلی و استحضار مطالب
همه علوم و فنون مستحکم اختیار بر هر کس عیان است چه الحمد لله از اهل علم
و ارباب کمال در اینجا انعقاد می یابد و جمیع علما و فضلا و ارباب [illegible]
نزد خود فراهم آورده بودند که اکثر مشورت جلال الدین اکبر شنیده‌ام
حقیقت را مجاز شنیده باشم و همه ملا و فضلا نزد [illegible]

بعد و تو این اکبر [illegible] شخص کامل فاضل و عالم متبحر [illegible] از [illegible] جمع کرده [illegible]

استدعا هر امر یکه میکردند بحسب مدارج و مراتب حقوق‌ها عالی مرام شدند
و در جمله علوم و فنون امتحانات فیصله میگرفتند و سوالات فنون مروجه
و علوم متعارفه از کتب متداوله جدا جدا نهایت مناسب و برای ادراک
لیاقت هر یکی واقفی دکانی تا بشد می دادند و قدر و مرتب هر یک در علم و فضل می کردند
و استعداد و لیاقت هر کس را بمیزان عقل نیکو سنجیده و حسب
مدارج و مراتب هر کس را سر حدها مشترک تمیز میفرمودند در تمامی شهرهای انگلستان
از حسن تعلیم و تربیت و دقت نظر حکام ممدوحه جمله تحصیل مدارس معمور شدند
که علم هنر را موجب ترقی و اهل علم را باعث بهبودی شده جا
شعور علم و شوق کسب هنر در رعیت عالمیان در افتاد و مدرسه آکره
و مدرسه بریلی و بنارس وغیره که تمام علوم غریبه خیلی کاسد بود در ترقی آنها
کمر همت محکم بسته علما و فضلای لایق این کار در آن مدارس مقرر کردند
که علوم را ترقی در همه جا بدان پایه رسید که آوازه کارگذاران شعار دعوی

در عوض الجوار و ریاست مآرب کابر دادن انجا الی یومنا هذا
آویزه گوش استماع است و چون هر کار بر هر مردی ذی استعداد آن را
در آن کار مقرر کردند حیات علوم غریبه را ترقی شد که قبل ازین عشر عشیر آن
فی ازمنه من الازمان از خود بفعل نه آمده بود با این همه ملازمین قدیمی
کم استعداد انجا نیز معطل و بیکار نشدند همه مردم با کار و بی کار
چه کامیاب و ناکام خورسند ماندند و عالمی را بر لب نان رسانیدند
و گاهی بنامی و بدگوئی را نه پسندیدند از جهات حساب و کتب مراحل
بعید ماندند اگر مندی از عهدی حرکتی خلاف جمع صادر شد اگر همان دم
جهت عبرتش آزرده کشتند بعد سعی بوقوع معمول از نگار مقام
و نزاید الطاف دلش را خیلی خورسند و محمود ند چه ادنی و چه اعلی و از
السنه مختلفه واقف و ماهر اردو و فارسی تا کردی عربی را انگریزی هند آ
و در هر زمان درجه می رسند و در فن ادب درسیر دندب اصول آن

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

و در تفسیر و اسماء الرجال توجه تامه می‌دارند ایشان تعیین را
بقدر طاقت خود اعانت‌ها فرمودند اصابه فی احوال الصحابه
و تفسیر اتقان فی علوم القرآن و کشاف اصطلاحات الفنون
و فهرست طوسی در اسماء الرجال اینها بطبع رسانیدند و بحوی در تصحیح آن
کوشیدند رسالهٔ شمسیه را در انگریزی ترجمه نمودند تذکرهٔ شعرای اردو
و فارسی و اسامی کتب را فهرستی نادر تالیف نمودند که هیچ ملک
هم از آن خوبی کتابی ندیده باشد دیگر تصنیفات و تالیفات کثیر دارند
و علوم و فنون را احیا نمایند و شاید مرحوم زیادی از کتب نادره را
بقالب طبع درآوردند ذات مجمع حسنات صاحب ممدوح از علم و فضل
و حسن اخلاق و قدردانی ارباب فضل و کمال و شرفا و عالی دودمان و
مراعات احباب و پاس اتحاد و اخلاص و تنفر از نفاق و رغبت باتفاق
و اجتناب از تعصب و عناد و سینهٔ بی کینه و دل صاف و راست گوئی را بشنید

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

معدن مروت مصدر احسان بمعارف الوداد ظاهر و باطن یکسان

بعید از مداوت زیر سنان دشمن مخجف گردیده باشند دور از ذلت

و خواری با کسان ... همواره یکسان شریک حال همه کس رضا جوی

همیشه این عبید خاطر شکسته درمان تسلی ده خاطر ... و مودت الفت الی

لا یعد و لا یحصی جامع موصوف ... اکبر جدا فقیر الفقیر ... تشهیر

مقصد و مرشد ... شرح آن بر دارم در نشر ... تحریر ...

بر سبیل اختصار و اختصار ... قدر اکتفا باد ... نعمت ...

بعد زوال ... همه ... ترویج ... ملک ...

چه ... ملک ... اهل علم ... ارشاد ...

... آمد و چه ... علما ...

جمال ... تعمید ... تمام ...

چه ذلت و خواری ... آثار ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

و عجب و کبر لبریز بودیم در نادیه اہل علم گویا بمحکمه فوجداری یا دار العلم مرتبه
دار محتسبات شده بود که هر دم درشتی و تندی و سرگره جبینی و کینه وری
و سخت کلامی موجود بود شرفا بدتر و کمتر از رذل بر تر و سرور جهال
مقبول اہل علم مردود بدتر از رذل و سفله و نا اہل بذریعه تمامی مقبول بارگاه شد
همه کار شرفا بر هم و بنیاد سر رشته علم بر هم زمین با آسمان و آسمان زیر زمین
گویا همان سعدی بود از مزید بی آبروی علمای سابق تجربه کار ترک حد
کرده بکناره نشستند و مجلس درس بعض رو بغراز نهادند گلستان علم ویران
و برباد و قصور فنون قریب الانهدام زورق علم قریب الغرق و مروت معدوم
در رعایت مفقود حق تلفی شایع و نا انصافی ذایع در باب حقیقت حال واقعی بحالی
دور باش عالمیان بر آسمان بود و قدر نعمت وجود با وجود می همه ها را
در آن وقت حاصل شد و الاشیاء تعرف باضدادها چون از فضل ایزد تعالی احکام
بعد حضور پر نور حقیقت ظهور ملکه معظمه گلستان آباد را ویران دیده اند و جهال را بر سر کار
تر از اہل را صاحب اختیار و علما و فضلا را ذلیل و خوار دیدند

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بجان رخشیدند و باز عرق ریزی فراوان فرمودند که در اندک زمانه احسن مساعی
رونق تازه و ترقی بی اندازه بوقوع در آمد و آب از جوی رفته باز آمد
و هنگامه فضل و هنر که برهم شده بود باز اجتماع پذیرفت و قلوب
جمله مسلمانان در کمند الطاف مساعی گرفتار گردیدند همه ها را محبت صادقه [illegible]
و موالات صادقانه می دل الش بر تمامی علما و فضلا قریب و بعید جامع و مانع
در مجالس و مباحثه های گرم و نرد محبت غائبانه می بازند الحال از جناب.
ترک خدمت کرده بوطن خود تشریف می برند حال دل ما دردمندان
چگوییم که چون است او در تمامی اهل اسلام شور انگیز با درد و الم
و حسرت و افسوس جانگداز از مفارقت سامی یا الیم یا از بدبختی خود و
از بربادی اقلیم علم یا الیم یا از بربادی خود ها و هنگامه فراز همه ها برهم
و کم همتان بشکست و ظرافت از زور رفت حملی کاده انام خفته
اهل اسلام را بدین پایه رنج و تردد و اضطراب ملال و حزن شخص
و درد مندی بعد ازین می باشی از رفتن تحکیک صاحب الی یومنا ابد الابد
لاحق شده بعد افسوس صد افسوس که علم و هنر ختم گشته

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

و قدر و منزلت اهل فضل و کمال از دست رفت در سواد هندوستان
هیچ بلاد را مایان احدی در این نوع انقلاب ندیدیم و نه شنیدیم
تا کجا حال دردمندی و سوز و گداز خودها بر زبان آریم الحال که ما سر بار را
در بارگاه الهی چاه بستیم بصدق دل و کمال محبت و اخلاص و بسیار مشتاق
و حضور سیدی از شما رخصت می شویم و شما را رخصت میکنیم اگرچه خیلی غمگین
و دردمند از مفارقت و جدائی شما هستیم اما مدام محبت و مودت و موالات
و اخلاص شما در دل ما جاگزین و خاطرنشین خواهد ماند و یک دم
از یاد شما غافل و عاطل نخواهیم شد و مطلوب ما سر مردم بسوی اطراف شما مائل
و محاسن اخلاق و حسن التفات و مروت و خوبی های شما بخوبی خاطرنشین
ما ماند حسب ایزد تعالی بحیه و خوبی و بهبودی سمتی و صحت و سلامتی منزل مقصود
رسانده و مدام خوش و خرم و فائز مرام و کامیاب دارا در حفظ و امان الله
السلام علیکم و علی لدیکم ست نه بر لوح نقشی ماند و یک جزای عمل نامه و نامک ×
× تمت بالخیر ×

العبد المذنب محمد سلامۃ اللہ عفی عنہ مدرس اوّل مدرسہ نجم العلوم ملک بلوچستان ... سرکار ...

المجیب
محمد وحید اللہ
عفی عنہ

العباسی
عنایت اللہ
فقیر مولوی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

عرض کردہ ... نعمت ... دام اقبالہ

پروانہ مرحمت لت نہ حضور فیض گنجور کا یعنی مفخر و ممتاز فرمایا
حضور کے بندہ پروری اور غریب نوازی کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا
علی الخصوص کا ذکر اعلیٰ جو حضور نے سعی فرمائی نہایت کرم گستری ہے
کمترین نے یکم فروری کو خدمت کتب خانہ سے محمد حسن سے فراغت
حاصل کی اگرچہ اپنی دانست میں کوئی دقیقہ کتاب بینی کا
فروگذاشت نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ چشم ہا ریک میں حضور کے
بیمن تمانے سے مدد لگا کل دوم فروری کو روانہ ہو کر ۱۱ یا ۱۲ کو
ان شاء اللہ حاضر خدمت سلطنت ہونگا چار رکنے بیش اسماء الرجال کا ما بہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

عریضہ ... سلامت

۹ ماہ اکتوبر ... فیض ... پہنچا اور ... کہ ... تھا

[illegible] صاحب بہادر ... حضور کی ... صاحب سے ... عرض ... حضور ... کا ... کر
ارشاد ... مولوی ... جواب ... آویگی ۔ لیکن حاصل ہونا اس ... میری اختیار
کو مانع نہیں ہی میں منتظر جواب باصواب ہوں اور ... ۔ ... حضور ... ارشاد
فرمایا تھا ... صاحب ... کی کشتی میں ... صاحب ... کو
... بالکل میں دلی ... اور بیان ... کے ... میں ... کو ... کی
ایسے سبب سی میں شرف ... حضرت ... صاحب ... اور ... کی
حق میں ... جب تک ... کوئی ... تجویز
فرمانیں میں بیان اقامت کروں اور ... تجویز ... سے
ہو کر شرف ... عالی حاصل کروں غالبا ... حضور کی ... کا
ہو گا ۔ مجھکو ... خالی ہونی ... کی نسبت ... ہوا ... غالب ... کوئی
مدرس صاحب ... اوس ... ہیں ... سے ... اگر اوسکا ...
مرحمت ہو گا ... کا ... کر ... حضور
خدمتگار ... فرمائینگی تو میں فورا ... کو ... کروں ... تو ... عرض ... حضور
ملفوف ہے باعث اوسکی عرض ... کہ ... کے ... علاوہ ... ہی
بعد اوسکی ... لیکن ایسے ... دیگر گون ہو گئی یعنی ... ہی ...
ثابت ہو گیا ... علاوہ ... مجھکو ... علاقہ ... مختلف ... حضور کی
اقبال سی حاصل ہوا ورنہ مجھکو کون پوچھتا چنانچہ ... صاحب ... تو ... تھا
... علاقہ مجھکو ملگیا اور ... کو ... نہ ... ۔ اس سبب سے اونہوں نے ... حضور کو
لکھا اور ... کے سبب ... اور ... نہیں ہوتا اگر مولوی ... العلی اور ... صاحب
میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ ... کو مل جاتا کیونکہ اختیار اور رای بالکل ان
دونوں میں ... صاحب کو حاصل ہی لیکن مولوی صاحب ایسے عقلمند ہیں کہ ... صاحب
ناحق بگاڑ اور ... کر رکھا ہی ... جو ... وغیرہ منظور تھا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

محترم جناب مولوی محمد کو بلدنا میں آمد و رفت مولوی ملک العلماء کی اونکی پاس بالکل ترک ہوگئی ہے
اور وہ اوقات مولوی ملک العلماء اونکا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں — چند اجزا مولوی تاریخ
ابن حبان کی حضرت کی پاس میں تھے ملک العلماء نے طلب کئی تھی مجھی متعلق یاد نہیں اور
نہ شملہ سے چلتی وقت یاد آئی مولوی صاحب یہ کہتی ہیں کہ مجھکو بروقت تشریف بردنی حضرت
اور الیسی لینی [illegible] یاد نہی لیکن کتاب نہ [illegible] اور اجزا [illegible] میں [illegible]
[illegible] میں بھیج دیگی ہے مولوی صاحب کا ارادہ ہی کہ [illegible] چھپوا دیں [illegible]
[illegible] اور مجھکو [illegible] کو کہتی ہیں لیکن [illegible]
[illegible] اندہ ہو
اور بعض [illegible] حال [illegible] کچھ نہیں [illegible] میں [illegible]
[illegible] حال [illegible] خاطر [illegible]
— آخر دسمبر میں ارادہ [illegible] کلکتہ [illegible]
مارچ تک [illegible] — [illegible]
[illegible] مقام کریں [illegible] منظور [illegible]
مقرر کریں یہ [illegible] منظور [illegible] اونکا عزم کلکتہ کا [illegible]
[illegible] مولوی [illegible] صاحب [illegible]
منظور رکھی — [illegible] کلکتہ [illegible]
اور [illegible]
[illegible] مفتی صاحب [illegible]
[illegible] کلکتہ [illegible] اور [illegible]
اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فقط [illegible]

[illegible]

کلکته

بغور فیض اثر بندگان عالی جناب ... صاحب بهادر دام اقباله

عرائض علی اکبر ... مورخه ...

وصول شد

[illegible]

عہدہ زیادہ تر عزت وکمی محنت و فرحت حکومت کا تھا اور میں اوس سے نہایت خوش تھا
لیکن سرشتہ ضمانت نے گھٹا کر دیا اگرچہ عہدہ نظارت سب سے بہتر و اعلی ہی لیکن عہدہ
تعلیم کو اس سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ یہ سارا فساد دخل مولوی ملک العلما کا ہی کہ اپنا قدم
بیچ میں داخل کر کر اپنا رکھا۔ میرا بھی لگا ایک بڑا افسوس اور ہوائی حسرت
بڑی شکایت۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب آخر نوبت اوس عہدہ کی امتحان پہنچی
چنانچہ کل ۹ بجے مسٹر ... صاحب نے مجھی کچہری میں کہلا بھیجا کہ اوس عہدہ کی سعی امتحان
ہوگا مگر ہوشیار رہنا چاہیے — غریب پرور اگر چہ ... صاحب ...
اوس نے کل تعلیم مدرسہ ... اکبرہ و دہلی وغیرہ نکالا امتحان دیا جو دیدی
ہمیشہ دیکھی پڑھائی تھی ہیں اونکو یاد ہوتا ہی اور میں مدت درسی پڑھا ...
اور لوگ خصوصاً معانی نقہ و اصول فقہ چھوڑ رکھا ہی البتہ اگر ... پڑھی
پڑھا سکتا ہوں کیونکہ پڑھائی کی استعداد کافی ہی لیکن امتحان کی
واسطے یاد ہونا شرط ہی۔ مسائل فقہیہ یا اصول فقہ میں کہ بالکل منقولات ہیں استعداد
سے علاقہ نہیں۔ علم ادب البتہ شاید کچھ ہو سکی تو ہو سکی اگرچہ ...

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دینی برابی نہیں لیکن صرف بموجب حکم والا جاہ حضور و بالدلیل نارضامندی
بہ کمال جناب فیضماب جسطرح ہوسکیگا اتنی ان دونوں — لیکن البتہ ضرور حصول عہدہ
نظارت اگر وہ عہدہ اتنی نا میری واسطے تجویز ہوا مجکو مطلق رنج نہوگا البتہ اگر نظارت
بھی نہ ملی اور نہ امینی ملی بلکہ صرف عہدہ معلمی میسر آیا اسصورت میں رنج
مالا کلام حاصل ہوگا — لیکن اوسکا بھی ایک حضور کا اختیار ہی اسلئے اگر
کسی وقت عہدہ مدرسے اول ہوگئی یا حالت کہ تنخواہ اوسکی عہدہ معلمی سے زیادہ ہی
خالی ہو اور بدستور حضور سے نصیب اس خاکسار کے ہو سکی تو اس سے زیادہ
خوشی کی بات نہیں فقط صاحب جج نی سررشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو
بعلت رشوت ستانی موقوف کروا کر حکم دیا کہ وہ اہل مدرسہ کو بعوض اونکی
عہدہ دی جاوین اسی سبب سے ہم دونو کو دی گئی — ۱۰ الوم ایک عرضی متضمن
اپنی حالات کی حضور کی خدمت فیضدرجت مین روانہ کی ہی پہنچی ہوگی

عرضہ
فدوی علی اکبر معروضہ ۳۰ نومبر

عزت مرو سلامت

فدوی اقبال بحمدہ سے بخیریت وصحت ہے
حضور کی دعاء خدمت دینیہ میں مصروف ہے — یہاں ۹ ممبر جا ادمیوں نے جیسے
مولوی حسن علی خان محمد مظہر و فیض الحسن (جنہوں نے مولوی اجنس کر حضرت اعلیٰ
سنوار لیے تھے) اور اس حقیر نے امتحان دیا سوالات بہت آسان تھے میں نے
اپنی دانست میں بفضلہ تعالیٰ جواب بے کام اپنی ہمسروں سے بہتر لکھے ہیں لیکن فوق
کل ذی علم علیم بعید از مدارس کی امتحان دینے والوں نے مجھ سے بہتر لکھا ہوگا
— اندنوں میں فدوی کا فیصلہ کہ کچہری صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے
اگرچہ یہ عہدہ بہ نسبت مدرسے کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرہ و عزت
دکھلوتا ہے مراتب بہتر ہے لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں ہے اسطرح کہ
فدوی اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے
جب کہ صاحب کے ریڈل جائینگے یا ولایت کو جائینگے فوراً سررشتہ و ناظر سابق کو

ضلع کے حکام بیگی اور مفتی صاحب نہایت متلون المزاج اور ناقدردان ہیں
چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے اسی واسطے مولوی محمد مظہر [illegible] کو
۱۴ مئی ۱۸۶۸ء کو تیس روپے کی تنخواہ پر مسٹر ملڈرن صاحب پاس ۱۶ مئی کو
چلے گئے ۔ بناء علیہ یہ ملتمس فدوی عرض پرداز ہے کہ جب کوئی عہدہ قابل فدوی کے
خالی ہو تو فدوی کو یاد فرماتے رہیں اور سرفراز فرماویں ۔ اب یہ سنا ہے کہ فدوی کے
عہدہ [illegible] اور اونکی عہدہ [illegible] ان کا مقرر ہو گیا
۲۳ مارچ [illegible] ہوکر مدرسہ میں [illegible] ہوگئے [illegible]
[illegible] کے رخصت [illegible] کے لئے ہے

غریب رسول سیت

[illegible]

کر لیا ہے مجھکو حسب سابق یہی کہ ہر وقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال اور موقوف کر کر ناظر کی بھی بحالی کر دیں گے۔ سو اب میں نہ کلکتہ کا رہا نہ آگرہ کا نہ دہلی کا۔ حیران ہوں کیا کروں جو امید و توقع رکھتا تھا سب درہم برہم ہو گئیں۔ اگر حضور صاحب جانیں ایک چٹھی جناب صاحب بہادر یا اہل کمیٹی کو اس کا مضمون ارقام فرماویں کہ تخفیف عہدہ ہمارے

[illegible]

عہدہ فی دیگر حاصل ہو یا نہو فقط۔ سابق میں جو عرضی مختصر اپنی حال کی

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

تک ہوا ہے یہی احتمال ہے کہ رخصت [illegible] القصبہ [illegible]

[illegible] وہی جواب نہیں غرض [illegible] اگر چہ مستحسن مصلحت وقت ہو [illegible] عرض کرتا ہوں [illegible]

نزدیک استقلال اس عہدہ کا [illegible] تو فدوی [illegible] وقت [illegible]

نہ ہوئے حالت استقلال نہ رہی تھی [illegible]

اور کہ چاہئے اس خیال کو حاصل نہ ہوگا اور اگر استقلال کا یقین ہو تو جس روز تک [illegible]

تک پھر استقلال کا یقین حاصل ہو یا کوئی دوسرا عہدہ ملے ہو تو فدوی توقف کرے

اسواسطے کہ صاحب جج بہادر بھی [illegible] اور جنکے

ارادہ و حکم سے مفتی صاحب نے [illegible] چند سال [illegible] اور اس [illegible]

مفتی صاحب [illegible] نہیں دے سکتے اور [illegible] بلکہ عنقریب [illegible] اس

[illegible] عہدہ [illegible] حاصل ہوگا لیکن [illegible]

اس عہدہ اور کیفیت تقرر رخصت سے فدوی کو [illegible] اطلاع [illegible] اگر استقلال

یقینی ہوا [illegible] فدوی کو رخصت [illegible] یا ۶ مہینے تک ۵ روپیہ ملیں اور جو

۶ مہینے کے [illegible] تو فورا [illegible] اور ایک

[illegible] فدوی کو [illegible] حضور کو خیال [illegible]

حاضر ہونا نہیں [illegible] اور [illegible] فدوی کی یہ عرض [illegible] حصول [illegible]

خدمت عالی کو [illegible] جانتا ہے [illegible] عہدہ کا [illegible]

[illegible] دل میں توقف ہوتا ہے [illegible] درخواست فدوی [illegible] موقوف

عریضہ ہذا [illegible] اگر [illegible] استقلال [illegible]

فدوی کی یقینی ہو تو [illegible]

[illegible]

اطاعت حضور سے [illegible]

خدمت [illegible]

[illegible]

غریب پرور سلامت

سابق میں فدوی نے ... عرضیاں خدمت میں

بندگان عالی کے بھیجی تھیں بھیجی چونکہ اب عرصہ دراز سے کوئی عرضی خدمت حضور میں نہ بھیجی

نہیں بھیجی سبب اسکا یہ ہوا کہ قریب تین مہینے کے ہوئے کہ شہر میں درد ہوا سر میں نہایت

تکلیف و برخاست و آمد و رفت مدرسہ کی موقوف ہوئی اسی اثنا میں [illegible] معلوم ہوا [illegible]

چنانچہ اب تک ویسی ہی حالت کا معالجہ جاری ہے اور اس میں بہت [illegible]

ہو گیا ہے اس سبب سے بہت تکلیف و حرج ہوا اسقدر ممکن نہ ہوا کہ چند روز عرضی لکھوں [illegible]

مدرسہ میں جا کر [illegible] سوا [illegible] و صاحب [illegible]

[illegible] بہت ہیں حال اس مدرسہ کا آئندہ حضور کی خدمت میں لکھا [illegible]

بندگان عالی کی خدمت میں [illegible] ہو امیدوار ہوں کہ اس فدوی کو [illegible]

لطف و [illegible] حضور [illegible] خاطر [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

بجائی اونکی مولوی ... [illegible] ... مین ایک شوق
اسمی عہدہ کی ہین اور مولوی حسن علیخان مین تنازع ہوا اسیواسطی کمیٹی نی واسطی اس عہدہ کی امتحان تجویز
کیا ہی اور جسیم تجویز کیا کہ کواغذ امتحان کی واسطی ترتیب نمبر کی جناب کا نعالی کی خدمت مین بہیجی جاوین
غالب ہی کہ ملاحظہ عالی مین بہی گذری ہونگی — مین نہین جانتا کہ کیون کمیٹی نی امتحان تجویز کیا ہی مولوی
سبحان بخش مین اور مولوی حسن علیخان مین آسمان زمین کا فرق ہی حضور کو خوب یاد ہوگا کہ حضور نی چہٹی
مین مولوی سبحان بخش کو ایک چہٹی اسی مضمون کی عنایت فرمائی تہی کہ یہ شخص یعنی مولوی سبحان بخش مستحق عہدہ
مدرسی مدرسیم عربی کی ہین جب کبہی خالی ہو — اور کیون مستحق نہون کہ وہی بڑی عالم ہین رات دن پڑہنی
پڑہانی مین مصروف رہتی ہین اپنی مکان پر بہی یہی چرچا رکہتی ہین اور مدرسہ مین تو اس کام کی نوکری ہی
پاتی ہین اور اسیواسطی کتابین تحصیلی انکو خوب یاد ہین ابتدا سی لیکی انتہا تک کئی بار پڑہایا ہی فی الحقیقۃ بڑی استعداد
حاصل رکہتی ہین سوا اسکی بڑی بات یہ ہی کہ جو طالب علمون پر بڑی تحقیق کرتی ہین اور اونسی بہت محنت لیتی
ہین خوانگی سنتی ہین اور ترکیب عبارات عربی کی لکہواتی ہین اور جواب مضمون لکہواتا اور اونہین اصلاح دیتی تمام دن اونکا
انہین باتون مین جاتا ہی چاہئی کہ کوئی دم ذرا آپ دم لین یا طالب علم کو دم لینی دین کیا ممکن حقیقت حال یہ
ہی کہ طالب علم کیا نہین کی جماعت مین آن کر استعداد درست ہوتی ہی وجہ اسکی یہ ہی کہ آپ بہی شوق سی
پڑہاتی ہین اور طالب علمونکو بہی شوق دلاتی ہین اور محنت پر برانگیختہ کرتی ہین پس طالب علم خواہ مخواہ استعداد اور
محنت کوشش چاہتا ہی برخلاف مولوی حسن علیخان کی کہ اونکو ذرا شوق نہین رات دن اونکا ستار بجانی مین
کٹتا ہی اور مدرسہ مین جو تشریف لاتی ہین تو سوا سو رہنی کی اور کچہ کام نہین کرتی اسیواسطی اونکی طالب علم نہایت خراب
اور بالکل بی استعداد ہوتی ہین اور اگر کوئی ایک آدہ طالب علم بروقت امتحان کی اچہا بہی نکل آیا تو وہ اونکی سبب ہوتی ہی کہ وہ
شہر مین باہر کسی سی پڑہ آتا ہی اونکی محنت کو اوسمین کچہ دخل نہین — اب اگر خدانخواستہ ایسا شخص عربی کا مدرس دوم ہوجاوی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

تو طالب علم صحبت سے بھی نا آشنا محض ہو جاویں گے اور جو لکھا بالکل بھول جاویں گے اور استعدادیں خراب
ہو جاویں گی جو کچھ کہ علم اور استعداد اونسے پیچھی کی جماعت میں حاصل کیا ہوگا وہ بھی انکی ہاں آنے پر کھو دیگا
جو کچھ کہ یہ حال کمترین نے مولوی [illegible] کا لکھا اوسکی پشت پر جناب مولانا مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب بھی ہیں
حضور اسکو بخوبی دریافت کر سکتے ہیں — ہرچند کمترین کو یہ یارا نہیں کہ اسطرح حضور سند گانعالی میں عرض کرے

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

غریب پرورا سلامت

پروانۂ حضور فیض گنجور نے مع کتاب گلستان کے

مشرف و ممتاز فرمایا جو احکام کہ پروانۂ عالی میں مندرج تھے اون سب کا فدوی کو پہلے ہی خیال اور اشتیاق تھا لیکن بسبب نملنے کتابونکے اس شہر میں کچھہ نہو سکا اب جابجا اس شہر میں کتابون کا پتا لگاکے اونکی دیکھنے کی تدبیر کر رہا ہون ان شاء اللہ آج کل میں دیکھکر جلدتر حضور کو عرض اطلاع کرتا ہون غالب کہ کچھہ نہ کچھہ کتابین ملینگی مگر یہانکے لوگ دکہانے میں نہایت بخل کرتے ہین اسوقت فدوی بسبب جلدی کے زیادہ عرض نکر سکا عنقریب تمام حال بالتفصیل خدمت بندگان عالی میں عرض کرونگا

دولت و اقبال زمان زمان مزید باد

فدوی [illegible]

[illegible]

[illegible]

ہیں دو کتابیں ہاتھ آئیں ایک مطلع الانوار لغات احادیث میں کہ خلاصہ ہے نہایہ جزری کا اور دوسری قول المغنی فی رد اقوال ابن عر[illegible]
یہ کتاب اگرچہ بہت ہی مفید نہیں مگر چونکہ اس میں تذکرہ علما کی نام کا اور اونکی تصنیفات اور وفیات کا پایا جاتا ہے اس سبب سے مفید ہے
چنانچہ فدوی نے ان دونوں کو بائیس روپیہ کو خرید ہے اطلاعا بندگان عالی میں عرض کیا کہ اگر پسند خاطر فیض مآثر ہووے تو ارسال حضور کرے اور ایک
رسالہ مصنفہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار کا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اوسمیں اپنی عصر تک جتنے علما کہ ہوئے ہیں سب کے نام لکھے ہیں اور ہر ایک کی وفات
او بعض تصنیفات بھی ہیں انداجا کہ وہ ۱۲ ورق کا ہے مختصر نہیں ہو سکتا اصلی اوسکی نقل کراکے ارسال حضور کرونگا اور جو ارشاد ہوا تھا کہ تذکرہ
کریم الدین میں اگر مصنفات نہ لکھی ہوں تو اوسکا تتمہ لکھنا چاہیے فی الواقع اوس تذکرہ میں مصنفات کا ذکر اصلا نہیں ہے او قابل تتمہ
لکھنے کی ہے مگر چونکہ وہ کتابیں کہ جس سے تتمہ لکھا جاوے دستیاب نہیں ہو سکتیں اور علاوہ اسکے فدوی دس پندرہ دن سے بشدت
علیل ہے اور علالت بہت ہی التزام اس امر کا نہیں ہو سکتا انشاء اللہ بعد حصول صحت خوب سعی کرونگا اخیر کو ایک مرض
بہگندر ہے جسکو انگریزی میں فسچولا کہتے ہیں رہائی نہیں ہوتی اور دوا پینے سے حال خراب ہو جاتا ہے ضعف اسقدر ہے
کہ اپنے ہاتھ سے عرضی علیحدہ لکھ نہ سکا — دوسرے شخص نے اپنا لکھا نہ دیکھا [illegible] مگر [illegible] پر
موقوف ہے — کا محمد منشی ادر مقامات اور شرح وقایہ اور قدوری و [illegible] کا جناب میور صاحب کے پاس کا
واسطے ترتیب کے گئی تھی صاحب ممدوح نے بھی اپنی رپورٹ میں نہایت تعریف لکھی ہے
جناب میور صاحب کی خدمت میں ارسال مقبول ہو [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اول مطلع الغاية

الحمد لله الذي انطق الانسان بلغات مختلفة ليعبر بها عما في الضمير فاختصر مبسوطات الكلام واقتنى المعاني بالتعبير
اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له شهادة ثقيلة في الميزان خفيفة على اللسان واشهد ان
سيدنا محمدا عبده ورسوله الذي اختصر له الحديث اختصارا صلى الله عليه وسلم وعلى آله وصحبه الذين في
قصر مدتهم استحقوا اجر من عمروا اعمارا وبعد فيقول العبد الفقير الى الله علي بن حسام الدين الهندي الشهير
بالمتقي هذا مطلع الغاية في اختصار النهاية وكتبت فيه جميع معانيها الا ما كان مشهورة ما كانت تلك
الغرابة ذي قليلة جدا وتركت فيه اسم الراوي وبعض طرق الحديث ايجازا وربما ذكرت اسم
الراوي والحديث لطوله لتوقف المقصود على ذلك وما كانت مادته مشتملة على معان متعددة
تنتهي الى عشرة فصاعدا او دون ذلك اعلمت على كل معان بالرقم الهندي ثم ضبطت فذلكة تحت المادة
اشارة الى هذه المادة وردت على كذا وما كان فيه نقص تطويل من بحث لفظي او شيء غير ضروري على ظني
تركته ونبهت ان فيها بسطا ذكر في النهاية [illegible] الى [illegible] بحروف الهجاء

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اپیہ

اشتہار

کمترین سید علی اصغر سونی پتی مدرس دوم درجہ اردو مدرسہ آگرہ کا یہ اشتہار دیتا ہے کہ اندرین ایام اس کمترین نے شرح دیوان حماسہ کی دسوں بابوں کے اول سے آخر تک ہر ہر شعر پر لکھی ہے اور یہ خلاصہ ہے اوس شرح کا جسکو صاحب والا مناقب جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ کلکتہ نے واسطے طلبہ مدرسہ دہلی کی لندن سے منگا دی تھی اس کمترین نے جو اس شرح کو اول سے آخر تک کئی دفعہ دیکھا تو بہت طویل پایا اور بہت سی ایسی باتیں اسمیں پائیں کہ طالب علم ادب کو اون سے علم ادب میں کچھ نفع نہیں ہوتا چنانچہ ذکر انساب شعرا اور بیان اشتقاق اسمائے شعرا کہ لا طائل تحتہ ہیں اسمیں بہت ہیں اور اور بھی زوائد لطائف ہیں سو اسلئے اس کمترین نے اس شرح کو اسطرح پر خلاصہ کیا کہ سوائے تحقیق لغت اور ترکیب نحوی اور معنی شعری کے سب کو ترک کیا اور تحقیق لغت از سر نو کی گئی اسواسطے کہ اکثر اشعار کے معنی لغت میں فرق پایا معنی مرادی اور نہیں اور کہیں دئے ہیں کہیں اور اعراب بھی بہت صحت کے ساتھ ضبط کیا ہے اور چونکہ شارح نے ہر قصیدہ پر صرف نام بحر اور ضرب و قافیہ لکھ دیا ہے اور اوسکا کچھ بیان نہیں کیا تو اسواسطے اس کمترین نے ایک رسالہ ایسا بھی کہ جسمیں ہر ایک قصیدہ کی بحر اور تقطیع اور عروض اور قافیہ کا بیان بالتفصیل ہوگا تالیف کر کے اوس شرح کے ساتھ منضم کر دیا ہے اب یہ کمترین اس دیوان کا باب عزیز الوجود کو مع اس خلاصہ کے بعد ترجمہ کے چھپوایا چاہتا ہے اس صورت کہ متن میں اشعار کہ ہر صفحہ میں بیس شعر سے زیادہ نہونگے اور حاشیہ پر شرح ہر شعر کی لکھی جاویگی غالب ہے کہ تمام اجزا اس کتاب کے بیس سے زیادہ نہونگے یہ صورت مرقومہ بالا بہت مطبوع اور پسندیدہ ہے جو کوئی دیکھیگا پسند کریگا اور عنایت ابتدا ہی سے

اشتہار از سید علی اصغر سونی پتی برادر خورد سید علی اکبر سونی پتی (منشی اشپرینگر)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

یہ شرح ہی ایسی معنی اور بیان پر تیار ہوئی ہے کہ جو طالب علم ادب سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہو وہ سمجھ سکتا ہے
کی صلاحیت ہے بڑی بات ہے اس میں محتاج غیر نہ رہے گا کوئی کسی طرح کی مشکل نہیں رہی کہ ادا ہو سکتی ہو غرض یہ
شرح عجیب و غریب تیار ہوئی ہے جب چھپ کر تیار ہو گی اور ملاحظہ سے گذرے گی غالب ہے کہ صاحبان ادب کی
سے مقبول و مطبوع طبع طالبان سخن ہو اور ہر ایک اس کا جانب طالب اور مشتاق ہو گا بس جو صاحب کہ اس شرح کو اختیار
اور لوح ما شئی جیسا کہ جلد درخواستیں ہمیں اس شرح کی پاس بھیج دیویں تاکہ یہ کتاب نایاب زر قیمت
تیار ہو کے دستیاب ہو وے جب طبع ہو کر دستیاب ہو گی اور یہ قیمت اس کتاب عمدہ پر لوح کے مقابلہ
سب سے ارزاں ہے اور بشکل تیار ستھرا اور تعلیل صناعت اس کو خرید سکیں اور اس سے بہرہ ور ہوں گے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

غریب پرور فیاض زمان مدد والا سلامت

مدت ہوئی کہ ایک عرضی مشتمل حال کتاب سیبویہ وغیرہ حضور کی خدمت مین لندن کی طرف روانہ کی تھی لیکن اب تک اوسکا جواب سے سرفراز نہوا اور فہرست کے واسطے مولوی میر صاحب قبلہ سے حکم لے لیا ہے لیکن چونکہ مین بیمار ہوگیا تھا اسواسطے توقف ہوا انشاء اللہ تعالے اب جلد خدمت عالی مین بھیجونگا اور حضور اطلاع فرماویں کہ کب لکھنؤ مین رونق افروز ہونگے تاکہ کچھ کتابیں جو معرض بیع مین ہوں حضور کے ملاحظہ کے واسطے طیار کر رکھوں مقصد بڑا سبب اس عرضی کے لکھنے کا یہ ہوا کہ کلنٹ صاحب بہادر کی زبانی معلوم ہوا کہ کونسل کلکتہ نے کرنیل رچمنڈ صاحب بہادر رزیدنٹ لکھنؤ کو واسطے مقرر کرنے مدرس کے اختیار دیا پس اب جو مدرس مقرر ہوگا رزیدنٹ صاحب بہادر کی پسند پر موقوف ہے اب حضور سے یہ امید ہے کہ جسطرح ہوسکے میری حقمین سعی فرماوین خواہ بڑے صاحب کو لکھیں خواہ معرفت ڈاکٹر لوکین صاحب یا کرسن ولکاکس صاحب اور رزیدنٹ صاحب کی سفارش کریں کہ حضور کے لکھنے کا بڑا اعتبار ہے اور بنظر انصاف بھی اس عہدہ کا مین مستحق ہوں اسواسطے کہ مدرس شیعہ ہوگا اور مینے سرکار کمپنی کے مدرسہ مین تعلیم پائی اور اب بھی سرکار کے مدرسہ مین نوکر ہوں اور سوا عربی و فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کی لکھنؤ مین ان علوم سے کوئی واقف نہیں — وہ جو حضور نے بنظر پرورش سرٹیفکٹ مرحمت کی تھی مینے اوسکو زیادہ اعتماد کے واسطے بجنسہ درخواست کی بابت کلکتہ کو روانہ کیا اب میرے پاس کوئی حضور کی سارٹیفکٹ نہیں کہ درخواست کے ہمراہ رزیدنٹ صاحب کے خدمت مین گذرانوں اگر جلدی ایک سارٹیفکٹ اوسی مضمون کے بنظر پرورش مرحمت فرماوین تو حضور کا بڑا شکر گذار ہوں چونکہ حضور کو ہر طرح سے میری پرورش منظور ہے اور حضور کے مدرسہ کا طالبعلم ایسے عہدہ جلیل پر مقرر ہو اسمین حضور کی بھی نیکنامی زیادہ ہوگی لیکن جلدی مناسب ہے فقط

[illegible]

غریب پرور قدردان فیض رساں سلامت

حکمنامہ حضور کا واسطے ادا کرنے ایک روپیہ بابت کرایہ بنگلہ کے عزت افزا جانی کا ہے
ہوا حسب الحکم ایک روپیہ ڈاک گھر میں دیا گیا اور رسید اوسکی حضور کی خدمت میں بھیجتی
اور کتابت اغانی میں سات روپیہ اس نیازمند کے صرف ہوئے تھے اور ایک روپیہ جب کو دی جاتی
اب اوسکا بیان کیا گیا پس رسید وارہ ہوئی نہ یہ آٹھ روپیہ بھی موافق حکم حضور کے علاوہ
بعد روانگی حضور کے ایک ایسی کتاب کا نام معلوم ہوا تھا لیکن معلوم نہ تھا کہ حضور کو کونسی
کتاب مطلوب ہے اوسکے واسطے خرید میں جرأت نہیں کی البتہ اگر کسی کتاب خرید ان معروف ابھی
کتابت کی خدمت عالی میں اطلاع کرونگا فقط

عرضی ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] طرح [illegible]

[illegible] ان دنوں میں مر گئی اور انکی اب

[illegible] وہ شخص

[illegible] اب اوسکے وارثوں میں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

جھگڑا ہے اغلب ہے کہ ان کتابوں کا نیلام ہو گا لیکن میں نہیں جانتا کہ
حضور کو کون کون کتاب مطلوب ہو گی اور فہرست کتابوں کی ہاتھ
نہیں آتی اگر فہرست ہاتھ آ گئی تو حضور کی خدمت میں بھیجوں گا
اور سنا جاتا ہے کہ کتب تواریخ ملک کی ولایتوں سے وزیر نے

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بخدمت سرور فیض گنجور خداوند نعمت دام اقبالہ

مولوی غلام قادر صاحب کہ اس خاکسار سے کمال محبت اور دوستی رکھتے ہیں نوکری سے تخفیف ہو
آئے ہیں اور چونکہ بفضل خدا سے حضور کلکتہ میں مقرر ہوئے تو انکی پرورش اور
نوکری کا خیال حضور کو ضرور ہے حضور اہل علم کی خوب قدر فرماتے ہیں اور انکی
پرورش میں سعی کرتے ہیں میں آرزو رکھتا ہوں کہ جیسا حضور کو میری
پرورش کا خیال ہے اور جسقدر اس خاکسار پر نظر عنایت فرماتے
ہیں ایسا ہی مولوی غلام قادر صاحب [illegible] پرورش کا خیال رہے اور نظر عنایت
فرماویں کہ مولوی صاحب ہمدرد میرے بہت دوست ہیں جو
سعی انکی بابت حضور فرماویں گے اوسکا میں بہت شکرگزار ہونگا حقیقہ
اتنا ہے ... تمنائی تابان

[illegible]

[illegible]

قریب دو مہینے کے کلنٹ صاحب کلکتہ میں رہیں بعضے
شخص کہتے ہیں کہ اگر آپ کلکتہ میں مقرر ہوئی
نوبت پہونچے کلنٹ صاحب دلّی کی مدرسہ کو
پرنسپل ہو ویں اور ہملٹن صاحب جو پہلے ماسٹر
اکبر آباد کی مدرسہ کی لکھنؤ میں پرنسپل ہوں اگر یہ حال
حضور کو معلوم ہو اور لکھنا مناسب ہو تو اطلاع دیا کریں
ان دنوں کمپنی کی دولت غلام قادر مدرسہ اول عربی لکھنؤ
کی نوکری موقوف ہوئی اور مولوی عبد الصمد
مدرسہ اول حاسب کی تنخواہ پچاس روپیہ کم ہوئی
تنخواہ میں سے اسی روپیہ رہی اور باقی مدرسہ بدستور
رہا یہ درست ہے کمی طلبہ کی واسطے تخفیف
خرچ کی واقع ہوا اگر کبھی حضور زینت بخش کو

چٹھی لکھیں اور مناسب ہو تو اتنا کلمہ لکھیں
کہ برکت شاہ کو بلحاظ عنایت اور بربنائے پرورش بحال
رکھنا اور بشرطیکہ مولوی غلام قادر کے طلبہ نہیں
مجھکو ملیں گی شاید میری تنخواہ میں دو بھی برابر شرح
سے کچھ زیادتی ہو جاوے سبب کہ یہ دستوری
ہے کہ عربی مدرس کی تنخواہ فارسی مدرس سے
زیادہ ہوتی ہے اور یہاں فارسی کی
رسمی مدرسی اور عربی کی بحالی فقط

غریب پرور قدردان منشی سلامت

موافق حکم حضور کے مسمی شیخ اکبر علی واسطے تلاش کتب و درستی ام کتابت وغیرہ کے
معرفت جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب کے بمشاہرہ چار روپیہ کے نوکر
رکھا یہ شخص تلاش کتب میں عجب ہے کہ بہت سرگرم لیکن حضور کی خدمت میں
تیسرے چوتھے دن حاضر ہوا کریگا — فہرست کتب کی جنکا ذکر چند
سی [illegible] روز ہوئی اور یہ کتابیں بڑے مجتہد صاحب کے مکان کے پاس یہ
مسجد سنت جماعت کی ہے اسمیں ہیں اور مفتی صاحب
جانتا ہے اور جس کتاب کا ذکر میں نے کیا تھا اسکا نام توضیح فی شرح الجامع الصحیح
ہے مالک کتب کے پاس میں گیا تھا اس نے کہا کہ میں اس کتاب کو اور
تفسیر مدارک کو واسطے بیچنے کے دیا ہے اگر بیع نہ ہوئی ہوگی تو دلال سے
واپس لونگا اور مالک کو راضی کیا ہے کہ تفسیر مدارک کے دس روپیہ
لیگا اور توضیح کے آٹھ روپئے اور اگر میں جلد جاؤنگا تو معرفت
حامد حسین صاحب بیٹے مفتی صاحب کی خرید ملینگی اور رسالہ نعوت
قیمتی ایک روپیہ چار آنہ کو خریدکر خدمت میں روانہ کیا ہے
واسطے کتابت اغانی کی سید تقی صاحب کو میں نے آٹھ روپیہ دئے ہیں
اور رجسٹری کے سوا روپیہ قیمت کتاب [illegible] میں خرچ ہوا اور [illegible] معرفت
بیٹے مفتی صاحب کی حضور کی خدمت میں بھیجے گا فقط

[illegible] تلاش کتب او [illegible] رضا کی [illegible] مینی سید [illegible]

[illegible] تاکید کی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ [illegible] فرمادینگی

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible] نعت و نظم [illegible]

[illegible] حضور کے جو [illegible] اور [illegible] کی [illegible] ہیں اور رباعیہ [illegible]

[illegible] فرمائی تھی [illegible] کے [illegible] اور [illegible] مقصد کا [illegible]

میں [illegible] حضور کے حکم کی [illegible] مصروف [illegible] اور جب [illegible]

[illegible] حضور کی [illegible] ملتی ہی نوبت [illegible]

[illegible] حضور [illegible] کی تھی [illegible] میں [illegible]

حضور [illegible] تصنیف [illegible]

تصنیف [illegible]

چہارم رباعیات [illegible] مسمی ہی اور [illegible] ان کتابوں میں [illegible] بعض

چاروں [illegible] پانچ [illegible] کو [illegible] اور یہی [illegible] کتابیں [illegible] تصرف میں نہی [illegible] سلوک پر

نہیں [illegible] حضور کو [illegible] نے لیا اور [illegible]

بات [illegible] امر [illegible] حضور [illegible] نے سنی [illegible] حقیقت

[illegible] ہے کہ اس کتاب کو [illegible] اور سب نسخہ [illegible] میں

ہر چند تلاش کیا کوئی نسخہ [illegible] لیکن ایک نسخہ کہ [illegible] ہے اور [illegible]

[illegible] معرفت [illegible] کی اور اس نسخہ کو حضور نے [illegible] فرمایا [illegible] نہیں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

شائع ہوئی دنیا تمام شائع ہے وہ سنہ نو روپے کو ہاتھ آویگا لیکن چونکہ وہ ناقص اوسکی خریدنے کی
جرأت نہ کی اگر اوسکی واسطے حضور لکھیں گے تو خرید لیا جائیگا اور اگر کوئی اس عرصہ میں اور
نسخہ کامل ہاتھ لگا تو وہ بھی خریدا گیا کچھ صرف زیادہ نہیں لیکن کامل نسخہ بارہ تیرہ ۱۳ روپے کو ملیگا فقط
اور حضور پر روشن ہو کہ سولہویں ۱۶ تاریخ ستمبر ۱۸۹۵ سنہ کو تین ماہ کی بطور رخصت لکھنؤ سے روانہ وطن
کو ہوگا پس اگر اس تاریخ تک حضور کا مرحمت نامہ میرے پاس پہنچ سکے تو جلد حضور مجھکو لکھیں
کہ یہ چھ جلد کتاب جو میرے پاس ہیں کانپور میں کس کے پاس بھیجا دوں اور اگر اس تاریخ
تک حضور کا سرفراز نامہ میرے پاس نہ پہنچا تو یہ چھ کتابیں میر [illegible] صاحب کو سپرد
کر دونگا جس جگہ حضور لکھیں گے وہ اس جگہ پہنچا دینگے اور اگر لکھنؤ میں حضور کا مرحمت نامہ
[illegible] نہ پہنچ سکے تو عرض [illegible] ہے کہ ایک عریضہ [illegible] میرے نام پر حضور دہلی
[illegible] اور انشاءاللہ [illegible] دہلی میں ہونگا اور [illegible]
[illegible] دہلی میں مقام کر کے [illegible] حضور کی ملازمت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] رخصت [illegible]
[illegible] تمام کتب کی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

عرب ... [illegible]

نوازش نامہ حضور کا موجب ... [illegible] ... نوازی فرمائی ایک نسخہ جناب سید ...

... بہت خوش ہوا ہی اور ... [illegible] ...

موافق حکم حضور کے اکثر کتابوں کی تلاش میں رہتا ہوں چنانچہ ... [illegible] ... دیوان ...

ہم پہنچایا اور ... [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بطور رجسٹر کے لکھا ہے اکثر بادشاہوں کا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی
تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت و بارش و قحط
و موسم سخت دنیا میں واقع ہوئے ان کی بھی تاریخ لکھی ہے یہ کتاب تمام مصنف کے ہاتھ کی
لکھی ہوئی ہے خط پختہ فارسی جدول طلائی ۲۱۱ ورق ہر صفحہ میں ۸ سطر قیمت
ان چھ نو کتابوں کی بائیس روپیہ کتاب ہے اگر حضور کو ان میں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور ہو
ارشاد فرماویں فقط اور تین نسخہ تصوف کے عبد الاحد کی معرفت موجود ہیں
ایک نصیحۃ العارفین معرفت میں بعبارت فارسی تصنیف ولی ملوک شاہ القادری
قریب بارہ جز خط فارسی پرانا قیمت دو روپیہ اور ایک شرح رسالہ غوثیہ قیمت دو روپیہ
اور ایک عین المعانی فی شرح اسماء اللہ الحسنی اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الٰہی کے بیان
کئے ہیں عبارت فارسی میں ہے نسخہ تمام ہے کتاب خط عربی بہت خوشخط جدول طلائی
قریب ۱۳ جز قیمت ۶ روپیہ ۸ آنہ فقط ایک ایک روپیہ نصیحت العارفین اور شرح
غوثیہ کا میں عبد الاحد کو دیتا ہوں اور اور جو کہ عین المعانی بہت خوشخط ہے
تین چار روپیہ تک اچھی ہے لیکن شاید حضور کے کام کی کتاب نہیں ہے فقط مکرر
کتاب رجال کی جانب سے بہت شوق ہے اور سید نقی صاحب بہت آرزو اس کی چھپنے کی رکھتے ہیں
حضور اطلاع فرماویں کہ اس کتاب کا چھپنا شروع ہوا یا نہیں فقط بعض کلکتہ کے
خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کلکتہ میں ریلی صاحب کی جگہ مقرر ہوئے یا ہوں گے
روزینہ تنخواہ میں کچھ ترقی ہوگی خدا ہمیشہ ترقی کرے اور صحت اور عافیت سے خورسند و خوش رکھے
اگرچہ میں حضور کا شکر ادا نہیں کر سکتا لیکن ایک تمنا اور بھی باقی ہے اگر حضور کی عنایت سے
بہ آرزو بر آوے کہ جب یہاں پورا ہو گی مجھ کو تنخواہ ایک سو مقرر ہوئی ہے اگر ترقی میں
تیس چالیس روپیہ مہینا مجھ کو ملے تو نہایت خوشی ہے مجلس ریلی کی ایک جگہ خالی
ہے یعنی شناسی کہ مولوی محمد العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کی عہدے کی درخواست کی ہے
اگر یہ عہدہ ان کو ملے تو یہ مقرر ہوگا تو عرض یہ ہے کہ ایک مدرس کی جگہ دلی کے مدرسہ خالی ہوگی
اگرچہ میرا ابن الرشید مدرسہ میں ہوں لیکن اگر حضور کی توجہ ہو تو کسی اور کا اتفاق ہو تو اپنی
جگہ پر مدرس کیجیے گا اور سکو ... مقرر فرمائیں اور مجھ کو دلی کی مدرسہ میں بلوائیں اور باقی تمام ... صاحب

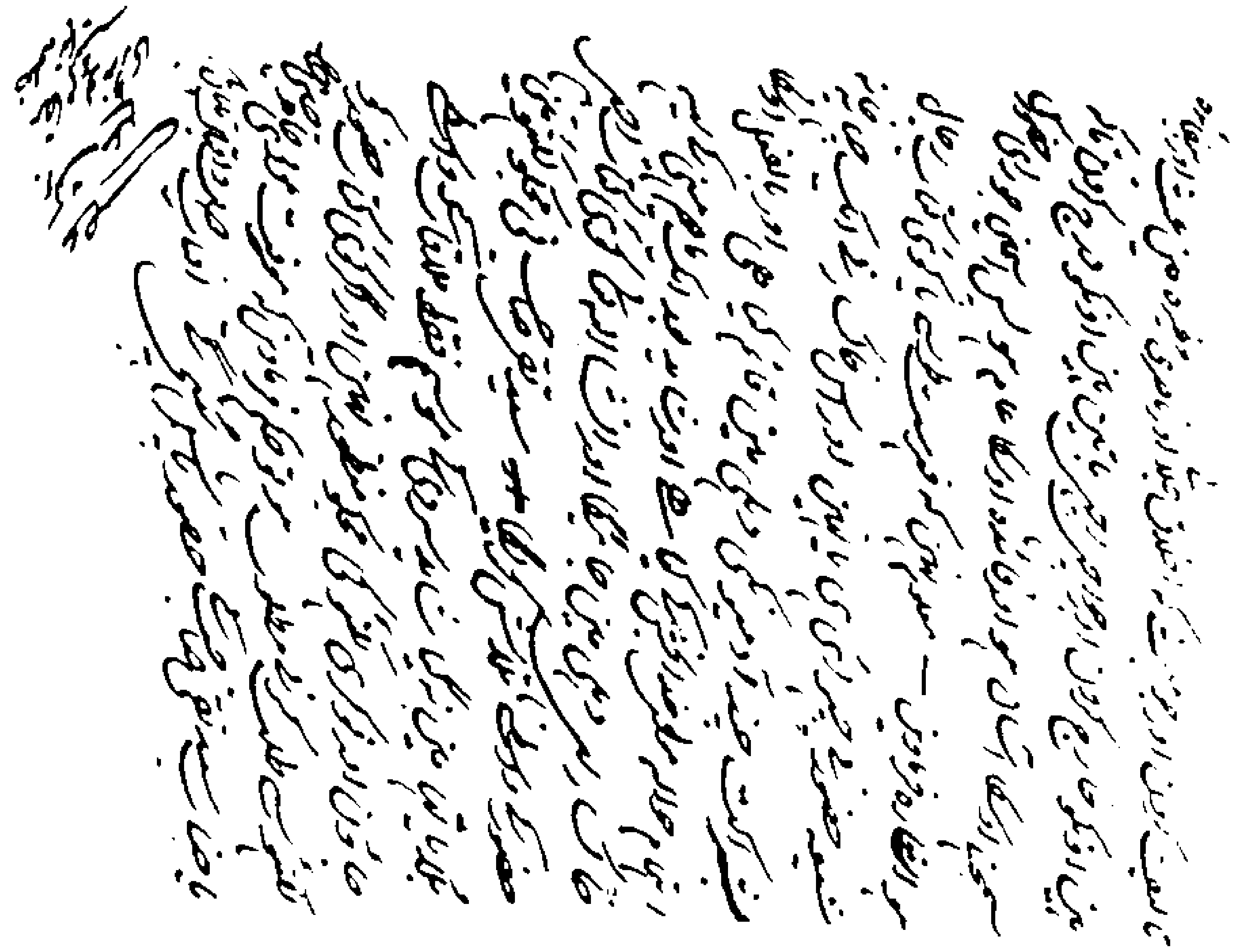
[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بطور اختصار کے لکھا ہے اکثر بادشاہوں کا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی
تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت و بارش و قحط
وغیرہ سخت دنیا میں واقع ہوئی ان کی بھی تاریخ لکھی ہے کتاب تمام کمال مصنف کی ہاتھ کے
لکھی ہوئی ہے خط بخط فارسی جدول طلائی ۲۱۱ ورق ہر صفحہ میں ۱۸ سطر قیمت
ان جملہ کتب کی ۲۲ بائیس روپئی کہتا ہے اگر حضور کو ان میں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور
رہے تو ارشاد فرماویں فقط اور ایک نسخہ تصوف کے عبد الاحد کی موقوفات معروض ہے جس میں
ایک نصیحۃ العارفین موقوفات میں ہیں عبارت فارسی ہے تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی
قریب بارہ ۱۲ جز خط فارسی پرانا قیمت دو روپیہ
اور ایک شرح رسالہ غوثیہ قیمت دو روپیہ
اور ایک عین المعانی فی شرح اسماء اللہ الحسنی اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الٰہی کی بیان
کئی ہیں عبارت فارسی میں نیز نسخہ تمام و کمال خط عربی بہت خوشخط جدول طلائی
قریب ۱۳ جز قیمت ۲ روپیہ ۸ آنہ فقط ایک ایک روپیہ [illegible] اور شرح
غوثیہ کا [illegible] عبد العزیز کو [illegible] اور چونکہ عین المعانی بہت خوشخط ہے
تین چار روپیہ تک [illegible] حضور کے کام کی کتاب نہیں ہے فقط مکرر
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اگر دلی میں
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]





for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

[illegible]

[illegible]

نیک رسالہ [illegible] عرضہ مع خط جناب مولوی سید محمد تقی صاحب حضور کی خدمت میں

[illegible] ملاحظہ سے گذرا ہوگا [illegible] معلوم نہیں کہ کوئی جواب

روشن کی [illegible]

خرید یاقوت کے حضور نے لکھنؤ کو روانہ فرمائی یا نہیں [illegible]

یہ خاکسار دلی میں آیا ہے اور حضور کے [illegible] کتب خرید [illegible]

[illegible] معلوم ہوا کہ حضور [illegible] محمد [illegible]

جاتے ہیں لیکن [illegible] میں تمام کتب [illegible] کا خرید [illegible]

نقصان ہوگا [illegible] قیمت بہت [illegible]

خرید فرما دیں [illegible]

کتابیں متوفی [illegible]

[illegible] حضور [illegible]

اور کتاب مصابیح حدیث [illegible]

اگر حضور کو مطلوب ہو [illegible]

[illegible] ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی [illegible] صاحب [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

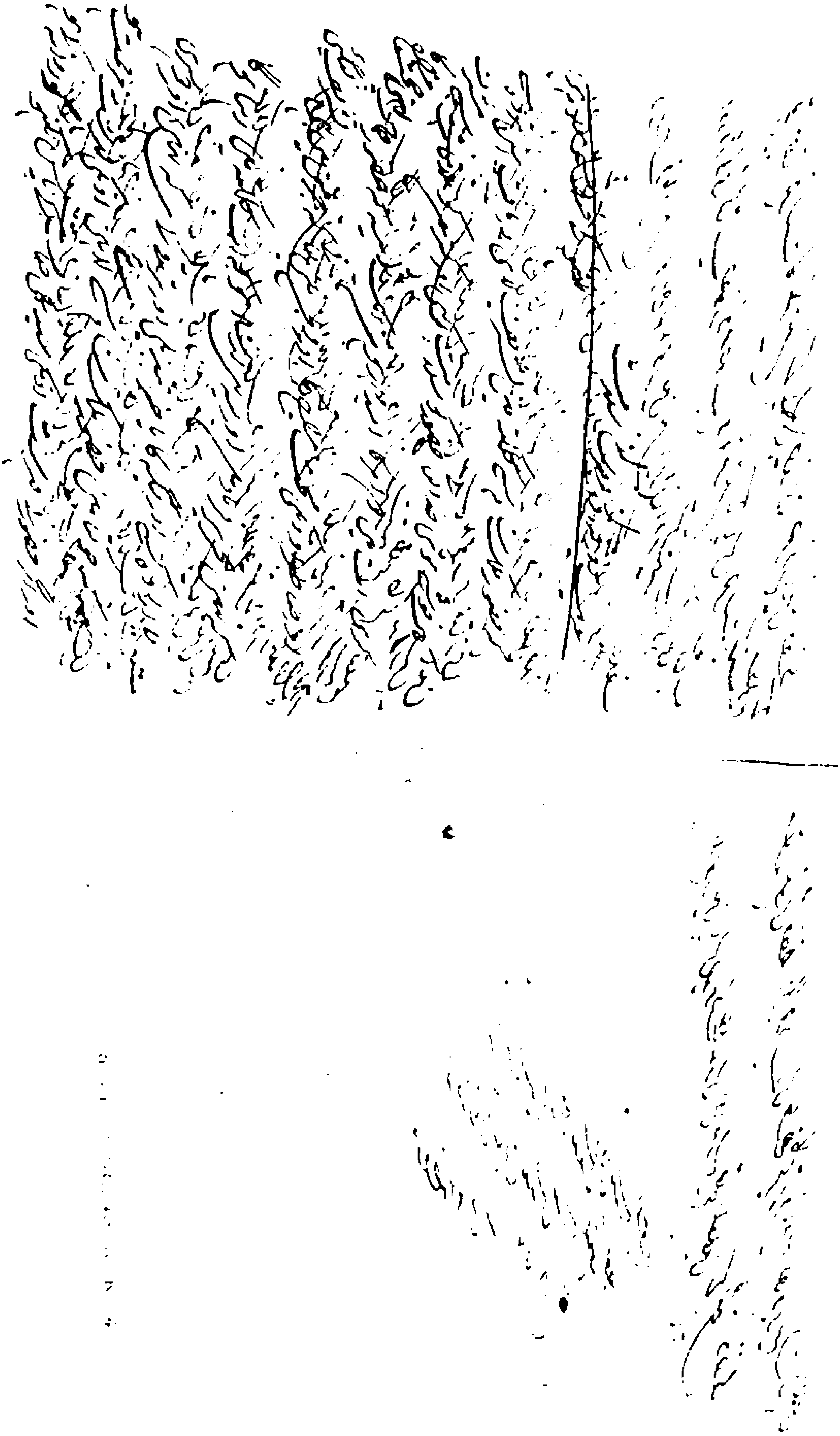
تو ضرور ہے کہ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا اگر کوئی شخص
انکی قائم مقام ہونگے تو ایک عہدہ نیچے کا خالی ہوگا اور اور جتنے حضور کی
متوسل ہیں سب نوکر ہوگئی اور یہ خاکسار امیدوار حضور کی پرورش کا ہے
اور میں مدت سے جانتا ہوں کہ دہلی میں انگلو عربی کی ملازمت اتفاق
سے کوئی عہدہ خالی ہوا ہی اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں
اور جس طرح سے مناسب ہو میری واسطے سفارش فرماویں اور ایک
چٹھی پرنسپل کالج صاحب کے نام تحریر فرماویں اور اور آپ حضور میری
[illegible] سفارش [illegible] ہوگی [illegible] حضور پر
[illegible]
[illegible] اگر میں دہلی میں رہونگا [illegible]
[illegible] حضور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

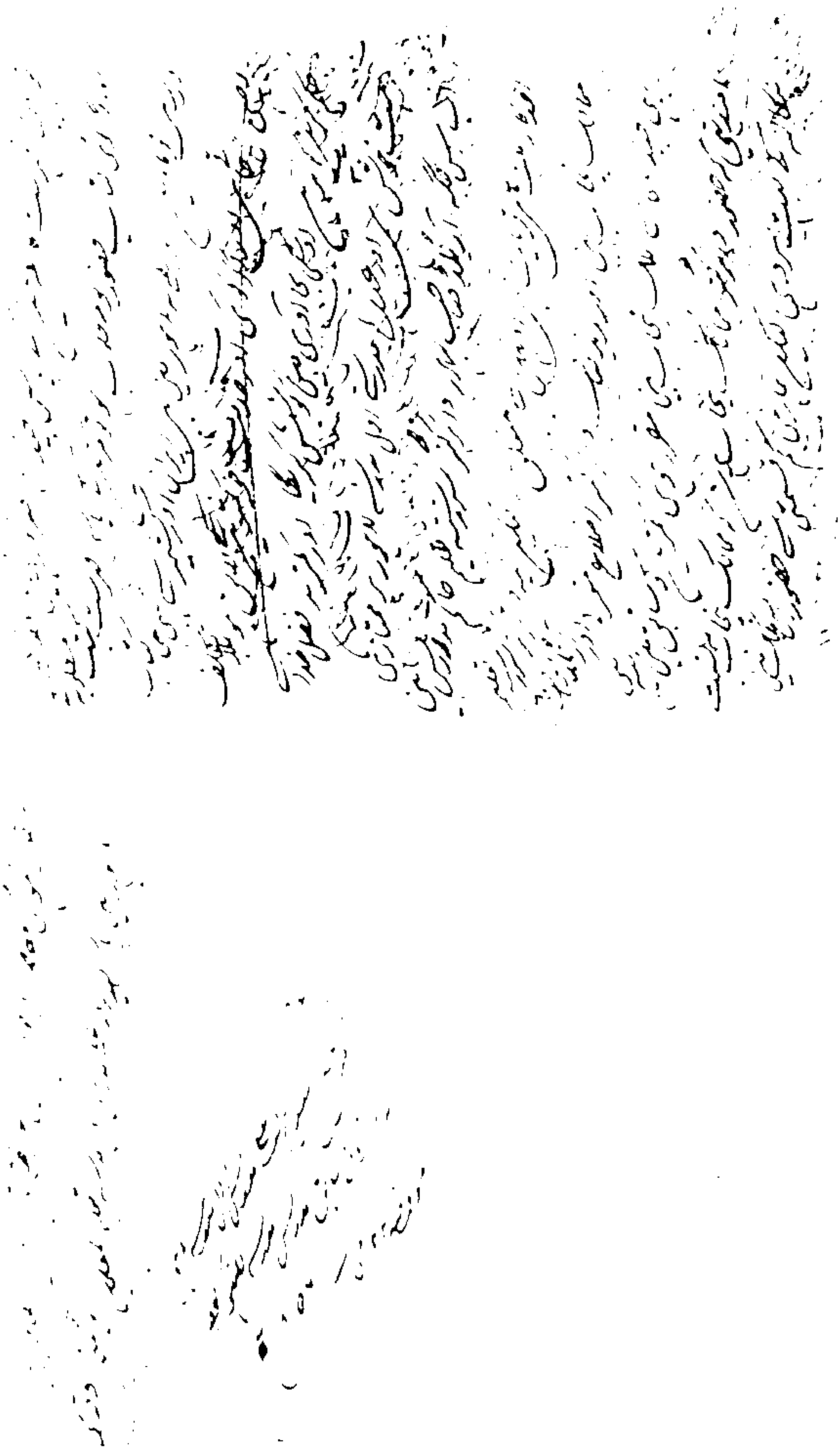
[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرض بردار سلامت

نیازمند اشرف علی بعد آداب نیازی عرض کرتا ہی

حضور کا سرفراز نامہ درباب نقل حال رجال روضۃ الطاہرین سے نیازمند کی پاس پہنچا چنانچہ کتاب تذکرہ
معرفت جناب ٹیلر صاحب بہادر کی منگوا کر خواجہ شمس الدین سے جسقدر رجال اوسمین سے دستیاب ہوا لکہوا کر
اوسکو حضور میں بہیجتا ہوں ملاحظہ سے گذریگا اور ایک دو ورقہ صحیح ترمذی کا جو کہ مطبع السلام میں
چہپ رہی ہے اسکو حضور ملاحظہ کریں اگر یہ کیسے چہپتی ہے جناب عالی میں کاتب خوشنویس
نہیں بہم پہنچا ورنہ اہل لکہنو ایسے کیا کرتے ہیں جو حضور کی (اقبال آپکا) تکمیل کر سکیں اور اب بہی اقبال
خداوندی سے اسکی چہپائی سوداگر بہت پسند کرتی ہیں اور حضور کی عنایت سے اب مطبع میں
اتنی چیزیں شروع ہیں تحفۃ المومنین صحیح ترمذی الف طالاالدیہ تاریخ روم کتاب بحث اور کاغذ
اخبار وغیرہ اتنیک تو عنایت ابتدای سے کار مطبع کا رونق پر ہی اور کیونکر نہ رونق پر ہو جب آپ جیسی
مربی اسکا خیال رکہتی ہوں اور مسٹر ٹیلر صاحب بہادر اسکی درستی میں کوشش فرماتی ہیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی بابت قیمت سنگ
بالشت ہے اور نسی طلب کرتے ہیں وہ اپنی پاس سے دیکر مجکو اطلاع دیں یہاں ہم علی اکبر کو
دیدونگا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نقل ... من الذہب

و وجدت فی بعض الکتب ... فی قتل الحسین ... و عمرہ یومئذ ... مع الخبر عن رسول اللہ ...

[illegible] ستین ... ثمان عشر ... کانت ولادتہ

[illegible] سنین و ستۃ اشہر ... اثنا عشر ... ایام

[illegible] اربع ... سبع ... ثمانیۃ اشہر ... فذلک ...

وجدت محمد بن جریر الطبری ... عن علی بن مجاہد عن محمد بن اسحق عن الفضل بن ...

قال ... علی معاویۃ قال ... المسجد ... فی الخضراء ... اہل المسجد

فکبر اہل الخضراء ... فاختۃ بنت قرظۃ بن عمرو بن نوفل بن عبد مناف ...

[illegible] فقال ... الحسن ... انا للہ و انا الیہ راجعون ...

مات ابن ... سید المرسلین ... فقال معاویۃ ... ان کان ...

[illegible] ... ابن عباس ان الحسن بن علی

توفی قال ... کبرت ... قال ...

[illegible] ... سید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العالمین ...

نحمد ... و رضوانہ

فہرست کتب

مختار نامہ	سفینۃ الاولیاء	تذکرہ حسینی ناتمام	تواریخ دریابہا
111 ورق سطر فی صفحہ 15	130 ورق سطر فی صفحہ ... حروف سطر 52 تقریبا	109 ورق سطر 12 حروف 36	209 ورق سطر 11 حروف 36

نوشتہ ...

والانامہ حضور ... موجب ... شکر

... اجازت ... میری ... تفصیل ... مروج الذہب ... مشتمل ... چنانچہ

عبارت اول ... آخر کی ... مختار نامہ و سفینۃ الاولیاء و ... تذکرہ

حسینی ناتمام ... تاریخ دریابہا خط فارسی ... من الذہب

مختار نامہ و سفینۃ الاولیاء	تذکرہ حسینی	تاریخ دریابہا	ابھی ...
[illegible]	[illegible]	[illegible]	

کتاب حضور کو منظور ... مطلع فرمائیں تاکہ ... خرید لوں اور ... اکثر اوقات

حضور کی یاد میں رہتا ہوں اور حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی

کیونکہ حضور کی خواہش کے موافق ہے ... حضور کی مفارقت کا البتہ رنج ہے

اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے آپ کو خوش رکھے کیونکہ آپ کی ذات ہم غریبوں کی پشت و پناہ ہے

... صاحبزادہ کو دعا ...

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جو تحفہ جو ہدیہ کرایہ میں تھا حال سب کی بیگی اللہ کر

بھیجی ہے مگر ابتک اسکا جواب نہیں آیا احتیاطاً پھر لکھتا ہوں کہ بخدمت سید عبد اللہ و ولید و مجلد

تاریخ در بھنگہ مروج الذہب پر دو جلد اور اغانی تمام اعلیٰ ترار کتاب الکتابی

مستعرب تمام کردیا اور حضور نے سرور کی ملک اسلامی صاحب کے خط میں لکھا تھا کہ ان شاء اللہ وہ میرے

واسطے بھیجی تھی یا نہیں بندہ نواز جب وہ جب چکی تھی میں ایک نقل اسکی لکھکر بھیجدی تھی

ایسی کوئی کتاب چھپ کے لی نہیں جو یہاں چھپی اور ان کے واسطے بھی نہ بھیجی ہو — اگرچہ

حضور کی ترقی سے دل بہت خوش ہوا لیکن رنج اس کا ہوا اب یہ حضور کا ہماری سرپرستی

اگرچہ مجکو بہروسہ حضور کا بہت ہی خدا حضور کو خوش رکھے اور درباب تاریخ بیہقی کی ایک

جیسی ورایت سے اس مضمون کی آئی تھی کہ میرے پاس تمہاری ۵۰ جلد جن میں سے اب تک ہی

نہیں بھیجی چنانچہ اسکے نقل بھی میں حضور کے پاس اور بھی عرضی کی ساتھ بھیجتا ہوں

اسباب میں جیسے حضور کو منظور ہو ویسے فرمائیں کیونکہ یہ کچھ جلدیں ہیں

اور رسید جلدیں ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو معرفت اسٹل صاحب کی ولایت کو گئیں تھیں

اور ان کتابوں میں جو جو سے حضور کو لینی منظور ہوں اس سے مطلع فرمائیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مروج الذہب بخط عرب
در دو جلد
عـ ۲۵

مختار نامہ
۱۳۱ ورق سطر فی صفحہ ۱۵
حروف فی سطر ۴۰
خط فارسی عربی خط
عـ

تاریخ در بلہ سبا
۲۰۹ ورق
۲ صفحہ سطر ۱۱
حروف ۳۹
سے

معجم الادبا
۱۳۰ ۲ صفحہ ۱۹ سطر
حروف ۲ سطر ۲۵
در یک جلد
عـ

تذکرہ حسینی ناقص
۱۰۹ ورق
۲ صفحہ سطر ۱۷
ے

شرح صراط المستقیم
شیخ عبدالحق دہلوی
عـ

آقای نامدار من سلامت

نیازمند اشرف علی بعد آداب و نیاز کی عرض کرتا ہے

حضور کا والا نامہ درباب خرید یعنی ربیع الابرار اور ایکجلد سکندر نامہ صحیح و خوشخط و محشی کے
بھیجا اس نیازمند کو سربلند کیا جناب کے ربیع الابرار میں بعد تمام دیکھنے کتاب کے ایک نقصان نکلا اور وہ
نقصان یہہ ہے کہ بیتالیس ۴۵ ورق اخیر میں اوپر کی طرف کونے میں یعنی حاشیہ کی طرف کی سطروں میں
نقصان اتنے حروف کا تھا ہے سطر اول میں ۴۸ حروف سطر دوم میں ۱۵ سوم میں ۵۸ چہارم میں ۵۹
پنجم میں ۵۷ حروف کا ہے مگر ۱۶ ورق اخیر میں نو ۹ سطر کا نقصان دیکھا لیکن کاریگر نے جوڑ
اب خوبصورتی سے کاغذ ہمرنگ کا لگایا ہے اور جدول طلائی بھی بدستور کر دی ہے الا مختار حکی
دوسری کتاب کی ضرور پڑی تا کہ وہ درست ہو اس سبب سے میں نے اوسکو نہیں لیا اور بیچنے والے سے
کہا اگر تو پانچ روپیہ چھوڑ دے تو میں لیتا ہوں اور نہیں تو نہیں لیتا مگر وہ راضی نہیں ہوتا
بیان کرتا ہے کہ یہہ کتاب مجکو سالٹہ میں سید ابراہیم نے لکا دی ہے مگر دو روپیہ چھوڑ
دونگا سو اگر حکم حضور کا ہو تو میں لیلوں مگر اوسکی درستی میں چار روپیہ سے کم نہیں صرف ہوگا

اور سکندر نامی میری پاس کی لئی آئی لیکن اکثر جا بجا سے غلط پائی اور پرانی بہی کم تہی لیکن
اکثر دلالوں سے کہہ رکہا ہی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ بہیجونگا اور حضور نے ارشاد کیا تہا
کہ ایک صاحب بطریق سیر دہلی کو آئے ہیں وہ صاحب ہماری کتابیں لائینگے سو آجتک نہیں آئی
کیونکہ حضور کی کتابیں میری پاس موجود ہیں اور بلا ارادہ کشش بعد آداب کے عرض کرتی ہیں
کہ حضور کی میری حال پر بڑی پرورش ہوئی کہ مولوی اسد اللہ بخش صاحب کی طرف دو سو چالیس
روپیہ مع اصل اور سود لئی ہیں حضور کے ادنی توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں اور جو وقت
گلستان کی بہیجی ہے اوس وقت اونکی بیچنے میں کوشش کیجائیگی اور مجکو امید ہی کہ
تاریخ یمینی نکالنا بہی حضور کو خیال ہوگا اور در میولا نواب محمد میر جان کے گہران تقسیم مال کا
فساد برپا ہی اغلب ہے کہ اب اونکی کتابیں شاید بکیں مگر یہہ سارا منصد
ہمیشہ خیال میں رہتا ہی کہ کوئی پرانی کتاب تاریخ کی مجکو ملی اور حضور کیواسطے
خریدلوں لیکن مجکو امید ہے کہ ایک فہرست اون کتابونکی جو کہ حضور کو لینی منظور ہیں
میری پاس بہیجدیں زیادہ حد ادب بخدمت خداوند نعمت جناب میم صاحبہ محمدہ کے آداب
اور صاحبزادونکو دعا دیتا ہوں جناب عالی ایک میرجہ مکند لعل نے ایک عرضی لکہی تہی
از راہ خداوندی اونکو عنایت کردیجیا

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

نو دیکھ کر تحریر منگوا کر کتاب لی اور حبیب السیر کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ جو حضور نے
سرخیاں لکھی تھیں تو معلوم ہوا کہ وہ جزو ثالث از مجلد ثالث ہیں
نہ کہ جزو ثانی کی اور یہ نیاز مند موافق لکھنے حضور کے جزو ثانی میں تلاش کرتا تھا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اور بار بار دیکھتا تھا اور کہیں ٹھکانا نہ لگتا تھا احتیاطاً میں خیال کیا اگر جزو ثالث کو

بھی دیکھوں جب جزو ثالث تک دیکھا تو سب سرخیاں اور ٹھکانا مل گیا تو اب میں

حساب کر کے کاتب سے دریافت کیا چنانچہ کاتب اس بات پر راضی ہوا ہے

کہ بارہ روپیہ میں تمام کتاب تک لکھ دونگا اور دو روپیہ میں شنجرف اور کاغذ کی خرچ

ہو جائیگا تو اس صورت میں چودہ روپیہ اصل کتاب کے تیار ہیں صرف ہونگے اگر ارشاد ہو

تو لکھوا دوں اور کاغذ بانس ہوگا اور تذکرہ [illegible] حضرت [illegible] خاں کا یہ حال ہے کہ مولوی سید محمد

کہا کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بہت بہت آداب لکھنا اور یہ عرض کرنا

کہ جناب عالی وہ تذکرہ حکیم عزت اللہ خاں کا نہیں بلکہ حکیم قدرت اللہ خاں قاسمی جو عزت

اللہ خاں کے والد تھے اور [illegible] کی نقلیں [illegible] مرحوم [illegible] مگر

[illegible] سے نقل کروا دیجیا [illegible] جب [illegible] عمل میں

[illegible] ربیع الابرار ایک [illegible] دوسری نہیں ملی کتاب [illegible] سو نقصان [illegible]

ایک نسخہ ربیع الابرار کا مولوی [illegible] جو [illegible] تھا ہی ہیں

[illegible] ان سے سنا ہے کہ [illegible] ترتیب [illegible] حضور [illegible] مولوی

[illegible] بنا لیا [illegible] ایسی عرض [illegible] جرات [illegible] تاکہ

اس کی فہرست [illegible] زیادہ حد ادب [illegible] حسب

حضور میں بھیجی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

آقای نامدار سلامت

نیاز مند اشرف علی بہ ادب و نیاز کے عرض کرتا ہے کہ تذکرہ ابو القاسم حکیم قدرت اللہ خان کا قریب الاختتام کے ہے
یعنی بائیس ۲۲ جزو تو اوسکی کاتب لکھ چکا ہے اور گیارہ جزو کا مقابلہ اس نیاز مند نے باوجود عدم فرصت
کیا ہے اور میری عدم فرصتی کا حال حضور پر بخوبی روشن ہے کیونکہ تمام مطبع کا فقط میں ہی کرتا ہوں اور
مدرسہ میں بھی دس بجے سے چار بجے تک حاضر رہتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ باقی اجزا کا بھی بہت جلد مقابلہ
کرکے اور جلد بند سوا کر حضور میں روانہ کرونگا خداوند امینی دربندر لسنبرا کت احمد علی سوداگر نے کتاب
بہار عجم جو کہ اصطلاحات زبان عجم میں ہے چھپوانا شروع کیا ہے امید ہے کہ باقبال حضور رہ اختتام کو پہنچیگی جناب عالی
سے بہت بڑی کتاب ہے یعنی تفسیر عزیزی سے زیادہ ہے اور یہ وہ بہار عجم ہے جو کہ خاص مسودہ ٹیکچند بہار سے
صاف ہوئی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر وقت تیار ہونے کے ایک نقل حضور میں روانہ کرونگا امید رکھتا ہوں کہ حضور
از راہ بندہ پروری کے اسکا ذکر شائقین زبان فارسی سے فرمائینگے اور جناب عالی مرزا محمد علی مصنف
فتح پور نے اس نیاز مند کو واسطے احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے لکھا ہے چنانچہ نیاز مند نے اونکو یہ جواب لکھا
کہ اس شہر دہلی میں فقط ایک نقل نواب محمد امیر خان کی تھی نہ بیں تھی اوسکو میں اپنی خداوند نعمت جناب
ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کیواسطے نو سو روپیہ کو خرید لیا اور صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیجدیا اب میں
صاحب ممدوح کی خدمت میں عرضی لکھونگا اگر صاحب کو منظور ہوگا تو اوسکو علیحدہ کر دینگے اور
ترکیب اوسکا نام مجکو نہیں معلوم ہوتا اسواسطے حضور میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور کو منظور ہو
تو میں مصنف مذکور کو لکھوں اور بعد اوسکے حضور میں عرض کروں اور جناب عالی ایک مجموعہ بہادر خانی
اس نیاز مند کو درکار ہے اگر حضور کے اقبال سے مقام کلکتہ سے دستیاب ہو تو اوسکی قیمت حضور میں
بھیجدوں اور جناب عالی جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے تو شرکا مطبع نے مثل
مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش اور مولوی امام بخش اور میر سید محمد خوشنویس
اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس ۵۰ حصوں کی بعض نے پوری اور بعض نے کچھ کم پر
بیچڈالی در صورت لاچاری واسطے جاری رکھنے چھاپہ خانہ کے اس نیاز مند نے قریب
تیس ۳۰ حصوں کی اور قریب بیس حصوں کی لالہ رادہ کشن خزانچی نے خرید لیے اور
حصہ داروں کو ادا کردیا اب جناب عالی اس شہر میں بیس ۲۰ چھاپہ خانہ
ہو گئے اس چھاپہ خانہ کی اور اور پرانی چھاپہ خانوں کی رونق گھٹ گئی

اور باہر کی چھپائی اور سوسیٹی کی چھپائی کہ جسکے سبب سے بڑی آبادی تہی وہ بسبب نہ تشریف
رکہنی حضور کی مطلق نہیں ہوتی ناچار قرض و دام کرکے چھاپہ خانہ ہی کی کتابیں چہاپنی
شروع کیں تو اب یہ چہاپہ خانہ دو ہزار روپیہ کا قرضدار ہوگیا ہی اور آیندہ کو امید نفع
کی بسبب کثرت چھاپہ خانوں کی نہیں معلوم ہوتی اس صورت میں باقی شرکا کی یہہ رای ہی
کہ جو روپیہ اور شرکا کا باقی ہی وہ بہی یہہ نیازمند ادا کردیا اور کل قرض بہی اپنی
ذمہ پر قبول کرلے یعنی پانچہزار روپیہ کو خرید کرے سو جناب عالی یہہ آپکا نیازمند بہت
گہبراتا ہی کیونکہ میں نے ساری عمر میں قریب ڈہائی ہزار کے روپیہ جمع کیا تہا اور یہہ
جانتا تہا کہ اب میں ضعیف ہوگیا ہوں تو ایک گوشہ میں بیٹہہ رہوں لیکن اب
یہہ صورت ہی سو اسواسطے یہہ نیازمند آپکے حضور میں عرض کرتا ہی اگر مجہسے
چہہ سو روپیہ سوسیٹی کا اور ڈیڑہ سو روپیہ حضور کا یعنی ساڑہے سات سو پچاس روپیہ لیا
جاوی جیسا کہ پہلی شرکا لی چکی ہیں تو اس نیازمند پر حضور کا بڑا احسان
ہوگا اور مجکو آپ کی فیاضی سے امید ہی کہ یہہ میری عرض حضور قبول کرکے ٹیلر صاحب کو
لکہہ بہیجینگے کہ اشرف علی سے ساڑہے سات سو پچاس روپیہ بابت حصص سوسیٹی اور ہماری
لیا جاوے اور جناب عالی اگر سوسیٹی اس کارخانہ کو خرید لیوی تو بڑی ہی بندہ پروری ہی
کیونکہ یہہ نیازمند کام کرتے کرتے تہک گیا ہی حضور پر روشن ہی کہ اس چہاپہ
خانہ میں تین مہتمم تہی اور اب میں فقط اکیلا ہوں تمام اخبار کا اور تمام
کتب کا مقابلہ اور خطوط کا لکہنا اور ساری کارخانہ کا حساب لکہنا
میری ہی ذمہ پر ہی بسبب تنہائی کے اور بہی گہبراتا ہوں زیادہ حد ادب

آفتاب دولت کی روشن رہی

[illegible]

A Grammar of the
Urdoo Language
Urdoo by Moulvee
Imambux of the
Dehlee College
1849

رسالہ قواعد اردو

مشتمل اوپر چار باب کے باب اول علم صرف مین ÷ باب دوم علم نحو مین ÷ باب سوم
لغات زبان اردو مین ÷ باب چہارم امثال ہندی مین تالیف کیا ہوا مولوی امام بخش
صاحب مدرس اول مدرسہ فارسی کا

باہتمام سید اشرف علی واسطی مطبع العلوم واقع دہلی گذر کشمیری دروازہ مین چھپا سنہ ۱۸۴۹ع

رسالہ قواعد اردو از مولوی امام بخش صہبائی (۱۸۴۹ء) باہتمام سید اشرف علی واسطی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

عزیزی ادیب سلامت

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اور اسکے تحقیقات نتیجے میں آیا اور سکہ پڑھ لیا اور منظور ہیں کہ علامہ صاحب مستفیض ہوں اور جب چاہیں ہو تو اسکے محققانہ

اور جو کچھ دوسرے سلسلہ طبع کا ادارہ طالبین کی بنا چاہے وہ بھی گزرے کتاب جو طبع میں دینی امور میں قیمت اسکا

اور رائے جب صاحب مدرسہ ادارہ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آنحضور ایسے بڑی چال برکت کا کیا خیر

اور سب سے بڑھ کر اسکو تکلیف نہیں دی اور جب دفتر اور جب وانش دار ادارہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

حقیقت حال اس فدوی کی [illegible] حضور کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

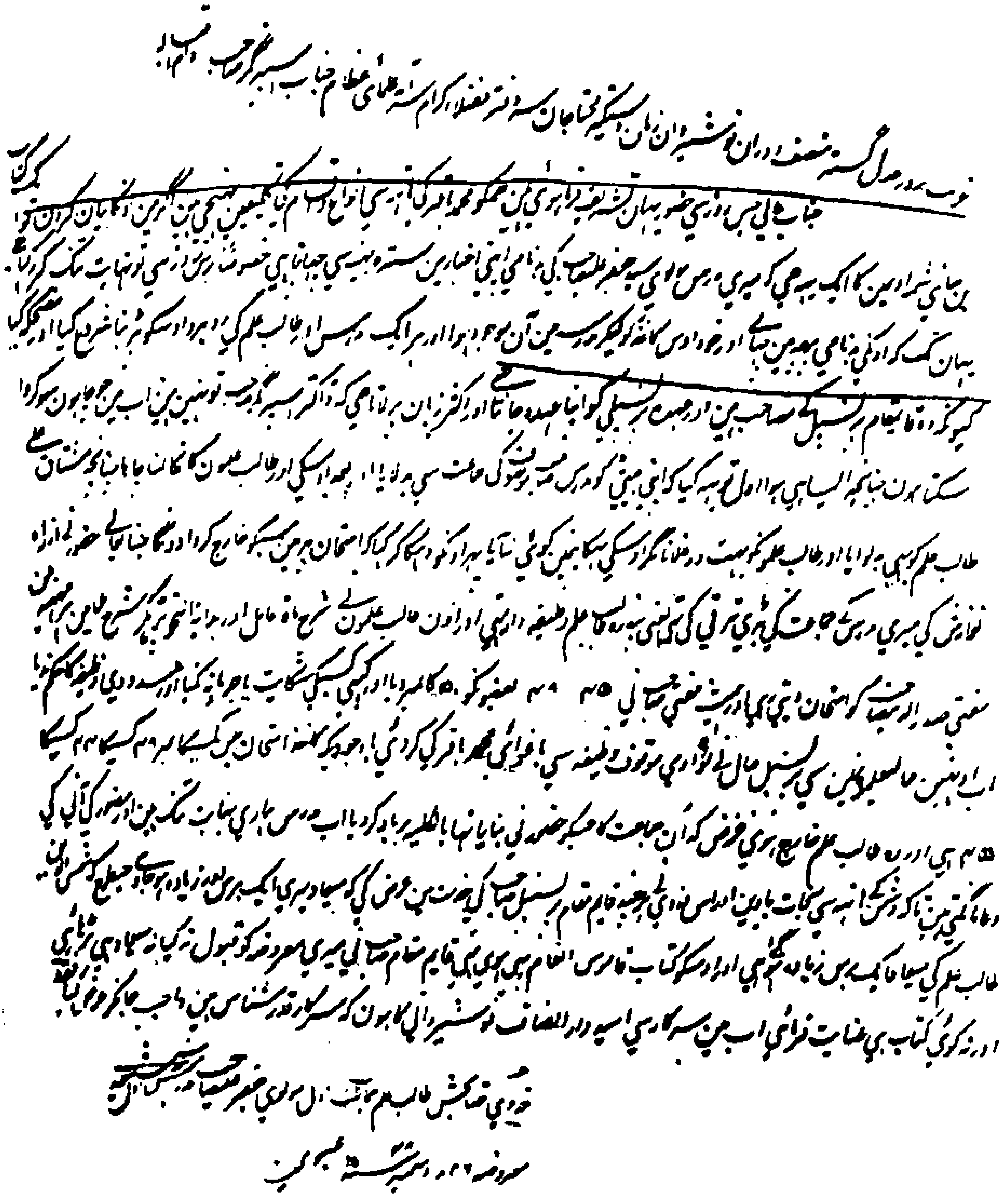
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



''مکتوب خدا بخش، بابت ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

غریب پرور سلامت

چنانچہ فدوی نے مدت مدید سے اس مدرسہ میں تحصیل علوم کی

اور فارسی میں کتب انشائے ابو الفضل اور سکندر نامہ اور ظہوری اور بہار عجم وغیرہ تک

پڑھیں اور عربی میں کتب قصیدہ دیوان متنبی اور مقامات حریری اور تاریخ تیمور

اور تاریخ یمینی اور دیوان حماسہ وغیرہ تک تحصیل کی اور کتب مشہورہ ریاضیہ

جو زبان انگریزی سے ترجمہ ہوئی سب پڑھیں اور بسبب حسن سعی

اپنے کے ہمیشہ عربی اور فارسی میں عمدہ کی اول درجہ پر ممتاز رہا

اور اسی سبب سے ہمیشہ وقت امتحان کے سند اچھا رہا جب جب

اگر میرا امتحان لیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر امتحان میں اپنی کوشش سے

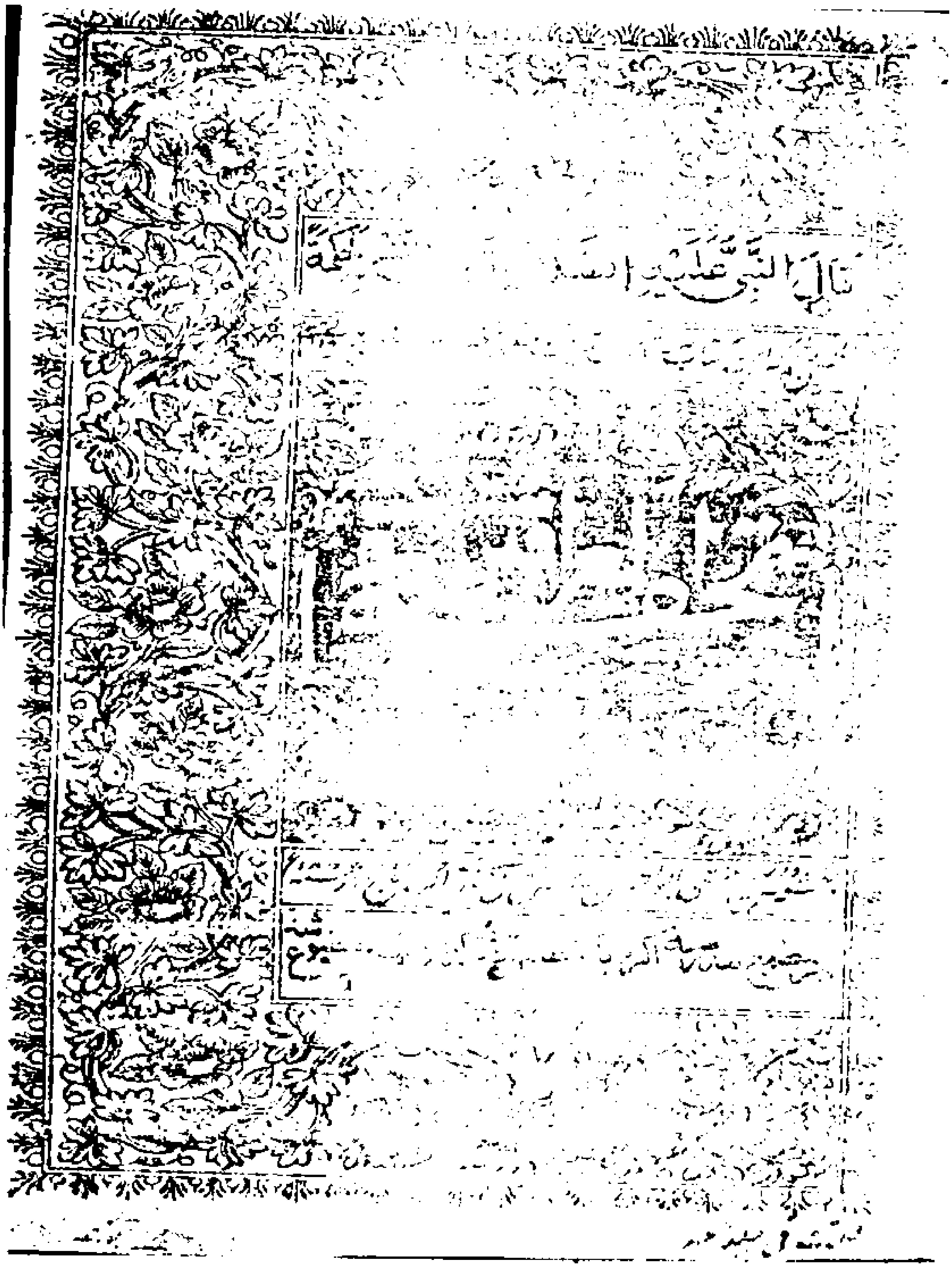
اور پرورش حضور کی اچھا بر آیا اور اسی سبب سے حضور خود خوب واقف

ہیں میری استعداد سے اور چونکہ بالفعل حضور کے مدرسہ میں عہدہ مولوی سید علی کی

مدرسی سوم فارسی کا خالی ہے اور میں اس عہدہ کے مستحق ہو سکتا ہوں

لہٰذا امیدوار ہوں کہ مجھ کو از راہ پرورش جاودانہ کے

عہدہ مذکور پر ممتاز فرمائیے فقط عرضی



تحفۃ العراقین (بہ تحشیہ و تصحیح منشی ابوالحسن فریدآبادی)، ۱۸۵۵ء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

دیگر مکتوب نویس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

هو العلی الاعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

میں محمد حسین طالب علم جماعت دوم عربی کو

دو صد روپے بابت حبیب السیر کی عوض میں منجملہ

مسٹر ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کی ہاتھہ میری ہاتھوں

اور مسلے مذکور مجھ پاس
بیچ ڈالا ہے جس کو بطریق نفع الوصول کی لکھ دیا

کہ عند الحاجت کام آوے فقط

کتبہ تاریخ ۲۳ ماہ ... سنہ ۱۸۵۰

محمد حسین

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

غریب پرور سلامت

موافق حکم حضور کی احیاء العلوم کو
کئی مقام سے دیکھا تو مقامات مذکورہ کو ویسے پایا جو نشان کئے :
مضبوط ہی ہے کہیں کہیں سے غلط ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور
خط کتب مذکورہ کے ہی ہیں لیکن سب اچھی ہیں نسخہ مذکور نایاب
اس شہر میں دستیاب ہونا ایسے نسخہ کا دشوار ہے

سید صفدر علی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

غریب پرور سلامت

بعد ملاحظہ عرضی فدوی کی حضور سے ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب کی پاس حاضر ہو کر تعمیل حسب الارشاد بجا لایا
لیکن مولوی صاحب نے کچھ تکرار فرمائی مجھ سے نہیں کہا و ظاہر ہے کہ کاتب کے ضرور سرکار میں تھی ہے
رہبری طالع سے فدوی بعد کوشش و تلاش حضور میں باریاب ہوا آرزو فدوی کی یہی کہ بہر کیف
دامن دولت سے لگا رہوں اور جو کوئی نسخہ مختصر یا مطول لکھنے کو اجازت ہو بقدر استعداد
اوسکی صحت عبارت و حسن خط میں تمام بلیغ کروں آئندہ جو مرضی مبارک ہو لطف دور نہیں
حضور کی محک امتحان جوہر قابلیت و لیاقت سے زیادہ عرض کی حاجت نہیں اللہم اوصله
الی اقصی المقاصد والمرام و خلد ظلاله علی مفارق الانام الی یوم القیام

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عرصہ کئی مہینے کا ہوا کہ خیریت مزاج مبارک کا لکھا سے سرفراز نہیں ہوا اور نہ کوئی پروانہ حضور کا متضمن صحت مزاج

اس سبب سے طبیعت فدوی کی نہایت تردد میں اللہ تعالی حضور کو بہر حال خوش و خرم رکھے

کہ سب طرح ترقی ہم خیر خواہوں کی تصور ہے اور حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو جگہ خالی ہوئی کسی جگہ کی

کسی صوبہ میں پرورش تمہاری میں تحریک کی جاوے گی فدوی اب تک منتظر اس بات کا ہے کہ حضور فدوی کی فکر سے

غافل نہ ہونگے صرف واسطے یاد دہانی کے عرض کیا آرزو یہ ہے کہ تا حین حیات حضور کی سلامت و رفاہ میں

اس سبب کہ ایسے حاکم قدر دان خوبی قسمت سے ملتے ہیں امیدوار ہوں کہ بندہ کو

سرفراز ہوں آفتاب دولت و اقبال کا روشن رہے

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

حضور فیض گنجور مین ملاذ زمان والاشان جناب پرنسپل صاحب دام اقبالکم کے عرض کرتا ہے

کہ یہہ فدوی الٰہی بخش محنت شاقہ و تکلیف سخت سے مدرسہ چہارم کے درس مین ایکسال تک

تحصیل علوم کرکے سالانہ امتحان دیا اور ممتحن نے الف لیلہ مین محمد بشیر اللہ اور

فدوی کو انعام لکہا چونکہ محمد بشیر اللہ کو جاگیر شاہر کی ہوئی اس سبب انعام اسکا

حسب ضابطہ ساقط ہوا بعد اسکے فدوی مستحق ہے اب تحقیقات سے معلوم ہوا کہ

فدوی کا نام انگریزی رپورٹ مین نہین ہے عدالت پناہ جس حالت مین کہ ممتحن نے

رپورٹ مین فدوی کو انعام لکہا گیا اور ممتحن اب تک بہی اقرار کرتے ہین اور مدرس کہ

جنکے دستخط اس رپورٹ مین ہوا ہے موجود ہین پس ہمکو بلا وجہ ساقط کرنیکی کیا وجہ ہے

اسلئیے حضور مین فریاد کرتا ہون اور امیدوار ہون کہ ممتحن کے فارسی رپورٹ کو

ملاحظہ فرمایا جاوے تاکہ فدوی اپنے حق کو پہنچے زیادہ آفتاب دولت تابان و درخشان رہے

الٰہی بخش طالبعلم متعلق مدرسی دوم

سلامت

صاحبِ والا مناقب مصدر فیوض نامتناہی

بندہ کو ارشاد گرامی سے اشتیاق حصول ملاقات کی التماس ہے
کہ میں ارادہ تشریف آوری حضور کا دریافت کیا جاوے اس خلوص کا شکر
گذار ہوں ممنون ہوا حق تعالیٰ آپکو اس خوش خلقی
اور اخلاص شعاری کے ساتھ زیادہ تر درجات علیا پر فائز کرے اور حال
یہ ہے کہ دو روز سے بخار رفع ہو گیا ہے اور اب میں بحمد اللہ
آرام سے ہوں سو اس حیثیت سے بالفعل آپکو تکلیف دینا خلاف
ادب اور ادب کے سمجھ کر ڈاک بطالی سے موقوف کرا اور بلکہ میرا
خود ارادہ ہے اگر ذرا کچھ طاقت حاصل ہو جاوے تو میں خود بعد چند روز
دہلی میں آکر اور حضور سے ملاقات کر کے مورد نوازش اکرام ہوں گا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]



for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

عالی متعالی جناب عالیشان [illegible] دام اقبالہ

بعد عرض [illegible] کی عرض کرتا ہی

کہ شکر انعامات خداوندی حضور پُرنور الا اندازہ حوصلہ تقریر او

تحریر سے افزون ہی کہ ساتبہ اسی شان عالی اور مرتبہ برتر کی

ذرہ نوازی اور متوسل پروری کی سرفرازنامہ [illegible]

پر شکور و ممنون ہوا بعد ازان ایک جلد نسخہ مغازی [illegible]

اور چار جلد حضور میں بھیجا ہی بسبب ایام بارش کی تردد ہی

خدا کری بخیریت پہنچ جاوی بعد پہنچنے کی اور کتابیں مطلوب حضور

حضور ملازمان عالی روانہ کریگا جون ہوئی [illegible] پہنچانی کی بعد

[illegible] اگر [illegible] اطلاع [illegible] فہرست میں توقف ہوا آپ کی

[illegible] کی ہو دولت خواہ کی [illegible] میں حضور میں روانہ کرتا

اور فہرست کتب [illegible] رونق کی اور [illegible] مولوی [illegible] و تعلیم کی [illegible]

معرفت [illegible] کتابوں کی [illegible] ہزار [illegible] ہوگی طیار کری بعد

روانہ کریگا اور [illegible] امانت کی [illegible] طرح [illegible]

[illegible] حضور [illegible] ہوا کہ فدوی [illegible]

[illegible] یقین [illegible]

[illegible] حضور [illegible] تقریر میں [illegible] مقام [illegible] ہی اور

حضور [illegible] سکوت [illegible] اور وعدہ [illegible]

اور فدوی [illegible] اور [illegible] حضور میں [illegible]

[illegible] زیادہ [illegible]

[illegible]

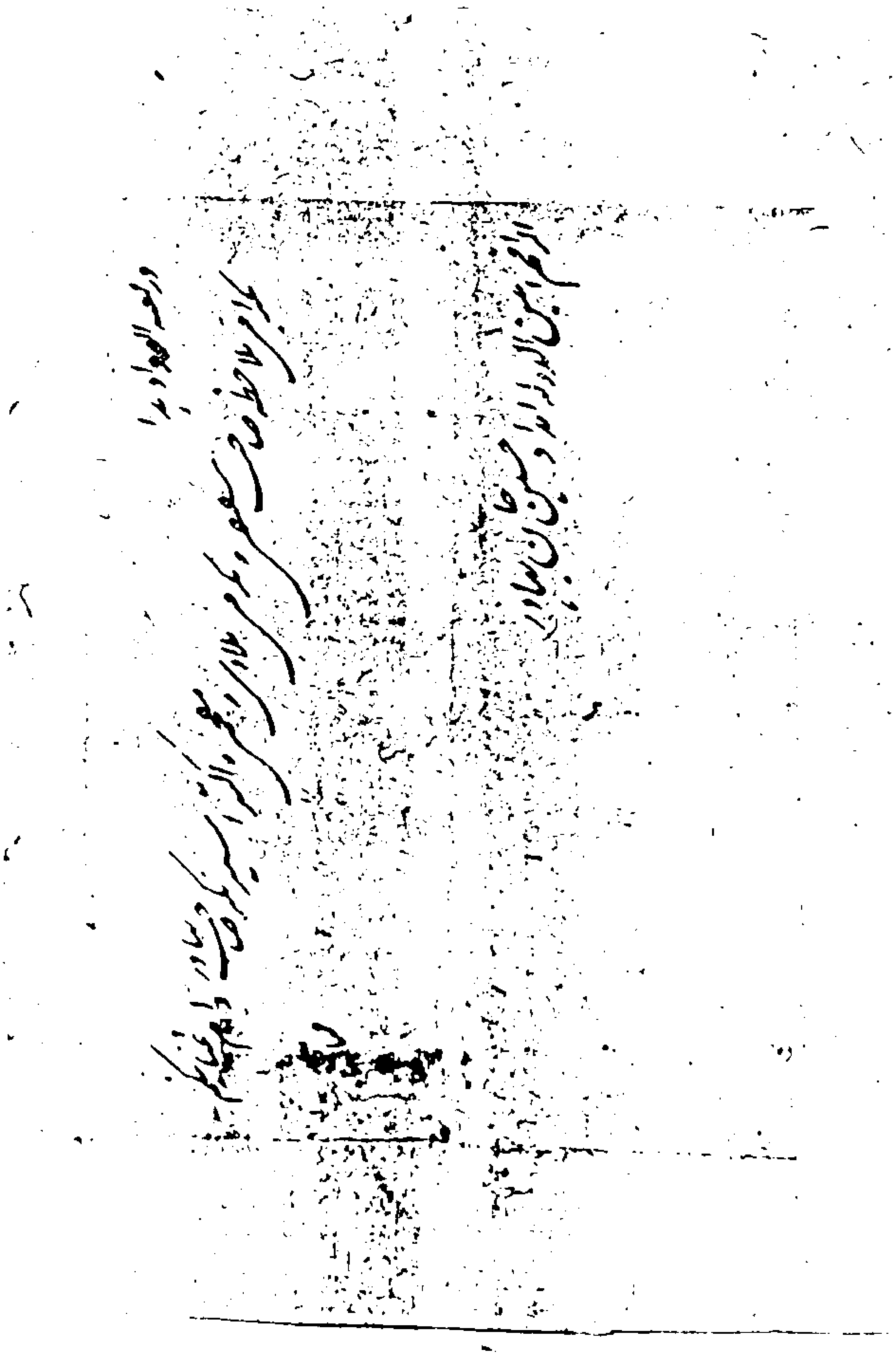
منتخب فارسی خطوط

بنام

اشپرینگر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

صاحب مشفق مکرم ملاذ و معظم والا بسیار مکرما دام عنایتکم

بعد تحریر نیاز مواصلت کثیر البهجت شمائل آنکه از وقوف
ناسازی مزاج گرامی رنجیدگی و الم که گردید بخارج لحظه
تحریر و تقریب نیاز بسیار حال صحت کامل و شفای
عاجل عطا فرماید و تشریف بردن سامی برای اکتساب
هوای مستکاهه پور بسیار مستحسن بل احسن جای
و الوقت تبقیه نکند و که ملاقات با مع الصحت و العافیت
مراجعت فرمایند و حلقه جنابت القدس سجدیت
که گاه گاه رسید خاطر سامی جمع باد زیاده بجز
شوق و عزم ملاقات چه بر طراز و فقط
مورخه پنجم شهر شوال ۱۲۶۵ ه

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ضمیمه

صاحب عالیشان مسٹر اسپرنگر صاحب

بعد از اظهار مدارج نیازمندیها مکشوف ضمیر منیر
مودت تخمیر میداند که والا از مزاج وهاج مسرت
ابتهاج اطلاع فرمایند که اشتیاق اینجانب
از تحریر و تقریر متجاوز است ثانیاً زبانی بعضی
منصب علیخان شنیده شد که مسٹر بک صاحب
بسیار در آداب عربی و فارسی شایق اند
و بموجب ایماء و اصرار [illegible] موصوف اینجانب
خطی از جانب خود مشتمل بر شوقیه مینگارد
جزو از مصنفات اینجانب که دکشنری لغت
فارسی وغیره که ترتیب دادم و هنوز بمقابله
صحت نرسیده همراه خط بتاریخ ۱۳ می بسبیل
ڈاک بنام مسٹر بک حسب فرستاده گردید
از طرفه ماجرا است که تا کال جواب خط از او
نرسید و احیاناً مروت آن جزو را دارم
زیرا که از ترتیب کتاب دکشنری فارغ شدم
حالا تصحیح آن مابقیست و جزو اول شد
صاحب موصوف ملت و بسیار حرج [illegible]
لهذا از [illegible] تکلیف شدم [illegible]

[illegible]

[illegible]

حضرت افادت الامه ... سلمه الله جناب مخلص ... مخدوم

بعد از اظهار مراسم ... ملاقات ... الله ... [illegible]

بالحج ... بتاریخ ... رسید ... مرقوم

قلم ... قسم ... صحیح ... کتاب ... [illegible]

آمدن مطلع شده ... حمد ... العدو ... دارم ... گشت

مسلک اتقان ... علم ... قرآن ... [illegible]

و اینکه حال ... خود ... تحقیق ... [illegible]

... [illegible]

شاید گوینده ... سخن ... کعبه ... [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

صاحب دولا سابقت علما بجهت [illegible] [illegible]

بعد شیبانی [illegible] آنست تفسیر [illegible] [illegible] ساله [illegible]

بعینه [illegible] محمد تفسیر مرحوم [illegible] [illegible] مذکور [illegible] وصول آن [illegible]

[illegible] نسخه حضرت [illegible] [illegible] نسبت و [illegible] است [illegible]

الا [illegible] مرسوم [illegible] که ترجمه [illegible] قدیم است [illegible] [illegible]

در بعض از قسم و قواعد اصلی [illegible] است از اقسام [illegible] ترجمه [illegible]

[illegible] گردانید تفسیر [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

صاحب عالیشان مشفق مهربان کرم فرمای مخلصان سلامت

بعد شوق ملاقات کثیر البهجات اعظم تمنیات است بیان ... [illegible]

و ... [illegible] ... اطراف صحایف ... [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

پیش از این ... [illegible] تجلیات ... عید و ... عرض حضرت ... [illegible] بیشتر و تجدید

پس از ... رسم تهنیت و ... [illegible] ... و عقیدت ... وجود ... گزارش

و منزوایان ... و تقربت ... خاطر ... نظر ... میگردانند ... مستغنی ... [illegible] وحدت

در آن ... قدرت ... و ... جلوه ... مورد عقول و همه ... نسیم لطف ...

درین ... و ملکوت ... پرست است رونق افزا ... تشنگان ... [illegible] ... صحبت ... طلب

و ... ثروت ظاهر ... گروه دور ... کشش صهبای ... از فیض

جلوه صورت و تماشای ... محروم باشند ... الله تعالی ... [illegible] ... طریقه اخبار

و ... [illegible] ... نظر ... اوامر ... [illegible] ... معقول ... کلام

و تمهید ... سخن ... صحبت ... و کمال ... [illegible] ... خاطر بسته

... [illegible] ... تمام ... کتابت ... [illegible] ... گذشته ... [illegible]

[illegible]

عرض بندگان عالی

می‌رسانند

حکم عالی شرف نفاذ یافته که درس کتب فن حکمت یعنی میبذی و صدرا موقوف گردد یعنی باعث وقوع الواح فرمودید است

چه مخفی نیست که اگرچه بعض مسائل حکمیه مخالف شرع شریعت است لیکن ما لا یعلم الاجسام که در درس است منافی شرع نیست

دارا موقوف علیه اکثر علوم عربیه کتب فارسیه تا بحث اصول عقاید و اخلاق ناصری و جلالی و غیره میتوان گفت

وعلی الخصوص برای تشحیذ اذهان و تزکیه لهام بس مفید است و بدین لحاظ درس کتب حکمت جمیع مدارس هندوستان علیه

وغیره نیز ملاحظه جاری است و نیز در این مدرسه درس اکثر مطولات حکمت جاری بوده هر آن نسخه بعضی مدرسین

گردیده نوبت به بدین کتاب رسیده بود اگر حضور عالی بموقوفی تمام موجب عدم مبتای عدم استعداد

طلبه مدرسه عربیه سرکار دولت آینده تحصیل علیه الکمال ممکن نخواهد شد لهذا امیدوار که حکم درس حکمت شرف نفاذ یابد

مابقی عرض — مهر و نام

غلام ربانی — ترت — محمد یحیی — حسن حبیب الله — قاضی — محمد

محمد ناظم — عبد اللطیف — سلیم — سید — اسحاق

در درس علمیه ... محمد

... محمد ارشاد

... علما ... معقول ...

... درس فن حکمت ...

محمد ... ۱۲ ...

عزیز پرورش گستر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۱۹۵۱

ذوالفقار علی [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

صاحب والا مناقب مشفق مهربان دام اقباله

معروض جناب

چون از مدتی ممتد نوید صحت و سلامت مزاج [illegible]

خاطر ناشر از [illegible] باعث [illegible] شد که عریضه [illegible]

[illegible] بخدمت مولوی صاحب ذوالمجد والمناقب [illegible]

روانه کرده ام چون الی الان خلاف عادت [illegible]

جواب ننوشته اند [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

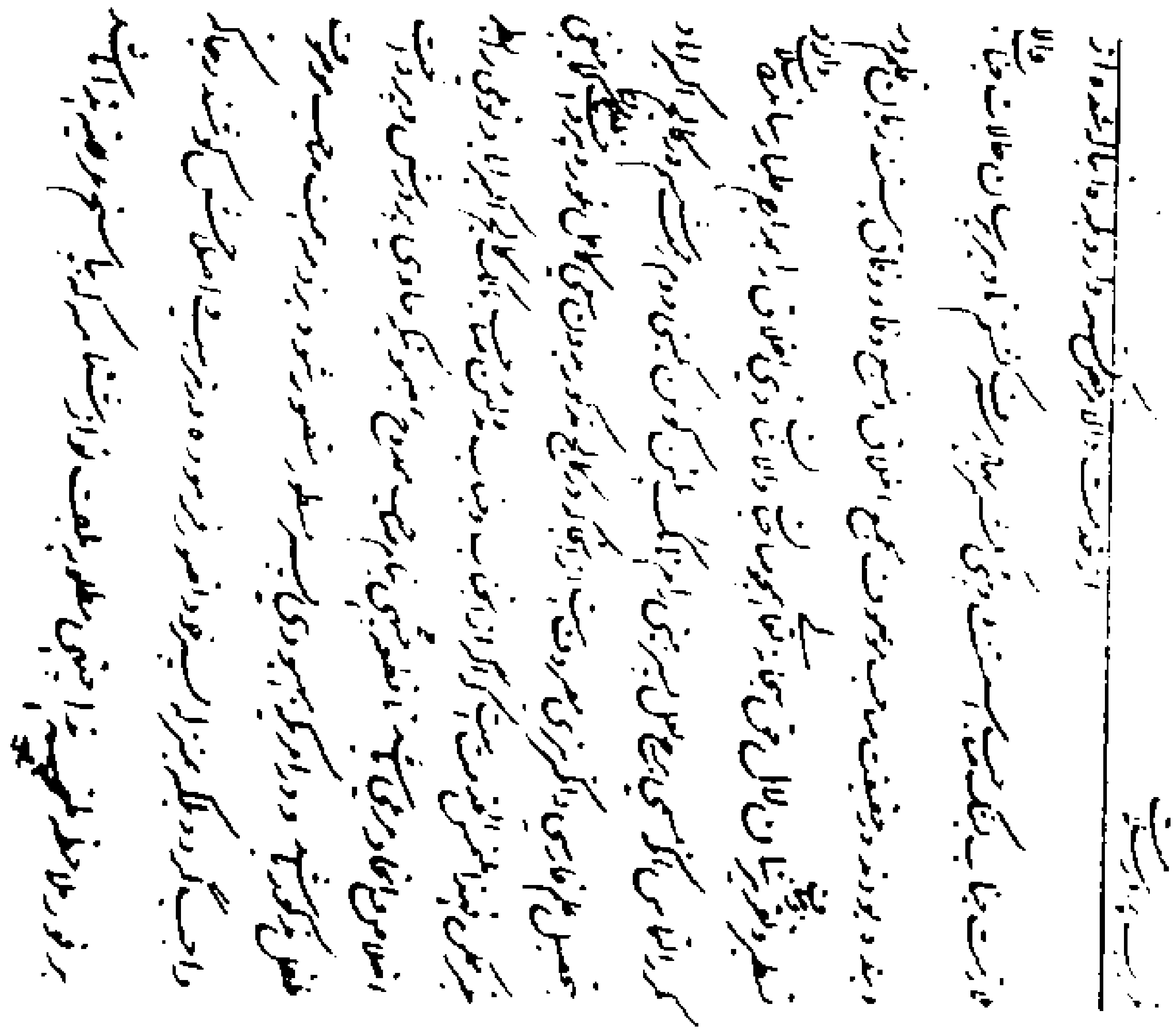
[illegible]

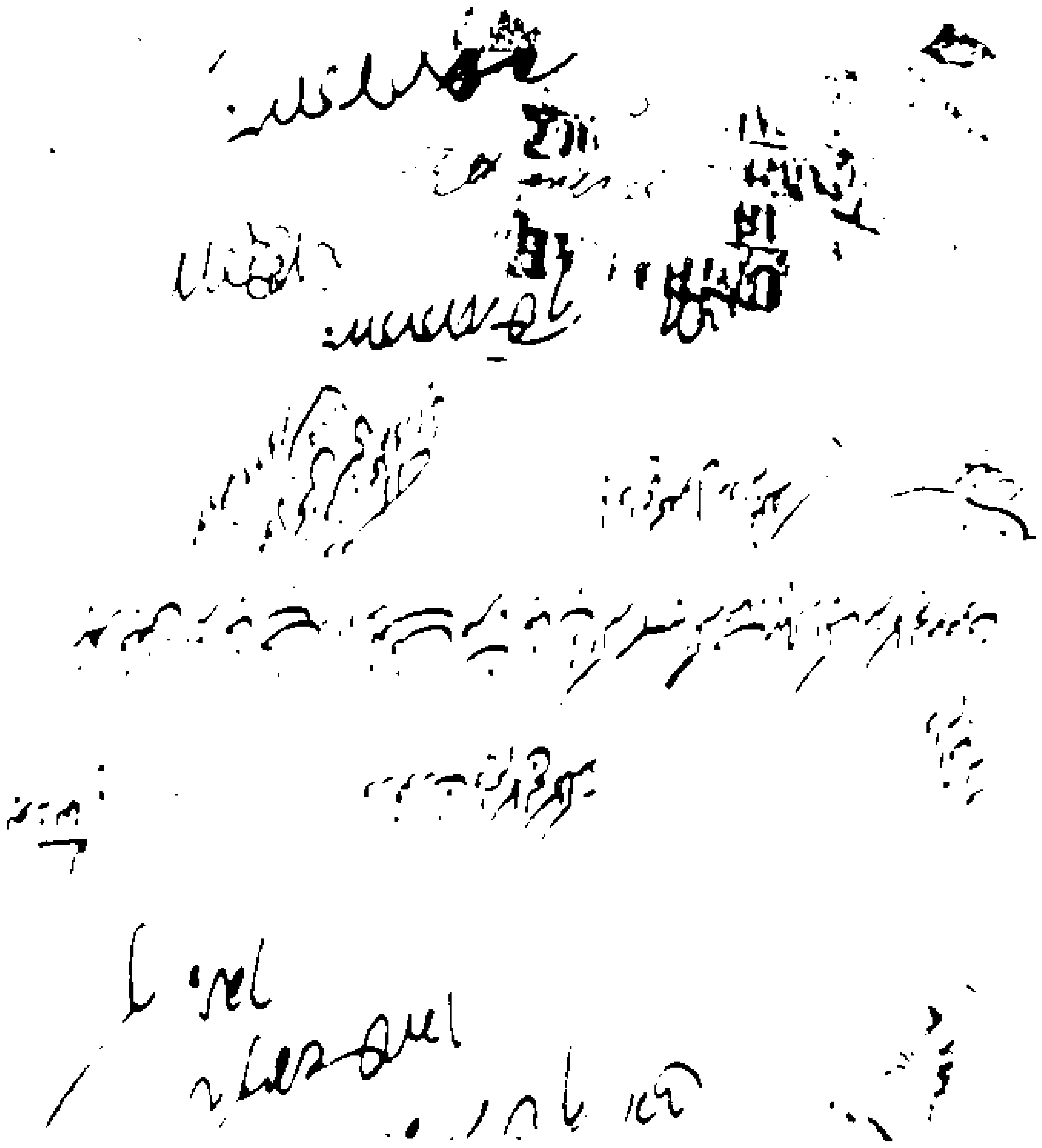
[illegible]

ایام حشمت دولت پاینده باد

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library





for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

انی مهربانا رقیمه بنام این سال فرمایند از توجهات صمیمی و عنایات عالی

امید که هر بود و بر وقت حصولش خاک ریز و ناگک مذکور خواهد فرستاد

و بنده را منتظر دیگران تصور نفرمایند زیاده ادب افادت جهت ازدیاد ایام

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

جناب والا مناقب عالیشان [illegible] مخلصان سلامت

بعد از اظهار مراسم تسلیمات و [illegible] [illegible] الحال کتاب

[illegible] حسین بن [illegible] [illegible] مخلص [illegible] [illegible] [illegible]

قلمی [illegible] [illegible] [illegible] کتاب [illegible] نزد اینجا

آمده ظاهر شد [illegible] [illegible] الصدور [illegible] دارم [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] الوان [illegible] [illegible]

والله عالم است که در [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] متعلقات

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

شاید گوینده سخن [illegible] گفته باشد [illegible] [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مجمع دانشمندان

صاحب والامناقب سلک المناصب معدن

بعد تقدیم مدارج اشک در اشتیال و آرزوی شرف ملاطفت

ملازمت کثیرالالتماس عرضه میدارد که نامهٔ نامی سواد

ولی محتوی بر ترسیل دو جلد کتب خلاصة الاحوال

روضه از آن خاک بالا داک و نیز عزم تاریخ بالنجم

بجهم اپریل سمت کوه شمله و تاکید ترسیل عریضه بالعرض

ورود الطاف فرموده بعد چندی ... بکو ...

... رسید الحمد ... جمعه ... ه

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

دام اقباله

جناب صاحب عظیم الشان رفیع المکان قدرافزای اهل علم و کمال

بعد اظهار تمنای ملازمت [illegible] که [illegible] درین [illegible] مشرق

[illegible] از زبان بعض سیاحان

کلکته معلوم شد که جناب مطبع خاص صرف برای کتب عربیه جاری فرموده اند

و انهم شنیده ام که فهرست [illegible] و لله الحمد [illegible] و امید [illegible] جاری

وغیره کتب در مطبع جناب [illegible] کتب طلب کردن مشکل است

لهذا عرض میدارم که تا حال [illegible] مطبع [illegible] فهرست [illegible] کتب تاریخ و حدیث

و تفسیر وغیره علوم عربیه و فارسی که از ابتدای [illegible] مطبع طبع شده باشد مع قیمت و نشان

ارسال نمایند که بکدام مطلوب [illegible] خواهد بود با ارسال [illegible] طلب خواهم کرد فقط

و اگر ارسال فهرست کتب مطبوعه جناب در اخبار که از [illegible] منتشر شده باشد [illegible] فرمایند داد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

و نیز این بنده راست که در مقام [illegible]

جناب مولانا سید حبیب علی [illegible] رسیده [illegible]

[illegible] را سند فقط عرضه

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مخدوما مکرما جناب مولوی صاحب دام مجدکم

بعد از ابلاغ سلام مسنون و تمنای ملاقات بهجت مشحون مشهود ضمیر سامی گردانیده می‌آید که بالفعل نسخه‌ای [illegible]

[illegible] مطبع [illegible] جناب [illegible]

[illegible] قیمت [illegible] از قیمت کرده [illegible]

[illegible] قیمت [illegible] و با ان بیشتر قیمت [illegible]

[illegible] گفته‌اند [illegible]

چند نسخه [illegible]

[illegible] چند نسخه [illegible]

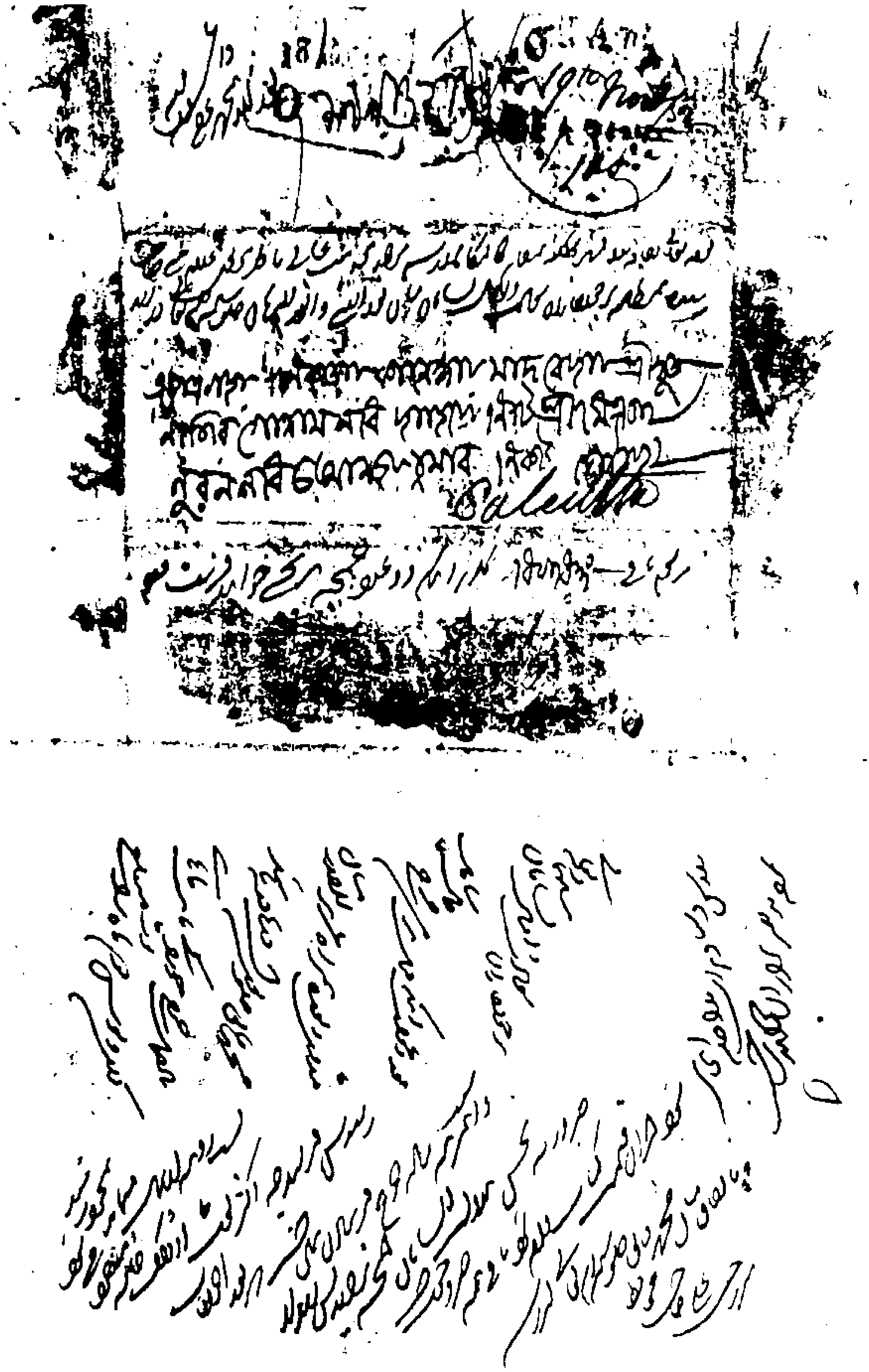
[illegible] تفصیل ان نسخه‌ها [illegible]

[illegible]

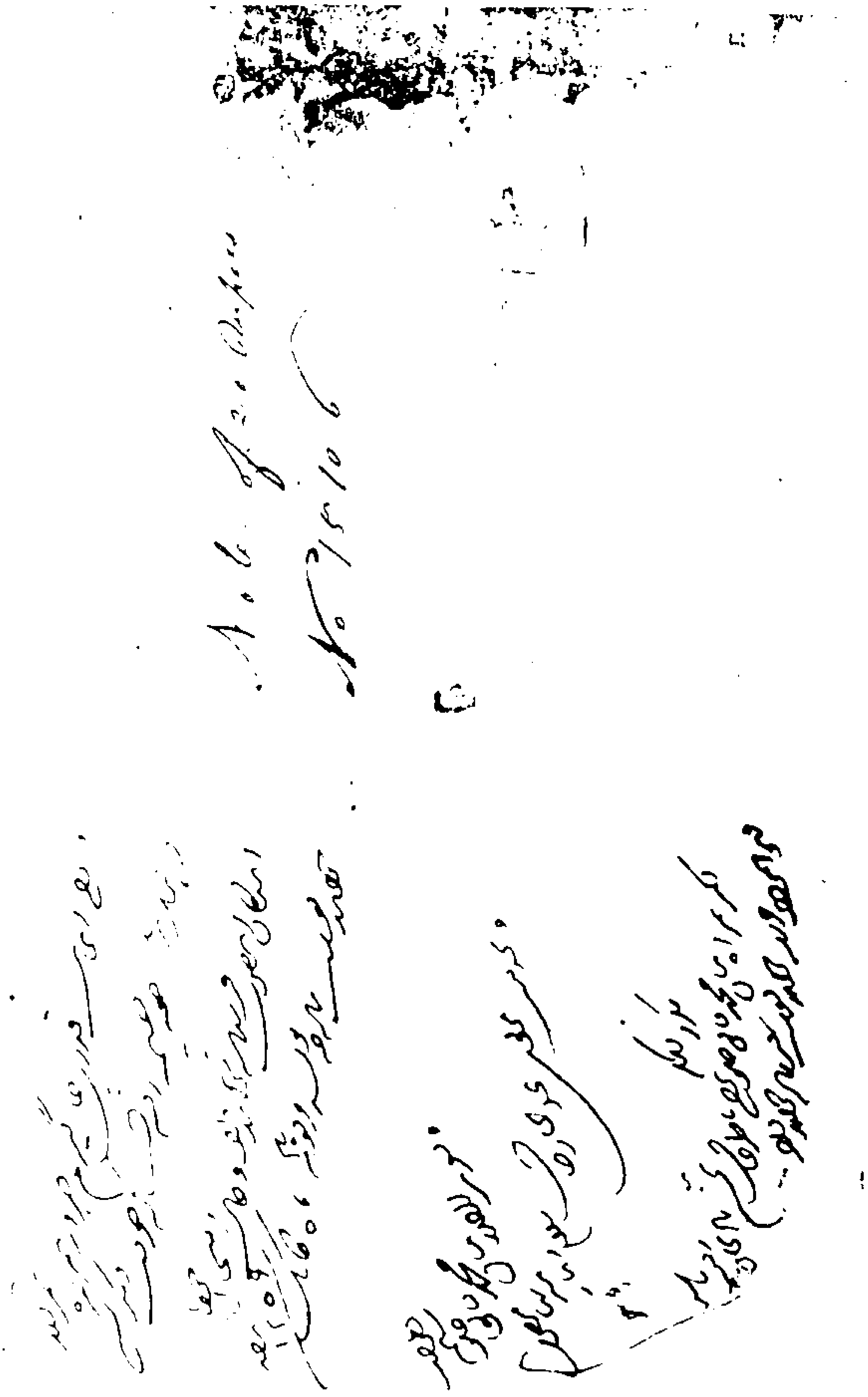
[illegible] مذکور [illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کتب مطبوعہ مطبع ہو مخصوص فرنگیاں باشند اطلاقاً از ملک مسلم خارج نمیگردد
الکتاب اگر در بازار باشد کتب مطبوعہ مطبع دیگران ہم نزد ما افضل تر بمیل و ام
لیکن کتب مطبوعہ مطبع خود المکتاب بشرط آنکہ خالص از ہر و ورالکتاب از وقت
این صاحبان خرب واقف اند ہم قیمت بولی میداد و دیگران رقبت زیادہ
میدارند و خود شوق ملکی کتب در وقت میدادند یعنی قیمت الف سوم حصہ وارد داعم
و اکثر اند و نصف بلکہ ہیچ میدانند و از دیگر سبیل درو دوم بیج از آن شیء جود
و قیمت شش روپیہ در انہا از زیادہ و بر و سیر قیمت الف بیکار و خود شوق
تا سہ روپیہ و ہشت روپیہ مشورہ شد و حاجی محمد حسین صاحب قیمت متفقاً و دیگران
نسبت مکی خود وقت ہفت روپیہ در اشتہار شد تا ہمہ چہار روپیہ شوق
میفرستند و در ہمہ جای از ترشیار طلا از ہفت روپیہ میدہند با بیچا ۔ از کتاب از مطبع
در تبادل کسی اگر وہ اصل مطبوعہ فرنگیاں از نرخ کم قیمت دادہ متوقع خود گشا بند
و سیدہ از آن خرید و صحت خاص خلاف مانند چون اگر نرخ ہمون صحیح بلکہ صحت
متفرق فرو نشدند از اینکہ ہر جدید مشہور باشد و خود شوق حال فروختہ بود و اردو
فروخت باشد فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۷ ربیع الآخر ۱۳۰۶ ہجری ...



for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اشپرینگر کے خرید کردہ مخطوطات کی رسیدیں

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

— . Moh Mustafa Khan

دام شفقته

صاحب عالیشان ذو الکرم والاحسان

از خاکسار بنده یزدان محمد مصطفی خان بعد سلام نیاز

آنکه مشفقه عالی در مضمون کتب جدید رسید چون

فهرست کتب بنگالی که از عرصه دراز در صوص

طبع است هنوز تیار نشده و هر رساله

که خورد خورد تیار شده بجابجا در شهرهای دیگر

برای فروش رفته است الله تعالی

اکنون هر رساله که تیار خواهد شد بعرض

عالی خواهم رسانید زیاده بجز تسلیم چه نگاشته آید

STAA...
PREUSSIS...
BERLIN
Signatur.

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بخدمت جناب زبدهٔ سادات سید آل مصطفیٰ صاحب زید عزکم

از علی اکبر بعد از گذارش سلام و نیاز عرض آنکه امروز رسید
کتابت شریف برادری صاحب سلمه را یاد بخشیدم
گم شده و بدست نرسید اما جای [illegible] مرتبه ثبت فرموده اند
احتیاطاً [illegible] رسیدن بست یا رسید بلدش فرمایند یا رسید [illegible]
مهری مرحمت شد تا اینجا [illegible] نگاهداشته شده
التماس آنکه رسید با دستخط صاحب سلمه یا رسید مهری گرفته
کامل رقیمه [illegible] مرحمت فرمایند زیاده [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کتاب تاریخ فیروز شاهی که اسپرنگر صاحب بهادر رسید داده
بطریق مستعار طلب فرموده بودند کتاب مذکور واپس فرستاده
چنانکه کتاب مذکور داخل کتب خانه سرکار تحویل خود بود و رسید
دستخطی صاحب موصوف که بالفعل دستیاب نشده معلوم نیست
که در کجا افتاده‌ست و برهم شده اگر تا حال رسید مذکور
برآید از صاحب مذکور هیچ مواخذه نیست فقط



for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

مبلغ بیست و هشت روپیه
در وجه قیمت یک نسخه بیضاوی شریف
چاپه ولایت مرسله جناب نفیس صاحب
بهادر بمعرفت عبد الحی متوطن نیر بدر
عالم کلکته رسید محرره فی التاریخ بیست و دوم
ماه مئی ۱۸۹۳ء

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بعز عرض بندگان عالی متعالی اینکه

بنده عبد الواحد جهت استسعاد ملازمت ملازمان بدر دولت

حاضر آمده امیدوار است که بحصول ملازمت مشرف گردد باید

زیاده افتاب دولت تابان و درخشان باد

عریضه فدوی عبد الواحد

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

او

منکه اشرف دفتری باشنده ضلع فریدپور

در شهر مبلغ چهل الله روپیه بابت جلد بیست

عدد کتب از مولف حبل المتین صاحب فهمیده

یافتم بنابرین چند کلمه بطریق رسید نوشته

دادم تاریخ ۱۶ ماه اکتوبر ۱۸۵۲ع

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

منکه عبدالغنی ساکن محال کلکته ام

چون من مقر مبلغ بیست روپیه بابت مشاهره ماه جنوری سنه ۱۸۵۳ع

از دست جناب امین صاحب وصول یافتم بنابران

این چند کلمه بطریق رسید نوشته دادم که عندالحاجت بکار آید

تحریر تاریخ هفتم فروری سنه ۱۸۵۳ع

العبد

عبدالغنی

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بطریق یادداشت ابجد کلمه نوشته می شوند
تا که آینده را موجب استدلال شوند و آن آنست
که اجزای کتب تاریخ اسحاق و تاریخ القدس
// از ملکیت اینجانب بودند در اینولا رضا
و بعد خود از تفسیر بیضاوی // ملکیت ڈاکٹر
سپرنگر صاحب بود از صاحب ممدوح معروف
حاجی محمد مصطفی صاحب مبادله کردم لهذا ابجد
کلمه بطوع خود نوشته دادم فقط

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اقرار محمد حسن رضوی مهتمم مطبع حسنی آنکه
چون مبلغ مفصله الذیل بابت فروخت کتب مطبوعه مطبع خود
از جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بهادر وصول کردم لهذا
بر سبیل رسید نوشته داده شد تا سند باشد

کل دفعه ۱۳ نُه روپیه سیزده آنه

دفعه اول | دفعه دوئم

العبد

تحریر تاریخ ۱۶ ماه صفر ۱۲۶۵

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]



[illegible] ۱۸ [illegible] ۱۲۶۶ هجری

بعرض [illegible] جندربان آقای [illegible] مدار (دام ظلهم)
برساند

که این بنده چند [illegible] بعد از یکشنبه بدرد سر و اوجاع شکمی و تب خفیف

مبتلاست اما از دیروز در هر دو افاقه و تخفیف دست داده

و امروز مسهل خفیف که حالا منضج دارد گرفته ام اگر

خدا [illegible] فردا البته بوسیله حاضر خواهد شد والسلام [illegible]

محمد عبد الغنی
[illegible]

عربی، فارسی اور اردو منظومات

(در تعریف و توصیف اشپرینگر)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قال العبد الضعيف محمد احسن يمدح [illegible] سيد محمد صاحب بهادر

بسم الله الرحمن الرحيم [illegible]

من للحزين بان يبلغ شوقه — عنه الى خير [illegible]

اليلمعي اللوذعي [illegible] — [illegible] من قبله [illegible]

من للكئيب [illegible] — يحيا به في احسن الاوقات

يا سائلا لا تضطرب [illegible] — [illegible] عن كرب و[illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

بحر الفضائل [illegible] — [illegible]

كنز [illegible] — شمس [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

مدحیہ نظم از محمد احسن نانوتوی مع اردو ترجمہ (رک: سابقہ صفحات ۸۸-۹۰)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

يزهو ويباهي بالمفاخر والنهى ... مثل الشموس بأكبر الصلوات

مات الكمال بموت سحبان وقد ... أحياه هذا الحبر بالنفحات

أين البليغ الأصمعي ومن حذاه ... من سابق القصبات في الطرقات

وأبو عبيدة والحريري الذي ... فاق الأنام بأبلغ اللفظات

والبحتري ودعبل وأبو نواس ذوي خطى وبدائع الأبيات

حتى يروا شأن الفصاحة عنده ... يحيي القلوب بأفصح الكلمات

موج تحير من أصابع مصطفى ... فطن وصبيح يجتلي الظلمات

مسك يفوح لمشتكي الخلوات ... من أسوة الأمراء في الحسنات

يزري بفصحاء الزمان بيانه ... لو شاهدته الأعاظم والقطرات

يا ما دخلها مهلاً فإن مديحه ... لفخاره لا يبلغ الغايات

نال المنى من كل شرف دائماً ... جنته رب العرش بالبركات

يا من تشنف عن جمالي كلامه ... أبدلا فيما علاهم أولي الدرجات

غصن بما جلا أما غردت قمرية ... فوق الغصون بأفصح السجعات

تمت بالخير

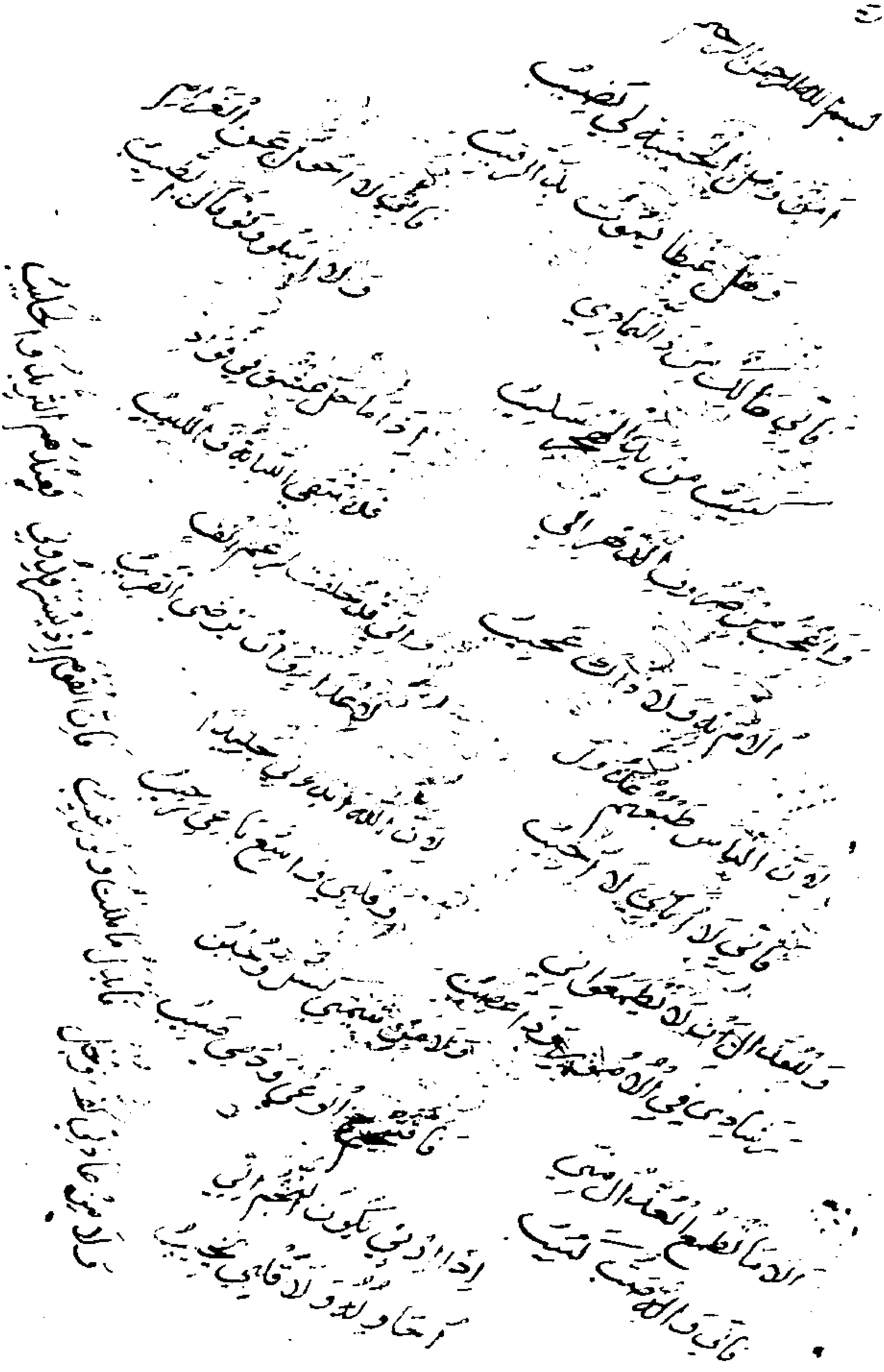
for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

بشرى لقد جاد البلاد سماء | على الصبا ولخضرت الغبراء
ضرب الربيع خيامه فوق الربى | وله الزهور كتيبة خضراء
وتفتق الانوار اطراف الضحى | فالدهر منها روضة غناء
يا صاح ما هذا المطال وانه | راق الزمان ورقت الصهباء
قم روق الراح العتيق وهاتها | من كل نسيك علاه رياء
هات اسقنيها واذكر صفاتها | لينال من لذاتها الاعضاء
واستجلها صرفا وانزع كاسها | من ريحها تتعطر الاحياء
طابت بذكر مستطرف فكأنها | اخلاق غطريف جواد حياء
بحر الندى سير بحر الجدى | حاز الثناء له يد بيضاء
علامة جمع المكارم جمة | فيها مدى يثنى اليه ذكاء
شهم همام بارع متفرد | يثنى عليه العلم والعلماء
الجهبذ الجحجاح قرم مقرم | الاريحي الالمعي الوضاء
للمجد غوث للمكارم موئل | للفضل غيث للسخا سماء
شمس المعالي لا كسوف لفضلها | بدر العلى لا يعتريه خفاء
انسان عين المجد احمد عصره | بحر الندى ري الصدى دأماء
يا مقصد الطلاب يا مولى الورى | عش دائما نفسي عليك فداء
ولئن حللت بطامر مولاي في | كلكتة فالمدن منك ملاء
فلانت اعلمهم وافضلهم لذا | لك يخضع العلماء والفضلاء
سبحان من سحبان يطوي قدرها | ولسجحها قد اذعن الفصحاء
عذرا فهذا المدح شيء هين | ولقد تقاصر عن علاك ثناء

واسلم ودم في صحة ومسرة
ما غردت في ايكها الورقاء

مدحیہ قصیدہ مع اردو ترجمہ (رسائل ... ص ١٠٧ - ١٠٩)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary


بسم الله الرحمن الرحيم

شاعر نامعلوم الاسم (مخزونہ در: ذخیرۂ اشپرینگر، برلین)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

فلا تعجب فإنك في بنيها أديب
فليل الحسن إذ دارت حبيب
فإن شبيهة بالقلب منها
أمت غيظا ليماس إن تشب

فإذا تخبط مولى الربيع
فلا تشبه أترابا والزهر
وبالك عجرة إلا زهاء رونق
إذا صاحت عليها شبك

فإن لك الفواكه ما تروق
وترتب من الفقاع ما تطيب
فإن تمثلها بالحاد حسنا
فقل جرحت ما جرح الغضب

وزنت لك الثياب الخضر تدنو
تملي الأشجار في الفصل الرطيب
وتومض مدة تصافي زينت
عن ثيابا وقد حملا

فإن لا خطت في تلك الثياب
فتوجد شبها غصن رطيب
تمام شد

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

لما بلغ حكام الفرنج فساد الهنود في دورهم وديارهم
واحياء الضيم واماتة السداد في بلادهم وامصارهم +
وضيق تلك الارض من بواديها وحضارها +
وشيوع انكار النهب والغارة على تجارها
وعيثوا اوشابها وجموح دعارها + ارسلوا
اليهم ان يصلحوا الفساد + ويرحموا البقاع
والبلاد + ويضموا اليها الشراد + فما زادهم
الا نفورا + وما افادهم الا غرورا +
حتى احتشدوا للقتال من النواحي والاطراف
واجتمعوا للجدال من الضواحي والاكناف +
والتفوا للنزال من ارجاء البلاد والجبال +
واحتفوا للنضال من انحاء الانحاء والتلال +
وحلفوا على ان لا يتزحزحوا على الاعقاب من المجالات
ولا يغضوا عن الاسلاب والاحمال +
فتطاير رسل الفرنج ورسائلهم الى عمال البلاد
للاستتباب بالعدد والعدد والانجاد +
والاستعداد بما لديهم من الجنود والامداد +
فانضم زهاء ستين الاف رجال من شهم و
ابطال + وكماة مستبسلين + واثبات
مستلئمين + جلوا عن ضراغم علية وخفية
بمعد منهم رعال من زنجية + ومنهم
دهماء من سنبتية + بمسنسرتهم علم ابائه
وجمية + طمانهم اشد لنية + واقدم

بلاد رومية + وصنيقل قوا [illegible] تصل مقند
وتصنتية + صبوحهم التصبيح على الاقران
والامثال + وغبوقهم شن الغارات
في الاموال والاحمال + شعر
انغامر زون اذا دعوا لبلية +
والقار ستون اذا دعوا لحمام +
تعودوا تثبيت في خضور السيوف
كيا ليا والقتل في الايام +
نار والكتائب رضاحة كالزعازع ناجية
وبيض مهتزة بالذعاف المقتضب مشترة
ومران مرتاحة + للبات والاكباد متاحة
قطعوا منزلا فمنزلا + وارتحلوا من حلائم مرحلا
حتى وصلوا الى حلبة الضرب والقتال +
ولحقوا في دار الحرب والجدال + واما الهنود
فلما اجتمع شملهم وشتاتهم + وشكت ذموم
واثباتهم + وخرطنتهم ذحولهم وتراتهم +
وما كان لهم من نزعات الضغائن والغلل +
ويشفي الغليل ونشفي العلل + حمل رئوت الحقد
على جنود الهنود + لا يتاكون بمدامع الضرد
المستعرة الضارية + ولا يكترثون بالسهام
المصماة الصارمة + حتى انتهوا الى جحفلهم
كالضبارية + فالتقا الفريقان + في حلبة
الطعان + فطلعت شمس الحرب عليهما +

قصیدہ علی اکبر سونی پتی مع اردو ترجمہ (رک: سابقہ صفحات ۱۸۴–۱۹۱)

فاقتسما ما بينهما ۔ فحصل الفرح منهما
على نور الفرح والبشر ۔ ووصل الهنود على
نار الترح والعثر ۔ فاحمرت الارض
بقضها وقضيضها ۔ وعمت القتلى في نجدها
وحضيضها ۔ ولم تقشع عجاج الحرب وان
انهل صبير الدم في الصباح والمساء ۔ ولم
تبح المصاع وان جاد وبل النجيع وجد
في الالظاء ۔
شعر
استلحموا وتلببوا وتناضلوا فخلا الاجسام
من ارواحها والقد من خد ۔
واستحرموا وتناوشوا قتلا فما تركوا
بيضا على راس ولا راسا على جيد ۔
حتى صار الجساد على الاجساد ۔ والاكباد
في الاكباد ۔ وصدور العوالي في الصدور
فسالت البحور من النحور ۔ والدماء من الدمار
كالماء من السماء ۔ فلما راى الهنود ان غشاهم
ما غشاهم ۔ وستر وجه الارض قتلاهم
ورانت على غير المضروب جراحهم
وخار فخارهم ودعواهم ۔ وان اداهم
للهوان ۔ وحان حين المحن والامتهان ۔
وتموا في الفزع والاضطرار ۔ وجنحوا بالفرار
والادبار ۔ ونسوا رسم الكفاح والنطاح ۔
ولم يميز المساء من الصباح ۔ اهلوا المحاربة
والجدال ۔ وغادروا النزال وكسبوا الاموال
وطارت بامثة النخوة من هاماتهم ۔ وتغيرت
من مساعيرهم وكماتهم ۔ فتبدل غناءهم
بالعناء ۔ والصباح بالمساء ۔ والجبر بالكسر ۔
واليسر بالعسر ۔ والحلو بالمر ۔ والبرد بالحر ۔
والاكثار بالاقلال ۔ فبالجملة صار احسن حالهم
اخس الاحوال ۔ حتى نبذوا اعلامهم وراء ظهورهم
وركبوا باسرهم على خسرهم ۔
شعر
ان الاله كذاك يجعل جهد قوم في التخيب وخيبهم
كالذام ۔ وشجاعهم نكسا ومصقعهم لمبدا
جاهلا وكماتهم كطعام ۔ فتلطخت ادبارهم
اذا دبروا ۔ ووجوههم من قبل في الاقدام
ركبوا على الكتائب لما قوتلوا ۔ فالبيض في ادبارهم
حتى تشوب ما وراء ابدانهم ۔ وتلافت الاقدام
صرفت طائفة منهم بالركض والاسراع
وتخلصوا بآثارهم بالسعي والاهراع ۔
واما الاخرى فانقض الجسر عليها فابتلعها الماء
وتلاطمها البحران الماء والدماء ۔ فتحتها البلاء
وفوقها اللاواء ۔ فانمحت جثثهم
في الماء الازرق ۔ واردهم لما فيه على ما بها
فصارت الداهية داهيتين ۔ والبلية بليتين
شعر فضاق الحياة لانسرابهم وبموتهم
فيما لهم قلق في ذا لهم حرق ۔

بسم الله الرحمن الرحیم

اولاً حمد خدای لایزال — ثانیاً نعت رسول باکمال

گویم از دل هم بگویم از زبان — تا بگیرم از لطفش آن جناب

بعد از آن کوشم بمدح حاکمی — کو سکندر شد بلطف ذوالجلال

حاکم با هیبت و با عدل و داد — وصف او بیرون شد از وهم و خیال

در سخاوت ثانیش حاتم نبود — در دلش هرگز نمی آید ملال

گر رود اعدای ره بهر مطلبی — خود برآرد مقصدش وقت سؤال

زین سبب حاضر شد امداد او — تا که یابد بهر او بحر نوال

یعنی کاران این مدرسه — بی نظیر و بی شبه و بی مثال

مدت یکسال بعد بالای آن — منقضی شد در حساب این سال

کرام آمد الله علیه
یک غنم کمک ادوی

زهی زمانه که امد ز فضلت جلی — نکو تیمش مکران بست عبد قرمانی

بجان نثار شوم در ثنای اسجر — که هر خلق بود با عجب تن اسانی

ز عدل و نصفت او شاکر اند اهل جهان — چو اوست مظهر الطف در جهانبانی

بعهد دولت او مور و مار ز بیم — ز خوف او بکند گرگ میر چوپانی

بعلم و فضل ندارد نظیر و همتای — ربود گوی سخاوت ز نوع انسانی

همیشه بردر او میروند اهل مراد — چو اوست مصدر احسان و حاتم ثانی

رسم بکام دل خود ز بس فضل الٰه — شود بدشمن او دائما پشیمانی

استدعا از علماء الصای حضور انست که بسم محمد علی اطال الله بقائه در محکمه الحوال در عرصه ... اگر قرین امتحان داده بسب مورد الطاف ... گردد

قطعه در تهنیت روز کلان

شکر خدا که روز کلان جلوه گر شده   خورشید در جبهی شده طالع سحر شده

از مرکز محیط زمین تا باوج چرخ   شاداب و سبز باغ جهان سر بسر شده

از خرمی و بهجت شادی و انبساط   شاخ امید اهل طرب بارور شده

از هر طرف بلند شد آواز تهنیت   هر کوچه از نشاط و خوشی پر اثر شده

ای مهربان بخوان نامه اشعار تهنیت
بینش نه صبح عیش ز مهرش گهر شده

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ای چشم مردمی سر احسان و روی جود / ای طبع تو شگفته چو گلها ز بوی جود
شانت بزرگ رای تو روشن دلت سلیم / داری تو هر زمان بزبان گفتگوی جود
باری بحضرت تو رسیدم بصد امید / چون بو کشیده بر دمم آرزوی جود
درخواستم بنام جج ضلع هوگلی / از حضرت تو خط سفارش ز روی جود
فرموده‌ئی ز لطف که چو رنس برای من / نامه نویسد و گذر آرد بکوی جود
چو رنس نه مو رنس آمد و نه دیگری مرا / دستی گرفت و جرعه داد از سبوی جود
اینگه بگو که یا بنشینم خموش و یا / یابم سفارشی ز تو ای آبروی جود
یا بی سفارشت بفرستم به پیش جج / دل خویش و ترک کنم جستجوی جود
خود راضیم بهر چه تو فرمائیم که گر / شد چاک هم تراست مجال رفوی جود
وجه الله است پیش تو سر خط رضا / ای ابر فیض و بحر عنایات و جوی جود

احقر ترین بندگان درگاه
وجه الله اسلام آبادی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بمدح جناب گورنر [illegible] نادر [illegible]
صاحب [illegible] جناب [illegible] صاحب [illegible]

تمہارے شفقت عام کو کیا [illegible] | کہ تم سا رحمت [illegible] | بمدح حضرت عالی دو بیت ہم بھی | ہزار ہر دو [illegible]
[illegible] عدالت کہ ہو حضرت کا | سنی [illegible] | کہاں [illegible] | [illegible]
[illegible] | [illegible] | [illegible] علوم | [illegible]
[illegible] | [illegible] | اگر [illegible] | [illegible]
اگر خیال [illegible] سوی عدو | [illegible] | عطا کے [illegible] | [illegible]
نگاہ [illegible] | [illegible] | [illegible] جہان | [illegible]
سلف میں گرچہ تھا مشہور حاتم طائی | مگر کمال میں [illegible] عالم گیر | [illegible] | [illegible]
زبان [illegible] | [illegible] | ہمیشہ [illegible] | [illegible]

اور انتساب [illegible] کا بفضل خدا | رہے چمکتا ہمیشہ [illegible]

دل عالمی شیفتۂ انعام تو | فلک با ہمہ سرکشی رام تو | فصیح عجم [illegible] | ادب گاہ اہل [illegible]
زبان حسن خلق [illegible] | شدہ مرجع خاص و ہم عام تو | بود [illegible] | [illegible]
بحکومت [illegible] | بزرگی جہان [illegible] از نام تو | بفضل و کرم کردگار جہان | کند [illegible] آغاز و انجام
[illegible] | کہ باشم مکرم باکرام تو | سرفراز باشم [illegible] | [illegible]

[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ج

نیز یہ

حمد پروردگار و نعت رسول
وصف اصحاب اور آل بتول

ان اور دون کرون دل و جان سے
ہوئی اس کی فضلت سے مقبول

بزبان ہی جناب سے
سر فصلیں ہیں یہ اسی کے مشغول

علم منقول میں وہ یکتا ہی
علم معقول میں یہ یکتا ہی

رحم اور لطف ان کو صفت ہے
خلق میں ان کی قدیم سے معمول

عرض امداد و علی سے ہی اپنی
ہر گھڑی ان کی اسے ہو مبذول

یعنی کوئی سبیل بہتر سی
بادی اپنی مراد و مامول

راقم احمد علی

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مکتوب الیہ

ڈاکٹر الوئس اشپرینگر

(۱۸۱۳ء-۱۸۹۳ء)

— تصاویر (جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا)

— کتارینا میولر (بیوی)

— مجسمہ (۱۹۱۳ء، ۱۹۲۸ء، ۱۹۹۳ء)

— آبائی گاؤں نا سیرائیٹ (آسٹریا)، وابرن (سوئٹزرلینڈ)، وائن ہائیم اور ہائیڈل برگ (جرمنی)

— اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کا اندراج

— اشپرینگر کی ولادت اور انتقال کے موقع پر صد سالہ تقریبات

— والدہ اور بھائی کے نام خطوط کا اردو ترجمہ

— تصانیف کے سرورق

— انگریزی اور جرمن کتب و مقالات کی فہرست

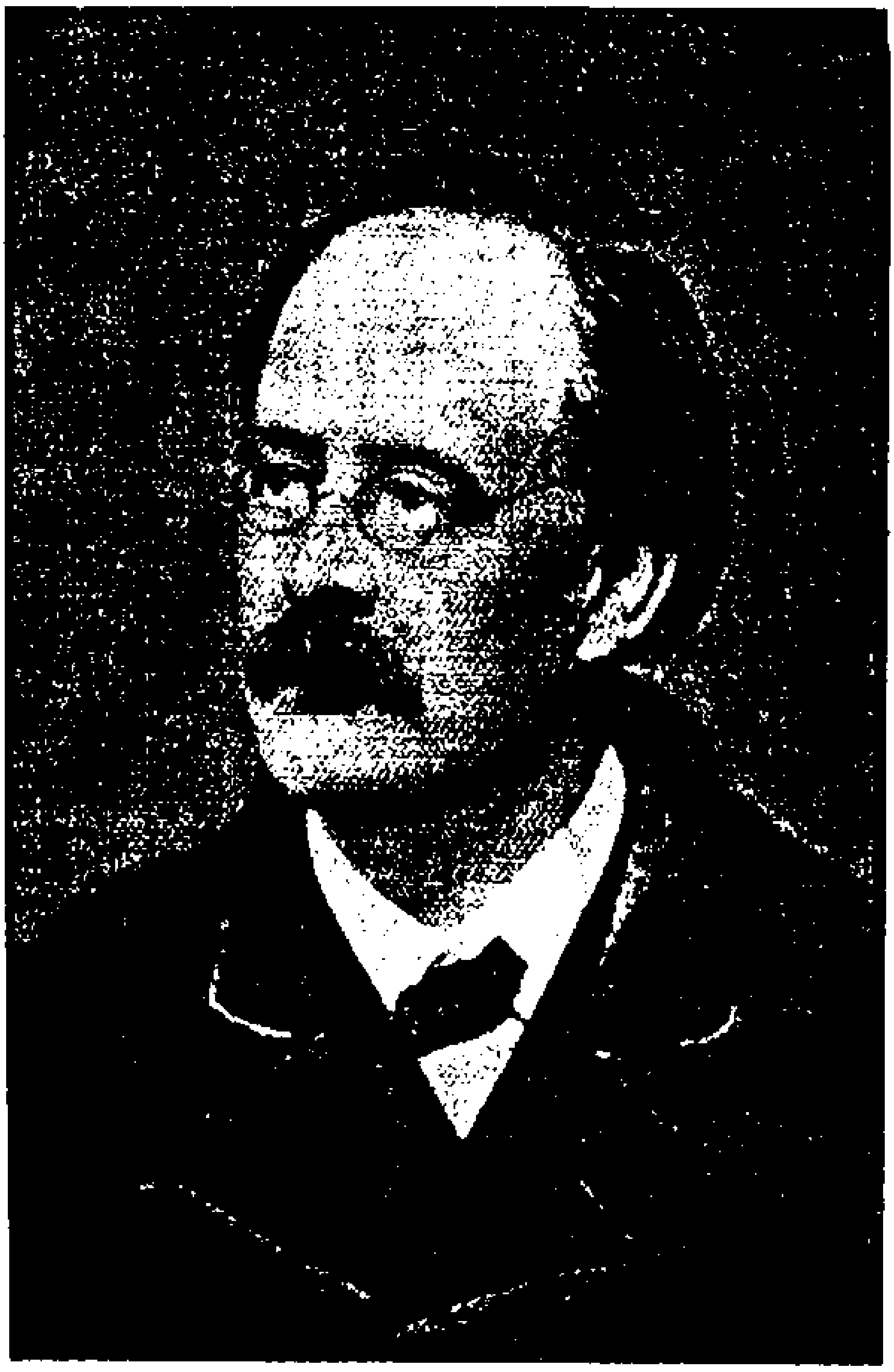
— فہرست اردو مخطوطات و مطبوعات

— ذخیرۂ اشپرینگر اور اس میں محفوظ چند مخطوطات کے عکس

— اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی فہرست (۱۸۹۶ء) کا سرورق

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



اشپرینگر (جوانی میں)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



اشپرینگر (ادھیڑ عمری میں)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



اشپرینگر (بڑھاپے میں)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



کتارینا میولر (Katharina Müller) زوجہ اٹ ٹے

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



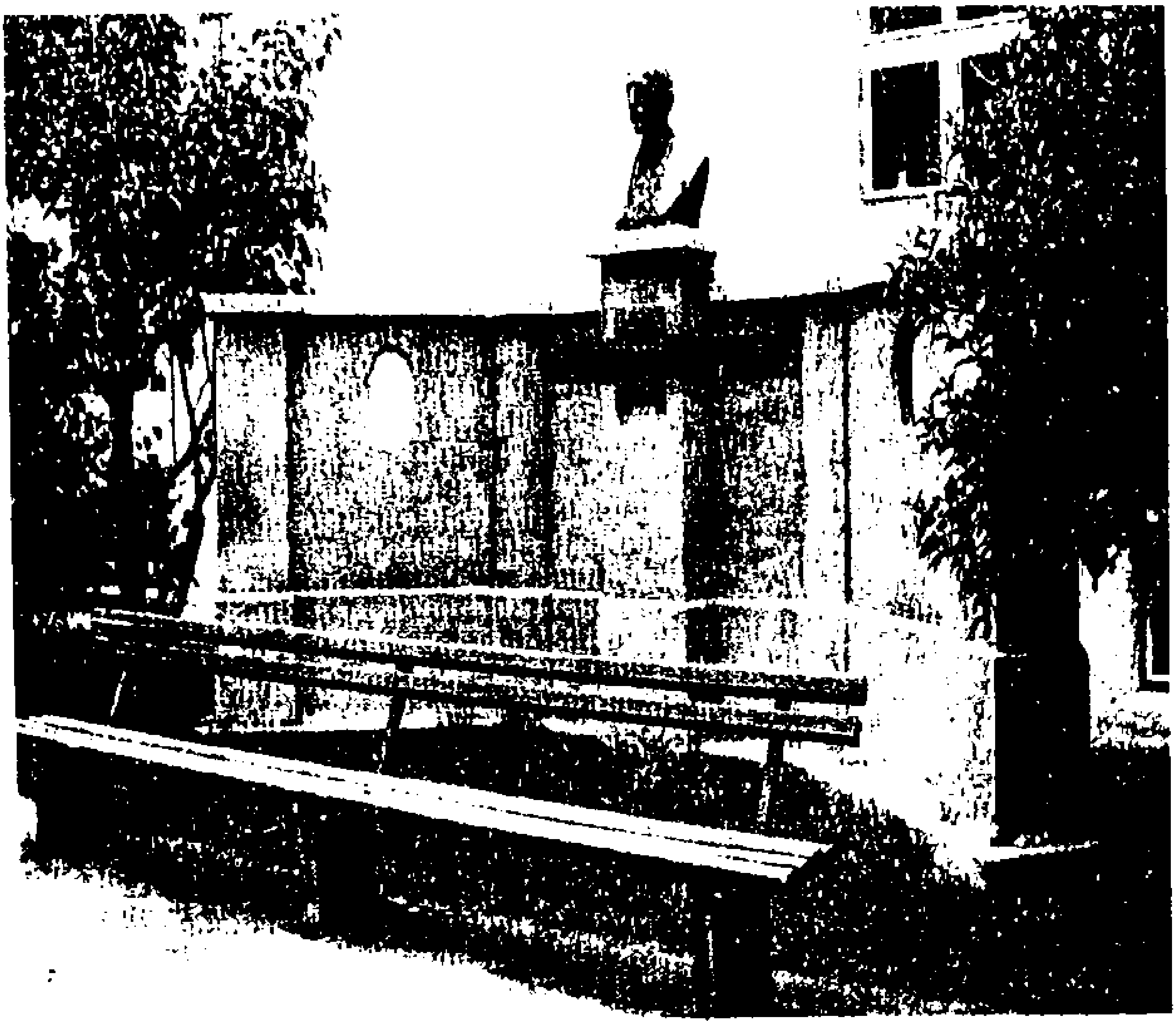
اشپرینگر کا مجسمہ (اس کے آبائی گاؤں ناسیر ائیٹ میں)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



ناسیرائیٹ میں اشپرینگر کا مجسمہ اور قریب ہی آتش زنی (۲ مارچ ۱۹۲۸ء) میں تباہ شدہ اس کا آبائی گھر

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



ناسیرائیٹ میں اشپرینگر کے مجسمے کی موجودہ جگہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



اشپرینگر کا آبائی گھر (تاسیرائیٹ)، موجودہ حالت میں

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



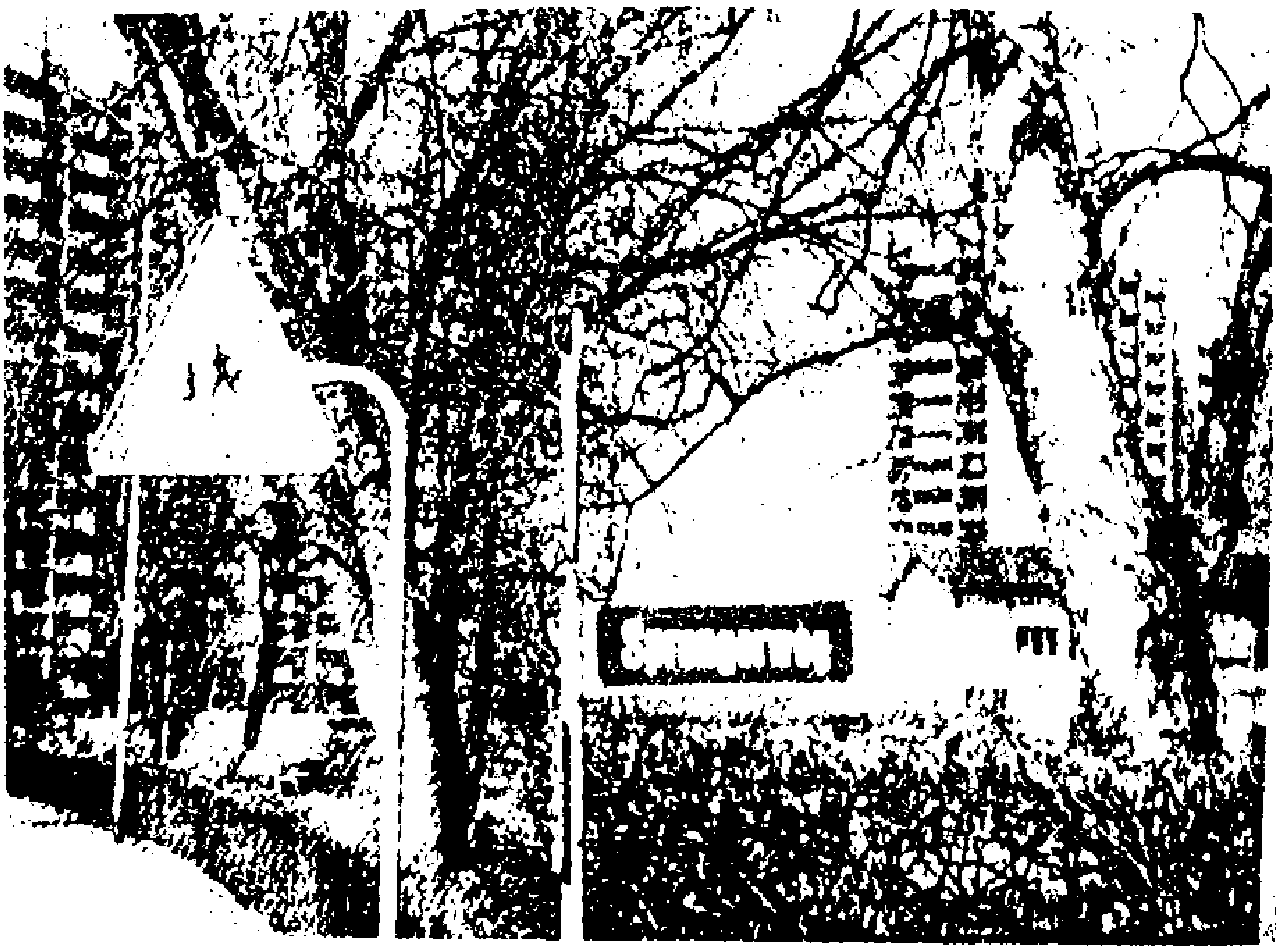
اشپرینگر کا آبائی گھر (ناسیرائیٹ، نزد انسبرک۔آسٹریا)، جو آگ کی نذر ہو گیا (۲ مارچ ۱۹۲۸ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



وابرن (سوئٹزرلینڈ) میں اشپرینگر کا گھر (۱۹۵۸ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



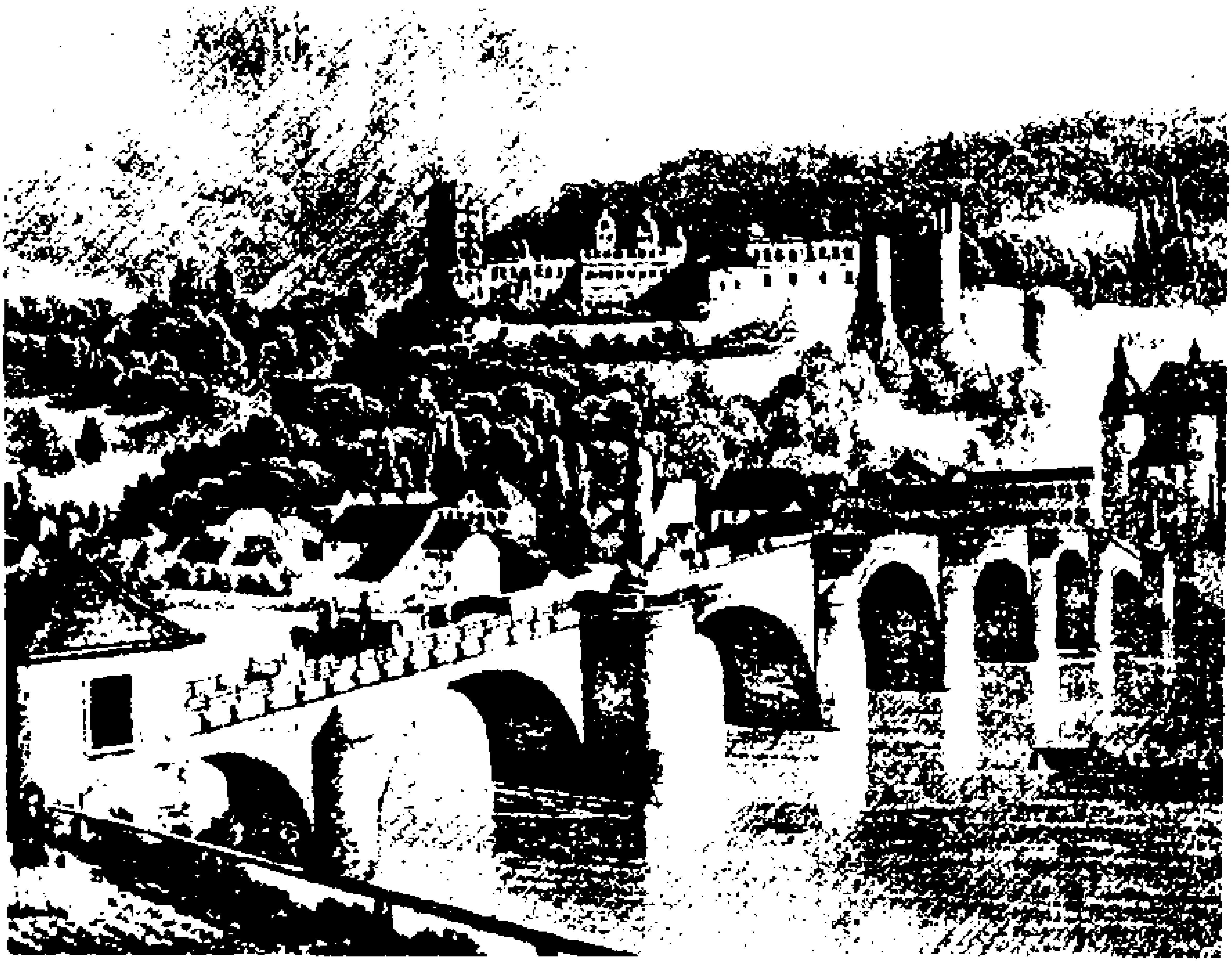
شاہراہِ اشپرینگر (واربرن، سوئٹزرلینڈ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



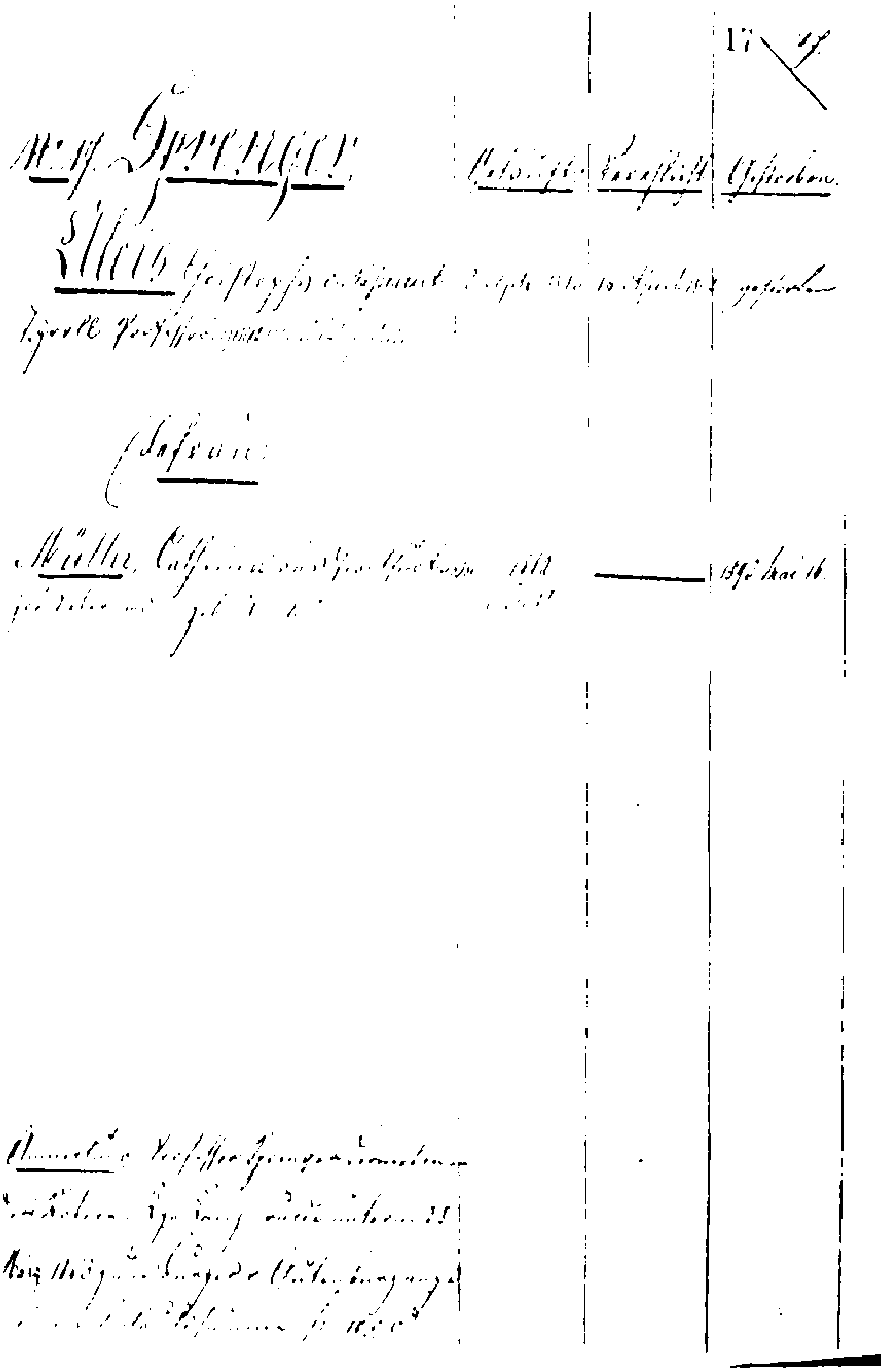
وائن ہائیم (نزد ہائیڈل برگ، جرمنی)، جہاں اشپرینگر برسوں رہائش پذیر رہا۔

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



ہائیڈل برگ جہاں اشپر ینگر کا انتقال ہوا۔

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کا متعلقہ رجسٹر میں اندراج

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Aloys Sprenger

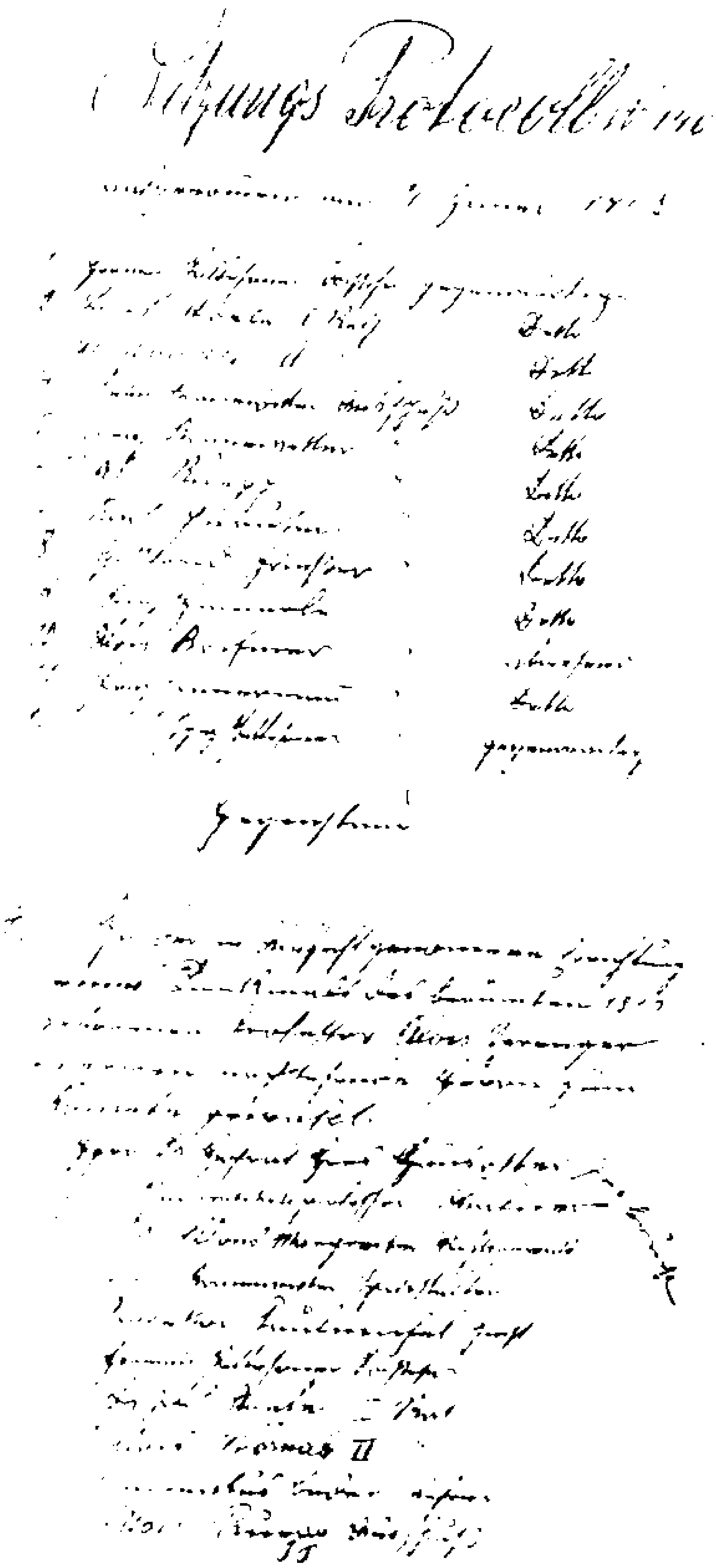
Ein Tiroler Orientalist

Zur Enthüllung des Sprenger-Denkmales in Nassereith
am 19. Oktober 1913

Innsbruck
Verlag der Wagner'schen k. k. Universitäts-Buchhandlung.

اشپرینگر کے صد سالہ یوم ولادت (۱۹۱۳ء) کے موقع پر شائع کردہ کتابچے کا سرورق

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



اشپرنگر کے صد سالہ جشن ولادت (۱۹۱۳ء) کے اراکین استقبالیہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Norbert Mantl

ALOYS SPRENGER

Der Orientalist und Islamhistoriker
aus Nassereith in Tirol

Zum 100. Todestag am 19. Dezember 1993

Im Selbstverlag
der Gemeinde Nassereith

اشپرینگر کی صد سالہ برسی کے موقع پر شائع کردہ کتاب (۱۹۹۳ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

SYMPOSIUM

zum hundertsten Todestag des
Orientalisten und Islamhistorikers

ALOYS SPRENGER

aus Nassereith in Tirol

am Freitag, 17. Dezember 1993
14.00 Uhr

in den Raiffeisensälen
in Innsbruck, Innrain 6-8

Veranstalter und Einladender: Gemeinde Nassereith

(Für den Inhalt verantwortlich: Mag. Norbert Mantl, 6465 Nassereith)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

PROGRAMM

14.00 Uhr **Begrüßung durch den Bürgermeister**
von Nassereith Reinhold FALBESONER

anschließend kurze Einführung durch
Mag. Norbert MANTL

14.30 Uhr **Univ.-Ass. Dr. Stephan PROCHÁZKA**
Institut für Orientalistik der Universität Wien

"DIE BEDEUTUNG DER WERKE SPRENGERS FÜR DIE ARABISTIK UND DIE ISLAMFORSCHUNG"
(mit Lichtbildern)

und

"DIE BIBLIOTHECA ORIENTALIS SPRENGERIANA"
in der Staatsbibliothek zu Berlin Preußischer Kulturbesitz
(mit Lichtbildern)

16.00 Uhr K a f f e e p a u s e

16.30 Uhr **Mohammad Ikram CHAGHATAI**
stellv. Generaldirektor des Urdu Sience Board
der pakistanischen Regierung, Lahore

"URDU, DIE NATIONAL- UND AMTSSPRACHE PAKISTANS"

17.15 Uhr **Univ.-Prof. Dr. Helga TRENKWALDER**
Vorstand des Institutes für Sprachen und Kulturen
bis des Alten Orients an der Universität Innsbruck

18.00 Uhr **"MESOPOTAMIEN: FASZINATION ALTER KULTUREN"**
(mit Lichtbildern)

اشپرینگر کی صد سالہ برسی پر منعقدہ سمپوزیم اور اس کے شرکاء (۱۹۹۳ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

Calcutta d. 14 April [illegible]
[illegible] Sprenger in Nassereith.
Meine liebe Mutter, ich [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] 400 Gulden [illegible] C. M.
Herrn Bicknell, [illegible] N. 38
Bloomsbury Square in London [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

Dr. A. Sprenger B. M. S.
[illegible] Calcutta

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

والدہ کے نام اشپرینگر کا خط (کلکتہ، بابت ۱۹-اپریل ۱۸۴۴ء)

"پیاری والدہ صاحبہ

میں اس خط کے ہمراہ اپنے قرض کی رقم ارسال کر رہا ہوں۔ میں نے یہ قرض لندن میں لیا تھا اور ابھی تک میرے ذمہ واجب الادا ہے۔ اس قرض کی رقم چار سو گلڈن [گلڈر، پرانے سکہ کا نام] کے لگ بھگ ہے۔

لندن (نمبر ۳۸، بلومزبری اسکوئر) میں مقیم بیک نیل (Bieknell) ایک رسید بھجوائیں گے جس پر آپ دستخط کر کے اسی پتے پر واپس بھجوا دیجئے گا۔

ہم یہاں خوش و خرم ہیں۔ ہم نے آپ کو متعدد خطوط لکھے ہیں، لیکن ایک سال گذر گیا، آپ کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ امید ہے، آپ صحت و سلامتی سے ہوں گے۔"

ڈاکٹر اشپرینگر (بی، ایم ایس) الوئس

کلکتہ

(والدہ کے نام اشپرینگر کے خط کا اردو ترجمہ)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اشپرینگر کے ان خطوط (بالخصوص بنام علی اکبر اور سید برکت علی) سے پتا چلتا ہے کہ وہ کبھی سیر و سیاحت یا کبھی ناسازیٔ طبع یا موسم گرما کی شدت سے بچنے کی خاطر بالعموم شملہ یا کسی قریبی پہاڑی صحت افزا مقام پر اہل خانہ سمیت جاتا رہتا تھا۔ مزید یہ کہ وہ صوبہ ٹائرول (آسٹریا) کے جس چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا تھا، وہ کوہ الپس کے فلک بوس پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ انھی برف پوش چوٹیوں میں اس نے پرورش پائی اور یہیں اس کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ گذرا۔ یہی ماحول اس کے مزاج میں رچ بس گیا تھا اور ہندوستان کی جھلسا دینے والی گرمیوں سے کچھ دیر کے لیے محفوظ رہنے کی خاطر وہ کسی پہاڑی مقام کا رخ کرتا تھا۔ قیام دہلی کے زمانے میں بھی وہ گاہے بگاہے شملہ جاتا رہتا تھا۔ چنانچہ ایک معاصر اخبار میں یہ اطلاع دی گئی کہ ''ڈاکٹر اسپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی پہاڑ سے اپنے علاقہ پر تشریف لائے اور شیوع علوم میں مصروف ہوئے۔''

(رک: قران السعدین (مخزونہ برلین)، جلد۲ نمبر ۴۷، بابت ۲۲ نومبر ۱۸۴۷ء)

یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے کٹھن مراحل سے گذر کر لکھنؤ سے دہلی پہنچا، دوبارہ یہاں کے کالج کی سربراہی کی ذمہ داریاں سنبھالیں، لیکن جلد ہی علالت کے باعث طبی رخصت لے کر بیوی بچوں کے ہمراہ شملہ چلا گیا۔ کچھ دن وہاں آرام کیا اور پھر افراد خانہ کو وہیں چھوڑ کر اکیلا کوہ ہمالیہ کے دیگر علاقوں کی سیر و سیاحت کو آگے نکل گیا۔ اشپرینگر نے اپنے اس ہمالیائی سفر کی روداد ایک جرمن مکتوب (بابت ۱۹ ستمبر، ۱۸۵۰ء) میں قلمبند کی ہے، جو اس نے اپنے بھائی پیٹر کو Surran سے ارسال کیا تھا۔ ان دنوں اس کا یہ بھائی ٹان ہائمر (Tannheimer) کی وادی کے شہر نیسل وینگل (Nesselwängel) میں پادری تھا۔ اس غیر مطبوعہ خط (مخزونہ ٹائرول میوزیم، انسبرک) کا اردو ترجمہ سطور ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

''تمہارا مراسلہ چینی سرحد پر واقع تبت میں موصول ہوا۔ طبیعت کی ناسازی کے باعث مجھے موسم گرما ہمالیائی علاقوں ہی میں گذارنا پڑا۔ اس سرحد کی جنوبی ڈھلوان پر میدانی علاقوں کی نسبت زیادہ حبس اور گھٹن ہے، جس کی وجہ سے ۲۱ جون اور ۱۵ ستمبر کے درمیان آب و ہوا خاصی ناقابل برداشت اور صحت کے لیے نقصان دہ رہی، چنانچہ اس

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

بناء پر میں نے بیوی بچوں کو شملہ ہی میں ٹھہرانا مناسب سمجھا۔ شملہ جانے کے لیے تین دن سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں سے یہ شہر سات ہزار فٹ (۲۱۳۰ میٹر) سے قدرے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔ پہاڑ شمال مشرق کی جانب بلند سے بلند تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور برفانی حدود سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ برف پوش پہاڑوں کی دو چوٹیوں کے بیچ کی پست ترین سطح پندرہ ہزار فٹ (۴۵۷۰ میٹر) سے زیادہ بلندی پر واقع ہے اور پہلی چوٹی پچیس ہزار فٹ (۷۶۲۰ میٹر) بلند ہے۔ میں تیرہ دن کے بعد ۲۱ جون کو ان برف پوش پہاڑوں کی اس نچلی سطح تک پہنچا۔ تیرہ ہزار فٹ (۳۹۶۰ میٹر) بلندی سے آگے جو پہاڑ ہیں، وہ ہمارے پہاڑوں سے خاصی مشابہت رکھتے ہیں۔ ایسی ہی بڑی چٹانیں، سوکھی دلدل کی زمینی سطحیں، پھولوں اور پودوں کی کیاریاں اور پھول پودے بھی ہیں۔ میں نے الپائن کے گلاب اور گل اشرفی وغیرہ یہاں دیکھے ہیں۔

ہمالیہ کی نشیبی سطحوں (تقریباً سولہ ہزار فٹ (۴۸۸۰ میٹر) سے زیادہ بلند) سے میں بالائی سوتلی (Sutli) وادی تک جا پہنچا۔ تم سوچ سکتے ہو کہ یہاں کا قدرتی ماحول کیسا ہوگا۔ گہرے کھڈوں میں ندی نالے تیزی سے رواں دواں ہیں، کہیں ان کی چوڑائی بیس فٹ ہے، عمودی چٹانوں کے درمیان بہتے چلے جاتے ہیں اور پہاڑی چھچوں جیسی مشکل جگہوں میں سے بھی اپنا راستہ بنا لیتے ہیں، بالکل اسی طرح، جیسے ناسیرائٹ (Nassereith) سے براستہ سیسن (Siessen)، تارنیس (Tarrenz) جاتے ہوئے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ علاقہ کنور (Kannauer) کہلاتا ہے اور بالکل خشک ہے۔ انگور اور جنوبی ٹائرول کے تمام پھل یہاں موجود ہیں۔ ہمالیہ کے مرکزی پہاڑی سلسلے سے آگے گیارہ روز تک میرا سفر جاری رہا، حتیٰ کہ تبتی سطح مرتفع صرف دو دن کے فاصلے پر رہ گئی۔ اس سے آگے جانا ممکن نہیں...... [یہاں سے کاغذ پھٹ گیا ہے اور عبارت پڑھنا مشکل ہے]۔ مجموعی طور پر شملہ سے چونتیس اور ہندوستان سے سینتیس دن کے فاصلے پر ہوں۔ شروع میں مَیں نے گھوڑے پر سفر کیا، لیکن وہ ایک ڈھلوانی سڑک اترتے ہوئے گر گیا اور اس کے بعد میں نے پیدل سفر کیا۔ میرے ساتھ ایک چھوٹا سا خیمہ، سونے کے لیے بستر، ضروری برتن اور تین نوکر ہیں۔ ہر چیز انسانوں ہی کو اٹھانا پڑتی ہے۔ مجھے ایسے پندرہ آدمیوں کی ضرورت ہے اور یہ تعداد زیادہ نہیں۔ مجھے امید ہے، میں ۲۴ ستمبر کو شملہ واپس پہنچ جاؤں گا۔ گورنمنٹ کے مترجم کی حیثیت سے میرا تبادلہ کلکتہ کر دیا گیا ہے۔ یوں مجھے پانچ عہدوں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ ممکن ہے، ۱۸ نومبر کو کلکتہ پہنچ جاؤں۔ مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے مختص اسلامی مدارس کے لیے نیا نصاب تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ''دیودار'' درخت کے کچھ بیج بھجوا رہا ہوں۔ یہ صنوبری درخت کی ایک قسم ہے، جس کے لیے آفتابی قطعہ زمین کی ضرورت پڑتی ہے۔''

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۸۵۰ء میں اشپرینگر نے اپنے استاد ہامر پورگشتال کو ایک طویل خط لکھا، جس میں اس نے اپنی تازہ مطبوعات اور سیرت پر زیرِطبع انگریزی کتاب کی تفصیلات سے اُسے مطلع کیا۔ اس مراسلہ کے آخر میں اس نے اپنے سفرِ ہمالیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ متعلقہ اقتباس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''ان دنوں میں رخصت پر شملہ میں ہوں۔ بیوی بچوں کو دہلی ہی میں چھوڑ آیا ہوں اور اب میں اکیلا کوہِ ہمالیہ کی بلند و بالا چوٹیوں کی سیر و سیاحت میں مصروف ہوں۔ ۲۲ جون کو درۂ برن (Burun) سے گذر کر برف سے ڈھکی چوٹیوں پر جا پہنچا، جن کی بلندی پندرہ ہزار فٹ ہے۔ میں اتنی بلندی پر چڑھ گیا کہ وہاں سے ہندوستان اور تر تاری کے خوشنما مناظر صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اب میرا قیام کنوم (Kanum) میں ہے۔ یہ وہی جگہ ہے، جہاں Czoma de Körös نے تبتی زبان سیکھی تھی اور کچھ دنوں بعد وہ چینی سرحد تک آگے بڑھ گیا تھا۔* میں لداخ اور کشمیر کی سیاحت کا بھی ارادہ رکھتا تھا، لیکن یہ میرے لیے انتہائی تکلیف دہ سفر ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ یہاں کی آب و ہوا کس قدر خوشگوار ہے اور یہ کوہ الپس کے جنوبی حصوں سے کس قدر مشابہ ہے۔ یہاں کا سرسبز و شاداب ماحول، خوش مزہ انگور بھی خاصے مماثل ہیں۔ یہاں بارش کم ہوتی ہے اور پھلوں کی بہتات ہے۔ کوہ الپس کے کسی حصے میں ایسے پُرکشش اور مسحور کن مناظر نظر نہیں آتے۔ آپ غور فرمائیے کہ یہاں ہم پہاڑوں کے وسیع و عریض سلسلے میں گھرے ہوئے ہیں، جو اٹھارہ ہزار سے تیئس ہزار فٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا ہے۔''

(در: شاہی اکادمی برائے علوم، شعبہ تاریخ و فلسفہ۔ (ویانا)، کارروائی بتاریخ ۴ دسمبر ۱۸۵۰ء، جلد ۵ (۱۸۵۰ء)، ص ۸۰۲)۔

* اس ہمالیائی سفر کے دوران میں اشپرینگر نے اپنے ہموطن دوست شیون ہر (David von Schönherr) کو ایک خط بھجوایا (۱۸۵۰ء)، جس میں اس نے لکھا کہ ''حال ہی میں میں نے تبتی زبان یعنی چینی سیکھنا شروع کر دی ہے اور چینی رسم الخط پر خاصی دسترس حاصل کر لی ہے۔''
(cf. *Tiroler Schützenzeitung* (Innsbruck), 4 April 1850)

* * * * *

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ABDU-R-RAZZAQ'S

DICTIONARY

OF THE

TECHNICAL TERMS OF THE SUFIS

Edited in the Arabio Original

by

DR. ALOYS SPRENGER

كتاب

اصطلاحات الصوفية تصنيف

كمال الدين ابى الغنايم عبد الرزاق

بن جمال الدين الكاشى

السمرقندي

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

الحمد لله الذی نجانا من مباحث العلوم
الرسمیة بالمنّ والافضال ٭ واضنانا بروح
المعاینة من مکابدة النقل والاستدلال ٭ ابعدنا ع
وانقذنا مما لا طائل تحته من کثرة القیل
والقال ٭ وعصمنا من المناظرة والمعارضة
والخلاف والجدال ٭ فانها منار الشبه ومظان
الریب والشك والضلال والاضلال ٭
فسبحان من کشف عن بصائرنا حجب
الاغیار والاشکال والاشکال ٭ والصلوٰة علی فی السلام ع

[illegible] (٣)
من هدانا فی ظلمة [illegible] ٭ [illegible]
نور الجمال ٭ محمد [illegible]
وصحبه خیر صحب [illegible] ٭ [illegible]
لما فرغت من تسوید شرح [illegible]
السائرین وکان الکلام [illegible] شرح [illegible]
احکم وتاویلات القرآن الحکیم [illegible]
اصطلاحات الصوفیة ولم یتعارفها اکثر اهل
العلوم المنقولة والمعقولة ولم یشتهر بینهم
ذلك سألونی ان اشرحها لهم وقد اشرت
فی ذلك الشرح الی ان الاصول المذکورة
فی الکتاب من مقامات القوم یتفرع الی
الف مقام وتوجهت الی کیفیة تفریعها وما تعریفها ع
بینت کیفیة تفاریعها بتنویعها ولم افصل ص ع
فروعها ودرجاتها ولم اصرح بصنوفها و تعریفها تعریفاتها ع
صدّیتُ للاسعاف بسؤلهم وزدت علی لاسعاف سؤلهم ع
ذلك ترویجا لقبولهم بیان ما اجمل من

(اصطلاحات صوفیہ کے ابتدائی دوصفحات)

كتاب مروج الذهب للمسعودي

EL-MAS'ŪDĪ'S

HISTORICAL ENCYCLOPÆDIA,

ENTITLED

"MEADOWS OF GOLD AND MINES OF GEMS."

TRANSLATED FROM THE ARABIC

BY

ALOYS SPRENGER, M.D.

UNIVERSITY

VOL. I.

LONDON:
PRINTED FOR THE ORIENTAL TRANSLATION FUND
OF GREAT BRITAIN AND IRELAND.
SOLD BY
JOHN MURRAY, ALBEMARLE STREET;
AND
PARBURY, ALLEN, AND CO., LEADENHALL STREET.

MDCCCXLI.
1841

المسعودی کی "مروج الذہب" کا انگریزی ترجمہ۔

(جلد اول (لندن، ۱۸۴۱ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

کتاب المختار فی الاخبار والآثار

الجلد الاول وفیہ

تاریخ الدولۃ الامویۃ من مروج الذہب

لابی الحسن علی المسعودی المتوفی فی سنۃ ۳۴۶

خلصہ وصححہ مولوی مملوک العلی النانوتوی
والوئس اسپرنگر الترولی

طبع فی المدرسۃ الدہلویۃ سنۃ ۱۸۴۶ عیسویۃ
وسنۃ ۱۲۶۲ ہجریۃ

المسعودی کی "مروج الذہب" کی تلخیص مع تصحیح (۱۸۴۶ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

'OTBY'S TARYKH YAMYNY,

OR

THE HISTORY OF SULTAN MAHMUD

OF

GHAZNAH,

BY A CONTEMPORARY,

EDITED IN THE

ORIGINAL ARABIC,

BY

MOWLAWY MAMLUK-AL ALYY, HEAD MOWLAWY, AND A. SPRENGER, PRINCIPAL, OF
THE DELHIE COLLEGE.

DELHI:
Lithographed in the Delhie College Press, by Munshy Ashraf Aly.

1847.

العتبی کی "تاریخ یمینی" (دہلی ۱۸۴۷ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

THE

GULISTA'N OF SA'DY,

EDITED IN PERSIAN,

WITH

PUNCTUATION AND THE NECESSARY VOWEL-MARKS,

FOR THE USE

OF THE

COLLEGE OF FORT WILLIAM.

BY

A. SPRENGER, M. D.

EXAMINER OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM.

CALCUTTA.

PRINTED BY J. THOMAS, BAPTIST MISSION PRESS.

1851.

"گلستان سعدی" (کلکتہ، ۱۸۵۱ء) اور اس کا نامہ ٹائٹل

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

خاتمةُ الکتابِ

تمام شد گلستان و اَللّٰه المُستَعانُ و بتوفیقِ باری عَزَّ اِسمُهُ وَ جَلَّ ثَناؤُهُ درین جُمله، چنان که رَسمِ مُؤَلّفان است، از اَشعارِ مُتقدّمان بطریقِ اِستعارت تلفیقی نرفت •

بیت •

کُهَن جامهٔ خویش پیراستن بِهْ از جامهٔ عاریت خواستن •

غالبِ اَشعارِ سَعدی طَرَب‌انگیزست و طیبت‌آمیز و کوته‌نَظَران را بدین عِلّت زبانِ طعنه دراز که مغزِ دماغ بیهوده بردن و دودِ چراغ بی فائده خوردن کارِ خردمندان نیست، ولیکن بررایِ روشنِ صاحب‌دلان که روی سخن در ایشانست پوشیده نمانَد که دُرِّ مَوعظتهای شافی در سِلکِ عبارت کَشیده است و داروی تلخِ نصیحت بشهدِ ظرافت برآمیخته تا طبعِ مَلولِ اِنسان از دولتِ قبول محروم نمانَد • الحمدُ لله رَبِّ العالَمین •

مثنوی •

ما وَصیّت بجای خود کردیم، روزگاری درین بسر بردیم،

چون نیاید بگوشِ رغبتِ کس، بررَسولان بلاغ باشد و بس •

شعر • یا ناظراً فیه سَلْ بِاللّهِ مَرْحمةً عَلَی المُصَنّفِ و اَستَغفِر لِصاحِبِه

و اَطلُب لِنَفسِكَ مِن خَیرٍ تُرِیدُ بِها، مِن بَعْدِ ذالِكَ غُفرانًا لِکاتِبِه •

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

قال أنوبس سپرنگر التيرولي ، هذه صورة ما في آخر النسخة التي نقلت هذه النسخة عنها ، تمّ الكتاب ، بحمد الله عزّ وجل ، وهي النسخة الأولى بخطّ المصنّف عفا الله تعالى عنه ، يوم السبت في العشر الآخر من محرّم سنة اثنين و ستّين و ستّمائة يوم فتح شيراز و انتقال الملك من آل سلغر الى غيرهم ، والله يؤتي ملكه من يشاء ، فنسأل الله تعالى العفو و المغفرة و سلامة الدنيا و الآخرة ، في النوادر و الأمثال و الشعر و الحكايات ، أنشأ العبد الفقير المحتاج الى رحمة الله ابو عبد الله مشرف ابن مصلح السعدي الفارسي غفر الله له و لوالديه ٠

حسب ارشاد كرامت بنياد اقدس اعلى بتاريخ دهم جمادى الأولى سنه سي و سه جلوس والا مطابق سنه ١١٠١ هجري ، در نواحي بيجاپور بر كنار درياي كشنه كه عسكر ظفر اثر عالمگيري خلّد الله ملكه نزول اجلال داشت اين نسخهٔ شريف را فقير حقير سيّد علي الحسني از نسخه بخطّ استاد الزمان ميرعماد منقول از نسخه بخط مصنّف مرحوم مغفور نقل نموده ، اميد كه بمطالعهٔ خاص موهبت اختصاص در آيد ٠

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قد وقع الفراغ من طبع هذا الكتاب المستطاب المسمى بالاتقان • في علوم القرآن • من مؤلفات الشيخ العلامة • العالم الحبر الفهامة • المحقق المدقق • شيخ الاسلام و المسلمين • وارث علوم سيد المرسلين • جلال الدين السيوطي الشافعي تغمده الله تعالى بغفرانه • و اسكنه بحبوحة جنانه • في شهر صفر ختم الله له بالفتح و الظفر بلدة كلكته في عهد حكومة الامير الافخم • الرئيس المعظم حامي البلاد • ماحي الفساد • النواب لارڈ دلهوسي گورنر جنرل بهادر دامت دولته سنة احدى و سبعين بعد الالف و المائتين من سنين الهجرة النبوية • على صاحبها الف الف السلام و التحية • مطابقا لشهر اكتوبر سنة اربعة و خمسين بعد الالف و ثمانمائة من الاعوام المسيحية • باهتمام العالم الماهر فى العلوم العربيه • ڈاكٹر اسپرنجر • حماه الله من الحوادث و الشر • و تصحيح العالم النحرير و الفاضل الصنديد • سامي الشان • المولوي محمد سديد الدين خان • امين المدرسة العاليه • والمعتصم بحبل لطف الله المتين • الراجي الى شفاعة سيد المرسلين • صلى الله عليه وعلى آله و اصحابه اجمعين • المولوي محمد بشير الدين • و الفاضل اللوذعي و البارع الالمعي الذي هو بالتبجيل احق • المولوي الحاج محمد نور الحق • والعالم الكامل الواقف بالعلم الخفي والجلي • المولوي جواد علي • مدرسي المدرسة المرقومة • و اعانة الطلبة المحصلين • المولوي حافظ محمد حاتم و المولوي عبد المجيد البردواني و المولوي عثمان علي و المولوي عبد الحق و المولوي امجد الدين • و ذى الفضل المتين مولوي وحيد الدين اصلح الله تعالى سبحانه حالهم و انجح جدهم و بلغ ما مرامهم امين امين ثم امين و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين • و الصلوة والسلام على سيد المرسلين •

''الاتقان فی علم القرآن'' (تصنیف جلال الدین السیوطی) ۔ مطبوعہ ۱۸۵۴ء، باہتمام اشپرینگر ۔ آخری دو صفحات

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

CATALOGUE

OF THE

ARABIC, PERSIAN AND HINDU'STA'NY

MANUSCRIPTS,

OF THE

LIBRARIES OF THE KING OF OUDH,

UNDER THE ORDERS OF THE GOVERNMENT OF INDIA

BY

A. SPRENGER, M. D

OF THE BENGAL MEDICAL ESTABLISHMENT, TRANSLATOR TO THE GOVERNMENT OF INDIA, ETC.

VOL. I.

CONTAINING PERSIAN AND HINDU'STA'NY POETRY.

CALCUTTA:

PRINTED BY J. THOMAS, AT THE BAPTIST MISSION PRESS.

1854.

فہرست کتب خانہ ہائے شاہان اودھ۔ جلد اول (کلکتہ ۱۸۵۴ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

A CATALOGUE

OF THE

BIBLIOTHECA ORIENTALIS

SPRENGERIANA.

GIESSEN.

WILHELM KELLER, PRINTER.

JANUARY 1857.

اشپرینگر کے نجی کتاب خانہ کی فہرست (۱۸۵۷ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ABDU-R-RAZZAQ'S

DICTIONARY

OF THE

TECHNICAL TERMS OF THE SUFIES,

EDITED IN THE ARABIC ORIGINAL,

BY

DR. ALOYS SPRENGER,

OF THE BENGAL MEDICAL SERVICE.

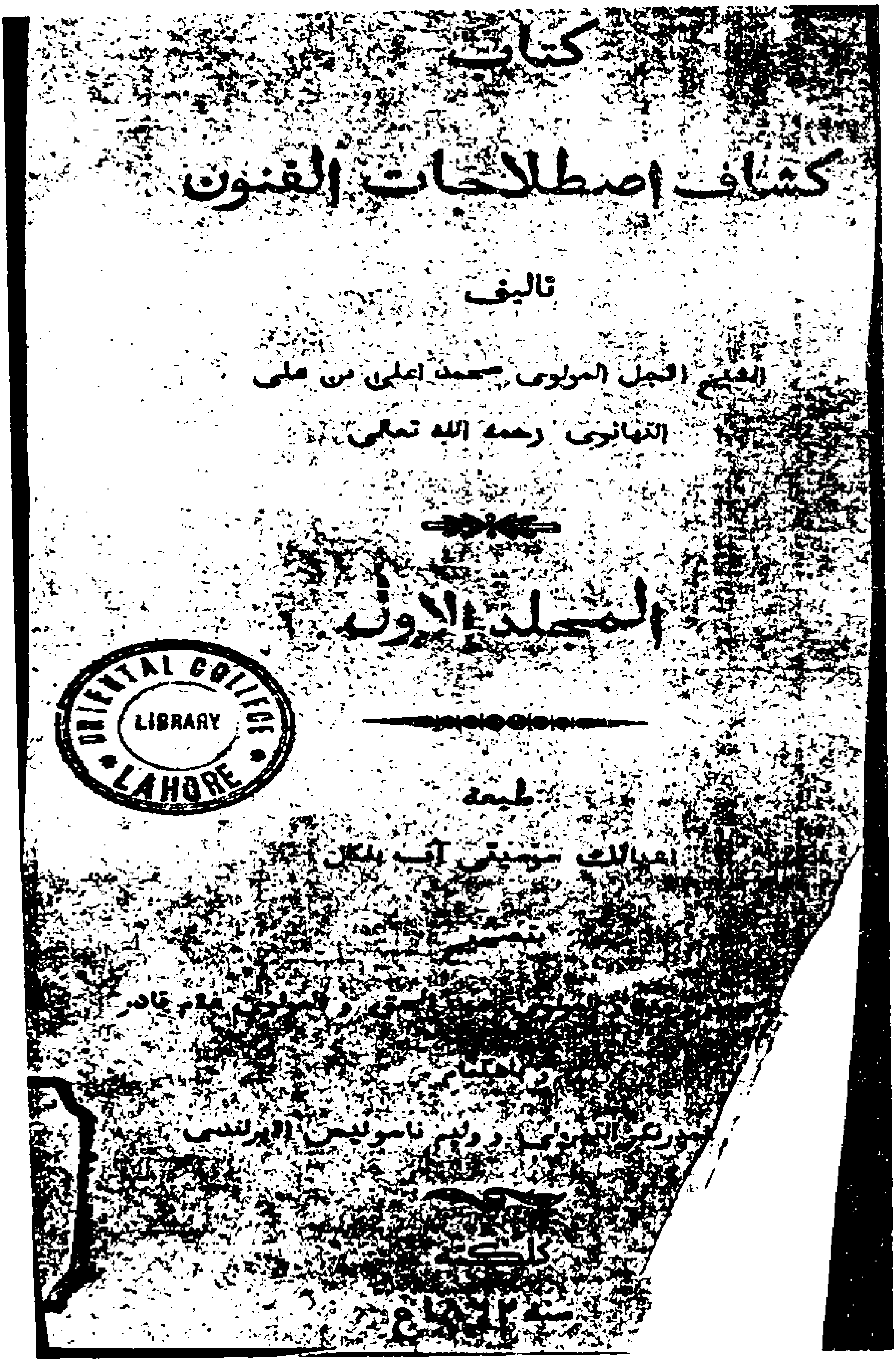
CALCUTTA:

PRINTED FOR THE ASIATIC SOCIETY OF BENGAL, IN THE PRINTING OFFICE OF THE MADRESSAH OF CALCUTTA.

SOLD IN LONDON
BY ALLEN AND CO., AND MADDEN AND CO.; AT PARIS ... ASIATIQUE; LEIPSIC BY BROCKHAUS AND CO.; AND BY MESSRS. KOENIG AND CO.

عبدالرزاق کی "اصطلاحات الصوفیہ" (۱۸۴۵ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary


كتاب

كشاف اصطلاحات الفنون

تاليف

الشيخ الاجل المولوى محمد اعلى بن على

التهانوى رحمه الله تعالى

المجلد الاول

طبعه

بتصحيح

و المولوى غلام قادر

كلكته

ORIENTAL COLLEGE LIBRARY LAHORE

التھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون''

(جلد اول۔ کلکتہ، ۱۸۶۲ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

DAS

LEBEN UND DIE LEHRE

DES

MOHAMMAD

NACH BISHER GROSSTENTHEILS UNBENUTZTEN QUELLEN

BEARBEITET

VON

A. SPRENGER.

ERSTER BAND.

BERLIN
NICOLAI'SCHE VERLAGSBUCHHANDLUNG.
(G. PARTHEY.)
1861.

حیاتِ محمدؐ اور اُن کی تعلیمات (جلد اول ۔ برلین ۱۸۶۱ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

666

Die

Post- und Reiserouten des Orients.

Mit 16 Karten nach einheimischen Quellen

von

A. Sprenger.

Leipzig 1864

in Commission bei F. A. Brockhaus

اہل مشرق کا نظام برید اور ذرائع ترسیل

مع سولہ نقشہ جات (بحوالہ مقامی مآخذ)

لائپزگ ۱۸۶۴ء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

DIE

ALTE GEOGRAPHIE ARABIENS

ALS

GRUNDLAGE DER ENTWICKLUNGSGESCHICHTE DES SEMITISMUS

VON

A. SPRENGER.

Mit einer lithographirten Karte.

BERN.
COMMISSIONSVERLAG VON HUBER & COMP.
1875.

''عربوں کا قدیم علم جغرافیہ
سامیوں کے تاریخی ارتقاء کی بنیاد کی حیثیت سے''
لائپزک ۱۸۶۴ء

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

668

Mohammed und der Koran.

Eine psychologische Studie

von

A. Sprenger
in Heidelberg.

Hamburg.
Verlagsanstalt und Druckerei A.-G. (vorm. J. F. Richter).
1889.

محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اور قرآن

ایک نفسیاتی مطالعہ

ہامبورگ ۱۸۸۹ء

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

List of A. Sprenger's Publications
(English and German)

Books:

1. Dissertatio medica inauguralis, de originibus medicinae Arabicae sub Khalifatu, quam in Academ, Lugduno-Batava 12 Jun. 1840, defendet Alois Sprenger, Tyrolensis. S & J. Luchtmann, 1840
2. Art of Warfare among the Arabs (in Arabic). Under the auspices of Lord of Munster (London), unpublished. (1840?)
3. El-Mas'udi's historical encyclopaedia, entitled "Meadows of Gold and Mines of Gems." Tr. from the Arabic by Aloys Sprenger. Vol. i, London: Oriental Translation Fund, 1841
4. 'Abd al-Razzāq al-Qashānī. Dictionary of Technical Terms of the Sufis. Ed. in the Arabic original by Aloys Sprenger. Calcutta: Asiatic Society of Bengal, 1845. Reprinted: Lahore 1974, 1981 (preface: Chinsurah, Nov. 30, 1844)
5. 'Abdallah al Fākihī: Ḥudūd an-nahw. Two works on Arabic bibliography. Ed. by A. Sprenger. Calcutta 1849. (Reprinted: 1980)
6. The Gulistān of Sa'di. Ed. in Persian with punctuation and the necessary vowel-marks, for the use of the College of Fort William Calcutta, 1851
7. Khirad Nāma i Iskandarī, also called the Sikandar Nāma-i-Baḥri, by Nizāmī. Ed. by A. Sprenger, Muhammad Shushtari and Ahmad Ali. Calcutta: Asiatic Society of Bengal, 2 fascs., 1851, 1869
8. Ibn Ḥajar al 'Asqalānī: al-Iṣāba fi tamīz as-Ṣaḥāba (Biographical Dictionary). Ed. by M. Wajih, 'Abd al Haqq and A. Sprenger. 8 vols., Calcutta 1853-1888. Reprinted:

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

1980-1981

9. at-Ṭūsī Muḥammad b. Ḥasan: Fihrist kutub ash-Shī'ah. Tusy's list of Shī'ah books and 'Alam al-Hudā's notes on Shī'ah biography. Ed. by A. Sprenger and Mawlawi 'Abd al-Haqq. Calcutta 1853-1855. (Reprinted: 1981)
Also reprinted from Mashhad entitled:
الفہرست لشیخ الطائفۃ الامامیۃ أبي جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی (۳۸۵-۴۶۰ھ)۔
افست روی چاپ اسپرنگر با فہرستہای مختلف بکوشش محمود رامیار۔ مشہد: چاپخانہ دانشگاہ،
۱۳۵۱ش۔ مقدمہ دربارۂ کتاب و مولف آن (ص ۵-۱۵)، 'فہرس الطوسی' (ص ۱-۳۸۳)،
الفہارس (ص ۳۸۹-۵۴۴)، مع انگریزی دیباچہ (۴ صفحات)

10. A Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustany Manuscripts of the Libraries of the Kings of Oudh. Compiled under the orders of Government of India by A. Sprenger: Vol. i, containing Persian and Hindustany Poetry.
Calcutta 1854

11. A Catalogue of the Bibliotheca Orientalis Sprengeriana.
Giessen 1857

12. Soyu'ty's Itqān on the Exegetic Sciences of the Qorān. Edited by Mowlawies Sadeedood-Deen Khan and Basheerood-Deen, Professors of the Calcutta Madresah, and Dr. A. Sprenger.
Calcutta 1857.

13. Das Leben und die Lehre des Mohammad. Nach bisher grösstentheils unbenützen Quellen bearb.
Berlin, 3 vols., 1861-1865: Nicolai'sche Verlagsbuchhandlung (G. Parthey).
(A. Effert & L. Lindtner), 1869. English tr. by Dr. Yusuf 'Abbas Hashmi (incomplete, still unpublished), cf. *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi), vol. ix, pt. i (Jan. 1961, p. 58)

14. Ibn Ḥajar al-'Asqalānī. Nokhbat al-fikr and Nozhat al-nazr. Ed. by W. N. Lees, 'Abd al-Haqq and Ghulam Qadir. Calcutta 1862. Reprinted: 1982

15. Die Post-und Reiserouten des Orients. Mit 16 Karten nach einheinische Quellen von A. Sprenger. Erstes Heft.
Leipzig 1864

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

16. Kashshāf Iṣṭilahāt al-Funūn.
A Dictionary of the Technical Terms used in the Sciences of the Musalmans. Part I. Edited by Mawlawies Mohammad Wajih, Abd al-Haqq and Gholam Kadir under the superintendence of Dr. Aloys Sprenger, M.D. Ph.D. and Captain W. Nassau Lees, LL. D., Printed at W. N. Lees' Press, 1862. Reprinted: Teheran 1967

17. Die alte Geographie Arabiens als Grundlage der Entwicklungsgeschichte des Semitismus.
Bern 1875

18. Babylonien, das reichste Land in der Vorzeit und das lohnendste Kolonisationsfeld für die Gegenwart. Ein Vorschlag zur Kolonisation des Orients von Dr. A. Sprenger. Professor und früherem Vorstaher der mohammedanischen Hochschule von Kalkutta. Mit einen Anhang: Metrologie der Araber und einem Kärtchen von Babylonien, Mesopotamien und Syrien. Heidelberg 1886
Also an article in:
Sammlung von Vorträgen. Hrsg. von W. Frommel und Friedrich Pfaff, xv. 6/8, pp. 171-296

19. Mohammed und der Koran. Eine psychologische Studie. Von A. Sprenger. Hamburg 1889

برائے شمارہ ۲۰۔ ۳۴، ۳۴، سطور ذیل، رک:

فرہنگ خاور شناسان۔ زندگی نامہ وکتاب شناسی ایران شناسان و اسلام شناسان۔ جلد اول۔ تالیف گروہ مؤلفان ومترجمان۔

تہران ۱۳۷۶ش / ۱۹۹۷ء، ص ۳۲۰۔۳۲۲

20. Seer al-Yamānī. By. 'Utby. Delhi 1848

21. Irshād al-Maqāṣid ila Asna al-Maqasid. By Ibn Sa'd Anṣarī Akfānī. Calcutta 1849

22. Adab al-Samarqandī. By Shams-ud Din Samarqandī.
Calcutta 1854

23. Al Ḥisba wa'l Iḥtisāb. By Muhammad 'Ali Thānawī.
Calcutta, 1854

24. Al Istibsār fimā Ikhtalāf min'l Akhbār. By Sh. Ṭusī.

25. Tarikh al Khulafā'. By 'Abd ar-Raḥmān Suyūṭī.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

26. Tarīkh al-Ghaznawiyyah. By 'Utbi.
27. Nawādir Qalyūbī
28. Nafḥat al-Yaman. By Sherwānī
29. Maqāmāt-i Ḥarīrī. By Qāsim Ḥarīrī
30. Kitāb al-Rijāl. By Sh. Ṭūsī
31. Al-Kashshāf fī Tafsīr al-Qur'ān. By Abu'l Qāsim Zamākhsharī
32. Qistās al-Mizān. By Shams ud-Din Samarqandī
33. Al-Qamūs al-Muḥīt. By Majd al-Dīn Muhammad Firuzabādī.
34. Ar-Risālat'l Shamsiyyah. By Najm ad-Dīn Qātibī

Articles:

1. An Account of the land-tax (Kherāj) of the Arabic empire in the flourishing period, compiled from several Arabic MSS.
   (*Asiatic Journal*, 30 (1839), pp. 52-61)
2. Some original passages on the early commerce of the Arabs (1) on the mercantile roads.
   (*JASB*, 13(1844), pp. 519-524)
3. Notice of some copies of the Arabic work entitled "Rasā'il Ikhwān al-Ṣafā".
   (*JASB*, 17/I(1848), pp. 501-507; 17/ii(1848), pp. 183-202)
4. Bal'amy's translation of the history of Tabary, and Ghazzaly's history of the prophets.
   (*JASB*, 17/ii (1848), pp. 437-471)
5. Literaturbericht aus Ostindien
   (*ZDMG*, 3(1849), pp. 344-347; 4(1850), pp. 116-117)
6. Ueber eine Handschrift des ersten Bundes des "Kitāb Ṭabaqāt al-Kabyr" vom Sekretär des Waqidy.
   (*ZDMG*, 3(1849), pp. 450-456)
7. Notice of a copy of the fourth volume of the original text of (the history of) Tabary, (with the texts of Tabary and that of Bokhāry to enable the reader to compare them).
   (*JASB*, 19 (1850), pp. 108-135)
8. On the Ghassanite kings.
   (*JASB*, 19(1850), pp. 469-474)
9. Observations on the physiology of the Arabic language.
   (*JASB*, 20(1851), pp. 115-126)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

10. The initial letters of the nineteenth surāh of the Qorān.
(*JASB*, 20(1851), pp. 280-281)
11. Chronology of Makkah and the Hijaz before Mohammad, chiefly founded upon genealogy.
(*JASB*, 20(1851), pp. 349-352).
12. On the earliest Biography of Mohammad
(*JASB*, 20(1851), pp. 395-397)
13. Mohammad's journey to Syria, and Professor Fleischer's opinion thereon (with texts and translations from al-Tirmidhī and Ibn Ishāq.)
(*JASB*, 21(1852), pp. 556-592)
14. Foreign words occurring in the Qurān.
(*JASB*, 21(1852), pp. 109-114)
15 Early Hindustany Poetry.
(*JASB*, 22(1853), pp. 422-444)
16. Catalogue of Oriental Libraries.
(*JASB*, 22(1853), pp. 535-540)
17 The original sources for the biography of Mohammad.
(*Calcutta Review*, No. 37, March 1853)
18. Literary Intelligence (bibliography)
(*JASB*, 24(1855), pp. 44-52)
19. The Copernican system of astronomy among the Arabs [German translation entitled "Bekanntschaft der Araber mit dem Copernikanischen System", in: *Das Ausland*, 29 (1856), 2004]. (*JASB*, 25(1856), p. 189)
20. On the origin and progress of writing down historical facts among the Musulmans.
(*JASB*, 25(1856), pp. 303-329, 375-381)
21 Ueber des Traditionswesen bei den Arabern.
(*ZDMG*, 10 (1856), pp. 1-17)
22. Notes on Alfred von Kremer's edition of Wakidy's compaigns.
(*JASB*, 25(1857), pp. 53-74, 199-220)
23 Notes on the رعاية القلوب of Muḥāsibī, being the earliest work on Sufism as yet discovered, and on an Arabic translation of a work ascribed to Enoch.
(*JASB*, 25(1857), pp. 133-150)
24. Mohāmmad's Zusammenkunft mit dem Einsiedler Bahyrā.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

(*ZDMG*, 12 (1858), pp. 238-249)

25. Ueber die Bedeutung des edomitischem Wortes "Allūf" in der Bibel und des arabischen Wortes "Yiāf" im Koran. (*ZDMG*, 12(1858), pp. 315-317)

26. Ueber den Kalender der Araber von Mohammad. (*ZDMG*, 13(1859), pp. 134-175)

27. Ueber den Ursprung und die Bedeutung des arabischen Wortes Nāmūs. (*ZDMG*, 13(1859), pp. 690-701)

28. Ibn Ishāq ist kein redlicher Geschichtsschreiber. (*ZDMG*, 14(1860), pp. 288-290)

29. Die Mosaik bei den Arabern. (*ZDMG*, 15(1861), pp. 409-411)

30. Erinnerungen an Lakhnau. (*Das Ausland*, 36 (1863), 241-245)

31. Ein Beitrag zur Statistik von Arabien. (*ZDMG*, 17(1863), pp. 214-226)

32. Die Leistungen der Araber in the Geographie. (*Das Ausland*, 37 (1864), 787-791)

33. A. v. Kremer, die südarabische Sage (*Das Ausland*, 39(1866), 346-352)

34. Remarks on Barbier de Meynard's edition of Ibn Khordādhbeh, and on the land-tax of the empire of the Khalyfs. (*JASB*, 35/i(1866), pp. 124-146)

35. Die Post-und Reiserouten des Orients. (*Abhandlungen für die Kunde des Morgenländes*, 3/iii (1866), pp. 1-159)

36. Zur Geschichte der Erdmessung im Alfertums. (*Das Ausland*, 40(1869), 1017-1020, 1042-1046, 1065-1068, 1081-1084)

37. Der Feldzug des Aelius Galeus in Arabien (from the *Athenaeum*). (*Das Ausland*, 45, Nr. 29(15. July 1872), 696)

38. The Ishmaelites, and the Arabic tribes who conquered their country. (*JRAS*, n.s. 6(1873), pp. 1-19)

39. The campaign of Aelius Gallus in Arabia. (*JRAS*, n.s. 6(1873), pp. 121-141)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

40. Lateinische Übersetzungen aus dem Arabischen in der Berner Stadtbibliothek. (*ZDMG*, 28(1874), pp. 154-155)

41. Die Goldunze. (*ZDMG*, 29(1876), pp. 636-637)

42. Alte Problema der Erdkunde und deren Lösung durch den arabischen Geographen Mokaddasy.
(*Das Ausland*, 49(1876), 845-850)

43. Über zwei arabische Handschriften (al-Ṭabarī und Ibn Wallād).
(*ZDMG*, 31(1877), pp. 750-757)

44. Reise-Erinnerungen zur Beleuchtung der türkischen Zustände.
(*Das Ausland*, 50(1877), 29-32, 54-58)

45. Die Schulfächer und die Scholastik der Muslime
(*ZDMG*, 32(1878), pp. 1-20)

46. Ein arabischer Geograph (al-Hamdānī).
(*Das Ausland*, 52(1879), 241-243)

47. Kolonisationsprojekt, als Manuskript gedruckt.
Heidelberg 1884. pp. 22 (brochure)

48. Acclimatisationsfähigkeit der Europaer in Asien.
(*Zeitschrift Ethnologie*, 17(1885), pp. 377-381)

49. Al-Biruni's India.
(*Allgemeine Zeitung*, Beilage 300, 1888)

50. Die arabischen Berichte über das Hochland Arabiens beleuchtet durch Doughty's *Travels in Arabia Deserta*.
(*ZDMG*, 42(1888), pp. 321-340)

51. Sachau's al-Biruni's India.
(*ZDMG*, 43(1889), 329)

52. Versuch einer Kritik von Hamdānis Beschreibung der arabischen Halbinsel und einige Bemerkungen über David H. Muller's Ausgabe derselben.
(*ZDMG*, 45(1891), pp. 361-394)

53. Eine Skizze der Entwicklungsgeschichte des muslimischen Erbrechtes
(*Zeitschrift für vergleichende Rechtswissenschaft*, 10 (1892), pp. 1-31)

54. Report of the Researches into the Muhammadan Libraries of Lucknow. Selections from the Records of the Government of India. Foreign Department, no. 334, Foreign Department, serial no. 82 (1896), pp. 32.

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

ذخیرۂ اشپرینگر (Ms. Or. Sprenger)، برلین میں اردو مخطوطات

۱۔ کرت سوامی نند داس (نمبر ۱۷۰۶)، از سوامی نند داس آنند جیو

۲۔ شری بھاگوت (نمبر ۱۷۲۳) از بھوپتی

۳۔ سورج پوران (نمبر ۱۶۵۹) از بشن سنگھ

۴۔ کربل کتھا (نمبر ۱۷۳) از فضل علی فضلی

۵۔ نکات الشعراء (نمبر ۳۴۳) از میر تقی میر

۶۔ گلشن ہند (نمبر ۳۴۵) از مرزا علی لطف

۷۔ مجموعۂ نغز (نمبر ۳۴۶) از سید ابوالقاسم دہلوی

۸۔ طبقات سخن (نمبر ۳۴۷) از مبتلا و عشق میرٹھی

۹۔ غرائب اللغات (نمبر ۱۶۶۸) از سراج الدین علی خان آرزو

۱۰۔ نوطرز مرصع (نمبر ۱۷۴۶) از عطا خان تحسین

۱۱۔ کنہاوت (گھناوت) (نمبر ۱۷۰۱) از ملک محمد جائسی

۱۲۔ دیوانِ ولی (نمبر ۱۷۲۱) از ولی گجراتی

۱۳۔ دیوانِ سودا (نمبر ۱۷۱۴) از سودا

۱۴۔ دیوانِ میر سوز (نمبر ۱۷۱۶) از میر سوز

۱۵۔ دیوانِ حسرت (نمبر ۱۶۹۵) از جعفر علی حسرت

۱۶۔ دیوانِ جرأت (نمبر ۱۷۰۳) از جرأت

۱۷۔ دیوانِ بقا (نمبر ۱۶۸۵) از بقا اللہ بقا

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۸۔ دیوان فارغ (نمبر ۱۶۸۹) از میاں فارغ شاہ صاحب فارغ

۱۹۔ دیوانِ پروانہ (نمبر ۱۷۱۱) از راجہ جسونت سنگھ پروانہ

۲۰۔ دیوان کلاں خواجہ سلطان (نمبر ۱۷۱۷) از خواجہ سلطان خان سلطان

۲۱۔ دیوان صاحبقران (نمبر ۱۶۸۶) از میر امام علی صاحبقران

۲۲۔ دیوان کلیات تصنیف میر اکبر علی اختر (نمبر ۱۶۸۲)

۲۳۔ مثنوی مرزا عباس اقتدار الدولہ (نمبر ۱۶۷۸)

۲۴۔ محشر نامہ (نمبر ۱۷۰۲) از شیخ محمد جیون

۲۵۔ بیاض مراثی (نمبر ۱۷۳۸)

۲۶۔ بیاض مراثی وسلام (نمبر ۱۷۳۹)

۲۷۔ قصۂ جمجمۂ بادشاہ (نمبر ۱۷۲۴) از احمد علی شوراجپوری

۲۸۔ یوسف زلیخا (نمبر ۱۷۲۸) از شاہ مجیب اللہ مجیب

۲۹۔ قصہ راجہ چتر مکت و چندر کرن رانی (نمبر ۱۶۳۰) از زین العابدین

۳۰۔ ہندی نظم (نمبر ۱۷۴۰)

۳۱۔ شرح ہندی شاعری (؟) (نمبر ۲۰۱۰)

۳۲۔ مخطوط نامہ، مجموعہ خوبی (نمبر ۱۶۴۱) مختلف اردو شعراء

۳۳۔ رسالہ قواعد النساء یا کتاب قانون النساء (نمبر ۱۷۶۳)

۳۴۔ مصطلحات ٹھگی (نمبر ۱۶۷۰) از علی اکبر الہ آبادی

۳۵۔ مصطلحات ٹھگی (نمبر ۱۶۷۱) از علی اکبر الہ آبادی

* * * * *

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی اردو مطبوعات
(بحوالہ فہرست، مطبوعہ گیسن ۱۸۵۷ء)

۱۔ تاریخ یوسفی (المعروف بہ عجائبات فرنگ)۔از یوسف خاں کمبل پوش۔دہلی: مطبع العلوم، ۱۸۴۷ء

۲۔ تاریخ ابوالفداء کا اردو ترجمہ مع اضافات۔۳ جلد۔دہلی ۱۸۴۶ء

۳۔ شمائل ترمذی۔بین السطور اردو ترجمہ۔کلکتہ، ۱۲۶۲ھ۔دو نسخے

۴۔ مولد شریف۔لکھنؤ۔صفحات ۶۸

۵۔ وفات نامہ۔کانپور ۱۲۶۷ھ۔صفحات ۲۵

۶۔ محاربۂ کابل۔لکھنؤ۔صفحات ۱۸

۷۔ آثار الصنادید۔عمارات دہلی کی تاریخ مع تصاویر۔دہلی ۱۸۴۶ء۔صفحات ۳۳۸، ۲۴۴۔
''سید [احمد خاں] نے میرے کہنے پر تالیف کی۔''

۸۔ فتح گڑھ اور ضلع فرخ آباد کی تاریخ از کالی رائے۔دہلی ۱۸۴۹ء۔صفحات ۲۰۴

۹۔ تاریخ کشمیر از اعظم۔اردو ترجمہ۔دہلی ۱۸۴۹ء۔صفحات ۳۵۷

۱۰۔ فرائد الدہر (تذکرۂ شعرائے عرب) از مولوی کریم الدین۔دہلی ۱۸۴۷ء۔صفحات ۴۲۰

۱۱۔ انتخاب دواوین از امام بخش صہبائی۔دہلی ۱۸۴۴ء۔صفحات ۲۷۵

۱۲۔ طبقات شعرائے ہند از مولوی کریم الدین پانی پتی۔دہلی ۱۸۴۸ء

۱۳۔ موضح القرآن۔بین السطور اردو ترجمہ از عبدالقادر۔بمبئی ۱۲۷۰ھ

۱۴۔ فن تجوید پر ابن الاثیر جزری کا رسالہ مع اردو شرح۔کلکتہ۔صفحات ۱۹۹

۱۵۔ سبیل النجات (منظوم)۔اسلامی تعلیمات کا بیان۔لکھنؤ۔مع ایک اور رسالہ

۱۶۔ احکام الایمان (منظوم)۔متعلقہ عقائد اسلام از عبدالواحد۔لکھنؤ ۱۲۶۵ھ۔صفحات ۱۶

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۱۷۔ علم الفرائض (قانون وراثت)۔لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔صفحات ۹۸

۱۸۔ تحفۃ الزوجین از نواب محمد قطب الدین۔دہلی ۱۲۶۸ھ۔صفحات ۱۳۲

۱۹۔ مفتاح الجنت (مسلمان کے فرائض کے متعلق)۔کلکتہ۔صفحات ۲۱۴

۲۰۔ تحفۃ العوام (متعلقہ مذہبی فرائض)۔لکھنؤ ۱۲۶۵ھ۔صفحات ۱۰۴

۲۱۔ ہدایت الاسلام (مذہبی فرائض سے متعلق) از امانت اللہ۔کلکتہ ۱۲۳۳ھ۔صفحات ۲۸۷

۲۲۔ راہ نجات۔لکھنؤ۔صفحات ۳۰

۲۳۔ الکبریت الاحمر (حضور اکرمؐ کی فضیلت پر)۔لکھنؤ ۱۲۶۶ھ

۲۴۔ ردِّ ہند (ہندوؤں کے عقائد کی تردید)۔لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔صفحات ۷۲

۲۵۔ ہندی مسلمانوں کے توہمات۔لکھنؤ۔صفحات ۲۹

۲۶۔ بیان الآخرت۔لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔صفحات ۵۶

۲۷۔ صبح کا ستارہ۔موت، حوروں وغیرہ کے بارے میں۔لکھنؤ ۱۲۶۸ھ۔صفحات ۸۸

۲۸۔ قیامت نامہ۔کلکتہ ۱۲۴۱ھ

۲۹۔ تجہیز و تکفین۔کلکتہ۔صفحات ۶۴

۳۰۔ ہادی الناظرین (اخلاقیات)۔لکھنؤ۔صفحات ۱۶۰

۳۱۔ اعمال الصالحین (اخلاقیات)۔لکھنؤ۔صفحات ۲۰۰

۳۲۔ خالق باری۔(عربی، فارسی اور ہندوستانی ذخیرۂ الفاظ)۔لکھنؤ

۳۳۔ ''گلستاں'' کا ہندوستانی ترجمہ از شیر علی افسوس۔کلکتہ۔صفحات ۲۶۶

۳۴۔ پند نامہ۔منظوم ہندوستانی ترجمہ۔لکھنؤ

۳۵۔ کلیات جعفر زٹلی۔لکھنؤ۔صفحات ۵۸

۳۶۔ منتخب النفائس (معانی فارسی میں)۔لکھنؤ۔صفحات ۱۷۲

۳۷۔ دریائے لطافت (قواعد اردو)۔از انشاء اللہ و مرزا قتیل۔مرشد آباد ۱۸۴۸ء۔صفحات ۲۰۲

۳۸۔ چشمۂ فیض از احمد علی۔قواعد اردو۔دہلی ۱۸۴۵ء

۳۹۔ ہندوستانی قواعد از امام بخش صہبائی۔دہلی ۱۸۴۵ء۔صفحات ۲۹۲

۴۰۔ اصطلاحات (تشریح فارسی میں)۔دہلی ۱۸۴۵ء

۴۱۔ شمس البیان از تپش (م۔۱۲۲۰ھ) اردو محاورات۔مرشد آباد ۱۲۶۵ھ۔صفحات ۲۰۷

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۴۲۔ واسوخت آباد۔ مطبوعہ

۴۳۔ شہادت نامہ اور دلہن نامہ۔ شہادت امام حسینؓ پر عبدالکریم کی دو نظمیں۔ دہلی ۱۲۶۹ھ۔ صفحات ۲۴

۴۴۔ مثنوی احمد۔ کلکتہ ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۱۵۳

۴۵۔ قصۂ منصور (منظوم) از احمد علی۔ کانپور۔ صفحات ۲۰

۴۶۔ کلیاتِ آتش (م۔ ۱۲۶۳ھ) لکھنؤ ۱۲۶۸ھ صفحات ۲۹۳

۴۷۔ دیوانِ میر درد۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۴۷ء

۴۸۔ مثنوی نان و نمک از فصیح۔ بہائی کی مثنوی ''نان و حلوا'' کے تتبع میں۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۳۵

۴۹۔ معدنِ فیض (نظم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۴

۵۰۔ ہشت گلزار (مثنوی)۔ از حقی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۰۸

۵۱۔ سحر البیان از میر حسن۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۱۰۸

۵۲۔ نثر بے نظیر۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء۔ دو نسخے

۵۳۔ قصائد حسام علی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۱۵

۵۴۔ گلشنِ عشق (منظوم) از امام۔ کانپور ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۱۶

۵۵۔ جہادِ اکبر (منظوم) از امداد علی۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۲۷

۵۶۔ سلکِ نور (نظم) از اسماعیل۔ کلکتہ ۱۲۶۹ھ۔ صفحات ۲۲

۵۷۔ دیوانِ جان صاحب۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ

۵۸۔ خیابانِ فردوس (نظم) از کافی۔ لکھنؤ ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۴۵

۵۹۔ نشترِ عشق (منظوم داستان)۔ دہلی

۶۰۔ کامروپ (منظوم داستان) از کوڑا مل۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔

۶۱۔ چشمۂ شیریں (منظوم)۔ قصۂ فرہاد و شیریں۔ از مسکین۔ لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔ صفحات ۵۴

۶۲۔ کلیاتِ ناسخ (م۔ ۱۲۵۴ھ)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۳۸۰

۶۳۔ گلزارِ نسیم۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۶۰

۶۴۔ مثنوی رنگین۔ دہلی ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۲۶

۶۵۔ دیوانِ رند۔ دہلی ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۲۱۶

۶۶۔ انتخاب دیوانِ سودا۔ کلکتہ ۱۸۴۷ء۔ صفحات ۱۱۸ و ۱۱۴

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

۶۷۔ بہارِ عشق (مثنوی) از تصدق حسین۔ کانپور ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۴۲

۶۸۔ بہارِ دانش از تپش۔ منظوم اردو ترجمہ۔ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ صفحات ۲۴۷

۶۹۔ دیوانِ ظفر۔ دہلی کے موجودہ بادشاہ کا دیوان۔ دہلی۔

۷۰۔ دیوان زخمی۔ لکھنؤ ۱۲۵۳ھ۔ صفحات ۵۱۳

۷۱۔ مثنوی مولانا روم کا ملخص اردو ترجمہ (منظوم)۔ کلکتہ ۱۲۶۱ھ۔ صفحات ۲۷۳

۷۲۔ معارج الفضائل (نظم)۔ اماموں کے معجزات کا تذکرہ۔ لکھنؤ ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۲۹۹

۷۳۔ شاہنامہ اردو (منظوم)۔ "شاہنامہ" فردوسی کا ملخص اردو ترجمہ۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۷۸

۷۴۔ قصہ شاہ روم (منظوم)۔ دہلی۔ صفحات ۱۲

۷۵۔ رشکِ چمن (منظوم داستان)۔ سنہ تالیف ۱۲۳۸ھ۔ لکھنؤ ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۹۷

۷۶۔ قصہ سیاہ پوش (منظوم)۔ سیاہ پوش اور دو دیگر قصے۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۲۲

۷۷۔ قصۂ جمجمہ و سیاہ زاد (منظوم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۹

۷۸۔ دریائے عشق، شعلۂ عشق، اعجازِ عشق اور قصۂ جمجمہ۔ کانپور

۷۹۔ آثارِ محشر (منظوم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۶

۸۰۔ مخمس (در تعریف حضور اکرمؐ)۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۳۵

۸۱۔ گلدستۂ نازنیناں (انتخاب شعرائے اردو) از کریم الدین پانی پتی۔ دہلی ۱۲۶۱ھ۔ صفحات ۶۳۳۔ دو نسخے

۸۲۔ واسوخت (مجموعہ)۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۱۱۳

۸۳۔ واسوخت (مجموعہ)۔ لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔ صفحات ۳۲

۸۴۔ واسوخت (مجموعہ)۔ کانپور۔ صفحات ۲۰

۸۵۔ سلکِ مسلسل (عمدہ مضمون)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۳۲

۸۶۔ آرائشِ محفل (داستان)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۰۹

۸۷۔ بہشت چمن (ناول)۔ از بدر۔ لکھنؤ۔ صفحات ۹۴

۸۸۔ طوطی نامہ (اردو ترجمہ)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۸

۸۹۔ داستانِ عشق۔ لکھنؤ۔ ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۷۰

۹۰۔ مذہب عشق (داستان گل بکاؤلی)۔ کلکتہ ۱۲۶۴ھ۔ لکھنؤ

۹۱۔ انوارِ سہیلی۔ سنہ تالیف ۱۲۵۱ھ۔ لکھنؤ ۱۲۵۴ھ۔ صفحات ۵۲۶

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

۹۲۔ اخوان الصفا۔کلکتہ ۱۸۴۷ء۔صفحات ۲۵۰

۹۳۔ باغ و بہار۔دہلی ۱۸۴۶ء

۹۴۔ بہرام گور (داستان)۔کانپور۔صفحات ۳۲

۹۵۔ قصۂ اگر گل (داستان)۔لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔صفحات ۸۰

۹۶۔ نورتن (ناول)۔لکھنؤ۔صفحات ۱۸۲

۹۷۔ سرورِ سلطانی۔نثری شاہنامہ۔لکھنؤ۔صفحات ۲۰۴

۹۸۔ فسانۂ عجائب۔کلکتہ ۱۸۴۶ء۔صفحات ۴۲۲

۹۹۔ نغمۂ عندلیب (ناول)۔کلکتہ۔صفحات ۳۱۲

۱۰۰۔ لطائف الظرائف۔لکھنؤ۔صفحات ۱۱۲

۱۰۱۔ سوال و جواب طیبہ (متعلقہ طب)۔دہلی ۱۲۶۲ھ۔صفحات ۱۷

۱۰۲۔ تحفۃ الاحباب (متعلقہ ریاضی)۔دہلی۔صفحات ۳۲

۱۰۳۔ سریع الفہم (مسلمانوں کا علم ریاضی)۔لکھنؤ۔صفحات ۲۲

۱۰۴۔ مکتب نامہ (مسلمانوں اور ہندوؤں کا علم ریاضی)۔لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔صفحات ۹۱

۱۰۵۔ مفید الاجسام (طب)۔لکھنؤ۔صفحات ۸۷

۱۰۶۔ فوائد عجیبہ (مفید گھریلو کھانے)۔لکھنؤ۔صفحات ۶۵

۱۰۷۔ اسپ نامہ از سعادت یار خاں رنگین۔لکھنؤ ۱۲۶۹ھ۔صفحات ۲۲

۱۰۸۔ کھیت کرم (فنِ زراعت)۔از کالی رائے۔دہلی ۱۸۴۶ء

۱۰۹۔ معرکہ (جسمانی ورزشوں سے متعلق)۔لکھنؤ۔صفحات ۱۱۳

۱۱۰۔ کریما (سعدی) مع اردو ترجمہ۔نیز فارسی مکالمات،طوطی نامہ (اردو)۔ہوگلی ۱۸۴۴ء

* * * * *

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

اردو مطبوعات، جو اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد اس کے نجی کتاب خانہ میں محفوظ تھیں

۱۱۱۔ باغ و بہار (میرامن دہلوی)۔ مدراس ۱۸۴۰ء

۱۱۲۔ سحرالبیان (میرامن دہلوی)۔ کلکتہ ۱۸۴۹ء

۱۱۳۔ گلستاں (اردو ترجمہ) از شیر علی افسوس۔ دہلی ۱۸۴۹ء

۱۱۴۔ اخوان الصفا، (اردو ترجمہ)

۱۱۵۔ باغ و بہار (میرامن دہلوی)۔ کلکتہ ۱۸۳۶ء

۱۱۶۔ تاریخ ہند (سداسکھ لال)۔ سنۂ تالیف ۱۲۷۰ھ۔ آگرہ ۱۸۵۳ء

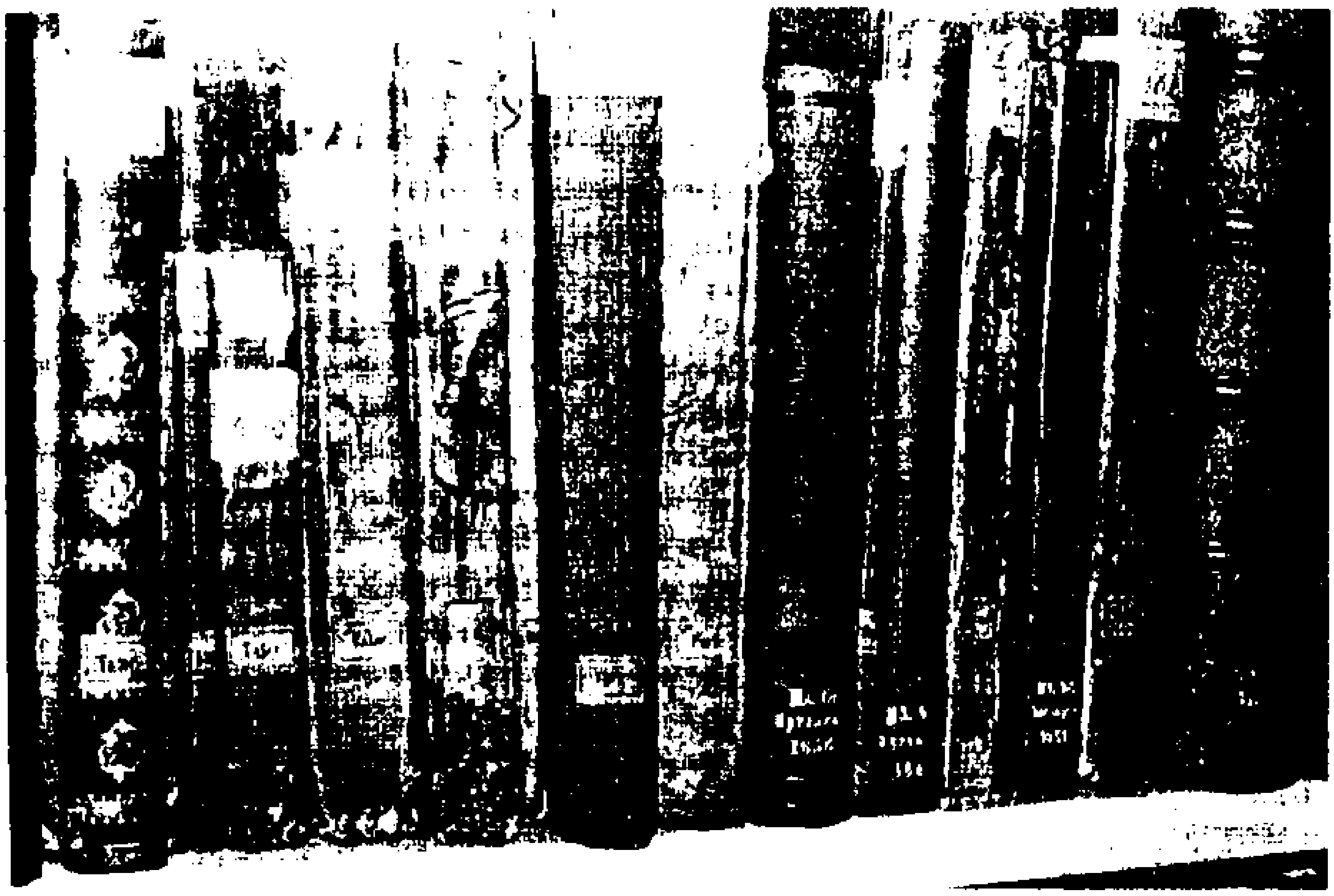
۱۱۷۔ اقلیدس (اردو) بفرمائش اشپرینگر، پرنسپل مدرسۂ عالیہ، کلکتہ ۱۸۵۲ء

۱۱۸۔ مبادیات میکانیات (اردو)۔ آگرہ ۱۸۴۴ء

۱۱۹۔ اناٹومی (مبادیات) اردو۔ از موات۔ کلکتہ ۱۸۴۸ء

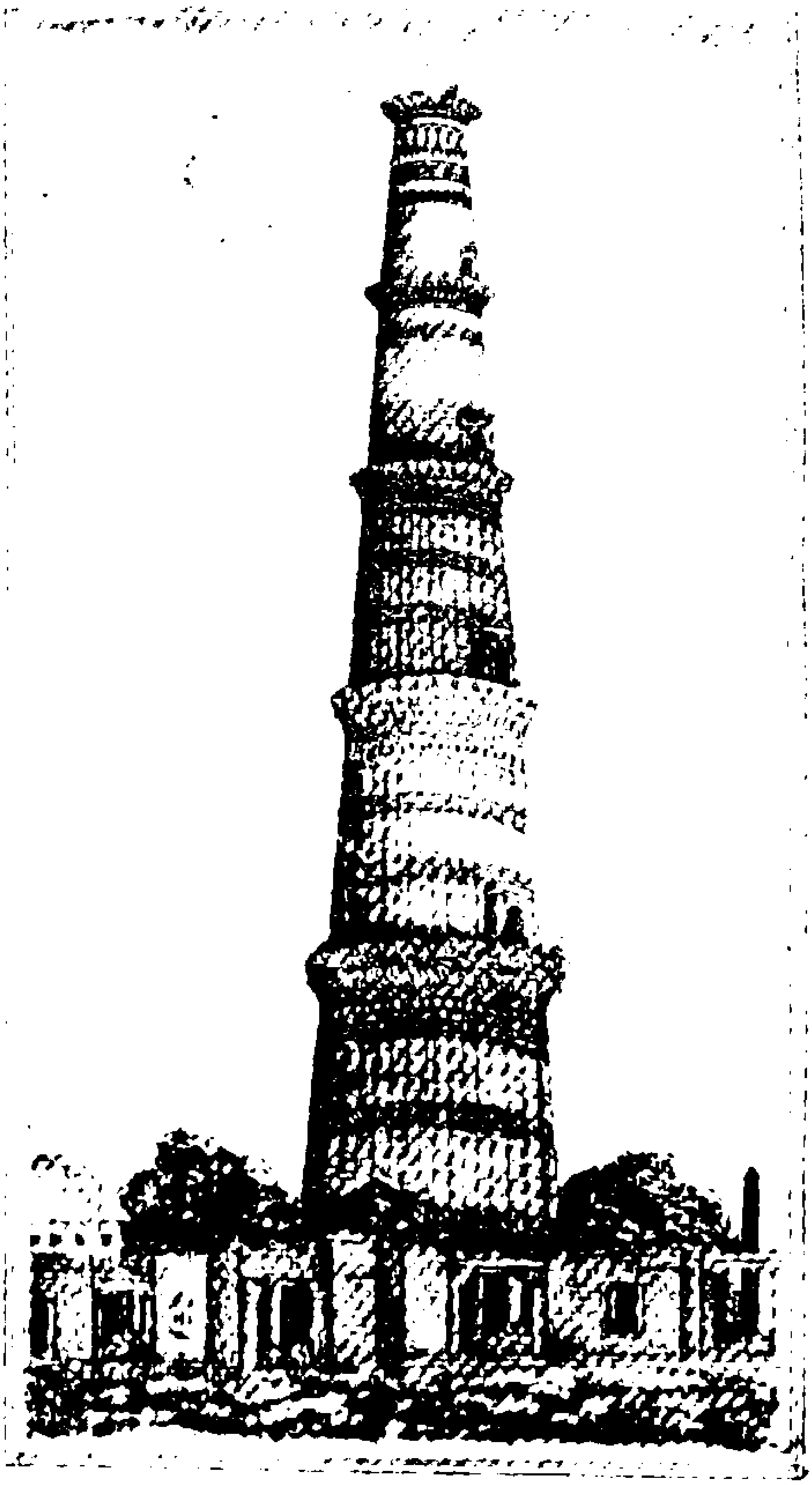
* * * * *

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



ذخیرۂ اشپرینگر (برلین، مغربی) کا ایک حصہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



قطب مینار

(سیر المنازل از سنگین بیگ، مصور قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۸۲۱ء، ذخیرہ واشنگٹن، نمبر ۲۳۳، ق ۳۰ ب)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



زینت المساجد المعروف بہ کنواری مسجد

(سیر المنازل از سنگین بیگ۔ مصور قلمی نسخہ، مکتوبہ ۱۸۲۱ء۔ ذخیرۂ اشپرینگر، نمبر ۲۳۴، ورق ۱۳۴ ب)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

[illegible]

اور سب کہ نظر ثانی کر [illegible] رنگینی مضامین بندش

اصطلاحات و استعارات رنگین اصلاح دیا اس تاریخ

فی صفحۂ دل پر جلوہ کیا ہر کس از نکتہ بہ نیکی یاد

بجہان [illegible] ہم بہ نیکی باد طرفہ یہ کہ تمام بیت میں [illegible]

تاریخ نکلا اور اسی مضمون تاریخ کا بھی برادران ایمانی سے

مترشح ہوا کہ یعنی ناظران و قاریان و سامعان رسالہ ہی یہ

[illegible]

اربل کتھا (قلمی)

(قلمی ذخیرہ واچھ پینلر نمبر ۳ ـ ۱۰۰ ق ۲۷ ب)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

واو هم پیچ نوردم دم سگ راست نشد [illegible] کو نا تیری

بیچھے کبھی [illegible] بھی بگفت بھرت کن و نیستیار واکی

[illegible] تھوکا شدن حلاوت بذارد داشتم که

تھوک شد [illegible] که [illegible] پیسا او رطنی بھرا و تھایا

[illegible] که نرم چوب را کوم میخورد

بر شتم و گفتم که ای [illegible] نیست خورد لا عزیزان [illegible]

جھی کبھو [illegible] حبلی [illegible] و لو لو [illegible]

[illegible] از برچون و عرینه بازی ای میدانی [illegible] که مارکی

بیچی [illegible] زبان دبهٔ چرغنه را میکونم که بهشت

[illegible] دم خسته و بنور برسنه دید بار [illegible]

رمدارا لقا نمود و بجامه اکتفا کرد چرا که مثل گفته اند که

لکنتی [illegible] سولا بھر [illegible]

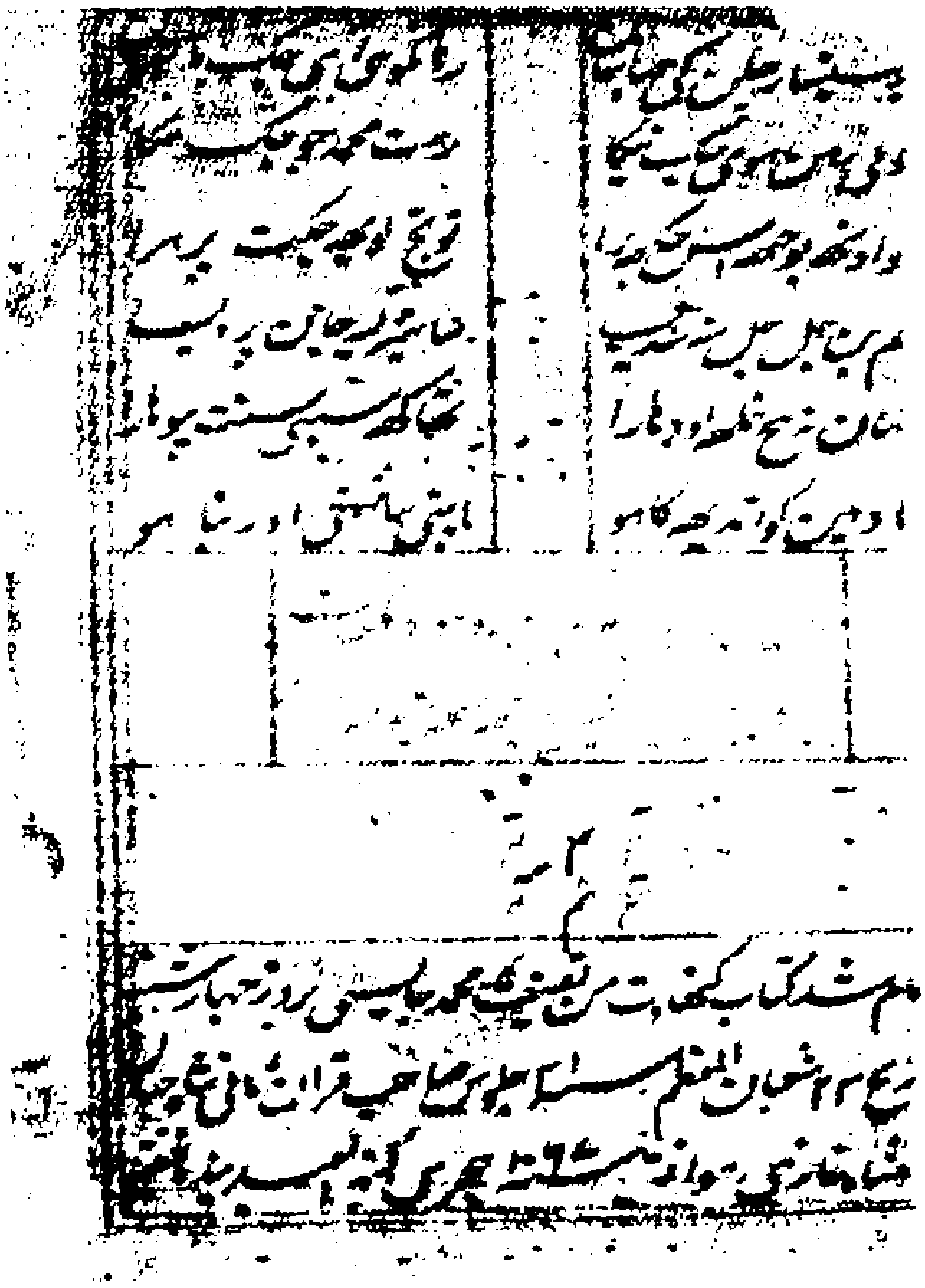
تربیب برسات نوشته بودم حضرت سلامت کھر بھرست

الوعد

کلیات جعفر زٹلی

(قلمی ذخیرہ اشپرینگر۔ نمبر ۱۷۰۳ء، ورق ۶۰ ب)

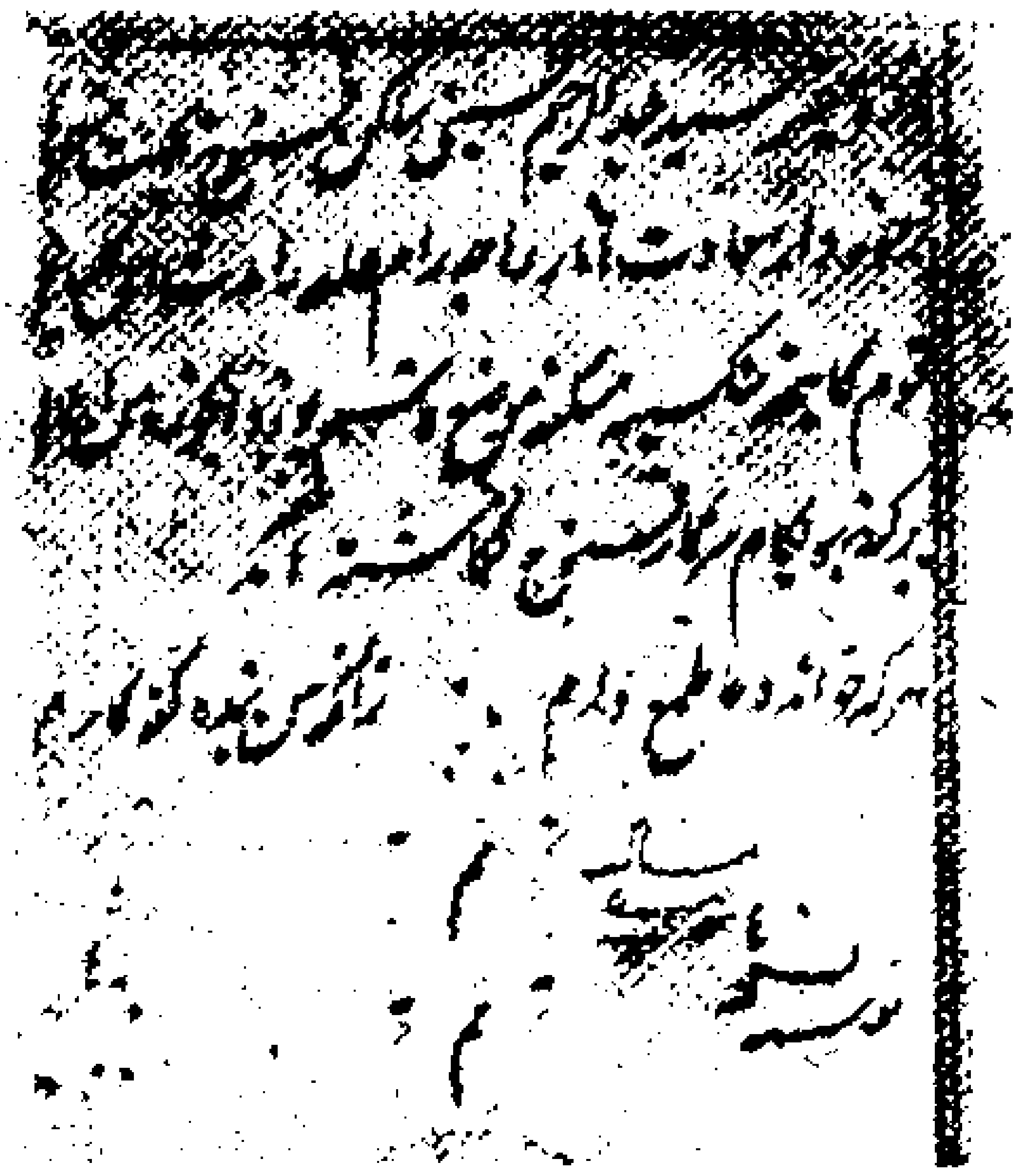
for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library



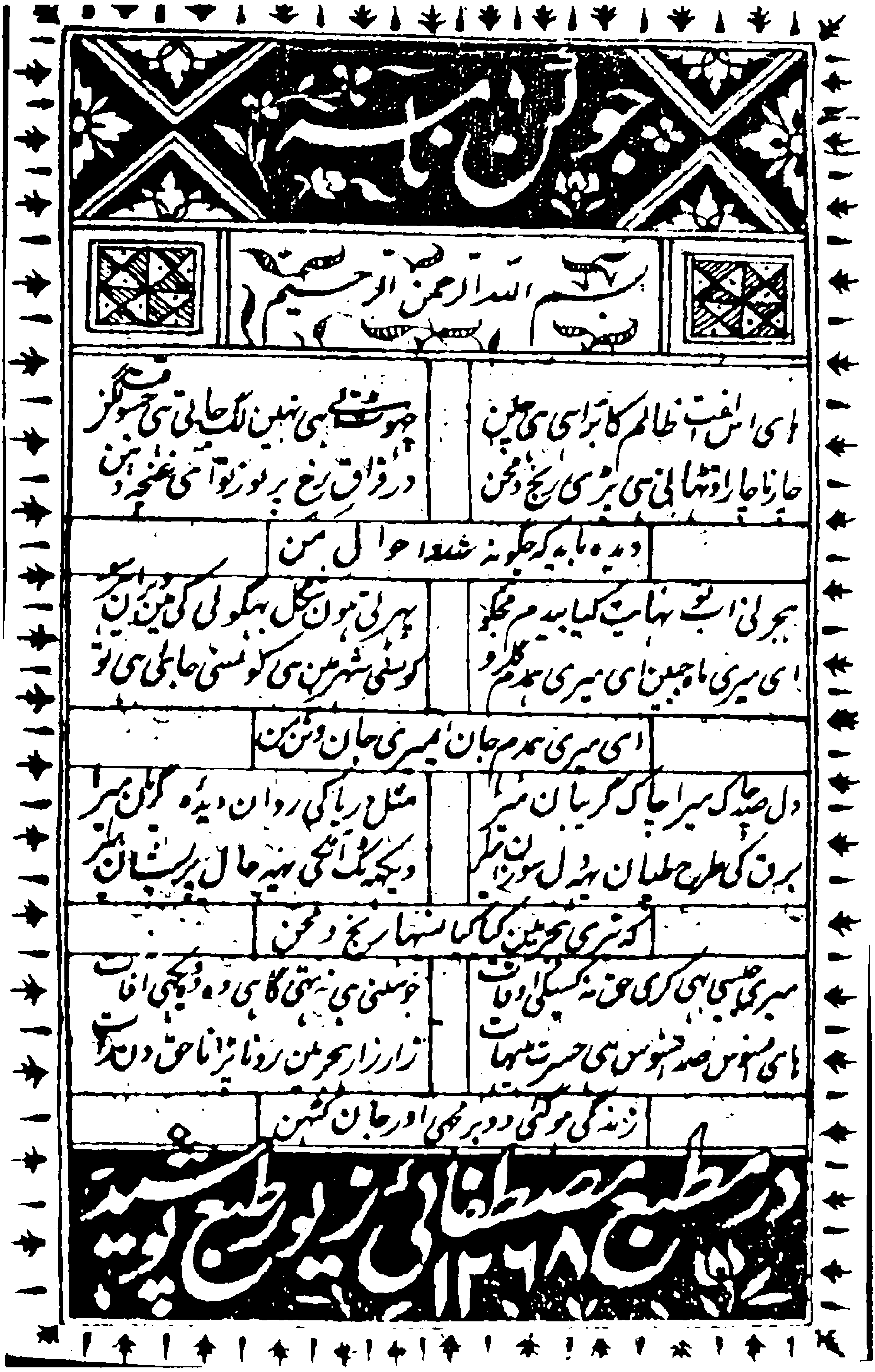
کنھاوت (محمد جائسی)

(قلمی ذخیرہ اشپرینگر۔ نمبر ۱۷۰۱، ورق ۳۲، ا و ب)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library


جوگن نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ای اسی الفت ظالم کا برا ہی چلن
جار نا جارا اوٹھانی ہی بڑی رنج و محن
چھوٹتی ہی نہیں لگ جاتی ہی جسسو تگر
در فراق رخ پر نور تو ای غنچہ دہن

دیدہ ما بہ کہ چگونہ شدہ احوال من

ہجر لی اب تو نہایت کیا بیدم مجکو
ای میری ماہ جبین ای میری ہمدم گلرو
پھرتی ہوں جنگل بجنگل لی کی مین دیدۂ تر
کونسی شہر مین ہی کونسی جا بسی ہی تو

ای میری ہمدم جان میری جان و تن من

دل صد چاک میرا چاک گریبان میرا
برق کی طرح طپان ہیہ دل سوزان ہنر
مثل دریا کی روان دیدۂ گریان میرا
دیکھ ٹک آکی یہہ حال پریشان میرا

کہ تری ہجر مین کیا کیا سہا رنج و محن

صبر کی جا ہی بہی کری ہی نہ کسیکی اوقات
ہای افسوس صد افسوس ہی حسرت ہیہات
جو سنی ہی یہہ تی کا ہی وہ دیکھی آفات
زار زار ہجر مین رونا پڑا ہی دن رات

زندگی ہو گئی دوبہر مجھی اور جان کٹھن

در مطبع مصطفائی زیور طبع پوشید
۱۲۶۸

"جوگن نامہ" (مطبوعہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) کا پہلا اور آخری صفحہ

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

کس سی مین جا کی کہون کون سنی یہ بپتا — کبھی متوالی سی پھرون کبھی سولی مون کہڑی

کبھی ہے محو تصور یہی کہتی ہون یا — سیس نیچی پا نوسی مین راہ تمہارا دون پڑی

جو قدم رنجہ کرو اور مجھی پہ دیو درشن

کبھی رو دیتی ہون آنکھون سی بہا کر دریا — کبھی گاتی ہون تیری نام کو لی لی کی بہا

کبھی سچ کہتی ہین کیا جیب کبھی چاک کیا — آرزو ہی کہ مین سو جان سی ہون تجھ پہ فدا

دیکھی ٹک آنکھ اٹھا کی تو بھی تو مر جوگن ہین

تو کہین پر ملین کہین اسی تو مری جانو — اے میری ماہ جبین اسی تو مری جان و

تجکو بھی ہو وہی یقین اسی تو مری جانو — تاب جینی کی نہین اسی تو مری جانو

ہی جدا آکی بسی مجھ پہ مصیبت یہ کٹھن

یا الٰہی کوئی بھیجا ہی نہ ہوی دلگیر — خجل اور خوار پریشان ذلیل اور حقیر

طور لی طور نظر آتی ہین مون بسکہ زبیر — حسرتا آہ حنیف لی غم یعنی یار سریر

تمت — من حزین دو غم او علی حزین در غم من — بالخیر

معود نفو در مدرس ایام هست التیام مخزن جوگن منه از تصانیف با برکات و عرفان سخن ممتاز از شاعر شیرین بیان اعلی احمد جان صاحب تصانیف مصنف مخمس جوگی نامہ متخلص بشریک اکن صاحب تا شیر ساکن مئو سواد شہر شاہجہان آباد بہ تصحیح مقالہ مصنف بہ سعی کار پردازان مطبع مصطفائی واقع الاخبار واقع دار الخلافہ شاہجہان آباد گذر کشمیری دروازہ محلہ جہت دو باہتمام ... محمد حسین خان تاریخ نہم شہر شوال

سنہ ... طبع ... گردید فقط

ORIENTALIA

Katalog der Bibliothek

aus dem Nachlass des Herrn

Prof. Dr Alois Sprenger

I. Zeitschriften und Congresse.
II. Handschriftenkataloge.
III. Allgemeines. Sprachwissenschaft. Bibliographie.
IV. Arabisch. Lexica. Chrestomathien.
V. Koran. Koran-Commentare und Bearbeitungen.
VI. Biographie Mohammeds und Hadith (Tradition).
VII. Geschichte.
VIII. Kosmographie. Geographie. Reisen.
IX. Poesie. Schöne Litteratur. Litteraturgeschichte. } Arabisch.
X. Philosophie und Theologie. Islam. } Arabisch.
XI. Grammatik. } Arabisch.
XII. Jurisprudenz. } Arabisch.
XIII. Medizin. Naturwissenschaft. } Arabisch.
XIV. Mathematik. Astronomie. Astrologie. } Arabisch.
XV. Persisch (Alt- und Neupersisch. Zend).
XVI. Hebräisch. Aramäisch. Syrisch. Assyrisch. Aethiopisch. Altes und Neues Test. Palästina.
XVII. Türkisch.
XVIII. Aegypten. Aegyptisch.
XIX. Chinesisch. Japanesisch.
XX. Indisch (Sanskrit, Hindustani, Pushtu etc.).
XXI. Bibliotheca Indica.
XXII. Griechische Schriftsteller.
XXIII. Lateinische Schriftsteller.
XXIV. Abendländisches. Varia.

1896

اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد اس کے ذاتی کتب خانے کی فہرست (۱۸۹۶ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مدرسۂ دہلی

(در: قران السعدین (دہلی) جلد ۵ نمبر ۵
بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

ظلم بزرگ...... بر طلبہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ

(در: گلشن نو بہار (فارسی)، جلد ا نمبر ا۱، بابت ۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء)

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary



Eusoof Khan the Haleem of the Blanket

یوسف خان کمبل پوش کی تصویر، جو اس کے سفر نامہ "تاریخ یوسفی" کی طبع اول (دہلی 1847ء) کی ابتدا میں شائع ہوئی۔ (مخزونہ انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز، لندن)

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

چهار ساعت مکی بعد در آورد که هرگاه که طلبه در جواب
نارضامندی خودشان گذرانیدند و خواندن کتب بندی
ناخشنودی اظهار کردند جاگیرشان موقوف کرده شد
و خط نسخ بر نامشان درکشیده پس اکنون ایشان
نوعی تعلق با مدرسه باقی نماند باید که ایشان زودتر
از مدرسه متاع و اجناس خود بیرون کشند بعد از آن
راه خود پیش گیرند این حکم در مدرسه مشتهر شد
پس طلبه [illegible] برای اخراج [illegible]
از پرنسپل [illegible] پرنسپل [illegible]
به آشفت و هیچ نگفت و آشفته و پریشان
بکاشانه باز رفت ∘ شنیدیم که پرنسپل بدین رنج
و آشفتگی که دماغش از حرارت غصه جوش
می خورد [illegible] جرم و قصور بر زمین
فرو گرفت و [illegible] خوان و سامان
نعمت حاضر میکرد [illegible] گوئی
کرد و نوکرش از ملازمت [illegible] نمود [illegible]
می آید که حضرت پرنسپل [illegible]
[illegible] حرکت [illegible]
بعد در رسیدی با [illegible]
چنانچه [illegible]
[illegible]

نمود بهر کیف میگوئیم که اهتمام مدرسه کاری ست
بس سترگ که انجام آن از این چنین مجنون
شدن دشواری تمام متصور و از اینجاست که
در عرصهٔ قلیل چنین خلل و فتور روداد ∘ بیت
دیوانه نه لایق شبانی است — مجنون نه سزای
پاسبانی است — القصه چون فردای
آن روز یکشنبه باز به مدرسه آمد برای اخراج
اجناس تاکید فرمود و به وفق خواهش طلبه
خطوط حکم نامه کونسل وانمود طلبه بدیدنش بسیار
متعجب شدند و گفتند که صاحبان کونسل بلا ادراک
و تحقیق چگونه چنین حکم شدید اجرا فرمودند بالجمله
طلبه طوعاً و کرهاً آن را قبول کردند و بر آن حکم نام
ثبت کردند پرنسپل و امین مدرسه [illegible] گفتند
اما چون ایشان از مدرسه [illegible]
باری خشم شد و نعره بر روی طلبه زد که ایشان
چه شریر اند که فرموده مرا نمی شنوند و [illegible]
[illegible] پس اکنون انواع [illegible]
و [illegible] از [illegible]
می آیم و اموال ایشان را غارت و تاراج [illegible]
این گفت و بیرون رفت ∘ طلبه باستماع این
[illegible] و الغرض [illegible]

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

مستر [illegible] شد [illegible] بار دوم [illegible] اظهار کرد و [illegible]
باستماع این واقعه عجیبه خود به تکلیف تمام بمدرسه
آمد پرنسپل را نیافت و طلبه را آسوده [illegible]
بجمعیت خاطر باشید پرنسپل را یارای آن [illegible]
که بجبر و ستم شما را از مدرسه براند تا هیچ حکم
از پیشگاه صاحبان کونسل با صادر نشود [illegible]
گفت و از آنجا برفت و پرنسپل باز آن روز
نیامد و پگاه روز دوشنبه پرنسپل [illegible]
با همراه خود آورده جمیع طلبه را [illegible]
از مدرسه [illegible] کرد [illegible] طلبه با خاطر غمگین و
دل اندوهگین [illegible] رفتند و [illegible] خود [illegible]
پیش گرفتند [illegible] شنیده می‌شود که طلبه
قطعه درخواست [illegible]
[illegible] پیش صاحبان کونسل [illegible]
شنیده‌ایم که هرگاه که طلبه از مدرسه بیرون
آمدند عبدالحی و عبدالرحیم طالب [illegible] از
[illegible] شرارت ذاتی و خباثت طینی
[illegible] موافقت با همسران خود دادند و طرح
مصالحت و آشتی با پرنسپل افکندند
یکی خود را [illegible] پرنسپل و دیگری
خود را [illegible]

[illegible] است و از اهمیت [illegible]
ماندند * [illegible] نادانسته [illegible] است
[illegible] تحریک شد آنچه
باید دید که از پرده غیب بحکم حاکم لاریب
چه بظهور رسد * اکنون ما میگوییم که صاحبان
نصفت و عدالت توامان کونسل را باید که
در این باب بوجه اکمل تدارک و تحقیق نمایند
نگاه بدارند که [illegible] که چنین فعل بسیار دور
انتظامی بیشمار [illegible] اجرای مدرسه [illegible]
[illegible] مطابق پیدا شده در زمان
[illegible] بظهور رسیده و پرنسپل
[illegible] چنین است [illegible] بسته
[illegible] آنچه [illegible] بظهور شده اگر [illegible] استیعاب
[illegible] دفتری باید لیکن [illegible]
[illegible] که [illegible] پرنسپل مدرسه [illegible]
علوم عربیه و [illegible] فنون غربیه باید که تدبیر انتظام
[illegible] آن را [illegible] و [illegible] اکثر [illegible]
علوم [illegible] فنون مروجه این مدرسه [illegible]
[illegible] فارسی [illegible]
[illegible] می‌کند [illegible]
[illegible]

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Travels in Europe
by
Yoosoof Khan
Kummulposh
1847

سفر یوسف خان کمل پوش کا ملک
انگلستان مین

باہتمام پنڈت دہرم نراین کے مطبع العلوم مدرسہ دہلی مین چھپے

سنہ ۱۸۴۷ع

قیمت

سے عہ

"تاریخ یوسفی" (طبع اول) کا ابتدائی صفحہ

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

but to fulfil educational and cultural goals." (Muḥammad Mujeeb). "This College has been proudly nurturing the department of Urdu and Persian languages and studies on European countries were made through the classical languages." (Prof. M. Ḥabīb) "Delhi College is a golden page of the history of Urdu language and literature." (Prof. Al-e Ahmad Sarur).

* * * * *

The present book entitled *Old Dehli College, a non-religious educational institution of the nineteenth century*, consists of the following two parts:

PART I

Printed text of Urdu letters, written by the teachers and students of Delhi College to Dr. Aloys Sprenger (1813-1893), a distinguished Austrian orientalist, during the period of his principalship (1845-1847) and afterwards (upto 1856). All this rare epistolary material is now housed in the National Library of Berlin (Nachlaß Sprenger). All these letters have been appended with copious notes and extensive annotations in order to elucidate the context of the letters.

PART II

(Photographs and Photomechanical Reproductions)

i Delhi College (Photographs, mostly with the courtesy of Dr. Ebba Koch, journals, attendance register of 1847).

ii Original text of the included Urdu letters.

iii Selected Persian letters written to A. Sprenger.

iv Receipts of the mss., bought by A. Sprenger.

v Arabic, Persian and Urdu poems in praise of A. Sprenger.

vi Addressee (e.g. A. Sprenger)–Photographs, publications, list of Urdu mss. and books, Urdu translation of A. Sprenger's German letters, sent from India to his mother and brother.

A few Urdu mss. and books of Sprenger Collection, preserved in Berlin West).

viii Delhi College (as reported in *Qiran us Sa'dayn*, dated 12 February [illegible]).

ix Disturbance in Calcutta Madrasah (as reported in a Persian newspaper, *Gulshan-i Nau Bahar*, 12 April 1851).

Lahore

M. Ikram Chaghatai

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

had not studied in Delhi College, I would have been a Mawlawī, narrow and bigoted."

vii) From the very beginning, this College was dominated by the teachers, especially in the Oriental Department, who were staunch followers of Shah Walī Ullah's (1703-62) religious thought. In a report of Jan. 1824, the name of Shah 'Abdul 'Azīz (1746-1824), the eldest son of Shah Walī Ullah, was recommended for the post of head teacher. Some of his renowned pupils, like Maulawī Rashīd-ud-Dīn Khan and Mawlawī Mamlūk al-'Alī Nanautawī served this institution and inculcated the spirit of Shah Walī Ullah's teachings among their students.

viii) Before 1857, most of its heads and principals were out of British extraction. The first head master J. H. Taylor was an "East Indian", as he was born in India of a native woman. Félix Boutros (d. 1864), the first principal, was a Frenchman. The second principal Dr. Aloys Sprenger, was an Austrian who rendered meritorious services for the promotion of Oriental learning and introduced drastic changes in the curriculum of this institution.

ix) Under the pressure of its donor's close influential relatives the first Shī'a teacher was appointed and a separate class for Shī'a students started. This was the first instance of its kind in this Subcontinent.

x) After 1857, Delhi College was closed down and its entire staff was loaned to the Government College, Lahore (f. 1864), to make it the best educational institution in the Punjab. Furthermore, men like Muḥammad Ḥusain Āzād, Mawlawī Na<u>dh</u>īr Aḥmad and Mawlawī Karīm ud-Dīn Pānīpatī were among its pupils who played a fundamental rôle in the educational, intellectual and literary awakening of this part of the Subcontinent.

No doubt, this College "was not an institution but a movement. It has taught us to follow the new values of Modern Age. It has kindled our hearts with the spark of freedom and it has created an atmosphere of mutual co-operation and harmony" (Dr. Zakir Husain)." "The objective of Delhi College was not only to produce government employees with a knowledge of the English language,

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

even after the Partition (1947), followed them. In this respect, the Society made a pioneering effort to standardize scientific terms in Urdu.

iii) The Delhi College's chief innovation was that all subjects, Oriental as well as Western, were taught in the vernacular, Urdu. This required collaboration between the European administrators and the local teachers and students at the College to translate and publish texts on scientific, social and literary subjects.

iv) The Delhi College established its own press (Maṭba' al-'Ulūm) that published not only textbooks, but periodicals which introduced new ideas and style of writing in the early period of Urdu journalism. These journals contained articles about contemporary developments in science and technology, international events, and serialized translations of popular works of literature and biography.

v) According to Prof. Gail Minault (Austin University) "One of the great accomplishments of Delhi College was its contribution to Urdu, its sponsorship of translations, and the writings and publications of its teachers and students, Delhi College made available of literature and texts in disciplines that had never before appeared in Urdu.... Delhi College was thus an institution that mediated between Eastern and Western culture...and did so in the vernacular contributing to an Urdu-speaking and reading élite in North India, composed of individuals of all religious persuasions."

vi) This College was a site of promoting the encounter between the Oriental and Western knowledge. Under the auspices of Dr. A. Sprenger, a special journal was published, aimed at fostering the process of mediation between these two cultures and mentalities. This concept of bridging East and West embarked upon changes in the traditional academic curriculum and created a climate, for promoting liberal thought and the rational spirit...For its alumni the College remained 'a house of pleasant memories in the far distant past, and retained its liberal, scientific and humanistic spirit.' Mawlawi Nadhir Ahmad (d. 1912), a student of this college and a renowned scholar, whole heartedly confessed that "If I

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

Prologue

The Delhi College (built upon the foundation of *madrasah* of Ghāzī ud-Dīn (1792), came under the control of the Committee for Public Instruction (1825) and since 1975 named Zākir Ḥusain College, outside Ajmerī Gate, Delhi) was the first non-religious educational institution of the Indian Subcontinent which has played a vital rôle all through its chequered history of more than two hundred years. Its rapid growth and progress seems to be intertwined within the annals of Indian history and education. C. F. Andrews celebrated this college as the cause and symbol of the 'Delhi Renaissance' and many eminent scholars have echoed him, taking the characterization as the compliment Andrews intended it to be.

The salient features of this College are as follows:

i) In 1828, a 'new road' of English education was opened at Delhi College, aimed at introducing a new course of study in English language, literature and science. Prior to Lord Macaulay's Minute (1835), this new English Department created a space where ambitious native students, mostly Hindus, flocked to it and their primary incentive was to get a government job. On the contrary, the Muslims, in general, turned their noses up at a English language education and their attitude led them astray, as indicated in the contemporary reports of the Committee of Public Instruction.

ii) In 1843, a new society–called the Society for the Diffusion of 'Useful Knowledge' (a term afterwards adopted by the Anjuman-i Punjab, Lahore, 1865) and Sir Sayyid Ahmad Khan's Scientific Society, Ghazipur, 1864), was established to accelerate the pace of translation work. Its main object was to translate scientific and scholarly English books into Urdu so that the Muslims and Hindus became acquainted with the Western sciences and literature. The basic principles chalked out for the translation and the terminology, were so comprehensive that several such institutions or societies,

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library

for More Books Click This Link
https://www.facebook.com/MadniLibrary

قدیم دہلی کالج اور محمد اکرام چغتائی

کتب (اردو/انگریزی):

۱۔ محمد حسین آزاد (نئے دریافت شدہ پنشن ریکارڈ کی روشنی میں)۔لاہور: سنگ میل ۲۰۰۶ء
۲۔ فہرست مخطوطات ذخیرۂ آزاد (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)۔عربی، فارسی، اردو۔(بہ اشتراک)۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء
۳۔ فہرست مطبوعات ذخیرۂ آزاد (ایضاً)۔عربی، فارسی، اردو، پنجابی۔لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء
۴۔ آزاد اور خانوادۂ آزاد۔لاہور: کواپرا، ۲۰۱۰ء
۵۔ مطالعۂ آزاد (مجموعۂ مضامین)۔لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء
۶۔ محمد حسین آزاد (تلامذہ اور معاصرین کی نظر میں)۔لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۱ء
۷۔ محمد حسین آزاد اور تحقیق وتنقید کا دبستانِ لاہور۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء
۸۔ تاریخ یوسفی المعروف بہ عجائبات فرنگ از یوسف خاں کمبل پوش۔ مطبع العلوم، دہلی کالج۔۱۸۴۷ء (طبع نو، ترتیب وتدوین)۔لاہور: سنگ میل ۲۰۰۴ء
۹۔ مولوی نذیر احمد، احوال وآثار۔۲۰۱۲ء (صد سالہ برسی کے موقع پر)

10. Muhammad Husain Azad, a reputed littératéur. Lahore: Co-opera, 2011
11. Deputy Nazir Ahmad (a biographical and critical appreciation) Lahore: Co-opera, 2012

مقالات (اردو/انگریزی/جرمن):

۱۔ تاریخ یوسفی/سفرنامہ یوسف خاں کمبل پوش (در: معاصر (لاہور)، ۱۹۹۹ء)
۲۔ غالب اور ان کے معاصرین (بحوالہ "قران السعدین"۔در: ایضاً، ۲۰۰۱ء)
۳۔ قران السعدین، دہلی کالج کا ایک علمی وادبی مجلّہ (در: سویرا (لاہور)، ۲۰۰۳ء)
۴۔ سیر المنازل از مرزا سنگین بیگ (مصور نسخہ در ذخیرۂ اشپرینگر، برلین)۔(بازیافت (لاہور)، ۲۰۰۹ء)

5. Dr. Aloys Sprenger and the Delhi College. (*The Delhi College*, ed. M. Pernau. New Delhi: OUP, 2006)
6. Dr. Aloys Sprenger (1813-93): His Life and Contribution to Urdu language and literature. (*Iqbal Review*, 36/i, 1995)
7. Félix Boutros (d. 1864), the first Principal of the Delhi College (Paper read at Collège de France, Paris, 2001. In print)
8. Master Ramchandra's unpublished letters written to Aug. de Morgan, 1806-1871. (In print)
9. Nawwab Hamid 'Ali Khan and the Delhi College. (In print)
10. Dr. Aloys Sprenger: Sein Beitrag auf dem Gebiet der Urdu Sprache und Literatur (Paper presented on the occasion of Death Anniversary of Sprenger in Innsbruck, Austria; Dec. 1993)

قیمت......۱۴۰۰ روپے
=/44 امریکن ڈالر

اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور
35-رائل پارک، لاہور فون: 6363009

for More Books Click This Link
https://archive.org/details/@madni_library